



پنجابی شاعروں کا

جدید تذکرہ

مرتب

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر

جناب!

دی خدمت وچ نگھے خلوص نال

آصف ریاضِ قدیر

ڈاکٹر آصف ریاضِ قدیر

مورخہ:

پنجابی شاعروں

کا

جدید تذکرہ

مرتب

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر

“PUNJABI SHAAIRON KA JADID TAZKIRA”

Compiled by
Dr. Asaf Riaz-i-Qadeer
Houston-Texas-United States of America

ISBN No. _____

A COLLECTION OF PUNJABI POETRY

جملہ حقوق محفوظ

پنجابی شاعروں کا جدید تذکرہ	:	نام کتاب
ڈاکٹر آصف ریاض قدیر	:	مرتب
مارچ 2016ء (ایک ہزار)	:	اشاعت
منزل پرنٹرز، اسلام آباد	:	مطبع
سات سو روپے	:	قیمت
50 ڈالر	:	قیمت بیرون ملک

انتساب

ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب

(ستارہ خدمت)

ڈاکٹر کرنل الہی بخش صاحب

(ستارہ قائد اعظم)

جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

(شاہ فیصل انٹرنیشنل ایوارڈ)

جناب صوفی غلام مصطفیٰ تبسم

(ستارہ امتیاز)

اور

ڈاکٹر انعام الحق جاوید صاحب

(پرائڈ آف پرفارمنس)

کے نام

ملاقات

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر	:	نام
ڈاکٹر ریاض قدیر	:	والد کا نام
15 فروری 1945، امرتسر (انڈیا)	:	پیدائش
ایف ایس سی، گورنمنٹ کالج لاہور، 1964	☆	تعلیم:
ایم بی بی ایس، کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج، لاہور، 1969	☆	
ایم سی پی ایس سرجری - پاکستان - 1973ء	☆	

- President : مصروفیات
Doctor's Hospital, Tidwell
Houston-Texas
- Chief of Staff
Triumph Hospital North Houston - Texas
- Ex-Fellow Cardiovascular Surgery
Baylor College of Medicine, Houston - Texas
- Senior Registrar
Cardiovascular and General Surgery
MAYO Hospital (for ten years)
- Physician of the Year, Texas – 2005 اعزازات:
- Ronald Reagon Gold Medal, 2005

موجودہ پتہ

Triumph Medical Plaza
North Freeway, Suite No. 111 7333
Houston - Texas 77076, United States of America.
E-mail: drasaf@aol.com
Web: www.qfamilycare.com

۶۳۴ صفحات کی اس کتاب میں پنجابی کے ۳۴۰ قدیم اور جدید شعر اکا نمائندہ کلام پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ آخر میں بھارتی، بولیاں، پنجابی محاورے، ضرب الامثال، لوک کہانیاں اور لوک گیت کے علاوہ ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، سسی پنوں، مرزا صاحبان، سیف الملوک اور پورن بھگت جیسی معروف منظوم رومانی داستانوں کا نثری خلاصہ بھی شامل ہے۔

فہرست

1. پیش لفظ ڈاکٹر انعام الحق جاوید 21
2. عرض مرتب ڈاکٹر آصف ریاض قدیر 22
3. پنجابی زبان اور اس کا شعری سرمایہ: ایک اجمالی جائزہ .. ڈاکٹر آصف ریاض قدیر 27
4. بابا فریدؒ 43
5. گردنانک 50
6. گردانگد 51
7. گرو امر داس 52
8. نوشہ گنج بخش 53
9. گرو ارجن دیو 54
10. شاہ حسین 55
11. سلطان باہو 60
12. عبداللہ عبدی 64
13. جھلمن جٹ 65
14. پیلو 66
15. حافظ برخوردار 69
16. ستھراشاہ 71
17. بھائی گورداس 72
18. بہاری لال بہاری 73
19. شاہ ظریف 74
20. سید غلام قادر شاہ 74
21. احمد کوی 75
22. علی حیدر ملتانی 77
23. مولوی جان محمد گداز 81

82.....	احمد یار خان	.24
83.....	قطب الدین	.25
84.....	خواجہ فرد فقیر	.26
85.....	فقیر قادری	.27
86.....	سچل سرمست	.28
89.....	بلھے شاہ	.29
96.....	نجابت	.30
98.....	حافظ شاہجہان مقل	.31
99.....	وجید خان	.32
101.....	میاں جان محمد	.33
102.....	سندرداس آرام	.34
102.....	مضدی کانا	.35
103.....	سید وارث شاہ	.36
108.....	شاہ مراد خان پوری	.37
109.....	ہاشم شاہ	.38
113.....	شاہ محمد	.39
116.....	حامد شاہ عباسی	.40
118.....	مولوی لطف علی	.41
120.....	میاں کریم بخش	.42
121.....	عبداللہ عبدی قیصر شاہی	.43
122.....	برداپشاوری	.44
125.....	میاں محمد بخش	.45
132.....	مولوی عبدالستار	.46
135.....	سائیں مولا شاہ مجیٹھوی	.47
146.....	احمد علی سائیں	.48
147.....	میاں ہدایت اللہ	.49

150	خواجہ غلام فرید	.50
153	محمد بوٹا گجراتی	.51
154	قادر بخش	.52
157	حافظ شمس الدین	.53
158	پنڈت کالی داس	.54
162	فضل شاہ نواں کوٹی	.55
165	غلام رسول	.56
166	مولوی محمد حسین	.57
166	گنگارام	.58
167	مولوی غلام رسول عالمپوری	.59
173	میاں راجہ	.60
174	بابو کرم امرتسری	.61
176	محمد اسماعیل سفری	.62
178	پیر مہر علی شاہ	.63
179	سید میراں شاہ	.64
180	رجیم یار	.65
181	سر شہاب الدین	.66
183	استاد گاموں خان	.67
184	خلیفہ قمر لاهوری	.68
185	پیر نیک عالم	.69
186	پیراں دتہ ترگڑ والا	.70
187	استاد گام	.71
188	اللہ دین شیفہ	.72
189	سردار خان برق	.73
190	شکر داس شکر	.74
191	لاہور سنگھ لاهوری	.75

191.....	گوراں مشر	.76
192.....	حافظ محمد بخش	.77
193.....	امام دین منشی	.78
194.....	اُستاد عشق لہر	.79
196.....	تارا چند گجراتی	.80
198.....	بھائی ویر سنگھ جی	.81
199.....	استاد مولا بخش	.82
200.....	متھرا سنگھ شفیق	.83
201.....	تیجا سنگھ صابر	.84
203.....	میاں کریم اللہ عاشق	.85
204.....	پیر محمد	.86
205.....	شاہ دین	.87
206.....	فیروز الدین دلگیر	.88
207.....	محمد الدین سوختہ	.89
208.....	سائیں محمد حیات امرتسری	.90
209.....	دھنی رام چاٹرک	.91
210.....	عبدالقادر دانشمند	.92
210.....	گوری ناتھ	.93
211.....	امیر علی	.94
212.....	ملکھی رام ملکھی	.95
213.....	سوبھارام شرف	.96
214.....	مراد بخش مراد	.97
215.....	حاجی محمد صفوری	.98
218.....	پنڈت دولت رام	.99
220.....	بانکے دیال	.100
221.....	بھگوان داس المست	.101

223	عزیز خاں شرم	102
224	گیانی ہیر سنگھ درد	103
225	عبدالرحیم عاجز	104
226	ایشر سنگھ ایشر	105
227	ایشر داس غالی	106
228	چراغ دین جو نیکی والے	107
231	گیانی گورکھ سنگھ مسافر	108
232	امر تاپر تپم	109
234	نشی لطیف گجراتی	110
236	مولانا بخش کشتہ	111
237	استاد رمضان ہدم	112
240	پیر فضل گجراتی	113
244	صوفی غلام مصطفی تبسم	114
249	ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ	115
253	ڈاکٹر فقیر محمد فقیر	116
254	گیانی کرتار سنگھ	117
255	فیروز دین شرف	118
257	فیروز سائیں	119
258	درشن سنگھ آوارہ	120
262	حاجی محمد عالم	121
265	باقی صدیقی	122
267	استاد دامن	123
269	استاد امام دین گجراتی	124
270	شریف سنجاہی	125
272	ڈاکٹر شوکت علی قمر	126
273	بابا عالم سیاہ پوش	127

274	احمد راہی	.128
276	منیر نیازی	.129
280	استاد آغا محمد جوش	.130
281	عطاء الحق قاسمی	.131
282	ڈاکٹر رشید انور	.132
286	اکبر لاہوری	.133
287	حکیم شیر محمد ناصر	.134
296	شہزاد احمد	.135
297	فخر زمان	.136
299	سلیم الرحمن	.137
299	سلیم کاشر	.138
300	محمود شام	.139
301	عارف عبدالستین	.140
302	ٹارناسک	.141
303	شفیع عقیل	.142
304	جشید مسرور	.143
305	باقروسیم قاضی	.144
306	بوٹا خان راجس	.145
308	رندھیر سنگھ	.146
309	ڈاکٹر ناہید شاہد	.147
310	رونڈر روی	.148
313	چودھری بڈھاسافر	.149
314	منوبھائی	.150
317	غلام یعقوب انور	.151
319	طالب جتوئی	.152
320	طارق عزیز	.153

321	رؤف شیخ	154
323	ڈاکٹر انور سجاد	155
324	ڈاکٹر امان اللہ خان	156
327	اقبال صلاح الدین	157
328	افضل احسن رندھاوا	158
329	عمیر ابو ذری	159
336	ڈاکٹر یونس احقر	160
338	ڈاکٹر انعام الحق جاوید	161
343	ریاض احمد شاد	162
344	اسیر عابد	163
345	حکیم تائب رضوی	164
346	اعزاز احمد آذر	165
347	افتخار نسیم افتی	166
348	اکرام مجید	167
349	الطاف قریشی	168
350	خلیل آتش	169
352	صابر رضا	170
353	نذیر قیصر	171
354	ڈاکٹر صغرا صدق	172
355	انوار فیروز	173
356	بریگیڈر (ر) صفدر علی شاہ	174
357	طفیل خلش	175
358	منظور وزیر آبادی	176
359	ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد	177
360	منیر احمد شیخ	178
361	ڈاکٹر نعیم کوہلی	179

362	ڈاکٹر نوید شہزاد	180
363	نسرین انجم بھٹی	181
364	طارق گوجر	182
366	وامان نمبالکر	183
367	ملک ایم زمر	184
368	رنجیت سنگھ رانا	185
375	فیاض قریشی	186
376	دیپورا	187
377	علی احمد قمر	188
378	اعجاز حسین بھٹی	189
380	منظور عارف	190
381	ممتاز حسین اعوان تاجپوری	191
382	مشتاق صوفی	192
383	ملک مشتاق عاجز	193
383	محمد علی ظہوری	194
384	کرئل محمد الیاس	195
385	فرحت عباس شاہ	196
386	ڈاکٹر عنایت اللہ	197
387	ڈاکٹر محسن گھیانہ	198
388	عمران سلیم	199
389	پونس اعجاز	200
389	اصغر عابد	201
391	ڈاکٹر رزاق شاہد	202
391	عاطف غفور عاطف	203
395	صائم چشتی	204
396	شہزاد فراموش	205

397	جانباز جتوئی	206
400	زاهد فخری	207
400	شوکت علی ناز	208
401	تکلیب وجدانی	209
401	شائق حسین شائق	210
402	محمد سلیم طاہر	211
404	اکبر حمیدی	212
405	اقبال زخمی	213
406	افضل ساحر	214
407	منیر شاد	215
408	انضال فردوس	216
409	نذیر چودھری	217
410	اعظم چشتی	218
411	سلیم احمد سلیم	219
412	اسلم کولسری	220
413	سعد اللہ شاہ	221
414	سلطان سکون	222
415	ڈاکٹر سعید اقبال سعدی	223
416	سلیم دلاوری	224
417	سرفراز علی حسین	225
417	سجاد مرزا	226
418	سائیں اختر	227
420	لیاقت گڈگور	228
421	زاهد نواز	229
422	ڈاکٹر ریاض مجید	230
424	رانی ملک	231

425 حکیم راغب مراد آبادی	.232
426 دلپذیر شاد	.233
427 خاقان حیدر غازی	.234
429 گلریز شوکت	.235
430 ڈاکٹر اظہر محمود چودھری	.236
431237
432 خادم چشتی	.238
433 حنیف ساقی	.239
435 چنچل سنگھ بابک	.240
436 چاچا جگ	.241
437 حزیں قادری	.242
438 جلیل عالی	.243
439 جعفر شیرازی	.244
440 ڈاکٹر بدر منیر الدین	.245
441 بابا محمد طفیل اختر	.246
442 بابا خوشی محمد ثار	.247
447 مبارک احمد	.248
449 انجم خلیق	.249
450 محمد امین طرب احمد صدیقی	.250
450 امجد حمید محسن	.251
451 امتیاز بخاری	.252
452 استاد اللہ دتہ صابر	.253
453 محمد اقبال صبر	.254
453 ارشد اقبال ارشد	.255
454 ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد	.256
456 احمد دین قادری	.257

456	آغا نثار	258
457	آصف علی علوی	259
457	آصف شفیع	260
457	آصف آسی	261
458	خورشید مستانہ	262
459	شبیر اختر	263
460	امر جیت چندن	264
461	صوفی محمد اسلم	265
462	مسافر لودھی	266
465	سلیم اختر	267
467	نضر حیات محسن	268
467	مظہر شیراز	269
468	عبداللہ شاکر	270
472	انور مسعود	271
479	عاصی واصفی	272
480	اعجاز احمد اعجاز	273
482	ڈاکٹر امجد علی بھٹی	274
485	طاہر محمود	275
486	ظفر اقبال	276
486	امین خیال	277
486	سانی گجراتی	278
487	رانا خالد محمود	279
488	بابا نجی	280
489	اقبال راحت	281
490	نجم حسین سید	282
492	واصف علی واصف	283

493	شارب	284
494	احسان باجوہ	285
495	سلمان سعید	286
496	ڈاکٹر احسان اکبر	287
498	ڈاکٹر راشد حسن رانا	288
499	حسین شاہد	289
500	ساجن بابو	290
502	افضل شاہد	291
502	فضل الہی بہار	292
503	بیراجی	293
504	شہزاد قیصر	294
505	احمد سلیم	295
506	ڈاکٹر عادل صدیقی	296
507	ہمراز احسن	297
508	اشولال	298
509	بشیر بادا	299
510	انور انیق	300
511	محمد عالم سوزی	301
513	ڈاکٹر محمد افضل شاہد	302
514	عبدالقدیر رشک	303
515	سارا انگفتہ	304
517	جگتار	305
518	مرزا عزیز فیضانی دارا پوری	306
520	شائستہ حبیب	307
520	نیلماسرور	308
521	ارشاد چہال	309

522	بشری اعجاز	310
522	ڈاکٹر سعیدہ رشم	311
523	کاجل کانپوری	312
523	انجم سلیمی	313
524	تنویر سپرا	314
524	اختر شیخ	315
525	ظہور حسین ظہور	316
526	اقبال قصیر	317
527	حفیظ تائب	318
527	ڈاکٹر لیتق بابری	319
528	سنتو کھ سنگھ سنتو کھ	320
530	بشیر حسین ناظم	321
531	منجیت ٹوانہ	322
532	نعمانہ کنول شیخ	323
533	راقب قصوری	324
534	منزہ شاہد	325
535	اصغر شامی	326
538	افضل راز	327
540	تجمل کلیم	328
541	اسلم ساگر	329
542	مخدوم احسان قریشی	330
543	جوگی جہلی	331
545	ظفر نجمی	332
550	ڈاکٹر سید اختر جعفری	333
551	پدی چند	334
552	ناور درانی نادر	335

552.....	میاں افتخار احمد خاسر	336
553.....	شیخ مقبول احمد عابد	337
556.....	راحیلہ رباب	338
558.....	گل بادشاہ نسیم	339
558.....	ریاض حسین ارم	340

پینکل شاعری

565.....	بجھارتیں	341
566.....	بولیاں	342
569.....	محاورے	343
575.....	ضرب الامثال	344
582.....	لوک کہانی (چڑیا اور کوا)	345
593.....	لوک گیت	346

داستانیں

596.....	ہیر رانجھا	347
600.....	سوہنی مہینوال	348
605.....	سستی پتوں	349
611.....	مرزا صاحبان	350
614.....	سیف الملوک	351
622.....	پورن بھگت	352



پیش لفظ

عرض مرتب

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر

موجودہ کتاب میری چھٹی کتاب ہے۔ پہلی پانچوں کتابیں اردو ادب سے متعلق تھیں جب کہ اس کتاب کا تعلق میری ماں بولی یعنی پنجابی سے ہے۔ پنجابی ادب سے میرا شروع سے ہی گہرا تعلق رہا ہے اور وارث شاہ، بلھے شاہ، سلطان باہو، میاں محمد بخش اور دیگر کلاسیکی شعرا کو پڑھتے ہوئے اب بھی مجھ پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ بچپن سے ہی ادب سے اس خصوصی رغبت کی اصل وجہ میری والدہ محترمہ پروفیسر انور ریاض قدیر کی تربیت ہے جو انگلش لٹریچر کی پروفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ ادب کا اعلیٰ ذوق رکھتی ہیں اور جنہوں نے میرے اس شوق کو مہمیز کیا۔

مجھ میں جو بھی ذرا اجالا ہے

وہ مری ماں کا ہی حوالہ ہے

بہت عرصے سے میرا خیال تھا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کروں جس میں تمام اہم شعرا کا اہم کلام ایک جگہ پیش کیا گیا ہو تا کہ قارئین بہت سی کتابیں پڑھنے کی بجائے ایک ہی کتاب کے ذریعے پنجابی کے بہت سے شعرا کے کلام تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اس سلسلے میں قبل ازیں جو انتخابات مرتب ہوئے ہیں میں نے ان کا بھی بنظر غائر مطالعہ کیا اور محسوس کیا کہ ہر کتاب ایک خاص مقصدیت کے تحت لکھی گئی جس کے مطابق اس کے دائرہ کار کی تحدید کی گئی۔ مثلاً اگر غزل کا انتخاب ہے تو نظم گو شاعر اس میں شامل نہیں ہو سکتے۔ نظم کے انتخاب میں غزل شامل نہیں ہو سکتی اور اگر جدید شاعری کا انتخاب ہے تو اس میں قدیم شعرا شامل نہیں ہو سکتے۔ علاوہ ازیں ایسے انتخاب میں ضخامت کو مد نظر رکھتے ہوئے مرتب کو پبلشر کی خواہش کا بھی لازماً احترام کرنا پڑتا ہے جس کے نتیجے میں قیمت کے پیش نظر کتاب کی ضخامت کو کنٹرول کرتے ہوئے شعرا کی تعداد بھی محدود رکھنا پڑتی ہے۔ پھر انتخاب کے مسائل میں سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ سارا دستیاب کلام انتخاب نہیں ہوتا بلکہ انتخاب کے لیے ہر شاعر کے کلام میں سے اپنے مزاج کے مطابق بہترین

تخلیقات کو الگ کرنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں میرے نزدیک مولانا بخش کشتہ کی کتاب ”پنجابی شاعراں دا تذکرہ“ ایک اہم کتاب ہے جس کی افادیت ابھی تک قائم ہے مگر اسے مرتب ہوئے برسہا برس گزر چکے ہیں چنانچہ کلاسیکی اور ایک حد تک نوکلاسیکی دور تک کے بعض شعر اتو اس میں موجود ہیں مگر بعد کے شعر اغیر حاضر ہیں جب کہ زمانی اعتبار سے دیکھا جائے تو نوکلاسیکل دور کے بعد پنجابی شاعری نے بے پناہ ترقی کی اور جدید دور کی پنجابی شاعری تو کسی بھی زبان کی شاعری کے مقابلے میں رکھی جاسکتی ہے چنانچہ اس دور کی شمولیت کے بغیر پنجابی شاعری کے سفر کی داستان مکمل نہیں ہوتی۔

جہاں تک ڈاکٹر فقیر محمد فقیر کی پنجابی کی تاریخ اور قاضی فضل حق کی کتاب ”پنجابی علم و ادب میں مسلمانوں کا حصہ“ کا تعلق ہے تو یقیناً یہ بہت اہم کتابیں ہیں مگر ان میں بھی تقریباً نصف صدی قبل تک کے شعرا ہی آسکے ہیں نیز تاریخ اور شعری انتخاب میں قدرے فرق ہوتا ہے کیونکہ کسی ایک عہد کے سارے شعرا تاریخ کا حصہ ہوتے ہیں جب کہ انتخاب میں مرتب صرف وہی کلام شامل کرتا ہے جو انتخاب کا حصہ بننے کے قابل ہو۔ واضح رہے کہ میں نے اپنی کتاب کا نام تو مولانا بخش کشتہ کے کام کو آگے بڑھاتے ہوئے ”پنجابی شاعروں کا جدید تذکرہ“ رکھا ہے مگر حقیقت میں یہ شاعری کا ہی انتخاب ہے جس کے ساتھ شعر اکا مختصر کو انف نامہ بھی شامل کر دیا گیا ہے تاکہ پڑھنے والا شاعر کے عہد اور حالات زندگی یا علاقے کے بارے میں قدرے جانکاری حاصل کر کے اس کے کلام کی قدر و قیمت کا مکمل اندازہ لگا سکے۔

کسی بھی نوعیت کا انتخاب کرتے ہوئے ہر مرتب کا ایک اپنا نقطہ نظر ہوتا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر وہ انتخاب کے معیارات طے کرتا ہے۔ میں نہ تو بحر نقد و نظر کا شاعر ہوں اور نہ ہی راہ تحقیق کا مسافر بلکہ پنجابی شاعری کا ایک عام قاری اور اچھی پنجابی شاعری کا عاشق ہوں۔ بلاشبہ شاعری کو اپنے اختصار اور سوز و گداز کے باعث دوسری اصناف پر برتری حاصل ہے۔ میرے نزدیک شعر وہ ہوتا ہے جو انسان کو شعور بخشتا ہے اور ایک خاص آہنگ اور وزن میں لکھا گیا مختصر ترین الفاظ کا وہ ٹکڑا ہوتا ہے جس میں سے ایک لفظ بھی ادھر ادھر نہیں کیا جاسکتا چنانچہ میں نے یہ انتخاب اسی نقطہ نظر سے کیا ہے یعنی جو شعر مجھے اچھا لگا جس میں کوئی دانائی کی بات تھی یا اعلیٰ اخلاقیات کا درس تھا یا جو فنی پختگی کا امین تھا یا حسن و عشق کے جملہ معاملات میں سے کسی ایک معاملے کے جذباتی بیان میں بے مثل تھا یا تخیل کی پرواز، تخلیقی سانچے یا تکنیکی

نفوش کے اعتبار سے منفرد تھا یا جس میں تعقل و تدبر کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا یا اظہار و بیان کی تازگی و شگفتگی کا شاہکار تھا میں نے اسے اس کتاب کا حصہ بنا لیا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کتاب میں نے اپنے مخصوص کردہ زاویوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اپنے لیے مرتب کی ہے تاہم اگر اسے خوش فہمی نہ سمجھا جائے تو میرا خیال ہے کہ دوسروں کو بھی میری منتخب کردہ شاعری ضرور پسند آئے گی کیونکہ اس میں بابا فرید سے لے کر آج کے عہد تک کے بے شمار اہم شعر اکلام شامل ہے۔

جیسا کہ میں اپنی پچھلی کتابوں میں ذکر کر چکا ہوں کہ شعر و ادب پڑھنے کا مجھے زمانہ طالب علمی سے ہی شوق رہا ہے اور جہاں کہیں کوئی شعر، غزل، نظم میرے دل کو لگتی تھی میں اسے اپنی ڈائری میں محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ اس کتاب میں شامل کچھ کلام تو میری تلاش و جستجو کا نقیب ہے مگر اکثر کلام میری انہی ڈائریوں سے لیا گیا ہے۔ پھر صوفی تبسم اور دیگر شعرا کی صحبت میں رہتے ہوئے مجھے اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی شعرا کے احوال جاننے کا موقع بھی ملتا رہا اور ان کی کتابیں بھی دستیاب ہوتی رہیں اور اب جب میں نے اس منصوبے پر کام شروع کیا تو پاکستان سے پنجابی کے کئی ادیب دوستوں سے میرا مسلسل رابطہ رہا۔ اس سلسلے میں پاکستان سے جن دوستوں نے میرے ساتھ علمی و ادبی تعاون کیا اور پنجابی شاعری مجموعے اور کتب بھجوائیں میں ان کا بے حد ممنون ہوں کہ ان کی مدد کے بغیر اس انتخاب کا اس انداز میں سامنے آنا ممکن نہ تھا۔

موجودہ کتاب میں پاکستان کے علاوہ مشرقی پنجاب، امریکہ، برطانیہ، اور دیگر ممالک میں موجود پنجابی کے شعر اکلام بھی شامل ہے۔ میں نے کوشش کی ہے کہ اس میں پنجابی شاعری کا ہر رنگ اور آہنگ سمویا جاسکے چنانچہ اس میں سرانجکی، ہندکو، گوجری، پوٹھوہاری، پہاڑی اور پنجابی کے علاوہ پنجابی کے مختلف لہجوں اور بولیوں میں لکھا گیا کلام بھی شامل ہے جسے پنجابی قارئین باسانی پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح میں نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ نظم اور غزل کے علاوہ دیگر اصناف اور موضوعاتی اصناف کے حوالے سے لکھا گیا کلام بھی اس انتخاب میں شامل ہو تا کہ پڑھنے والے پنجابی شاعری کے جملہ اوصاف سے محظوظ ہو سکیں۔

یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ یہ سطور میں پنجابی کی بجائے اردو میں کیوں لکھ رہا ہوں اور شعراء کا تعارف میں نے اردو میں کیوں دیا ہے، تو اس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ پنجابی اور اردو میں ماں بیٹی کا رشتہ ہے اور علامہ اقبال سے لے کر فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی تک اہل پنجاب نے گلشنِ اردو کو اپنے خون سے

سینچا ہے۔ اس کے علاوہ اردو ہماری قومی زبان اور لنگو افریقا کا ہے اور چاروں صوبوں میں بہ آسانی سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ بابا فرید جو پنجابی کے پہلے شاعر تھے ان کے کلام میں اردو کے ابتدائی نقوش موجود ہیں۔ بلھے شاہ کے کلام میں بھی ان کے اپنے عہد کی اردو موجود ہے اور میں نے تو بابا فرید اور دیگر کئی کلاسیکی شعراء کے پنجابی کلام کا اردو منظوم اور منشور ترجمہ بھی اس کتاب میں شامل کیا ہے تاکہ وہ لوگ جو پنجابی نہیں پڑھ سکتے وہ بھی پنجابی کلام کی خوشبو اور مہک سے لطف اندوز ہو سکیں۔ جہاں تک مشرقی پنجاب اور ہمارے پنجاب کی پنجابی کا تعلق ہے تو گفتگو اور بول چال کی حد تک یہ ایک ہی زبان ہے البتہ سکرپٹ میں فرق ہے۔ یوں سمجھئے دونوں اسکرپٹ پنجابی زبان کے جڑواں بچے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام ”پنجابی شاعراں دا جدید تذکرہ“ کی بجائے ”پنجابی شاعروں کا جدید تذکرہ“ رکھا ہے۔ آپ کتاب کے اس نام سے ہی اردو اور پنجابی کی قرابت داری کا اندازہ لگا لیجئے کہ صرف ایک حرف یعنی الف کو واؤ سے بدلنے اور ایک لفظ ”دا“ کو ”کا“ کرنے سے یہ اردو کا نام بن گیا ہے۔

جہاں تک شعراء کی ترتیب اور تقدیم و تاخیر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ فہرست نہ الفبائی ترتیب سے بنائی گئی ہے اور نہ زمانی اعتبار سے۔ کلاسیکی دور میں تو کسی حد تک زمانی ترتیب کا خیال رکھنے کی کوشش کی گئی ہے مگر اس کے بعد جیسے جیسے مجھے شعراء کا کلام دستیاب ہوتا گیا ویسے ویسے میں اسے اس کتاب میں شامل کرتا چلا گیا۔ اسی طرح اگر کسی شاعر کے کلام کے نیچے آدھے صفحے کی جگہ بچ گئی تو میں نے گنجائش کے پیش نظر یہاں بھی کسی شاعر کا کلام دے دیا ہے جو جگہ کے مطابق پورا آسکتا تھا۔ اپنی دانست کے مطابق اس انتخاب کو مزید مفید اور کار آمد بنانے کے لیے میں نے شروع میں ”پنجابی زبان اور اس کا شعری سرمایہ“ کے عنوان سے ایک اجمالی سا مضمون بھی لکھ کر شامل کر دیا ہے۔ اسی طرح آخر میں ضرب الامثال، محاورات، بھارتوں، بولیوں، پھنکل اشعار اور لوک ادب کے نمونوں کے علاوہ پنجاب کی معروف عشقیہ داستانوں کا ایک مفصل نثری خلاصہ بھی پیش کر دیا ہے جو پنجابی ادب سے میرے قلبی تعلق کا امین ہے۔ میں اگرچہ 34 برس سے پاکستان سے دور بیٹھا ہوں مگر میرا دل پاکستان میں ہی دھڑکتا ہے۔ میرے نزدیک پنجابی ادب کی خدمت اپنی ماں، بولی اور مادر وطن کی خدمت کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں آپ میرے ان دو شعروں سے ہی میرے جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

کبھی یقین میں ہوتا ہوں اور کبھی گمان میں ہوتا ہوں
کسی کو دھیان میں رکھتا ہوں اور کسی کے دھیان میں ہوتا ہوں
اتنے برسوں بعد بھی آصف کیا بتلاؤں تم کو میں
امریکہ بھی رہتا ہوں اور پاکستان میں ہوتا ہوں

کسی بھی انتخاب کا ہر طرح سے مکمل ہونا کسی طور ممکن نہیں چنانچہ اس سلسلے میں، میں اپنی
نارسائی، کوتاہی اور عدیم الفرستی کا اعتراف کرتا ہوں کہ ایک طویل عرصے سے امریکہ میں رہتے ہوئے ہر
شاعر اور اس کے کلام تک پہنچنا میرے لیے ممکن نہ تھا تاہم میں نے مقدور بھر کوشش ضرور کی ہے کہ ایک
ایسا منفرد ادبی سرمایہ سامنے لاسکوں جو پنجابی شعری ادب کی اس کمی کو ایک حد تک پورا ضرور کر سکے جس کا
ذکر میں قبل ازیں کر چکا ہوں۔

پنجابی زبان اور اس کا شعری سرمایہ

(ایک اجمالی جائزہ)

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر

پنجابی ایک قدیم زبان ہے اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ زبانوں کا تشکیلی سفر صدیوں پر محیط ہوتا ہے۔ کوئی زندہ زبان دوسری ہمسایہ زبان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور اثر و نفوذ کا یہ عمل فطری میلانات کے تحت خود بخود ظہور پذیر ہوتا رہتا ہے۔ پنجابی بھی جو مختلف وقتوں میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی اس لیے سے مبرا نہیں اور اپنے دامن میں بہت سی قدیم زبانوں کے الفاظ سموئے ہوئے ہے۔

پنجاب کی دھرتی مختلف ادوار میں مختلف ناموں سے پکاری جاتی رہی۔ مثلاً ہپت ہندو، سپت سندھو، پنچ دو آب، پنجاب وغیرہ۔ زرتشت مذہب کی مقدس کتاب ”اوستا“ (جو 560 ق م اور 330 ق م کے درمیان لکھی گئی) میں اس سرزمین کو ”ہپت ہندو“ کہا گیا۔ ”سپت سندھو“ کا ذکر آریاؤں کی متبرک کتاب رگ وید (جو 1000 ق م کے لگ بھگ مرتب ہوئی) میں آیا ہے۔ سپت سندھو یا سپت ہندو سے مراد سات دریاؤں (ستلج، بیاس، راوی، چناب، جہلم، سندھ، کابل) کی سرزمین ہے۔ بعد میں دریائے کابل اور دریائے سندھ کو چھوڑ کر باقی خطے کا نام پانچ دریاؤں کی نسبت سے پنجاب رکھ دیا گیا جو فارسی کے دو الفاظ (پنچ + آب) کا مجموعہ ہے۔ پنجابی زبان بھی پنجاب کے حوالے سے نسبتی لسانی نام ہے۔

پنجابی زبان کی ابتداء کے بارے میں اب تک کئی نظریے سامنے آئے مگر دو نظریے زیادہ مضبوط بنیادیں رکھتے ہیں۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ پنجابی زبان آریائی کنے (گروہ) کی زبان ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ پنجابی اردو کی قدیم شکل قرار دی گئی تھی اور اردو کو ہند آریائی گروہ کی زبان تصور کیا جاتا ہے۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ پنجابی زبان غیر آریائی یعنی دراوڑی زبان ہے اور منڈا قبیلے سے تعلق رکھتی ہے۔ پہلا نظریہ پرانا ہے اور مغربی محققین کا پیش کردہ ہے جسے ابتدائی دور میں مستند تسلیم کیا جاتا رہا۔ اس تحقیق کے مطابق پنجابی زبان سنسکرت سے نکلی ہے یعنی جب آریہ یہاں وارد ہوئے تو ان کے ساتھ ہی یہاں پر آریہ تہذیب اور سنسکرت زبان پھیلی گئی۔ ماہرین لسانیات کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ پنجابی زبان کی اساس وہ زبان

ہے جو آریاؤں کی آمد سے قبل ان علاقوں میں بولی جاتی تھی۔ بیسویں صدی کے شروع میں جب موجودہ ہڑپہ، کوٹ ڈیجی وغیرہ کے آثار دریافت ہوئے تو ماہرین نے اس خطے میں آریاؤں کی آمد سے پہلے کی تہذیبوں کا کھوج لگایا اور بتایا کہ آریہ لوگوں کی آمد کے وقت سندھ وادی (جس میں پنجاب بھی شامل تھا) میں دراوڑی قبائل کو برتری حاصل تھی۔ ان کا خیال ہے کہ دراصل یہ دراوڑ لوگ (درہ + وڑ کا لفظ بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے) بھی یہاں کے رہنے والے نہیں تھے بلکہ اس سے بھی ڈیڑھ ہزار سال قبل یہ لوگ اس خطے میں وارد ہوئے تھے، ان سے قبل یہاں منڈا قبائل آباد تھے اور اس حوالے سے منڈا قبائل ہی اس علاقے کے قدیم باشندے قرار پاتے ہیں اور آریائی قبائل کی آمد سے پہلے اس خطے میں منڈا گروہ کی زبانیں رائج تھیں (جنہیں منڈاری بھی کہا جاتا ہے)۔ بعد میں دراوڑی گروہ کی زبانوں کا دور دورہ رہا۔ دراوڑی زبان کو ایک الگ خاندان کے طور پر سب سے پہلے فرانسس ڈیلوی ایلس (1816ء) نے پیش کیا جبکہ Dravidian کی ترکیب پہلی بار رابرٹ اے کالڈویل نے استعمال کی جس نے لفظ Dravidia کو استعمال کیا۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1856ء میں شائع ہوا تھا۔ جدید تحقیق کے مطابق دراوڑی خاندان 23 زبانوں پر مشتمل ہے اور ہر زبان کے کئی کئی لہجے اور بولیاں ہیں۔

آریہ قبائل کی آمد سے پہلے یہاں 5 ہزار سال قدیم تہذیبیں تھیں جن میں خصوصاً ہڑپائی اور دراوڑی تہذیبیں ترقی یافتہ تھیں۔ شمالی ہند میں بولی جانے والی زبان جو ہڑپہ میں بھی رائج تھی، پنجابی زبان کی قدیم شکل تھی اور اس کی مورث اعلیٰ دراوڑی زبانیں تھیں۔ آریہ اپنے ساتھ ویدک سنسکرت لائے تھے، سنسکرت کے قواعد نویسوں نے یہاں کی مقامی زبانوں کو پراکرت کا نام دیا، جس کے معنی ہیں دوسروں کی زبان (پرا بمعنی پرانی یا دوسروں کی اور کرت بمعنی زبان)۔ جب ہندو براہمنوں کے حوالے سے سنسکرت ایک خاص طبقے کی زبان بن کر رہ گئی تو پراکرتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ (483 ق م - 563 ق م) نے اپنے مذہب کی تبلیغ کے لیے لوک بولیوں (پراکرت) کا انتخاب کیا۔ گوتم بدھ کے زمانے میں جس پراکرت کا زور تھا، اس کو پالی کہا جاتا تھا۔ گوتم کا پیغام مقامی زبان پالی میں ٹیکسلا یونیورسٹی کے ذریعے دنیا بھر میں پھیلا۔ پشاپچی، پالی ہی کی ایک شاخ تھی۔ قدیم زمانے میں پنجاب کو پشاپچ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ بعد میں یہ اپ بھرنش کا روپ دھا ر گئی۔ آپ بھرنش افغانستان اور

پنجاب کے علاقوں میں بسنے والے لوگوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہوئی۔

یہ بات خصوصی اہمیت کی حامل ہے کہ پنجابی زبان نے پنجابی کا نام اپنے وجود میں آنے کے بہت بعد میں اختیار کیا۔ مسعود سعد سلمان کے نزدیک گیارہویں صدی عیسوی میں جو زبان ہندی یا ہندوی، بعد میں زبانِ جٹاں پنجاب، جٹلی۔ وغیرہ کہلائی وہ پنجابی ہی تھی۔

حافظ برخوردار نے اپنی کتاب ”مفتاح الفقه“ (1080ء بمطابق 1670ء) میں پہلی بار ”پنجابی“ کا لفظ (بطور زبان کے) استعمال کیا۔ صوبے کی حیثیت سے پنجاب کا نام شیر شاہ سوری (1540ء۔ 1545ء) کے عہدِ حکومت میں رواج پانے لگا۔

ماہرینِ لسانیات (جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں) تسلیم کرتے ہیں کہ پنجابی نے آپ بھرنش کے اندر اپنے الگ سفر کا آغاز محمد بن قاسم کے فتحِ سندھ (712ء) کے زمانے کے آس پاس کیا۔ جب مسلمانوں کا مقامی باشندوں سے میل جول بڑھا تو رفتہ رفتہ عربی اور فارسی کے بے شمار الفاظ پنجابی زبان کا حصہ بن گئے۔ محمد بن قاسم کے لشکر کا ایک حصہ بلوچستان کے جس علاقے سے گزر کر دیبل پہنچا اس علاقے کی زبان فارسی تھی۔ لشکر کا دوسرا حصہ خلیج فارس سے آیا اور دونوں لشکر دیبل کے مقام پر اکٹھے ہو کر پیش قدمی کرتے ہوئے ملتان تک پہنچے۔ اسی دور میں صوفیائے کرام نے بھی ہندوستان کا رخ کیا اور مختلف علاقوں کی مقامی زبانیں سیکھ کر ان میں تبلیغِ اسلام کا کام شروع کیا۔ محمد بن قاسم کی واپسی کے بعد وسطی سندھ میں قرامطیوں نے اپنی حکومتیں قائم کر لی تھیں۔ قرامطی علما کا تعلق ایران سے قائم رہا جس کے باعث انہوں نے یہاں فارسی رسم الخط متعارف کرایا۔

آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارویں صدی عیسوی تک کو برصغیر میں مسلمانوں کا دور کہا جاتا ہے۔ اس عرصے میں دستیاب ادبی نمونوں پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں پنجابی زبان و ادب کی الگ شناخت اور اس کے الگ تشخص کی صورت سامنے آنا شروع ہو گئی تھی۔ ترکی، عربی اور فارسی نے پنجابی زبان کی موجودہ تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا۔ قدیم ترین فارسی مخطوطات سے پتہ چلتا ہے کہ شروع میں متقارب آوازوں میں امتیاز کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی لیکن کچھ عرصہ بعد اس میں چار حرفوں (پ، چ، ژ، گ) کا اضافہ ہوا۔ بہت عرصے تک پنجابی کے لیے وہی عربی رسم الخط استعمال ہوتا

رہا جو فارسی والوں نے اپنی ضرورت کے تحت اختیار کیا تھا۔ جب پنجابی ہی میں اردو نے اپنے سفر کا آغاز کیا تو رسم الخط میں کی گئی تبدیلیوں سے پنجابی نے بھی استفادہ کیا۔ مدہم ہائے اصوات گھ، چھ، دھ اور سخت ہائے آوازیں ٹھ، ڈھ پنجابی میں موجود تھیں۔ انیسویں صدی کے آغاز تک ہائے دو چشمی (ھ) اور ہائے ہوڑ (ہ) میں فرق پیدا ہو چکا تھا نیز ٹ، ڈ، نون غنہ اور بڑی ے بھی رسم الخط میں شامل ہو چکی تھیں چنانچہ پنجابی میں بھی ان کا اضافہ ہوا۔

ہر زبان کے مختلف لہجے ہوتے ہیں، جنہیں (DIALECT) کہا جاتا ہے لیکن زبان کا ایک مرکزی لہجہ ایسا ہوتا ہے جو اسے معیاری زبان کا درجہ دیتا ہے۔ گریمرسن کے تتبع میں پنجابی زبان اپنے لہجے اور الفاظ کے اعتبار سے تھوڑے تھوڑے اختلافات کے باوجود اصولاً ایک ہی ہے۔ بعض لوگ پنجابی زبان کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ زبان ہر بارہ کوس کے فاصلے پر تبدیل ہو جاتی ہے لیکن اس کے باوجود ہر علاقے کے لوگ ایک دوسرے کی زبان کو بڑی آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔ پنجاب کے مختلف حصوں کی بولیوں میں لب و لہجہ کے اختلاف سے اس زبان کی وحدت مجروح نہیں ہوتی۔ اختلافات کم و بیش ہر ملک کی زبان میں موجود ہوتے ہیں۔ آب و ہوا اور جغرافیائی، معاشرتی، معاشی، سیاسی عناصر ہمیشہ ہر علاقے کی بولی اور لہجے کو متاثر کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود زبان کی بنیادی ساخت اور اس کی بنیادی خصوصیت ہر جگہ ایک ہی رہتی ہے۔ پنجابی زبان کا بھی یہی حال ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف لہجوں میں بولی جاتی ہے جیسے پوٹھوہار (راولپنڈی) کی پوٹھوہاری، چھچھ (اٹک) کی چھاچھی، تھل (میانوالی) کی شنا، دھن (چکوال) کی دھنی، ماجھا (لاہور، امرتسر، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، قصور وغیرہ) کی ماجھی، شاہ پور (سرگودھا) کی شاہ پوری، ساندل بار کے علاقے کی جانگی، لمے (ساہیوال) کی لموچڑی اور جھنگ کی جھنگی وغیرہ، حتیٰ کہ ہندکو، گوجری، پہاڑی اور ایک حد تک سرانگی بھی پنجابی پڑھنے والے آسانی سے سمجھ لیتے ہیں۔

لاہور صدیوں سے علم و ادب کا گہوارہ اور تجارت کا مرکز رہا ہے اور اس کا رابطہ پنجاب کے سارے علاقوں سے قائم رہا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کی بولی جو علاقائی اعتبار سے ماجھی کہلاتی ہے، نکسالی زبان کا درجہ اختیار کر گئی ہے۔ یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ اردو اور پنجابی زبان کے لسانی اور تہذیبی روابط زمانہ قدیم سے ہیں۔ بقول پروفیسر محی الدین قادری زور کسی وقت دہلوی زبان اردو، پنجابی زبان کی ایک شکل تھی مگر

نہ معلوم کس وقت سے یہ غیر محسوس طریقے سے ایک دوسرے سے جدا ہوتی گئیں۔“ پنجابی اور اردو کے لسانی سانچے تقریباً ایک سے ہیں۔ پنجابی اور اردو کی صرف و نحو میں بھی بہت مماثلتیں پائی جاتی ہیں اور ان کا ذخیرہ الفاظ بھی بہت حد تک مشترک ہے اس لیے پاکستان کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں پنجابی کا تعلق اردو سے بہت زیادہ قریبی ہے۔

پہلے دور میں پنجابی کے تقریباً تمام بڑے شاعر پنجابی کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کی اردو میں بھی لکھتے رہے ہیں جن میں بلھے شاہ کے علاوہ شاہ مراد اور احمد یار کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ مولانا عبداللہ انصاری، پنجابی کے ایک اہم شاعر تھے جنہوں نے اردو میں ”فقہ ہندی“ میں اہم مسائل کو نظم کیا۔

دکنی دور کی اردو اور پنجابی زبان میں تو بہت زیادہ مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ زبان اصل پنجابی سے قدرے مختلف صورت اختیار کر گئی حالانکہ اس کے صرف کا ڈول پنجابی کا ہے اور اسماء و صفات بھی پنجابی کے ہیں۔ بہمنی خاندان (1347ء تا 1527ء) دکن میں تقریباً دو سو برس تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بادشاہوں میں محمد قلی قطب شاہ اور عبداللہ قطب شاہ شاعر تھے۔ ان کی زبان پنجابی کی ہی ایک شکل ہے جسے دکنی اردو کا نام دیا گیا ہے۔

ملا نصرتی دکن کا مشہور شاعر تھا جس نے مثنوی گلشن عشق (جو 1657ء میں شائع ہوئی) ولی دکنی سے کم و بیش ساٹھ برس پہلے لکھی تھی۔ اس میں پنجابی زبان کے بے شمار الفاظ ملتے ہیں۔ قاضی محمود بحری کی مثنوی ”من لگن“ اور ابن نشاطی کی مثنوی ”پھول بن“ (سن تصنیف 1655ء) میں بھی پنجابی الفاظ کا ذخیرہ نظر آتا ہے جنہیں بعض لوگ پنجابی سے ناواقفیت کے باعث پر اکرت، دکنی یا بھاشا کے الفاظ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ پنجابی کے الفاظ ہیں اور آج بھی پنجابی میں مستعمل ہیں۔

حافظ محمود شیرانی کے کہنے کے مطابق اصلاح اور صفائی کے باوجود اردو اور پنجابی میں ساٹھ فیصد الفاظ مشترک ہیں۔ یہ ذہن نشین رہے کہ صفائی اور اصلاح کا یہ عمل شاہ حاتم اور امام بخش ناسخ (م 1838ء) کی تحریک اصلاح زبان اردو سے شروع ہوا جو اردو ادب کی ایک اہم لسانی تحریک تصور کی جاتی ہے۔

ادبی توارخ میں پنجابی شاعری کی پس منظری تفہیم کی خاطر مختلف محققین نے اسے جن مختلف تاریخی ادوار میں تقسیم کر کے بیان کیا ہے، اس کا خلاصہ کچھ یوں بنتا ہے:

- سلطین دہلی کے عہد (1000ء تا 1526ء) کو پہلا دور قرار دیا گیا ہے۔
- پہلا مغل عہد (1526ء تا 1707ء) یعنی بابر کی آمد سے دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔
- دوسرا مغل عہد (1707ء تا 1800ء) یعنی اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے تیسرا دور شروع ہوتا ہے۔
- سکھی عہد (1801ء تا 1848ء) کو الگ دور تصور کیا گیا ہے۔
- انگریزی عہد (1849ء تا 1947ء) کو الگ دور مانا جاتا ہے اور اس کے بعد نو کلاسیکل ، جدید دور اور جدید ترین دور آتے ہیں۔

پہلے دور کے اہم ترین کلاسیکل شاعر حضرت بابا فرید گنج شکرؒ تھے جن کو پنجابی شاعری کا بابا آدم بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کا پورا نام فرید الدین مسعود تھا۔ آپ کا جنم (584ھ بمطابق 1188ء) ضلع ملتان کے ایک قصبہ کوٹھیوال (کوٹھے وال) جو ملتان سے تقریباً 10 سے 12 میل کے فاصلے پر ہے، میں ہوا اور 5 محرم 679ھ بمطابق 1280ء میں پاک پتن میں آپ کا انتقال ہوا۔

آپ کے والد کا نام جمال الدین تھا جو وہاں کے قاضی تھے۔ آپ کی ابتدائی تربیت گھر پر ہوئی۔ بعد ازاں ملتان کے مولانا منہاج الدین ترمذی سے فیض حاصل کیا۔ یہیں آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوئی۔ آپ ان کے ساتھ دہلی چلے گئے اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مرشد کے حکم سے کچھ دیر ہانسی (حصار) رہ کر دینی تبلیغ کا فرض ادا کیا۔ مرشد کی رحلت پر دہلی پہنچے، خرقہ خلافت پہنا مگر جلد ہی سب چھوڑ چھاڑ کر پنجاب کے بے آب و گیاہ علاقے اجودھن (جو آپ کی آمد کی وجہ سے بعد ازاں پاک پتن کہلایا) آگئے اور عمر کا باقی حصہ یہیں بسر کیا۔ یہاں درساگاہ قائم کی، دینی تعلیم و تربیت، تبلیغ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور یہیں وفات پائی۔ آپ کا کلام 1561ء میں لکھی جانے والی کتاب ”سبع سنابل“ اور ”آدی گرنتھ“ (مرتبہ گوروار جن دیو 1601ء) میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا ہے۔ بابا فرید گنج شکرؒ ایک صوفی شاعر تھے، جو ساری عمر تبلیغ رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت میں مصروف رہے۔ آپ کی شاعری میں توحید، فنا، حیات بعد از موت، قیامت، اللہ سے ڈرنا، اللہ تعالیٰ کی عبادت

(نماز) جیسے موضوعات ملتے ہیں جن کا مقصد تبلیغ اسلام، کردار کی اصلاح، انسان دوستی اور معاشرے کی تعمیر تھا۔

بابا فرید کے بعد امیر خسرو (651ھ بمطابق 1253ء تا 725ھ بمطابق 1325ء) اور گورونانک جی (1469ء تا 1538ء) کے نام آتے ہیں۔ امیر خسرو بنیادی طور پر توفارسی کے شاعر تھے مگر انھوں نے پنجابی میں ”تغلقاں دی وار“ کے نام سے ایک رزمیہ نظم اور پنجابی پہیلیاں تخلیق کیں مگر وہ پنجابی کے کلاسیکل شاعر کا درجہ نہیں پاسکے۔ اس کے بعد گورونانک تک پنجابی میں سوائے لوک سطح کی رزمیہ اور بزمیہ واروں کے کچھ دستیاب نہیں ہے۔ گورونانک نے جو کلام تخلیق کیا اس میں توحید کے علاوہ نیک اعمال کی تلقین اور انسانوں سے پیار کے مضامین ملتے ہیں۔

دوسرے دور میں پنجابی کے بہت سے مقتدر شعر اسامے آتے ہیں جن میں شاہ حسین، شاہ شرف، حضرت سلطان باہو زیادہ مشہور ہوئے۔ اسی دور میں گورو ارجن دیو نے سکھ مت کی پہلی کتاب ”آدی گرنٹھ“ 1601ء میں مرتب کر کے بابا فرید، گورونانک اور کبیر کا کلام اس میں محفوظ کیا۔

شاہ حسین کا تعلق لاہور سے تھا آپ 1538ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی ابو بکر سے حاصل کی بعد ازاں مولوی سعد اللہ شیخ کے شاگرد ہوئے۔ عربی فارسی زبانوں کے علاوہ فقہ، حدیث، تفسیر اور قرآن کا علم حاصل کیا۔ شیخ بہلول دریائی سے بھی دین و تصوف کی تعلیم لی۔ مولوی سعد اللہ سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے کہ قرآنی آیت ”وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ“ (دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے) پر عجیب بے خودی سی طاری ہو گئی اور فرقہ ملائیت سے تعلق استوار کر کے باقی عمر کا حصہ جذب و مستی میں گزار دیا۔

شاہ حسین کی وفات 1599ء میں ہوئی۔ پہلے ان کو شاہدرہ میں دفن کیا گیا جب دریائے راوی نے مزار کا رخ کیا تو ان کو شمالا مارباغ (باغبان پورہ) کے نزدیک منتقل کر دیا گیا جہاں ہر سال مارچ کے آخری ہفتے میں ”میلہ چراغاں“ کے نام سے عرس منایا جاتا ہے۔ شاہ حسین کا کلام کافیوں کی صورت میں ملتا ہے۔ ان کی زبان بڑی میٹھی اور انداز بیان بڑا موثر، دل نشین اور رسیلا ہے۔ شاعری کا رنگ سراسر صوفیانہ اور معرفت کا ہے۔ اظہار بیان اس قدر دلکش اور خوبصورت ہے کہ پڑھنے والا رومانی شاعری کا مزہ لیتا ہے۔ انہوں نے

ہیر رانجھا کو بطور علامت استعمال کیا۔ چرخہ، تند، پونی، پکھی، سالو وغیرہ سے استعارے کا کام لیا۔ مثلاً چرخہ سے وہ اپنا وجود مراد لیتے ہیں۔ ”تانے بانے“ سے تعلق باللہ، ”وپاری“ سے ملک الموت، ”بابل آنگن“ سے پیاری محبوب دنیا، ”ساہوراگھر“ سے اگلی دنیا، ”سالو“ سے مقام قرب و رضا وغیرہ۔ ملائیمہ فرقی سے تعلق رکھنے کے باوجود ان کے فکر کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے۔

اس دور کے دودستان گوکلا سیکی شعراء کا ذکر بھی یہاں ضروری ہے یعنی پنجابی زبان میں سب سے پہلے ہیر رانجھا کا قصہ لکھنے والا دمودر اور ”مرزا صاحبان“ کی کہانی کو پنجابی ادب میں پہلی بار شامل کرنے والے پیلو۔ یہ دونوں ایک لحاظ سے عوامی شاعر تھے۔ دمودر (1556ء-1605ء) نے یہ قصہ اکبر بادشاہ کے دور میں رقم کیا۔ اگرچہ یہ واقعہ لودھی حکمرانوں کے دور میں ہوا اور اس دور میں عوامی سطح پر لوک شاعری میں شامل ہوا۔ شروع میں فارسی نظم میں محفوظ ہوا مگر پنجابی میں پہلی مرتبہ دمودر نے ہی لکھا۔ اس نے قصہ میں جا بجا اس کے عینی شاہد ہونے کا بیان کیا ہے مگر یہ صرف زیبِ داستاں کے لیے ہے۔ اس نے جو داستان بیان کی ہے وہ حقائق پر مبنی نظر آتی ہے، ہاں ضرورتِ شعری کے لیے جزئیات میں رنگ آمیزی دکھائی دیتی ہے۔ زبان سادہ اور اندازِ بیان راست اور بے تکلف۔ پیلو کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں تاہم پیلو پہلا شخص ہے جس نے پنجابی کے مشہور لوک رومان ’مرزا صاحبان‘ کو پنجابی نظم (بزمیہ وار) کے روپ میں پیش کیا۔ پنجابی ادب میں یہ قصہ رچرڈ سی ٹمپل نے جالندھر کے جاٹوں سے سن کر اپنی مشہور کتاب ”لیجنڈز آف دی پنجاب“ میں محفوظ کیا تھا۔ موجودہ صورت میں یہ نظم مختصر اور نامکمل ہے اور اس کے کئی حصے غائب ہیں مگر مجموعی تاثر میں یہ ابھی تک ایسی زور دار ہے کہ باوجود خامیوں کے پنجابی داستاںوں میں اس کی حیثیت منفرد ہے۔ پیلو نے اسے کہیں مکالمے کی صورت میں لکھا ہے اور کہیں کہانی کے انداز میں۔ اندازِ بیان ڈرامائی ہے۔ اس میں محبت کی چاشنی بھی ہے اور رزم و پیکار کا جوش و خروش اور ولولہ بھی۔ اس طرح یہ ”وار“ یعنی رزمیہ بھی ہے۔

حضرت سلطان باہو کو پنجابی کے صوفی شعراء میں بلند مقام حاصل ہے۔ 1629ء میں سلطان بازید محمد کے گھر شور کوٹ (ضلع جھنگ) میں پیدا ہوئے۔ والدہ بی بی راستی نیک اور زاہدہ عابدہ خاتون تھیں۔ والد درویش صفت انسان تھے جنہیں اپنی عسکری خدمات کے عوض شور کوٹ میں مغل بادشاہ شاہجہان کی

طرف سے جاگیر عطا ہوئی تھی۔ سلطان باہوگی ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی۔ بعد ازاں حبیب قادری سے باطنی تعلیم حاصل کی پھر پیر عبد الرحمن سے دہلی جا کر روحانی فیض حاصل کیا۔ حضرت سلطان نے تصوف و سلوک کا درس دینے کے لیے فارسی زبان کو اپنا یا (اس زمانے میں تحریر و تقریر کی زبان فارسی تھی)۔ آپ نے فارسی میں 140 کتب تحریر کیں مگر پنجابی میں صرف ایک ”ابیات“ دستیاب ہے۔ یہی ان کی مشہوری کا باعث ہے۔ ان کی پنجابی شاعری میں بڑی مٹھاس ہے اور معرفت میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اسلوب بیان سادہ ہے۔ زبان پر علاقہ جھنگ کا اثر غالب ہے۔

پنجابی ادب کے اس دور میں جن دیگر کلاسیکل شعراء کا ذکر کیا جاسکتا ہے ان میں حافظ بر خوردار (مسلمانی والے) شامل ہیں جنہوں نے پنجابی ادب میں سب سے پہلے ”قصہ یوسف زلیخا“ اور ”سسی پونوں“ لکھا۔ انہوں نے پیلو کے بعد ”مرزا صاحبان“ کا قصہ بھی تحریر کیا۔ اسی دور کے ایک اہم شاعر ”ہیر رانجھا“ کے مصنف احمد گوجر ہیں جنہوں نے ہیر کا قصہ 1692ء میں مکمل کیا۔ وارث شاہ نے ان کے قصے سے خاصا اثر قبول کیا۔ اسی دور کے شاہ مراد جو خان پور (ضلع چکوال) میں پیدا ہوئے (والد کا نام قاضی جان محمد تھا) کا نام پنجابی میں سب سے پہلی غزل لکھنے کی وجہ سے مشہور ہے۔ ان کی وفات 1702ء میں ہوئی۔ منڈی بہاؤ الدین کے حضرت نوشہ گنج بخش (1691ء-1602ء) بھی اسی دور میں ہوئے ہیں جنہوں نے پنجابی میں شاعری کے علاوہ پنجابی نثر میں وعظ بیان کر کے پنجابی میں نثر کی ابتدا کی۔ یہ گجرات کے رہنے والے تھے۔

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات 1707ء سے 1800ء تک کے دور میں پنجابی زبان کے عظیم شعرا سید وارث شاہ اور بلھے شاہ کی شاعری سامنے آئی جنہوں نے پنجابی ادب کو ایک عالمی حیثیت بخش دی۔ اسلامی ادب اور واریس بھی اس دور میں خاصی تعداد میں لکھی گئیں۔ یہی دور ہے جس میں کر بلا کے جنگ نامے بھی بہت لکھے گئے۔ سید بلھے شاہ اس دور کے سب سے بڑے صوفی شاعر ہیں۔ اصل نام عبد اللہ شاہ اور والد کا نام سخی محمد درویش تھا جو ”پانڈو کی“ ضلع قصور میں امام مسجد تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر سے حاصل کرنے کے بعد مولانا غلام مرتضیٰ قصوری کے شاگرد ہوئے۔ قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر اور فلسفے کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تصوف کی طرف رجحان ہو اتولا ہور کے شاہ عنایت قادری کے مرید ہوئے۔ آپ نے کافی، اٹھوارہ،

باراں ماہ، سی حرفی، دوہڑے اور ایک نئی صنف ”گنڈھاں“ میں طبع آزمائی کی۔ ان کے کلام میں صوفیانہ شاعری کے مختلف ڈھنگ اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ وہ جو محسوس کرتے بلا جھجک کہہ دیتے۔ وہ اپنے عہد کے ایک سچے اور بے باک ترجمان تھے۔ ان کے کلام میں عشقِ الہی، حق گوئی، بے باکی اور راست کرداری صاف طور پر جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ شاہ حسین کی طرح بلھے شاہ کی شاعری میں بھی اظہارِ بیان کے لیے مقامی روایتی علامات (Symbols) اسی انداز میں استعمال کی گئی ہیں، مثلاً چرخہ ان کے ہاں ”عرصہ حیات“، ”کاتنا“ اور ”تند ڈالنا“ راہ مستقیم اختیار کرنے اور سرمایہ اعمال اکٹھا کرنے اور ”داج“ اعمالِ صالح کی علامات ہیں۔ ”پیکا“ اس دنیا، ”ترنجن“ احباب کی محفلیں، ”مکلاوا“ اور ”سسرال“ وغیرہ موت اور دوسرے جہان کی علامات ہیں۔ ”بکل دے چور“ کو نفسِ امارہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔

سید وارث شاہ پنجابی زبان کے شہرہ آفاق اور عظیم ترین شاعر ہیں۔ ان کی لافانی تخلیق ”ہیر“ کا شمار ادبیاتِ عالیہ میں کیا جاتا ہے۔ وہ جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام گل شیر شاہ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ بعد میں قصور کے مولانا غلام مرتضیٰ کے شاگرد ہوئے۔ علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد پاک پتن شریف میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے مزار پر پہنچے اور یہاں سے باطنی فیض حاصل کیا۔ واپس آتے ہوئے ملکہ ہانس ٹھہر کر قصہ ہیر رانجھا تخلیق کیا۔ یہ قصہ 1180ھ مطابق 1766ء میں مکمل ہوا، خود کہتے ہیں: سن یاراں سواسی سی نبی ہجری لمے دیس دے وچ تیار ہوئی۔ پنجابی ادب میں اب تک کئی شعراء نے ہیر رانجھے کے قصے لکھے ہیں مگر اب تک کوئی ایسی عظمت حاصل نہیں کر سکا۔

سید وارث شاہ نے اس قصے میں انسانی نفسیات، جذبات نگاری، کردار نگاری، واقعہ نگاری، سراپا نگاری، تصوف کے اسرار و رموز، طنز و مزاح، پنجاب دیس سے تعلق رکھنے والی تشبیہات اور استعارے، تلمیحات، پنجاب کی ثقافت اور معاشرت کے دل نشیں نمونے پیش کیے ہیں۔ اس داستان کو پنجاب کا انسائیکلو پیڈیا کہا جاتا ہے اور داستان نگار کو پنجابی کا شیکسپیر۔

سکھوں کے عہد کو برصغیر کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ دور دوسرے مغل عہد کے ساتھ منسلک ہے مگر پنجاب میں چونکہ رنجیت سنگھ نے 1801ء میں اپنے راجہ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور لاہور کو

دارالحکومت بنا کر باقاعدہ حکمرانی کا آغاز کر دیا تھا اس لیے اس دور کو محققین نے سکھی دور کا نام دیا ہے۔ 1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے تیس سال بعد یعنی 1737ء سے مغل سلطنت کا شیرازہ بکھرنا شروع ہو گیا تھا یہاں تک کہ 1759ء میں شاہ عالم کی سلطنت سکڑ کر چند شہروں تک محدود ہو چکی تھی اور جب احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر حملہ کیا تو یہاں کوئی حاکم یا گورنر مدافعت کے لیے موجود نہ تھا۔ بندہ بہادر شالامار کے قریب شکست کھا کر 1715ء میں ہی قتل ہو چکا تھا اور مختلف علاقوں میں سکھوں کی سرداریاں قائم ہونا شروع ہو چکی تھیں چنانچہ 1768ء میں احمد شاہ ابدالی کی مراجعت کے بعد سکھ سرداروں نے لاہور پر قبضہ کر لیا اور رنجیت سنگھ نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ 1839ء میں رنجیت سنگھ کی وفات کے ساتھ ہی سکھ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا جو 1849ء میں پنجاب پر انگریزوں کے قبضے کے ساتھ ختم ہوا۔ اس دور کے پنجابی شعراء میں ہاشم شاہ، مولوی احمد یار اور قادر یار نے نام پیدا کیا۔ ہاشم شاہ نے دو ہڑے، قصہ سسی پٹنوں، سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد، لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا تخلیق کیے مگر زیادہ شہرت سسی پٹنوں اور دو ہڑوں کے باعث حاصل ہوئی۔ احمد یار اس دور کے کثیر التصنیف شاعر تھے۔ انہوں نے پچاس کے قریب کتابیں لکھیں۔ ان میں کامروپ، حاتم نامہ اور احسن القصص کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہیر رانجھا بھی قابل ذکر تصنیف ہے۔ ان کے قصوں میں پلاٹ، واقعہ نگاری، جذبات نگاری، منظر نگاری اور سراپا نگاری کے اچھے نمونے ملتے ہیں۔ احمد یار پنجابی کے پہلے نقاد بھی تسلیم کیے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے ”احسن القصص“ میں پنجابی کے مشہور شعراء پر منظوم تنقید کی ہے۔ مرالے میں فوت ہوئے اور یہیں دفن ہوئے۔ قادر یار (1892ء-1817ء) بھی اس دور کے اس حوالے سے اہم شاعر ہیں کہ ان کے قصے ”پورن بھگت“ نے بہت مشہوری حاصل کی۔ ایمن آباد میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر وہیں رہے، وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہیں۔ قصہ پورن بھگت سی حرنی کے انداز میں لکھا گیا ہے۔

انگریزوں کے عہد 1849ء تا 1947ء میں جن شعراء نے پنجابی ادب میں کلاسیک کا درجہ حاصل کیا ان میں سید فضل شاہ (نواں کوٹی) میاں محمد بخش، خواجہ غلام فرید، مولوی غلام رسول عالمپوری، میاں محمد بوٹا اور میاں ہدایت اللہ سرفہرست ہیں۔ سید فضل شاہ (1890ء-1827ء) نواں کوٹ لاہور کے رہنے والے تھے وہیں وفات پائی۔ آپ عربی فارسی کے اچھے ماہر اور کلاسیکی روایت کے بہت توانا شاعر

تھے۔ آپ نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ تحفہ فضل، سوہنی مہینوال، ہیر رانجھا، لیلیٰ مجنوں، یوسف زلیخا اور سسی پُنوں کے علاوہ کئی سی حرفیاں اور دوہے بھی تحریر کیے لیکن جو شہرت ان کی ”سوہنی مہینوال“ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔

میاں محمد بخش (1907ء-1830ء) چک ٹھا کرہ علاقہ کھڑی شریف، میرپور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے اکتسابِ فیض کے بعد حافظ ناصر اور حافظ محمد علی سے تعلیم حاصل کی۔ سجادہ نشین بننے کے بعد رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ سی حرفیاں، دوہڑے، مرزا صاحبان، سیف الملوک، سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد، شاہ منصور، شیخ صنعان، تحفہ رسولیہ، تحفہ میراں، گلزار فقیر وغیرہ لکھیں۔ ان کو شہرت ان کے قصے ”سیف الملوک“ کی وجہ سے حاصل ہوئی۔

مولوی غلام رسول عالیپوری (1842ء-1892ء) کا شمار اعلیٰ پائے کے قصہ گو کلاسیکل شعراء میں ہوتا ہے۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مدرس مقرر ہوئے۔ بعد ازاں امامت اور حکمت اختیار کی۔ اگرچہ ”داستانِ امیر حمزہ“ تین جلدوں میں لکھی مگر ان کی شہرت ”حسن القصص“ (یوسف زلیخا) کی وجہ سے ہے۔ انہوں نے اپنے دوست سید روشن علی کے نام جو منظوم چٹھیاں لکھی ہیں یہ بھی درد انگیز اور رقت آمیز ہیں اور پنجابی ادب کا شاہکار ہیں۔

میاں محمد بوٹا (1930-1851ء) کٹڑہ شالباں گجرات میں پیدا ہوئے۔ پیشہ شالبانی اور تعلیم معمولی تھی، ان کی تصانیف ”مرزا صاحبان“ اور ”پنج گنج“ کو شہرت نصیب ہوئی۔

دائم اقبال دائم (1909ء-1984ء) ضلع منڈی بہاء الدین کے رہنے والے تھے۔ پنجابی شاعری کی کلاسیکی روایت کو اپنایا۔ درجنوں قصے کہانیاں لکھے، ان میں سے سوہنی، ابراہیم ادھم، باراں ماہ، بلال بیتی، اتھر وواں دے موتی، انوکھے بھٹل، پنج دریا، پنج گنج، دل دیاں موجاں، سسی پُنوں، سوہنی سرکار، سیف الملوک، شاہنامہ کربلا، شہزادہ مراد، صدائے مجنوں، کمبل پوش، لیلیٰ مجنوں، مرزا صاحبان، ہیر سیال، قصص المحسنین (یوسف زلیخا) زیادہ مشہور ہیں۔ ”شاہنامہ کربلا“ کو خصوصی مقبولیت حاصل ہوئی۔

پنجابی کا نوکلاسیکل دور انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں انگریزی اور اردو کے اثرات سے پنجابی بھی مستفید ہوئی، ترجمے بھی ہوئے، نئی اصناف کی

شمولیت بھی ہوئی اور چھاپہ خانہ (پریس) ایجاد ہونے سے بہت سی علمی اور ادبی کتابیں شائع ہونے لگیں۔ اس دور میں شاعری کی دو الگ الگ روایات قائم ہوئیں یعنی قدیم روایت اور انگریزی اور اردو ادب کے زیر اثر جدید روایت۔

اردو مشاعروں کو دیکھ کر پنجابی شعر کو بھی مشاعروں کا شوق ہوا۔ بیت بازی اظہار خیال کا ذریعہ ٹھہری، اس لیے بیت بازی (چومصرعے) کا سلسلہ اس دور میں نہایت مقبول ہوا۔ ان مشاعروں میں حصہ لینے والے متقدمین میں پیارے صاحب، فرید مزنگی، اروڑارائے، آغا علی خان، گاموں خان، فضل شاہ اور ہدایت اللہ جب کہ درمیانی دور یا متوسطین، میں مولانا بخش کشتہ، بابو کرم، محمد اسماعیل مشتاق، محمد اسماعیل عیسیٰ، عشق لہر، استاد گام، استاد ہدم، ڈاکٹر فقیر، فیروز الدین شرف زیادہ مشہور ہیں۔ ان شاعروں کے مختلف اکھاڑے بنے۔ اسی دور میں غزل نے ترقی شروع کی۔ اسی زمانے میں سیاسی شاعری نے بھی جنم لیا۔ عوامی تحریکات کے ساتھ ساتھ سیاسی شاعری کو بھی فروغ حاصل ہوا اور شعراء شاعری سے سیاسی پروپیگنڈے کا کام بھی لینے لگے۔ حادثہ جلیانوالہ باغ (1919ء)، غدر پارٹی (15-1914ء)، اکالی لہر (26-1925ء)، سنٹرل پنجابی سبھا (26-1925ء) تحریک عدم تعاون (34-1933ء)، تحریک ہندوستان چھوڑ دو (1942ء) اور بالخصوص تحریک پاکستان کے دوران پنجابی شعروں اور نظموں کا عام استعمال کیا گیا۔ فیروز دین شرف، استاد دامن، چوہدری سر شہاب الدین، عشق لہر، ظہیر نیاز بیگی، سائیں حیات، جو شوا فضل دین، ملک لال دین قیصر، عبداللطیف عارف، استاد کرم امرتسری، امام دین مجاہد، امداد علی خان غالب، سید فضل حسین مدنی شہباز، محمد دین میر، طالب جالندھری، صحرائی گورداسپوری، ملک عبدالقادر خوشتر، ملک ضیاء اللہ ضیاء، عبدالغفور اظہر، حافظ امرتسری، محمد حنیف قدر، سائیں فیروز، ڈاکٹر فقیر، اطہر نظامی، حکیم شیر محمد ناصر، حاجی چراغ دین (جونے کے والے)، استاد فیروز، دائم اقبال دائم، بابا کملا، خان مستانہ، اللہ دتہ ناظر، میراں بخش واقف، ساحل فارانی، اسیر سوہاروی، محمد رفیع اختر، درشن سنگھ آوارہ وغیرہ کے نام سیاسی شاعری میں بھی نمایاں ہیں۔ ڈاکٹر شہباز ملک کی کتاب ”آزادی دے مجاہد لکھاری“ میں پنجابی زبان کے ان شعراء کا کلام دیا گیا ہے، جنہوں نے فرنگی سامراج کے خلاف قلم سے جہاد کیا اور تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ ڈاکٹر انعام الحق جاوید کی انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب ”پاکستان ان پنجابی

لٹریچر“ میں بھی تحریک و تشکیل پاکستان کے حوالے سے پنجابی شاعری کے کردار کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں تک جدید پنجابی شاعری کا تعلق ہے اس کا سرانوکلاسیکی دور سے جڑا ہوا ہے۔ انگریزوں کے آخری دور میں جب نوکلاسیکی انداز کی شاعری ہو رہی تھی درآمد شدہ اصنافِ ادب بھی اس میں در آئیں اور مقامی زبانوں پر انگریزی کے اثرات بھی پڑنے لگے۔ نظم کے حوالے سے خاص طور پر ترقی پسند تحریک (1936ء) نے پنجابی شاعری کو ایک نئی فکر سے متعارف کرایا اور اس کے بعد اس کے دور رس نتائج مرتب ہوئے۔ ترقی پسند تحریک نے فن اور ہیئت کے وسیع تجربوں کو جنم دیا جس کے باعث پنجابی میں نئی نظم کا ظہور ہوا۔ اسی حوالے سے شریف سنجہا، احمد راہی، امرتا پریتم کے نام خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جنہوں نے گل و بلبل سے نکل کر زمینی حقائق کو شاعری کا موضوع بنایا اور مارکسی فلسفے کے تحت ایک عام انسان کی عظمت کو اجاگر کرتے ہوئے عدم مساوات کے رویے پر کاری ضرب لگائی۔ شریف سنجہا کو جدید پنجابی نظم کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں 1960ء کی دہائی میں باقی صدیقی اور منیر نیازی نے پنجابی نظم کو ایک نئے انداز اور جدید حسیت سے متعارف کرایا۔ اسے ہم Hallucination کی شاعری بھی کہہ سکتے ہیں جس میں ہیولے اور پرچھائیاں تعاقب کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ اسی دوران الطاف قریشی، عارف عبدالمتین، بشیر مندر، افضل احسن رندھاوا، افضل پرویز، ڈاکٹر لیتیق بابری کے حوالے سے پنجابی نظم کے مختلف روپ ہمارے سامنے آئے۔ ڈاکٹر لیتیق بابری نے علامتی اور تجریدی اظہار کو بنیاد بناتے ہوئے اپنی کتاب ”گھگھو گھوڑے“ میں ایسی نظمیں پیش کیں جو انہوں نے فرانس کی تحریکوں سے متاثر ہو کر لکھی تھیں۔

جہاں تک غزل کا تعلق ہے تو اس کے ابتدائی نمونے ہمیں حضرت نوشہ گنج بخش (1104) ہجری اور شاہ مراد (1702) کے ہاں ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح میاں محمد بخش کے ہاں بھی غزل کا نمونہ مل جاتا ہے مگر مولانا بخش کشتہ (1876-1955) کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ پنجابی غزل کے پہلے شاعر ہیں جن کی غزلوں کا دیوان شائع ہوا۔ اس کے بعد پیر فضل گجراتی نے غزل کی صنف کو بڑھا دیا اور فارسی غزل سے متاثر پنجابی غزل متعارف کرائی۔ پیر فضل گجراتی اس اعتبار سے بھی اہم ہیں کہ انہوں نے پنجابی غزل کو باقاعدہ غزل کا روپ دیا جس کے باعث نئے لکھنے والے اس طرف متوجہ ہوئے ورنہ قبل ازیں یہی کہا جاتا تھا کہ غزل کی صنف پنجابی زبان کے مزاج سے لگا نہیں کھاتی۔ ازاں بعد سلیم کاشر، رؤف شیخ،

منظور وزیر آبادی، ڈاکٹر یونس احقر، اکرام مجید، طفیل خاش اور بے شمار شعر اکا نام لیا جاسکتا ہے جنہوں نے
عمدہ غزلیں لکھیں اور اس میں جدید مضامین اور جدید تر حسیت کو داخل کیا جس کے باعث آج پنجابی غزل
کسی بھی زبان کی غزل کے سامنے رکھی جاسکتی ہے۔



بابا فریدؒ

(1188ء-1280ء)

پنجابی کے پہلے شاعر فرید الدین مسعود، قاضی جمال الدین کے گھر 1188ء میں قصبہ کوٹھے وال ضلع ملتان میں پیدا ہوئے۔ قاضی جمال الدین، سلطان محمود غزنوی کے بھتیجے تھے۔ آپ سلطان شہاب الدین غوری کے دورِ حکومت میں کابل سے آکر پہلے قصور ٹھہرے اور پھر سلطان کے حکم پر ملتان (کوٹھے وال) چلے گئے۔ آپ کے تین بیٹوں میں سے فرید الدین مسعود منجھلے بیٹے تھے۔ آپ کا شجرہ نسب سترھویں پشت میں حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ہے۔ بابا فرید کی ابتدائی تربیت گھر پر ہوئی بعد ازاں آپ نے مولانا منہاج الدین ترمذی سے فیض حاصل کیا اور یہیں آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوئی جن کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ دہلی چلے گئے۔ مرشد کے حکم پر کچھ دیر ہانسی (ضلع حصار) میں رہ کر دینی تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا۔ مرشد کی رحلت پر دہلی پہنچے، خرقہ خلافت پہنا مگر جلد ہی سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر پنجاب کے بے آب و گیاہ علاقے اجودھن (جو آپ کی آمد کی وجہ سے بعد ازاں پاک پتن کہلایا) آگئے اور عمر کا باقی حصہ یہیں بسر کیا۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ آپ کے مرید اور داماد تھے۔ اس اعتبار سے آپ حضرت امیر خسرو کے دادا پیر ہوئے جبکہ حضرت علی احمد صابر کلیر شریف والے آپ کے بھانجے اور شاگرد تھے۔ آپ کا کلام 1561ء میں لکھی جانے والی کتاب ”سنع سنابل“ اور ”آدی گرنٹھ“ مرتبہ (گوروارجن دیو 1601ء) میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچا۔ گرو گرنٹھ میں جو 130 شلوک دیے گئے ہیں، ان میں سے 18 شلوک گرو صاحبان کے ہیں اور 112 بابا فرید کے ہیں، جن میں انسان دوستی، لوک دانش اور اعلیٰ اخلاقی و مذہبی اقدار کی پاسداری کا درس دیا گیا ہے۔ آپ کی ساری عمر تبلیغ، رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت میں گزری۔ آپ کی شاعری میں توحید، فقہ، حیات بعد از موت، قیامت، خوفِ خدا اور عبادات جیسے موضوعات کو نہایت عمدہ انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ پنجابی کے علاوہ فارسی اور اردو میں بھی شاعری کی۔ آپ کا انتقال 5 محرم 679ھ / 1280ء میں پاک پتن میں ہوا جہاں آپ کے خسر سلطان غیاث الدین بلبن نے حضرت نظام الدین اولیاؒ کی نگرانی میں آپ کا مزار بنوایا۔ آپ کا عرس ہر سال 5-6 محرم کو ہوتا ہے اور لاکھوں کی تعداد میں زائرین مزار شریف کے چھوٹے دروازے (جسے بہشتی دروازہ کہا جاتا ہے) میں سے گزرنا اپنے لیے خیر و برکت کا موجب سمجھتے ہیں۔

○

1- فریدا ہے توں عقل لطیف، کالے لکھ نہ لیکھ
آپنے گریوان میں، سر نیواں کر ویکھ

1- اے فرید! اگر تیرے پاس عقل سلیم ہے تو دوسروں کے عیبوں کی طرف دھیان دینا چھوڑ دے اور دامن کو گناہوں سے آلودہ نہ کر۔ تیرے لیے بہتر یہ ہے کہ سر کو جھکا اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھ۔ مطلب یہ کہ:

نگاہِ عیب گیری سے جو دیکھا اہل عالم کو
کوئی فاسق کوئی ملحد کوئی زندیق اکبر تھا
مگر دل احتسابِ نفس پر جس دم ہوا مائل
ہوا ثابت کہ ہر فرزندِ آدم ہم سے بہتر تھا

○

2- فریدا خاک نہ نندِ بے، خاکو جیڈ نہ کوئے
جیوندیاں پیراں تلے، مویاں اُپر ہوئے

2- اے فرید! خاک کو بُرا مت کہہ کہ اس جیسی (عظیم) کوئی دوسری شے نہیں۔ اس کی عظمت اس بات سے عیاں ہے کہ یہ جیتے جی ہمارے پاؤں تلے روندی جاتی ہے اور مرنے کے بعد ہمارے اوپر (قبر کی مٹی کی شکل میں) آکر ہمیں تحفظ دیتی ہے۔

○

3- فریدا روٹی میری کاٹھ دی، لاون میری بھکھ
جٹھاں کھادی چوپڑی، گھنے سہن گے دُکھ

3- اے فرید! میری روٹی لکڑی کی ہے جبکہ بھوک میرا سالن ہے۔ میں نے یہ معمول اس لیے بنا رکھا ہے کہ میں جانتا ہوں، جو چپڑی روٹی (لذیذ کھانے) کھائیں گے اور عیش و آرام کی زندگی گزاریں گے وہ اللہ کے عذاب کے سزاوار ٹھہرائے جائیں گے۔

○

4- دیکھ فریدا جو تھیا، داڑھی ہوئی بھور
اگا نیڑا آیا، بچھا رہیا دُور

4- اے فرید! دیکھ کیا ہوا کہ داڑھی سفید ہو گئی یعنی ٹو بوڑھا ہو گیا اور مستقبل (موت کا وقت) قریب آن پہنچا اور جوانی کی عمر (ماضی) بہت پیچھے رہ گئی۔

○

5- فریدا میں بھولاوا پگ دا، مت میلی ہو جائے

گیہلا روح نہ جان ای، سر بھی مٹی کھائے

5- اے فرید! مجھے اس بات کا اندیشہ لاحق رہا کہ کہیں میری پگڑی میلی نہ ہو جائے مگر میں اس بات سے بے خبر اور انجان رہا کہ ایک دن پگڑی کیا میرا سر (بلکہ سارا جسم) مٹی کی نذر ہو جائے گا۔

○

6- بڈھا ہو یا شیخ فرید، کنبن لگی دیہہ

جے سو ورھیاں جیونا، بھی تن ہوسی کھیہہ

6- شیخ فرید بوڑھا ہو گیا ہے اور اس کا جسم کا پتار ہتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ سو سال کی لمبی عمر بھی مل جائے تو بھی آخر کار ہمیں خاک ہی ہونا ہے (لہذا جو لمحہ بھی میسر ہو اسے خدا کی یاد میں گزارنا چاہیے)۔

○

7- کوک فریدا کوک توں، جیوں راکھا جوار

جب لگ ٹانڈا نہ گرے، تب لگ کوک پکار

7- اے فرید! (ہر وقت) کوک پکار کرتا رہ جیسے فصلوں (جوار) کا نگہبان پرندوں کو فصل سے دور رکھنے کے لیے شور مچاتا رہتا ہے۔ اے فرید! یہ کوک پکار ٹانڈا گرنے تک کیے جا یعنی مرتے دم تک خدا کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔

○

8- فریدا خالق خلق میں، خلق وسے رب مانہہ

مندا کس نوں آکھیے، جاں تس بن کوئی نانہہ

8- اے فرید: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک جو کائنات کی خالق و مالک ہے، وہ مخلوق میں اور مخلوق اپنے رب میں بستی ہے (عقیدہ وحدت الوجود)۔ مفہوم یہ کہ خالق نے مخلوق کو پیدا کیا مگر اسی مخلوق کی بدولت وہ (خالق) پہچانا جاتا ہے لہذا جب خالق اور مخلوق ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں تو پھر مخلوق میں سے کسی کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

○

9- اٹھ فریدا وُصو ساز، صبح نماز گزار

جو سیر سائیں نہ نویں، سو سیر کپ اُتار

9- اے فرید! اُٹھ، وضو کر، اور صبح کی نماز ادا کر کہ جو سر خدا کے سامنے نہیں جھکتا وہ کاٹ ڈالنے کے لائق ہے۔ انسان کی زندگی کا مقصد خدا کی عبادت ہے۔ قرآن پاک واضح طور پر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔

○

10- رُکھی سگھی کھاء کے، ٹھنڈا پانی پی

فریدا دیکھ پرانی چوپڑی، نہ ترسائیں جی

10- روکھی سوکھی کھا کے ٹھنڈا پانی پینے والے دراصل بہترین لوگ ہیں یعنی جو کچھ میسر ہو اسی پہ قناعت کرنا تقاضائے بشریت ہے۔ اے فرید! دوسروں کے پاس مال و دولت دیکھ کر دل اُداس نہیں کرنا چاہیے۔

○

11- فریدا اکنائ آٹا اگلا، اکنائ ناہیں لون

اگے گئے سنجاپسن، چوٹاں کھاسی کون

11- اے فرید! (یہ طبقاتی معاشرہ ہے، اسی لیے) یہاں بعض وہ ہیں جن کے پاس آٹے (اشیائے خورد و نوش) کی بہتات ہے جبکہ کچھ ایسے ہیں جنہیں نمک جیسی معمولی جنس بھی میسر نہیں۔ ایسی صورت حال میں اچھائی برائی کی پہچان ختم ہو جاتی ہے لہذا یہ طبقاتی تفریق پیدا کرنے والوں کو اگلے جہان جا کر معلوم ہو گا جب انہیں چوٹیں سہنی پڑیں گی۔

○

12- کاگا ک رنگ ڈھنڈولیا، سگلا کھایا ماس

ایہہ دوئیناں مت چھوہیو، پرویکھن کی آس

12- اے کوے! تو نے میرے جسم کا ہر حصہ نوج ڈالا ہے۔ اب تو گوشت کا ایک ٹکڑا بھی باقی نہیں رہا مگر میری ان آنکھوں کو نہ چھونا کہ مجھے ان آنکھوں سے محبوب کو دیکھنے کی آرزو ہے۔

○

13- فریدا میں جانیا ڈکھ مجھ کوں، ڈکھ سبھا ایہہ جگ

اُپے چڑھ کے دیکھیا، تاں گھر گھر ایہا اگ

13- اے فرید! ہر وقت دکھوں میں گرفتار (بتلا) رہنے کی وجہ سے میرا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ میں دنیا کا سب سے دکھی انسان ہوں مگر جو نہیں میں اونچی جگہ چڑھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دکھوں کی یہ آگ ہر گھر میں لگی ہوئی ہے یعنی یہاں ہر کوئی دکھی اور افسردہ ہے۔

○

14- کندھی اُتے زُکھڑا، کچرک بٹھے دھیر

فریدا کچے بھانڈے رکھے، کچر تائیں نیر

14- ندی کنارے (بُھر بھری زمین میں) کھڑا درخت کب تک سلامت رہ سکتا ہے، اسے کب تک اس بات کی تسلی رہے گی کہ وہ محفوظ ہے۔ اے فرید! بالکل ایسے ہی کچی مٹی کا برتن کتنی دیر تک آنسوؤں کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔

○

15- کیا ہنس کیا بگلا، جا کو نظر کرے

جے تِس بھاوے نازکا، کاگوں ہنس کرے

15- محبوب کی نظر کرم کے لیے ہنس اور بگلے (اعلیٰ و ادنیٰ) کی تفریق ضروری نہیں۔ اے نازک اُس کی نظر میں آجائے تو وہ کٹے کو بھی ہنس کر سکتا ہے۔

○

16- فریدا کالے مینڈے کپڑے، کالا مینڈا ویس

گُناہیں بھریا میں پھراں، لوک کہیں درویش

16- اے فرید! میرے کپڑے کالے اور پہناوا بھی کالے رنگ کا ہے۔ میں گناہوں سے آلودہ ادھر ادھر بھٹک رہا ہوں مگر پھر بھی لوگ مجھے درویش کہتے ہیں۔

○

17- فریدا گلین چکڑ، دُور گھر، نال پیارے نینہ

چلاں تاں بھجے کسلی، رہاں تاں تُوئے نینہ

17- اے فرید! گلیوں میں کیچڑ، گھر دور جبکہ محبوب سے دل لگا بیٹھے ہیں۔ ایسی صورت حال میں گھر سے نکلا جائے تو کپڑے بھینکنے کا ڈر ہے اور اگر نہ ملنے جاؤں تو لوگ محبت پہ شک کریں گے جس سے محبوب کے ناراض ہونے کا دھڑکا ہے۔

فارسی کلام کا نمونہ

گر می نہ دہد ہجر تو وصلت دارم با خاکِ سر کوئے تو کارے دارم

○

من نیم واللہ یارا من نیم جان جانم بر سر سزم من نیم
نور پاک احمد در مشیت خاک کور چشماں را اگر روشن نیم
دوست اندر بر سر من ظاہر شدہ من نیم مسعود باللہ من نیم

اردو کلام کا نمونہ

دُھن رے دھنیے اپنی دُھن پرانی دُھنی کا پاپ نہ پُن
تیری روئی میں چار بنولے سب سے پہلے ان کو چُن
روئی کو چُن کے سوت بنا کے پاک پیارے پی کی بُن
اچھی تو جب ہی دُھنکی جائے سگری تانت بجے تُن تُن
تیرا پیا تو مہانگی ہے کر لے تو بھی کوئی گُن
جو تو چاہے ہر کو فریدا آنکھ کان کو کر لے سُن

(سانامہ ماسک پتیرا گارلا ہور ص 58 بحوالہ پنجابی شاعراں دا تذکرہ از مولانا بخش کشتہ ص 38)

چند اشلوکوں کا منظوم اردو ترجمہ

کالے میرے کپڑے فرید اور نس نس میں ہے پاپ
لوگ کہیں درویش مجھے میں جانوں اپنا آپ

○

دور ہے گھر اور گلی میں کیچڑ اور پیا سے پیار
ٹوٹے پیار چلوں فرید تو کسبلی بھیکے، رہوں تو
دیکھ فرید یہ لمبی راتیں سلگیں میرے پاس
ان کا بھی کیا جینا جن کی ٹوٹ گئی ہو آس

○

میرا روگ فرید نہ جانے لاکھ طیب بلائیں
اک پل سا جن آن ملیں تو دکھ سارے مٹ جائیں

○

میں سمجھتا تھا میں ہی دکھی ہوں دکھی ہے سارا جگ
گھر گھر آگ فرید لگی تھی کیا سادھو کیا ٹھگ

○

مٹی کو مت کوس فرید اس جیسا اور نہ کوئے
جیتے جی یہ پاؤں کے نیچے مرے تو اوپر ہوئے

○

دیکھ فرید ان محلوں سے تو اتنا مت کر پیار
خاک منوں جب ہو گی اوپر کوئی نہ ہو گا یار

(منظوم اُردو ترجمہ: شفیع عقیل)



گرو نانک

(1469ء-1538ء)

سکھ مت کے بانی بابا نانک مہتہ کالورائے کے گھر 1469ء میں ننگانہ صاحب ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ ذات کے بیدی کھتری تھے۔ جوان ہوئے تو اپنی بڑی بہن نانکی اور بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور لودھی (ریاست کپور تھلہ) چلے گئے اور مودی خانے میں بطور حساب نویس ملازمت اختیار کر لی۔ یہیں آپ کی شادی ہوئی لیکن آپ کا دل کسی حقیقت کی تلاش میں سرگرداں تھا چنانچہ آپ اپنے دوستوں بھائی بالا اور بھائی مردانہ کو ساتھ لے کر مختلف مزاروں اور تیرتھوں کی یاترا پر نکل گئے جہاں آپ صوفیوں، سادھوؤں، سنتوں سے ملے اور ایک نئے پیغام کے پرچارک بنے جس کا لب لباب بھلائی اور سچائی تھا۔ آخری عمر میں آپ کرتار پورہ میں آئے اور یہیں اپنی امرت بانی کا پرچار کرتے رہے۔ 1538ء میں وفات پائی اور گدی اپنے ایک چیلے گرو انگد کو بخشی۔ مغل بادشاہ بابر نے 1526ء میں ہندوستان میں بادشاہت قائم کی تھی گویا گرو نانک کی زندگی کے آخری 12 سال مغل دور میں گزرے۔ آپ کی شاعری گرتھ صاحب میں محلہ نمبر-1 کے زیر عنوان درج ہے جس میں عربی، فارسی اور ہندی و سنسکرت کے الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

○

نانک ساون جے وٹے چونہہ امانہا¹ ہوئے
 ناگاں مرگاں مچھیاں رسیاں گھردھن ہوئے
 نانک ساون جے وٹے چونہہ وچھوڑا ہوئے
 گائیں پٹیاں² نزدھناں³ پنٹھی⁴ چاکر ہوئے

○

کمر کٹارا بکترا⁵ بن کے کا اسوار
 گربھ نہ کیجے نانکا مت سر آوے بہد

○

وید بلایا ویدگی پکڑ ڈھنڈولے بانہہ بھولا وید نہ جانے کرک⁶ کلیجے مانہہ

1
2
3
4
5
6
نخوش
پہل
غریب
مسافر
بانکا
درد

گروانگد

(1504ء-1552ء)

گرونانک کے پہلے گدی نشین سکھ مت کے دوسرے گرو، گروانگد کے والد کا نام پھیرو تھا جو ذات کے وہن کھتری تھے۔ آپ متے دی سرائے ضلع فیروزپور میں 1504ء میں پیدا ہوئے اور 35 سال کی عمر میں گروگدی پر بیٹھے۔ آپ نے سکھ مت کی بنیاد رکھی، گورکھی حروف ایجاد کیے اور اس بولی کا نام گورکھی (گرو کے منہ سے نکلی ہوئی) رکھا۔ علاوہ ازیں آپ نے بابانانک کے سفر نامے جنم ساکھی کو مکمل کیا۔ 48 برس کی عمر میں مغل بادشاہ ہمایوں کے دور میں 1552ء میں وفات پائی۔ آپ کی آخری آرام گاہ سادھ کھڈور صاحب ضلع امرتسر میں ہے۔ گرنٹھ صاحب میں آپ کا کلام سب سے کم ہے۔ کلام کی نمایاں خصوصیت سادگی سچائی اور عاجزی ہے۔

○

جس پیدارے سوں نیونہہ تس اگے مرچلئے دھرگ جیون سنسار تاں کے پاتھے جیوناں

○

جو سر سائیں نانہہ نویں سو سردتجے ڈار نانک جس پنجر میں برہا نہیں سو پنجر لے جار¹

○

نال ایانے دوستی وڈا روسیوں تیوں پانی اندر لیک جیوں تس دا تھاں نہ تھیوں²

○

نانک چنتا مت کرو چنتا تس ہی ہے جل میں جنت³ اپائے⁴ کے تہاں بھی روزی دے

○

مند ا کس نوں آکھیے جاں سبھناں صاحب ایک



¹ جلا دے

² ٹھکانہ

³ جنتا۔ مخلوق

⁴ بنا کے، پیدا کر کے

گروامرداس

(1479ء-1574ء)

تیسرے گروامرداس، تیجبان (ذات بھد) کے گھر 1479ء کو ”باصر کے“ ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ گدی نشین ہوئے اور 1574ء میں گویندوال ضلع امرتسر میں وفات پائی۔ آپ نے بھی گورونانک کی طرح وحدانیت اور پیار محبت کے اشعار کہے۔

سُنیاں ایہہ نہ آکھئیں جو مڑھیاں لگ جلن

سُنیاں سے ای نانک جو برہے چوٹ مرن

○

سو برہمن بھلا آکھئے جو بجھے برہم وچار

اگے جات نہ کچھئے سائیں دے دربار

○

نانک کنت¹ نہ جانئے سے کیوں اگ جلائے

جھوٹے چونکے نانکا اکو سچا سوئے

ایہہ من چنچل وس نہ آوے

دُکھ روگ سنتاپ اترے سُنئے ساچی بانی



¹خاوند

نوشہ گنج بخش

(1552ء-1654ء)

اصلی نام حاجی محمد موضع گھگھا والی تحصیل پھالیہ (موجودہ منڈی بہاء الدین) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے حسن اخلاق اور دینی تعلیمات سے متاثر ہو کر عوام الناس کی کثیر تعداد دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔ گارساں دتاسی نے اپنے خطبات میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر دو لاکھ ہندوں نے اسلام قبول کیا۔ آپ کی سخاوت اور فیاضی کے باعث لوگ آپ کو گنج بخش کہنے لگے۔ آپ پہلے مسلمان صوفی ہیں جو شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ پنجابی کے نثر نگار بھی تھے۔ آپ کے مواعظ کو پنجابی نثر کا قدیم ترین اور اولین نمونہ سمجھا جاتا ہے جن میں مصنف نے نرم، دھیمیا اور میٹھا لہجہ اختیار کرتے ہوئے دلکش انداز میں پند و نصائح کے دفاتر کھولے ہیں۔

○
دھندے مول نہ نبڑے عمر ا نیڑ گئی دنیا ہتھ نہ آئی کھپ کھپ گئے کئی
رے راجے راؤ نہ کسی بھکھ پئی نوشہ مرشد مہر کر سو جھی آپ لئی

○
چھوٹی رات کہانی وڈی انگن چھوٹا تانی وڈی
جبہ نہ وڈی بانی وڈی نوشہ گل ربانی وڈی

○
سو فقیر جو فارغ ہوئے کرے قناعت دل دی رہے ریاضت دے ویج راضی چاہ نہ رکھے دل دی
آپ نہ توڑے کامل ہوئے مت لیے کامل دی نوشہ نعمت اندر والی مرشد باہجھ نہ ملدی

○
نت نہ ایہتھے ہوونا چھڈنا ہے جہان ایہہ جگ ڈٹھاپیار یادو دم دی گزران

○
دنیا سندی حاکی جانن نہ درویش سچا حاکم رب ہے جس دا حکم ہمیش

○
نوشہ کہناں مور کھاں بندیاں لایا چت میں بلہلے اوس دے جو سب نون دیوے نت



گروارجن دیو

(1563ء-1606ء)

گروارجن دیو، چوتھے گرو رامداس کے بیٹے تھے جو 1563ء میں گویندوال ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ 18 برس کی عمر میں گدی نشین ہوئے اور 34 برس کی عمر میں 1606ء میں لاہور میں وفات پائی۔ شاہی قلعہ لاہور کے پاس ڈیرہ صاحب آپ کی سادھی بنی۔

آپ انتہائی صلح جو اور حکمت و دانش کا مرقع تھے۔ آپ نے ہی گرو گرنٹھ کو باقاعدہ کتابی شکل دی اور اس کے لیے خاصی تگ و دو کی یعنی جہاں جہاں گرنٹھ صاحب موجود تھی وہ منگوا کر ایک تحقیقی منصوبے کی طرح معیاری اور مستند گرنٹھ ترتیب دی اور مختلف گرو صاحبان، باوا فرید، کبیر داس، رامانند، سور داس، میراں بائی اور دیگر کے کلام کو اس میں شامل کیا۔ آپ نے خود بھی کافی شلوک کہے۔ سکھ پنتھ کو چلانے کے لیے باقاعدہ نذرانے (دسوندہ یعنی آمدن کا دسواں حصہ) وصول کرنے کی رسم جاری کی۔ اس کے علاوہ گرو رامداس کے تالاب میں ایک مندر (دربار صاحب) بنوایا اور اس کی بنیاد یعنی پہلی اینٹ حضرت میاں میر سے رکھوائی۔ یہی مندر بعد میں سکھوں کا تیر تھ بنا۔

نمونہ کلام:

توں کا ہے ڈولے پرانیاں¹ تده راکھے سرجنہار
جن پیدائش تو کیا سوئی دے اڈھار²
جن اپائی میدنی سوئی کردا سار
گھٹ گھٹ مالک دلاں کا سچا پروردگار
کتبت قیم نہ جانے وڈا بے پرواہ
کر بندے توں بندگی جچر گھٹ³ میں ساہ
توں سمر تھ اگتھ اگوچر جیوں پنڈ تیری راس
رحم تیری سکھ پایا سدا نانک کی ارداس⁴

¹ انسان

² حوصلہ

³ سینہ

⁴ نذر

شاہ حسین

(1538ء-1599ء)

شاہ حسین 1538 میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مولوی ابو بکر سے حاصل کی بعد ازاں مولوی سعد اللہ شیخ کے شاگرد ہوئے۔ عربی فارسی کے علاوہ فقہ حدیث اور تفسیر قرآن کا علم حاصل کیا۔ مولوی سعد اللہ سے تفسیر مدارک پڑھ رہے تھے کہ قرآنی آیت ”وما الحیوة الدنیا الا لہو ولعب“ (دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے) پر عجیب بے خودی سی طاری ہو گئی اور عمر کا باقی حصہ جذب و مستی میں گزار دیا اور فرقہ ملامتیہ سے تعلق استوار کر لیا۔ شاہ حسین کو راوی پار کے گاؤں شاہدرہ کے ایک برہمن لڑکے مادھولال سے قلبی لگاؤ تھا اور وہ بھی آپ پر شیدا تھا۔ پیر مرید کی محبت یہاں تک پہنچی کہ آپ مادھولال حسین کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی وفات 1599ء میں ہوئی۔ پہلے آپ کو شاہدرہ میں دفن کیا گیا لیکن جب دریائے راوی نے مزار کا رخ کیا تو آپ کو شمالا مار باغ باغبانپورہ کے قریب منتقل کر دیا گیا جہاں ہر سال مارچ کے آخری ہفتہ میں ”میلہ چراغان“ کے نام سے عرس منایا جاتا ہے۔ آپ کا کلام کافیوں کی صورت میں ملتا ہے۔ آپ نے ہی پنجابی شاعری کو پہلی مرتبہ کافی کی صنف سے متعارف کرایا۔ شاعری کا رنگ سراسر صوفیانہ اور معرفت کا ہے۔

اک دن تینوں سفنا تھیں

1: اک دن تینوں سفنا تھیں گلیاں بابل والیاں وو
اُد گئے بھور بھلاں دے کولوں، سن پتراں سن ڈالیاں وو
جت تن لگے سو ای جانے، ہور گلاں کرن سکھالیاں وو
رہ دے قاضی دل نہیوں راضی، گلاں ہونیاں نہ ہوون والیاں وو
سو ای راتیں لیکھے پوسن، جو نال صاحب دے جالیاں وو
ناؤں حسینا تے ذات جلاہا، گاہلیاں دیندیاں تانیاں والیاں وو

متران دی مجھانی خاطر

2: متران دی مجھانی خاطر لہو دلے دا چھانی دا
کڈھ کلیجہ، کیتم بیرے، سو بھی لائق ناہیں تیرے
ہور توفیق نہیں کجھ میرے، پیو کٹورا پانی دا
متران لکھ کتابت بھیجی، لگا بان پھراں تڑپھندی
تن وچ طاقت رہی نہ مُولے، رو رو حرف پچھانی دا
تن من اپنا پرزے کیتا، تینوں مہر نہ آئی آ میتا
اسانوں ہور عذر نہ کوئی، چارا کہا نمائی دا
کہے حسین فقیر نمانا، تیں باجھوں کوئی ہور نہ جاناں
توں ای دانا، توں ای بیٹا، توں ای تان نتانی دا

میں وی جھوک را نجھن دی جانا

3: میں وی جھوک را نجھن دی جانا، نال میرے کوئی چلے
پیراں پوندی، منتاں کردی، جانا تاں پیا اکلے
نیں بھی ڈونگھی تلا پرانا، شینہاں تاں پتن ملے
جے کوئی خبر متران دی لیاوے، ہتھ دے دینی آں چھلے
راتیں درد، دیہناں درماندی، گھاؤ متران دے الھے
را نجھن یار، طیب سُنیندا، میں تن درد اَوَلے
کہے حسین فقیر نمانا، سائیں سنیہوڑے گھلے

مائے نی میں کنھوں آکھاں

4: مائے نی میں کنھوں آکھاں، درد و چھوڑے دا حال
دھواں نڈھکھے میرے مرشد والا، جاں پھولاں تاں لال
سُولاں مار دیوانی کیتی، برہوں پیا خیال
دکھاں دی روٹی، سُولاں دا سالن، آپہں دا بالن بال
جنگل پیلے پھراں ڈھونڈیندی، اجے نہ پایو لال
کہے حسین فقیر نمانا، ملے تاں تھیواں نہال

ربا میرے حال دا محرم تُوں

5: ربا میرے حال دا محرم تُوں
اندر تُوں ہیں، باہر تُوں ہیں، روم روم وچ تُوں
تُوں ہی تاناں تُوں ہی بانا، سب کُجھ میرا تُوں
کہے حسین فقیر نمانا، میں ناہیں سبھ تُوں

○

6: دھن جوانی دا مان نہ کیریے بہت سیانیاں جھلیاں
ایہہ گلیاں تینوں سُفنا کھیسن، بابل والیاں گلیاں

○

7: سجن دے ہتھ بانہہ اساڈی کیکن آکھاں چھڈ وے اڑیا
رات ہنیری بدل کنیاں باہجھ وکیلاں مُشکلاں بنیاں
ڈاہڈے کیتا سڈ وے اڑیا کیکر آکھاں چھڈ وے اڑیا
عشق محبت سو ای جانن پئی جنھاں دے ہڈ وے اڑیا

اردو ترجمہ

1: ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تجھے بابل کی گلیاں خواب کے جیسی معلوم ہوں گی۔ پھولوں سے بھنورے اڑ چکے (جن کی وجہ سے) پتے اور شاخیں بھی اُداس ہیں۔ جس بندے کو (غم یا زخم) لگتا ہے وہی اس کا درد محسوس کر سکتا ہے۔ باقی سب تو یونہی باتیں بناتے ہیں۔ قاضی! تو مجھ سے دور رہ، میرا دل تجھ سے مطمئن نہیں۔ جو باتیں مقدر میں لکھی ہوں وہ وقوع پذیر ہو کر رہتی ہیں۔ وہی راتیں حساب کتاب میں شمار ہوں گی جو خدا کے حضور عبادت میں بسر کی جائیں گی۔ (میرا) نام حسین ہے جبکہ ذات کا جولاہا ہوں۔ اسی لیے تانیاں والیاں (جولاہیاں یعنی اپنی برادری والیاں) مجھے دشنام طرازی کا نشانہ بنا رہی ہیں۔

2: ساجن کی میزبانی کے لئے دل کا لہو چھاننا پڑتا ہے۔ کلیجہ نکال کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پیش کر رہا ہوں مگر یہ بھی تیرے لائق نہیں ہے۔ اب مجھے کچھ اور توفیق نہیں۔ پانی کا کٹورا پیو۔ محبوب کی آمد کا پیغام مل چکا ہے مگر کیا کروں بجائے خوشی کے یہ پیغام تیر بن کر دل پہ لگا ہے جس سے میں ادھر ادھر تڑپتی پھر رہی ہوں۔ (محبوب کے دیدار کو آنکھیں ترس گئیں جبکہ) جسم کمزور ہو گیا ہے۔ اس کمزوری کے باعث اب تو لفظ پڑھنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ تیرے انتظار میں رو رو کر برا حال بنا ڈالا ہے مگر تجھے مجھ پہ رحم نہیں آیا۔ میرے پاس کوئی عذر بہانہ نہیں، ویسے بھی لاچار اور کمزور کے بہانے کسی کام نہیں آتے۔ فقیر حسین کہتا ہے کہ محبوب کے علاوہ وہ کسی دوسرے کو نہیں پہچانتا۔ خدایا! تو ہی کمزوروں اور بے بسوں کا سہارا اور آسرا ہے۔

3: میں نے بھی رانجھن کے دیس جانا ہے، میرے ساتھ کوئی چلے۔ (میں تو) پاؤں پڑی، منت سماجت بھی کی (لیکن) پھر بھی مجھے اکیلے ہی جانا پڑا۔ ندی بھی گہری ہے، کشتی بھی پرانی ہے اور پتھن پر شیر بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ (ایسے میں) اگر کوئی محبوب کی خبر لائے تو اسے ہاتھ کی انگوٹھی (تحفے میں) دے دوں۔ مجھے تو راتوں کو درد نے اور دن میں پریشانیوں نے گھیر رکھا ہے۔ پیاروں کی محبت کے زخم بھی عجیب ہوتے ہیں۔ سنا ہے رانجھن یا رطبیب ہے لیکن میرے جسم کے روگ تو نرالے ہیں۔ بیچارہ حسین فقیر کہتا ہے محبوب نے (ملنے کے لیے) پیغامات بھیجے ہیں۔

4: اے ماں میں درد و چھوڑے کا حال کسے سناؤں۔ دامن سے مرشد والا دھواں نکل رہا ہے جب اسے ٹٹولوں تو لال نکلتے ہیں۔ مجھے درد کی مار پیٹ نے دیوانی بنا دیا ہے (اسی لیے) جدائی کا خیال دل سے نکلتا ہی نہیں۔ دکھ میری روٹی اور درد میرا سالن ہے (جبکہ) آہوں کا ایندھن جلاتی ہوں۔ جنگل اور ریگستانوں میں محبوب کو ڈھونڈ دیکھا لیکن وہ نہ ملا۔ بیچارہ حسین فقیر کہتا ہے محبوب ملے گا تو سرخرو کہلاؤں گی۔

چار کافیوں کا منظوم اردو ترجمہ

جس کو عاشق بننا ہے بس وہ ہی عشق رچائے
عشق کا رستہ سوئی کا ناکا، دھاگا ہو تو جائے
ظاہر پاک، اندر آلودہ، زاہد کیا کہلائے؟
کہے حسین، جو صاف رکھے دل عزت اس کو جائے

○

میرے دل کے حال کا محرم، اے میرے رب تو
اندر تو ہے، باہر تو ہے، دیکھوں جس ڈھب تو
تو ہی تانا، تو ہی بانا، سب کچھ ہے اب تو
شاہ حسین، کہے بیچارہ میں ناہیں سب تو

○

سن ری پگی موند نہ آنکھیں سے گزرتا جائے
یہ دُنیا دو چار دنوں کی انت کوئی نہ پائے
دولت دُنیا، رُوپ جوانی ڈھلتے بڑھتے سائے
شاہ حسین، اب کیوں نہ بچارا اللہ کے گن گائے

○

ان نینوں کی بات میں آگئے، اب کیا حال سنائیں
سکھیو پاک نگاہوں والے، کبھی نہ ٹھوکر کھائیں
کالے کاگ سفید نہ ہوں گولا کھ وہ رنگ چڑھائیں
شاہ حسین شہادت ان کی، پیار میں جو مر جائیں

(منظوم اردو ترجمہ: شفیق عقیل)



سلطان باہو

(1629ء-1690ء)

حضرت سلطان باہو کو پنجابی کے صوفی شعرا میں بلند مقام حاصل ہے۔ آپ بازید محمد کے گھر شورکوٹ ضلع جھنگ میں پیدا ہوئے جنہیں عسکری خدمات کے عوض شورکوٹ میں مغل بادشاہ شاہجہان کی طرف سے جاگیر عطا ہوئی تھی۔ آپ نے فارسی میں 140 کتب تحریر کیں جبکہ پنجابی ابیات کی ایک ہی کتاب ہے جو ان کی اصل شہرت کا باعث بنی۔ آپ کی پنجابی شاعری میں معرفت کی باتیں کی گئی ہیں۔ اسلوب سادہ ہے، فقر اور وحدانیت کا درس زیادہ ہے۔

الف: اللہ چنبے دی بوٹی مرشد من میرے وچ لائی ہو
نفی اثبات دا پانی ملیس ہر رگے ہر جائی ہو
اندر بوٹی مشک مچایا جاں بھلن پر آئی ہو
جیوے مرشد کامل باہو جیں ایہہ بوٹی لائی ہو

○

چڑھ چٹاں توں کر رُشنائی ذکر کریندے تارے ہو
گلیاں دے وچ پھرن نمانے لعلاں دے ونجارے ہو
شالا مسافر کوئی نہ تھیوے لکھ جنہاں تھیں بھارے ہو
تاڑی مار اڈا نہ باہو آسیں آپے اڈن ہارے ہو

○

پڑھ پڑھ علم ہزار کتاباں عالم ہوئے سارے ہو
اک حرف عشق دا پڑھ نہ جانن بھلے پھرن بیچارے ہو
اک نگاہ جے عاشق دیکھے لکھ ہزاراں تارے ہو
لکھ نگاہ جے عالم دیکھے کسے نہ کدھی چاڑے ہو

ایہہ تن میرا چشماں ہووے میں مرشد دیکھ نہ رجاں ہو
 لوں لوں دے ہڈھ لکھ لکھ چشماں اک کھولہاں اک کجاں ہو
 ایتنیاں ڈٹھیاں صبر نے آوے ہو رکتے ول بھجاں ہو
 مرشد تیرا دیدار ہے باہو مینوں لکھ کروڑاں بجان ہو
 ○

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ وچ پا فقیرا جھاتی ہو
 نہ کر منّت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ہو
 شوق دا دیوا بال ہنیرے متاں لبھے وسست کھڑاتی ہو
 مرن تھیں مر رہے اگے باہو جنہاں حق دی رمز پچھاتی ہو
 ○

یار یگانہ مل سی تینوں جے سردی بازی لائیں ہو
 عشق اللہ وچ ہو مستانہ ہو ہو سدا، الائیں ہو
 نال تصور اسم اللہ دے دم نوں قید لگائیں ہو
 ذاتے نال جاں ذاتے زلیا تد باہو نام سدا لیں ہو
 ○

دل دریا سمندروں ڈوگھے کون دلاں دی جانے ہو
 وچے بیڑے وچے جھیرے وچے ونجھ مہانے ہو
 چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگن تانے ہو
 جو دل دا محرم ہووے باہو، سو ای رب پچھانے ہو
 ○

نال کسنگی سنگ نہ کریئے کل نون لاج نہ لایئے ہو
 مول تھے تر بوز نہ ہندے توڑے توڑکے لے جایئے ہو
 کانواں دے بچے ہنس نہ تھیندے توڑے موتی چوگ چگایئے ہو
 کوڑے کھوہ نہ مٹھے ہونڈے باہو بھوایس سے منال کھنڈ پایئے ہو

چند ابیات کا منظوم اردو ترجمہ

○

دل دریا ساگر سے گہرا، کون دلوں کی جانے ہو
 اس میں بیڑے، اس میں طوفاں اور بھنور مستانے ہو
 چودہ طبق اسی کے اندر، جیسے خیمے تانے ہو
 دل کا محرم وہ ہے باہو، رب کو جو پہچانے ہو

○

ساجن نے جو آگ لگائی، اس کو کون بجھائے ہو
 میں کیا جانوں پیار سکھی، جو در در مجھے جھکائے ہو
 ناسوئے ناسونے دے یہ، نیند میں آن جگائے ہو
 باہو اس پر صدقے میں جو پچھڑا یار ملائے ہو

○

چڑھ اے چاند اجالا کر دے، راہ نکلیں اب تارے ہو
 تجھ سے چاند ہزاروں نکلیں، ساجن بن اندھیارے ہو
 میرا چاند اگر تو دیکھے، بھولیں نخرے سارے ہو
 جس پر جان لٹائی باہو، اس کو پیار پکارے ہو

○
 دل سے ہے منہ کالا اچھا، کوئی اگر یہ جانے ہو
 منہ کالا دل اچھا جس کا یار اسے پہچانے ہو
 اے دل یار کے پیچھے ہو جا، شاید کبھی وہ مانے ہو
 باہو، عالم مسجد چھوڑیں، دل جب لگے ٹھکانے ہو

○
 عشق کا دریا تیرنے والے ہوتے ہیں دل والے ہو
 اس میں لہریں ٹھاٹھیں ماریں، ڈرے، قدم نہ ڈالے ہو
 لاکھ بلائیں گھوم رہی ہیں، اپنا آپ سنبھالے ہو
 باہو، نام فقیری میں ہو، تن من اپنا گالے ہو

○
 سوزنے دل کو پھونک جلا یا دکھوں نے ڈیرے لائے ہو
 کونسل بن کے کوک رہا ہوں، مولا مینہ برسائے ہو
 بول پیہے ساون آیا، رت خالی نہ جائے ہو
 باہو، ثابت قدم بڑھیں گے، تجھ کو یار بتائے ہو

○
 پڑھ پڑھ حافظ کریں تکبر مٹا کریں بڑائی ہو
 گلیوں میں یوں دونوں گھومیں بغل کتاب چھپائی ہو
 جہاں نوالہ تر یہ دیکھیں، وہیں پہ رات بتائی ہو
 باہو، دونوں جہاں میں بھولا، جس نے نیکی کھائی ہو

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



عبداللہ عبدی

محمد عبداللہ عبدی نے مغل شہنشاہ اکبر کے آخری دور میں میاں جان محمد کے ہاں ملکہ ہانس تحصیل پاک پتن میں جنم لیا۔ بعد ازاں لاہور آگئے اور باقی عمر یہیں بسر کی۔ تقریباً 70 برس تک شاعری کی۔ قرآن مجید کے حافظ تھے۔ فقہ کے مسئلے پر 12 رسالے لکھے۔ ”باراں انواع“ کئی مرتبہ شائع ہوئی۔

○

اساں عشق رب دا ہتھ نہ آوے کر کر تھکے زاری
جدھر کدھر دھکے گئے تھیے نال خواری
موت عبداللہ نیڑے آئی ساعت گھڑی ٹکانا
جو فرمایا پاک منزہ عزرائیل دکھانا

○

پچھ عبداللہ جوانی تائیں کیا کجھ میرا حال
جو ہر خوبی تیری آہی کا نہ رہیا سال
جیویں گھن دی کھاہدی لکڑی پئی ترکھانے وس
جوہر خوبی میری آہی پیری کھڑیا کھس

○

عبدی ملک الہی طلب کریں کیا توں آندا
جے کجھ پلے چنگا کھڑسیں نہ ٹھیسیں درماندا
کاہل عبد عبادت اندر ذرا خاص نہ ہو
عیب اساڈے ونجھن دھوتے جو خالق لاہے دھو
ہور امید نہ کیجے کائی باجھ امید الہی
رب صاحب جس دنیا خلقی حد قدیمی آہی



جھلن جٹ

(وفات 1644ء)

جھلن ذات کے جاٹ اور امرتسر کے رہائشی تھے۔ جہانگیر کے دور میں جنم ہوا اور 1644ء میں وفات پائی۔ لارڈ میکالف اپنی کتاب ”The Sikh Religion“ جلد چہارم کے ص 144 پر لکھتے ہیں کہ جھلن اور اس کی بیوی راکی نے گورو گوبند سنگھ کے چرنوں میں بیٹھ کر معرفت کا جام پیا۔

○

نکے ہندیاں ڈھگے چارے وڈے ہو ہل واہیا
بڈھے ہو کے مالا پھیری رب دا اُلہا لاہیا
وڈا کیکر وڈھ کے جپ مال بنایا
اُچے بٹے بہہ کے ٹھاہ ٹھاہ وجایا
لوکاں دیاں جپ مالیاں جھلن دا جپ مال
ساری عمر جیندیاں اک نہ کھتھا وال

○

آن ووہٹی آن لاڑھا آن دا ویاہ سارا
آن موٹا آن گاڑھا آن روئے آن مئے
جھلن جس گھر نہ پکے نہ کوئی روئے نہ کوئی مئے

○

پتیاں نوں لے گئیاں نوںہاں دھیاں نوں لے گئے ہو
بڈھا بڈھی ایوں بیٹھے جیوں سنھ لا گئے چور



پیلو

(1580ء-1675ء)

پیلو کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات دستیاب نہیں سوائے اس کے کہ امرتسر کے رہائشی تھے۔ آپ نے سب سے پہلے مرزا صاحبان کا قصہ پنجابی میں نظم کیا جو میراثیوں کو زبانی یاد تھا۔ بعد ازاں سر رچرڈ ٹمپل نے انہی میراثیوں سے یہ قصہ سن کر رومن حروف میں اپنی کتاب ”لیجنڈز آف پنجاب“ میں شامل کیا اور بعد کے محققین کو وہیں سے دستیاب ہوا۔ موجودہ صورت میں یہ قصہ مختصر اور نامکمل ہے اور اس کے کئی حصے غائب ہیں مگر مجموعی تاثر میں یہ ابھی تک ایسا جاندار ہے کہ پنجابی داستانوں میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ پیلو نے اسے کہیں مکالمے کی صورت میں لکھا ہے اور کہیں کہانی کے انداز میں، تاہم انداز بیان ڈرامائی ہے۔

○

کڈھ کلیجہ لے گئی خان کھیوے دی دھی
گزر گز لیتیاں میڈھیاں رنگ جو گوری سی
جے دیوے پیالہ زہر دا میں مرزا لیندا پی
جے مارے بر چھی کس کے کدی نہ کرساں سی

○

مرزا پھل گلاب دا میری جھولی آن پیا
میں بھل بھلکھے سُنکھیا جٹ ہڈیوں ڈھا گیا

○

چڑھدے مرزے خان نول و نچھل دیندا مت
بھٹھ رناں دی دوستی، گھریں جنھاں دی مت
ہس ہس لونڈیاں یاریاں رو رو دیندیاں دس
جس گھر لایئے دوستی، مول نہ گھتے لت
سُئی ہتھ نہیں آوندی دانشمنداں دی پت

○
 چڑھدے مرزے خان نوں، متاں دیوے ماں
 بُرے سیالاں دے معاملے، بری سیالاں دی راہ
 بُریاں سیالاں دیاں عورتاں لیندیاں جادو پا
 کڈھ کلیجہ کھاندیاں، میرے جھاٹے تیل نہ پا
 رن دی خاطر چلیا، آویں جان گنوا
 آکھے میرے لگ جا، اگے پیر نہ پا

○
 صاحبان لیون تیل نوں آگئی پساری ہٹ
 اوہ پھڑ نہ جانے تکلڑی، ہاڑ نہ جانے وٹ
 تیل بھلاوے بانیا، دیوے شہد اُلٹ
 وڑنج گوائے بانیا، بلد گوائے جٹ

○
 بُرا کیتو ای صاحبان میرا ترکش ٹنگیا جنڈ
 تن سوکانی مرزے جوان دی، دیندا سیالاں نوں ونڈ
 پہلی ماردا ویر شمیر نوں، دوجی ککے دے تنگ
 تیجی مار دا جوڑ ککے، جیس دی ہیں توں منگ
 سروں منڈاسا لہہ گیا، گل وچ پے گئی جنڈ
 باجھ بھرانواں ماریا، کوئی نہ مرزے سنگ

○
 بہہ بہہ گنیاں مجلساں لگ لگ گئے دیوان
 مرزا ماریا ملک الموت دا کجھ ماریا اوہنوں گمان
 وچ قبراں دے کھپ گیا مرزا سوہنا جوان
 ایہہ قصہ پیلو جوڑیا جنھوں جانے جگ جہان

○
 دساں مہینیاں دا گھیو دیتا بکئی دے ڈھڈپا
 بکئی توں ڈرن فرشتے میتھوں ڈرے خدا

منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ

کھیوے خان کی بیٹی صاحبان مرزے کو تڑپائے
گزر گز لمبی مینڈی اس کی، گورا رنگ سہائے
زہر پیالہ دے دے اگر وہ، مرزا یہ پی جائے
اگر وہ بلم مارے اس کو، لبوں پہ اف نہ لائے

”اپنی موت میں آپ مروں گا، کسی کا کچھ نہ جائے“

گھر سے مرزا چلنے لگا تو باپ اسے سمجھائے
”بھاڑ میں جائے نار کی یاری“ عقل نہ اس کو آئے
ہنس ہنس یار بنا لے پہلے، رو رو پھر بتلائے
جس گھر پیار کا نانا جوڑے اس گھر کبھی نہ جائے

”دانش مند کی عزت کھو کر لاکھوں میں نہ آئے“

راجہ روئے راج کو جگ میں، چور کو چوری بھائے
گوری روئے روپ کو اپنے، مور کو پیر رلائے
گھر سے مرزا چلنے لگا تو ماں اس کی سمجھائے
”سانپ اور شیر سے یاری کر کے ہر کوئی پچھتائے“

”کھولے تیل کڑھائی میں اور شعلہ سر تک آئے“

”اپنی منگیتر کوئی نہ چھوڑے، بیوی چھوڑی جائے
اگر منگیتر چھوڑ دی میں نے دنیا ہنسی اڑائے
میں مرزا وہ صاحبان، میری جگ میں شہرت پائے“
گھر سے مرزا چلنے لگا تو ماں پھر یہ سمجھائے

”چور اور یار سے اپنے دل کا ہر دم راز چھپائے“

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)

حافظ برخوردار

(پ 1030 ہجری)

حافظ برخوردار ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں مسلمانی میں عہد عالمگیر میں پیدا ہوئے۔ قرآن کے حافظ تھے۔ جوانی میں لاہور آگئے مگر جلد ہی سیالکوٹ کو اپنا مستقل مسکن بنا لیا اور وہیں وفات پائی۔ حافظ برخوردار کی 20 سے زائد تصانیف بتائی جاتی ہیں جن میں سے ایک قصہ مرزا صاحبان بھی ہے۔ تاہم حافظ برخوردار کے قصے اور پیلو کے قصے کی بحر ملتی جلتی ہے اور بعض جگہ مصرعے ایک دوسرے سے ٹکراتے نظر آتے ہیں۔

قصہ مرزا صاحبان

صاحبان رنگ مجیٹھ دا جیوں جیوں دھرت رنگن
اُہدی جتتی دے دو آلیاں دو بطخاں چوگ چگن
اُسدا قد سکیم تن وچ ترکل وٹ پون
اتے نک کنڈی دا پیلا زلفاں ناگ پلن
اُہدیاں سرخ لبان دند اُجلے جیوں موتی لال بھخن
جاں گل کریندی ہس کے مُونہوں بھل جھڑن
صاحبان دے ترکھے نین کٹاریاں دسر گھا کرن
جیوں تیزی سورج سائمنے لاٹاں نین مچن
اُہدے پٹ چندن دیاں گیلیاں چنگے مشک چھڑن
اُسدی دھتی تنگ شراب دی عاشق گھٹ پیون
اُسدے سینے تے دو ڈبیاں عاشق مسست کرن
اُپر بھوچھن کاہڈواں تلیئر چوگ چگن!

○

چڑھدے مرزے خاں نوں اگوں مادر دیوے مت
جائے بگانی نار نوں مورکھ پاوے ہتھ!

لکھیں ہتھ نہ آوندی دانشمنداں دی پت
میں بکرا دیساں پیر دا جو گھر آوے مُرَوَت
بُرا کیتوئی صاحبان مرا ترکش ٹنگیو ای جنڈ
مرا جیون بہت محال ہے پرتوں وی ہوسیں رنڈ

منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ

عشق کا دریا بہتا جائے عاشق خوب نہائیں
اس میں پیار کے لاکھوں بیڑے ہر دم بہتے جائیں
کھیوے خان کی بیٹی جس سے حوریں بھی شرمائیں
اس کا روپ جو پریاں دیکھیں اپنے ہوش گنوائیں
سرو سا قد اور بازو پھیلے، کونج کی یاد دلائیں
دونوں ہونٹ شراب کے پیالے عاشق مست بنائیں
بازوں جیسے نین دو خونی، دل میں کُھتے جائیں
رہ رہ دل پر وار کریں اور خون کے گھونٹ پلائیں
پلکوں کا جب ترکش کھولے، نظریں لوٹ مچائیں
دل والوں پر باندھ نشانے تیر پہ تیر چلائیں
کا جل بن ہی سرمئی آنکھیں گھائل کرتی جائیں
کا جل کی جو دھار لگا لیں سب کو دار چڑھائیں
اس کا ماتھا امبر جس سے حسن کی کرنیں آئیں
پان سے پتلے ہونٹ رسیلے رنگ پہ رنگ چڑھائیں
(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)

سُتھراشاہ

(پ-1615ء)

سُتھراشاہ، گوروگو بند سنگھ کے آخری دور میں 1615ء کو پٹیالہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوا۔
شروع سے ہی مزاج میں شگفتگی پائی جاتی تھی۔ لمبی عمر تک زندہ رہے۔

○

آر گنگا پار گنگا وچ میں تے توں
لہناں لیناں ستھریا ناسیں دے کے دھوں

○

لوک ڈراون کارنے کیہ توں بھیکھ بنایا
نر اُدم ٹکڑا کھاوناں بابا نام سدایا
جیوں جیوں چڑھن شیرینیاں تیوں تیوں ودھ دا جا
دے دعائیں کھلیاں اگلی گل نہ کا

○

ڈھول وچے گھر لئیے، لوکی کہن ویاہ
صاحب ارتھ نہ بیجیو ہویا مکھ سیاہ
جت دن لیکھا، منگیے گل پلو منہ گھاہ
سُتھریا راہوں کھتھیا وڈا تنھاں نوں واہ



بھائی گورداس

(1559ء-1637ء)

بھائی گورداس، تیسرے گرو امر داس جی کے بھتیجے تھے۔ امرتسر میں جنم لیا۔ سنسکرت، فارسی اور ہندی کی تعلیم حاصل کی۔ پیدائشی شاعر تھے۔ آپ نے 39 واریں اور 556 کبت لکھے۔ پانچویں گروارجن دیو نے معیاری گرتھ آپ سے لکھوا کر تیار کی۔ آپ نے اپنے کلام میں ضرب الامثال، محاورات اور تشبیہات نہایت عمدہ انداز سے استعمال کی ہیں۔

○

گدڑ دا کھ نہ اپڑے آکھے تھوہ کوڑی
نچن نچ نہ جانے آکھے بھوئیں سوڑی
بولے اگے گاویئے بھیروں سو گوڑی
ہنساں نال ٹیڑی کیوں پنچے دوڑی
ساون دن ہریا ولے اک جے روڑی
بے مکھ سکھ نہ دیکھیے جیوں چھٹڑ چھوڑی

○

لیلیٰ مجنوں عاشقی چوہ چکی جاتی
سورٹھ بیجا گاویئے جس سکھڑا داتی
مہینوال نوں سوہنی لے تڑدی راتی
رانجھا ہیر بکھا نئے اہ پر م پراتی
پیر مریداں پرہڑی گاؤں پر بھاتی



بہاری لال بہاری

بہاری لال بہاری گرو گوبند سنگھ کے 52 شعرا میں سے ایک تھے۔ ان کے بارے میں مزید معلومات ناپید ہیں، البتہ مختلف تذکروں میں ان کا کلام موجود ہے۔

○

عاشق عاشق سبھ کوئی آکھے ٹیڈھی پگڑی دھر کے
سرتوں پرے عشق دا ڈیرا سبھ مڑ آئے ڈر کے
مان متی تے خودی تکبر کوئی نہ رہیو جر کے
سجناں دے اُچے محل بہاری کوئی عاشق پہتا مر کے

○

ہائے محبت کسپی لائی میرے سینے اندر رڑ کے
جیوں جیوں ویکھاں باغ ماہی دا میرے اندر آتش بھڑ کے
انہڑی جھڑ کے مینوں بابل مارے مینوں ویر بلاون لڑ کے
ایس وچھوڑے دی آتش کولوں دم نکل جائے گا سڑ کے

○

اماں نی میں مردی جاواں میرے اٹھن سول کلیجے
برہوں قصائی، اندر وڑیا جند کیتی رتجے رتجے¹
جس دن دی گھر کھیڑے دے آئی سکھ نہ سٹی سیجے
تہاں توں قربان بہاری جو چاک اساتھے بھیجے



¹ رتجے رتجے: ریزہ ریزہ

شاہ ظریف

(غ 1044ھ-1120ھ)

لاہور کے رہنے والے شاہ ظریف اہل بیت سے پیار کرنے والے درویش طبع اور فقیرانہ خیالات کے حامل شاعر تھے۔ میاں رکن دین کے علاوہ بھی ان کے کئی شاگرد تھے۔ صرف حضرت علیؑ کی مدح میں چھپا ہوا کلام دستیاب ہو سکا۔

○

ک: کو ہڑیاں دے ڈکھ دُور ہندے جدوں علیؑ دانام دھیاوندے جی!
روشن ہندیاں اکھیاں اہناں دیاں جو سرمہ علی دی ڈھوڑدا پاوندے جی
بیٹے بخشدا اونتر نکھتیاں نوں لوہری دیندے تے گود کھڈاوندے جی
ظریف کپڑے بخشدا انگلیاں نوں کھکھے رج کے طعام نوں کھاوندے جی



سید غلام قادر شاہ

(پ 1107ھ)

سید غلام قادر شاہ نے 1107ھ میں بٹالہ میں جنم لیا۔ والد عربی اور فارسی کے بہت بڑے عالم تھے چنانچہ عربی، فارسی، منطق، فلسفہ، فقہ، حدیث کی تعلیم ورثے میں ملی۔ دربار قادریہ فاضلیہ کے بانی تھے۔ فارسی، اردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔

○

غ: غور کرو وچ اپنے ہی یار وچ تساڈرے وسدا اے
تسیں جنگلیں جائیکے ڈھونڈدے او وچ سینے دے بیٹھا اوہ ہسدا اے
وارو وار سٹی پیا اپنے تھوں راہ اپنا آپ ہی دسدا اے
میں تاں ویکھ لیا تسیں ویکھ لئو روم روم دے وچ اوہ وسدا اے

احمد کوی

(1768ء-1845ء)

احمد یار جلال پور جٹاں ضلع گجرات کے ایک قادر الکلام اور کثیر التصنیف شاعر تھے جنہوں نے لمبی بحر میں ہیر لکھی جو 183 بندوں پر مشتمل ہے۔ احمد یار کے ہیر رانجھے کے قصے میں بے شمار ایسے اشعار ہیں جو وارث شاہ کی ہیر کی فکر کے ہیں۔ دونوں کے قصے کا پلاٹ بھی ایک جیسا ہی ہے سوائے اختتام کے۔ بقول مولا بخش کشتہ احمد یار نے ہیر کا نقشہ بنایا اور وارث شاہ نے اس میں رنگ بھرا۔

قصہ ہیر رانجھا سے نمونہ کلام

○

قید زلف زنجیر دی پیا جوگی تیرا کٹھڑا برہاں بیراگ ہیرے
رنگ زرد تے سُنک کے کاٹھ ہو یا سوز ہجر دا جگر وچ داگ ہیرے
تن آدمی دے سُنکھ دے ناہیں جنھوں چمبڑے عشق دا ناگ ہیرے
تیرے طلب دیدار دے دیکھنے نوں آیا کوہ وناستی جھاگ ہیرے

○

نظر باز پھر دا وچ کھیڑیاں دے اتے اتیں پاوندا جھاتیاں نی
اک ہسڈیاں کھیڈ دیاں گاوندیاں نیں اک بیٹھیاں چُپ چپاتیاں نی
کوئی ساولیاں نے کوئی گوریاں نی کوئی لمیاں کوئی سنگھاتیاں نی
اک بھننے دن انوپ گڑیاں اک سوہنیاں نیں اک داتیاں نی
اک نظر چھپا کے ویکھدیاں نیں اک ظاہرا مار دیاں کاتیاں نی
اک کڈھ کھنگھٹ شرماندیاں نیں اک کھول دکھاندیاں جھاتیاں نی
کوئی ویاہیاں کوئی کواریاں نیں سبھے رنگ بھریاں دسن ماتیاں نی
کدھروں آویں وے راولا جاہ کدے مل ناتھ نوں بچھ دیاں باتیاں نی

سہتی:

تیرا عجب سلوک ہے منگنے دا کھرے نکھرے وین الاوناں ہیں
تیرا ڈھنگ ناہیں کوئی جو گیاندا گھریں وڑے تے جھاتیاں پاوناں ہیں
بوہ بھیکھیا، مکریا، راولا وے پردیس دی لاف سناوناں ہیں
چھیل چھدر جیہا تینوں ویکھنی ہاں سوال کرے تے بولیاں لاوناں ہیں
نواں جوگ لئیو، بری نظر تیری کہیا جو بنے روپ دکھاوناں ہیں
پہلے لاف ماریں پردیسیاں دی ناؤں ہیر دا کیونکر جانناں ہیں

○
روز جمعے دے ترنجاں ملی چھٹی سبھے ندی تے چلیاں نہاوانے نوں
صندلیں بھنیاں نیں نال ڈونیاں رنگ رنگ دے راگ سناوانے نوں
اک کھڑیاں اک برہمنیاں نیں اک مکھیٹیاں چتر سداوانے نوں
اک نٹیاں اک اچھیٹیاں نیں اک کمرہٹیاں جھمرے پاوانے نوں
اک منہاریاں اک بھٹاریاں نیں اک کھٹھاریاں بولیاں لاوانے نوں
سبھے اپنے اپنے حال وچ مست کوئی جو بنے روپ دکھاوانے نوں
راہ جانڈیاں نوں دھوآں نظر آیا متا کیتو نیں پھول مچاوانے نوں
وانگ لشکری دھوئیں دے گرد ہونیاں پھول گھتیاں کھورو پاوانے نوں

○

رانجھا ہیر نوں:

پیر اپنے کہی میں آپ ماری میری سنے ہن کون فریاد ہیرے
تدوں ستھروں نذر کر جان دی سیں جدوں رچی سیں ایت سواد ہیرے
نال تھاں گراں دا بھل گیا تینوں ذرا نہ آوندا یاد ہیرے
میں تے تخت ہزارے دا چودھری ساں ست پیہہڑیا اصل بنیاد ہیرے
وخت پیاں نہ جان دی حال میرا نظر آیا تیرا اعتقاد ہیرے

○

ڈٹھے حاجیاں مکے دے راہ تنے رانجھا ہیر تے نال ای مجھ بوری
رانجھا راہ دکھاندا حاجیاں نوں ہیر وندڈی لنگر چوں پئی چوری

علی حیدر ملتانی

(1690ء-1785ء)

علی حیدر موضوع چونتہ ضلع ملتان کے رہنے والے وحدانیت کے عکاس، عالم فاضل اور صوفی بزرگ تھے۔ انتہائی عمدہ دوہڑے لکھے۔ کافیاں، بارہاں ماہ اور سی حرفیاں بھی مشہور ہوئیں۔ زیادہ کلام سرائیکی میں ہے۔

○

ع۔ عشق جنہاندڑے خیال پیا مسجد چھوڑ کتاباں نوں ٹھپ گئے نی
کاغذ پاڑ کے چا ویران کیتے اتے قلم دواتاں نوں کپ گئے نی
اگے قہقہہ دیوار دی کندھ آہی چھالیں مار کے اُتوں دی ٹپ گئے نی
رنگن چڑھی وے حیدر رسول والی جنہاں رہناں سی سوئی رپ گئے نی

○

الف۔ اندر گھونگھٹ دے ماریا ای ویکھاں گھونگھٹ اتاریاں ہووے گا کیا
تینڈی گندھی مینڈھی اندھیر پایا ویکھاں ول اتاریاں ہووے گا کیا
تیغ وچ میان دو ٹک کیتا ویکھاں دھو لاریاں ہووے گا کیا
علی حیدرا پچھ پیاریاں نوں ساہنوں لا لا لاریاں ہووے گا کیا

○

ع۔ علم دا پڑھنا نیک بہوں پر عشقے دی گل انوکھڑی اے
چن تے سورج دی روشنی بہوں پر یار دی جھات انوکھڑی اے
شب قدر دی رات بھی بہوں چنگی پر وصل دی رات انوکھڑی اے
مشکل گھاتاں سبھے اوہ حیدر پر برہوں دی گھات انوکھڑی اے

○

د۔ درشن تیرے نے درس بھلائے ملّاں مفتیاں قاضیاں نوں
صرنی نحوی بھل بھل جاندے پڑھن مضارع ماضیاں نوں

خط تِساڈے دے خط جو ڈٹھیاں بُھلے بیاض بیاضیاں نوں
حیدر یار دے درشن کیتیاں ای بُھلے نفل نماز نمازیاں نوں

ع۔ عشق دی منزل اوکھی ہے متاں سوکھی ڈیکھ تے بُھل پوویں
اگوں سے کوہاں دے پندھڑے نی متاں پیر پیادہ جُل پوویں
رات اندھاری تے راہ نہ کوئی متاں وچ اُجاڑ دے رُل پوویں
علی حیدرا لکھاں دی قیمت تیڈی متاں ونج کوڈی دا مُل پوویں

ج۔ جوڑ کے جانی ویران کیتا، ربا پاویں نہ وچھوڑا بلیاں دا
میلے ویس پھراں وچ گلیاں دے سوہنے یار باجھوں رنگ تیلیاں دا
دلدار توں وچھڑیاں مدت ہوئی سُنج ڈسدا حال حویلیاں دا
علی حیدر میاں کریں جلد پھیرا دل سکدا سنگ سہیلیاں دا

ع۔ عشق شراب دی چڑھی مستی کھڈیاں بُھل دیاں بُھل گئیاں
مینڈھی گندھی ہئی عطر پھلیل والی زلفاں کھل دیاں کھل گئیاں
سرمہ پایا سی یار دے ویکھنے نوں ہنجوں ڈھل دیاں ڈھل گئیاں
علی حیدر یار پیارے باجھوں ہڈیاں رُل دیاں رُل گئیاں

الف۔ اتھے اتھے اساں آس تیڈی اتے آسرا تیڈے زوردا ای
منجھیں سب حوالے تیڈے نی آساں خوف نہ کالڑے چور دا ای
توں جان سوال جواب سبھو سانوں ہول نہ اوکھڑی گوردا ای
علی حیدر نوں سک تیڈی اے تیڈے باجھ نہ سائل ہور دا ای

○
 ب۔ بناں لگیاں اکھیاں رہن ناہیں کسے شہر محبوب دے دے سیے جی
 اوہ شہر کیہڑا جتھے عشق ناہیں دُنیا چھوڑ کتے ول نیسے جی
 کچی نار دے نال نہ نیوں لایئے کچی نار دے نال نہ ہسے جی
 دل وچ کھوٹ رکھے مونہوں ہس بولے کچے یار نوں بھیت نہ دے سیے جی

○
 ف۔ فالان پواندڑی نت پھراں پئی تینڈرا راہ تکیںیاں میں
 اکھ پھڑکے تے تن جند پوے کاں کوٹھیاں اُتوں اڈینیاں میں
 چرخہ گھوکے تے ماہل ملیندی دسے سن سن کے جیو دھریںیاں میں
 علی حیدر آکھیں جا ڈھولنے نوں کئی کر کر حیلڑے جینیاں میں

○
 ہ۔ ہوش نہ چھڈی عشق تیرے اُتے اِس وچ بہت دلگیریاں نی
 جنہاں عشق دی چوڑی رنگ لئی اوہناں چٹیاں چادراں چیریاں نی

○
 ل۔ لگیاں اکھیاں رہن ناہیں کسے شہر محبوب دے دے سیے جی
 اوہ جگہ کیہڑی جتھے عشق ناہیں دُنیا چھوڑ کتے ول نیسے جی
 کچی نار دے نال نہ نیوں لایئے، ہوچھے یار دے نال نہ ہسیے جی
 علی حیدر میاں دل اک ہووے بھاویں سو کوہاں اُتے دے سیے جی

○
 خ۔ خوشی وے اوہ دیس راوی، جتھے وسدیاں کُل کنواریاں نی
 گھڑا گھن کے ڈھاکاں تے چا ٹرن اوہ تاں دو نیناں دیاں ماریاں نی
 ونج ونج وے نینگرا چھیڑناہیں متاں آون اساڈیاں واریاں نی
 اوڑک عشق کنوں علی حیدر کیہ حاصل جھیں جتیاں بازیاں ہاریاں نی

چند چو مصرعوں کا منظوم اردو ترجمہ

○

جیسے بادل برس رہے ہوں، ایسے برسیں نین
کبھی نہ پاگل ہنس کر دیکھیں، روئیں کر کر بین
جی کا بھید نہ کھولیں مجھ پر، گھائل ہوں دن رین
حیدر پوچھو نینوں سے اب، ہوئے ہیں کیوں بے چین

○

فال نکالوں، رستہ دیکھوں، تجھ کو ڈھونڈنے جاؤں
آنکھ پھڑک کر آس بندھائے، اٹھ اٹھ کاگ اڑاؤں
چرخہ روں روں کرے تو اس سے تیری سن گن پاؤں
حیدر کہنا ساجن سے اب کب تک دھوکے کھاؤں

○

نینوں کی تلوار نگاہ ہے، پلکیں تیر چلائیں
تاک میں دونوں بھویں ہیں بیٹھیں، غزے چڑھ چڑھ آئیں
یہ ایرانی، نادر، ظالم، قتل سے نا شرمائیں
دل کی دلی لوٹ لی حیدر، اب کیوں ہمیں ستائیں

○

یار بھی ڈھونڈے، خوف بھی آئے، طعنوں سے گھبرائے
نین لگائے، پیار بھی چاہے، لاج بھی تجھ کو آئے
دل میں چاہے گلے لگے اور گھونگھٹ میں شرمائے
حیدر تجھ سے کہے ری پگی! دل کیوں توڑ کے جائے

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



مولوی جان محمد گداز

متوسط دور کے اس سرانجی شاعر نے تین عمدہ سی حرفیاں لکھیں جن میں سے ایک ”سوال جواب مادر و دختر“ ہے جو سسی اور سسی کی ماں کے مکالموں پر مشتمل ہے۔

الف آ سسی گھن مت میڈی سٹ ہوتاں دے خواب خیال دھی آ
جنھاں ہر تھاں سنگ کسنگ کیتا کیویں کھیسن تیڈے نال دھی آ
ونج تھل مرینن جل باجھوں، گل نینہہ بلوچاں دا جال دھی آ
موت فوت دے وقت گداز اُتھاں ہوسیا حامی نہ کوئی وی حال دھی آ

ب بس مائے متیں ڈس ناہیں میں ویساں ویساں ہر حال مائے
اس دے سنگ کہیں نہ سنگ میکوں جیندا سنگ ہو یا میرے نال مائے
توڑے تھل اندر جل گل ویساں گل لا مرساں لُج پال مائے
موت فوت دے وقت گداز ہوسی خان پُئل حامی حال مائے

ت تُرک تے کچھ دے لوک کچے کڈاں پالڈے نی کیتے قول دھیا
ہک بول تے لکھ مخول کرن انھاں بولاں توں پوندے ہول دھیا
ہوون میت تے پیت دی ریت تروڑن پیتاں والیاں دے نہیں ڈول دھیا
دغا باز گداز ہمراز تیڈے جیہڑے تُر گئے نی ڈانواں ڈول دھیا

ث ثابت زبان کر سوچ اماں ایسے بول گراڑے نہ بول مائے
ہک بات تے لکھ نکات بولے میڈا کچھ مکران دا ڈھول مائے
اوں ہی میت دی پیت دی آس میکوں جیں دل لُٹی سینہ پھول مائے
لاجاں پال گداز ہمراز میڈا اینویں محض نہ ولیم رول مائے

احمد یار خان

گڑھی اختیار خان کے رہائشی دورِ متوسط کے اس سرانجکی شاعر نے عمدہ دوہڑے لکھے جنہیں لوگ اب تک گاتے اور محفلیں جماتے ہیں۔ احمد یار خان مولوی جان محمد گداز کے ہم عصروں میں سے تھے۔

○

رَت روواں ہنجواں ہتھ دھوواں تیڈی یاریاں توں غم خواریاں توں
گئی رات اینویں پر بات نہ بچھو جو کڈاہیں درد آزاریاں توں
ہنجو رَت روواں ہن بھال ذری اگھ ہنجڑوں نین پھنواریاں توں
احمد یار کوں خار ہزار توڑے پر رہندا نہیں اینہاں یاریاں توں

○

ج۔ جا قاصدا اُس دیس اُتے جتھاں یار پیارا وٹھڑا ای
جے گھونگھٹ کھولے تے مٹھڑا بولے آکھیں حال سبھو جو ڈٹھڑا ای
ہنجوں برس پیاں وچ جھوڑی دے کئی مینہ ساون دا وٹھڑا ای
احمد یار دے نال پیار کرو او تاں دھار کجل دا کٹھڑا ای

○

الف۔ آپ چھکیں ماہی گھنڈ ڈنگھے کر شرم حیا بھن بھوڑا ای
ہک پاند چھکیں سے باند کریں کیویں چھپدا نور دا شعلڑا ای
تیڈی طرز عتاب حجاب کنوں جند جان جگر جل کولڑا ای
احمد یار توں عار ویاں نہ کر او تاں گالھا کھلا بھوڑا ای



قطب الدین

(1858ء-1920ء)

موضع دھول کلاں گجرات میں کرم دین کے گھر پیدا ہوئے۔ کلاسیکی دور کے ایک اہم شاعر تھے جنہوں نے مرزا صاحبان کا قصہ بھی لکھا۔ اس قصے کو 2008ء میں ڈاکٹر ریاض شاہد نے مرتب کر کے کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔

○

سدانہ باغیں تازگی، سدانہ کھڑدے پھل
سدانہ پھلیں باشنا سدانہ وکدے ٹل
سدانہ مالی ویکھدا اندر باغ بہار
سدانہ چان چن دا سدانہ سورج لو
سدانہ لاث چراغ دی سدانہ سڑے پتنگ
سدانہ مہندی لگدی، سدانہ چھنکے ونگ
سدانہ جھکے پھل تے پھاوی ہو بلبل
سدانہ حکم حکومتاں رہندیاں اکو ٹل
سدانہ شہریں رونقاں سدانہ رسد بازار
سدانہ جوانی نہ رہے سدا دوپہر نہ ہو
سدانہ وچ اڈار دے پھرے قطار کولنگ
سدانہ چھوپے پاندیاں مل کے سیاں سنگ
یاد نہ رہیاں کسے نوں مدت گئی وہا
لکھ ہزاراں صورتاں گئیاں خاک سما

○

سچ سیاں آکھدے جٹاں دے اقرار
احمق ٹکڑ مار دے اچا دیکھ محل
یویں سکی کسے دی ہوندی نہ تلوار
کوٹھے بالو ریت دے ہون نہ پائیدار
جان گواندے آپنی پاندے نیں کیہہ چل
جیہڑے پلے سٹ دیندی دیندی ہا سنگھار



خواجہ فرد فقیر

(پ-1166ھ)

گجرات کے رہنے والے خواجہ فرد فقیر عربی، فارسی، فقہ و حدیث کے عالم اور صوفی منش درویش تھے۔ کئی تصنیفات چھپی ہوئی ملتی ہیں جن میں ”باراں ماہ“، ”سی حرفیاں“ اور کسب نامہ ”حجاماں“ اور کسب نامہ ”بافندگان“ شامل ہیں۔

○
حاکم ہو کے بہن غلیچے بہتا ظلم کماندے
مختتیاں نوں کمیں آکھن خون اوہناں دا کھاندے
پھڑ دگاری لے لے جاوَن خوف خدا دا ناہیں
فرد فقیرا درد منداں دیاں اک دن پوسن آہیں

○
تانا علم، عمل دا پیٹا دونویں چلن برابر
تاں ایہہ جامہ محکم ہووے دھاگے کدیں نہ ہلن
آخر رات پئی دن لتھا نہ گز کوئی دُنیاں
تینوں آکھ رہے بہتیرا ناں تده کدیں سُنیاں
فردا لئیں مزدوری کتھوں سوتر بہت چرایا
کھا کھا گئے جوئی بھائی تینوں بھرنا آیا

○
ک۔ کلام خدائے دی مَلاں پڑھن فقیر
بولن جھوٹھ تے کھان حرام کیا ہووے تاثیر
نام دھراون شیخ جی ٹرن اولی چال
فردا لیکھا لیسیا رب قادر جل جلال

چند قطعات کا منظوم اردو ترجمہ

س۔ سنائے پند کی باتیں، لوگوں کو سمجھائے
اوروں کو تو کرے نصیحت، دل میں کھوٹ چھپائے
گدھے پہ جیسے علم لدا ہو، ایسا تیرا حال
فردا! حشر میں پوچھے گا وہ قادر جل جلال

○

ک۔ کلام خدا کا جانیں، ملا اور فقیر
بولیں جھوٹ حرام بھی کھائیں پھر کیا ہو تاثیر
شیخ بنیں اور جی کہلائیں، چلیں یہ الٹی چال
فردا! حشر میں پوچھے گا وہ قادر جل جلال

○

م۔ میاں اب دیکھ فقیری بکتی ہے بازار
اک پیسے کی اون خرید اور اس کا بنا لے ہار
گیروے کپڑے پہن لے تن پر، کھول دے سر کے بال
فردا! حشر میں پوچھے گا وہ قادر جل جلال
(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)

فقیر قادری

بھیڈوں کیناں ورجے فیر وی گندگی کھاوے
ہووے مجھ کروڑ دی چھڑ وڑ کے نھاوے
لکھ تدبیراں ورتیے فیر وی باز نہ آوے
کتا راج بہا لینے چکی چٹن جائے

سچل سرمست

(1739ء-1826ء)

حضرت سچل سرمست، حضرت صلاح الدین کے ہاں 1739ء میں پیدا ہوئے۔ اصل نام عبد الوہاب تھا لیکن بچپن سے ہی سچ بولنے کی وجہ سے آپ کو سچل یا سچو کہا جانے لگا۔ زیادہ تر پرورش آپ کے چچا حضرت عبدالحق کے ہاتھوں ہوئی۔ ایک دفعہ حضرت عبدالحق نے سچل کو شاہ لطیف بھٹائی کی خدمت میں پیش کیا تو شاہ صاحب نے فرمایا: ”ہم نے جو دیگ چڑھائی ہے اس کا ڈھکنا سچل اٹھائے گا۔“ آپ کی جوانی کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ آپ گھوڑے پر سوار کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک آدمی ملا جو بیل لیے جا رہا تھا۔ سچل سرمست نے اس سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا ”محبوب“ آپ نے پوچھا کدھر جا رہے ہو۔ وہ بولا ”مستی“ (گاؤں کا نام) کی طرف۔ اس پر آپ نے دریافت فرمایا کس کے پاس؟ وہ بولا ”محبّت“ کے پاس۔ یہ سن کر سچل سرمست پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور جھوم جھوم کر کہنے لگے واہ سبحان اللہ۔ محبوب محبت اور مستی کی طرف جا رہا ہے۔ آپ نے فارسی، اردو اور سرائیکی تینوں زبانوں میں شاعری کی۔ آپ کا سرائیکی کلام آپ کی وفات کے 75 سال بعد کسی قلمی نسخے کی بجائے لوگوں سے سن کر جمع کیا گیا تھا یہی وجہ ہے کہ اس میں بعض جگہ غلط کتابت کی وجہ سے عروض کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔ سرائیکی میں آپ نے زیادہ تر دوہڑے، کافیاں، سی حرفیاں اور نظمیں لکھیں۔ آپ کی صوفیانہ کافیاں اپنے پیغام اور انداز کے حوالے سے بلھے شاہ کی کافیوں سے قریبی ربط رکھتی ہیں۔

کافی

روزِ ازل استاد اساکوں، سطر پریت دی پاڑھی¹
سا میں دل دی تختی اتے، چاہ وچوں لکھ چاڑھی
سچل عشق نہ بڈھا تھیوے، کیا جو چٹھی داڑھی

1 پڑھائی

○

شیر اکھیں دے غالب ہوندے اُتے شیر جنگل دے
شیر اکھیں توں کوئی نہ بچھی آسی وچ جنگل دے
جنگل والا تاں مڑ ویندا، ایہہ کھڑدا کان قتل دے
مارن باجھوں مُشتا قتاں دے سچل مول نہ ٹلدے

○

سوہنا ناز غماز سیتی، وہ چال عجائب چلے
شمس قمر شرمندہ ہوئے، مکھ دے ڈیکھ تجلے
کون دلیر جو ہووے اٹھاں، تاب حسن دا جھلے
وال وٹیل¹ کار یہر² کالے، ول ول چھلے چھلے
روز ازل توں یار سچل میں پیوم انہاں دے پلے

○

مکھ مہتاب سجن داسیاں گھونگھٹ وچ لکھیں
ڈوہیں نور تجلی ڈیندے، کیوں وت آپ چھپائیں
ظاہر باطن سوئی آہا، بازی بھید بنائیں
چشماں دے چکارے لگدے، لاشک برہا لائیں
صورت دے وچ مورت بن کے، سچل نام سڈائیں

○

”سوہنڑا یار ہمیشہ ساڈے نال بھی کھلدا ہسدا
یک دم دور نہ تھیوے ساتھوں وچ اکھیں دے وسدا
بیا کوئی کم نہ جانے ہر گز کھل کھل دلڑی کھسدا
نہیں نباہ اسان نال سچل گالھ ایہا ہائی ڈسدا“

¹ پریچ
² کالے سانپ

نہ میں کیتا کڑکا تسبیح دا، اتے نہ میں زہد عبادت
نہ میں زیر زبر دا کیتا، نہ میں تقویٰ طاعت
سچل دا تھیا بخت سوايا، جو کیتی عشق امانت
○

ہک ڈینہہ میکوں مرشد آکھیا ”توں مے پیالہ پیویں“
آکھیم ”اینویں سائیں اینویں“
آکھیس، ”آپ سجانن باجھوں، ہدم مول نہ تھیویں“
آکھیم ”اینویں سائیں اینویں“
اپنی ذات لکا اتھ بیٹھیں تیڈا مطلب تھیسے کیویں“
آکھیم ”اینویں سائیں اینویں“
موتو قبل ان تمو تو ”ہئی پچاون جیویں“
آکھیم ”اینویں سائیں اینویں“
آکھیس، ”ماریا حلاج نغارا، سچل توں بھی ماریں تیویں“
آکھیم ”اینویں سائیں اینویں“



بلھے شاہ

(1758ء-1680ء)

آپ کا نام عبداللہ شاہ اور والد کا نام سخی محمد درویش تھا جو ضلع قصور میں امام مسجد تھے۔ پہلے مولانا غلام مرتضیٰ قصوری کے شاگرد بنے اور بعد ازاں لاہور کے شاہ عنایت قادری کے مرید ہوئے جنھوں نے سلوک کی منزلیں طے کروائیں۔ آپ نے دیگر اصناف میں بھی لکھا مگر کافیاں بے حد مقبول ہوئیں۔ جو تصوف، مذہبی رواداری اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کے پرچار پر مبنی ہیں۔ آپ کی شاعری مقامی روایتی علامات کے استعمال کے باعث عوامی سطح پر بے حد مقبول ہے۔ مذہبی رواداری اور عیاری کو عیاں کرتی ہوئی شاعری کے باعث مذہبی ٹھیکیداروں نے بلھے شاہ پر کفر کا فتویٰ لگایا اور انہیں قصور کے مرکزی قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا گیا چنانچہ عقیدت مندوں نے انہیں قبرستان کے احاطے کے باہر دفن کیا۔ آج بھی مدفن ان کا مزار ہے جہاں خلق خدا جو درجہ عقیدت کے نذرانے لے کر رات دن طواف کرتی نظر آتی ہے اور مزار کی وجہ سے وہ قبرستان بھی آباد ہے جہاں انہیں دفن نہ ہونے دیا گیا تھا۔

بلھیا کیہ جاناں میں کون

نہ میں مومن وچ مسیت آں نہ میں وچ کفر دی ریت آں

نہ میں پاکاں وچ پلپیت آں نہ میں موسیٰ، نہ فرعون

بلھیا کیہ جاناں میں کون

نہ میں اندر وید کتاباں نہ وچ بھنگاں، نہ شراباں

نہ وچ رنداں، مست خراباں نہ وچ جاگن، نہ وچ سون

بلھیا کیہ جاناں میں کون

نہ وچ شادی نہ غمناکی نہ میں وچ پلپیتی پاکی

نہ میں آبی نہ میں خاکی نہ میں آتش نہ میں پون

بلھیا کیہ جاناں میں کون

نہ میں بھیت مذہب دا پایا نہ میں آدمؑ حواؑ جایا
نہ میں اپنا نام دھرایا نہ وِج بیٹھن، نہ وِج بھون
بُلھیا کیہ جاناں میں کون

اؤل آخر آپ نوں جاناں نہ کوئی دوجا ہور پچھاناں
میٹھوں ہور نہ کوئی سیانا بُلھا! اوہ کھڑا ہے کون
بُلھیا کیہ جاناں میں کون

○

تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

تیرے عشق نے ڈیرا، میرے اندر کیتا
بھر کے زہر پیالہ، میں تاں آپے پیتا
جھبے بوہڑیں وے طیبیا، نہیں تاں میں مر گئی آ
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

ایس عشقے دے کولوں، مینوں ہٹک نہ مائے
لاہو جاندڑے بیڑے، کیہڑا موڑ لیائے
میری عقل جو بھلی، نال مہانیاں دے گئی آ
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

ایس عشقے دی جھنگی وِج مور بولیندا
سانوں قبلہ تے کعبہ، سوہنا یار دسیندا
سانوں گھائل کر کے، پھیر خبر نہ لئی آ
تیرے عشق نچایا کر کے تھیا تھیا

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
 اک روز جہانوں جانا اے جا قبرے وچ سمانا اے
 تیرا گوشت کیڑیاں کھانا اے کر چیتا مرگ و سار نہیں
 اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
 تُوں سُنّیاں عمر و نجائی اے تیری ساعت نیڑے آئی اے
 تُوں چرّنے تند نہ پائی اے کیہ کر سیں، داج تیار نہیں
 اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں

تُوں جس دن جو بن متی سیں

توں نال سیاں دے رتی سیں

ہو غافل دُنیا وئی سیں

ایہہ بھورا تینوں سار نہیں

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں

آج کل تیرا مِکلاوا اے

کیوں سُنّی کر کر دعویٰ اے

آن ڈٹھیاں نال ملاوا اے

ایہہ بھلکے گرم بازار نہیں

اٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں

تُوں ایس جہانوں جائیں گی

پھر قدم نہ ایتھے پائیں گی

ایہہ جو بن رُوپ و نجا میں گی
 تیں رہنا وچ سنسار نہیں
 اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
 جیہڑے سَن دیاں دے راجے
 نال جنہاں دے وجدے و اجے
 گئے ہو کے بے تختے تاجے
 کُجھ دُنیا دا اتار نہیں
 اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں
 جو کُجھ کر سیں سو کُجھ پاسیں
 نہیں تے اوڑک پچھوتا سیں
 سُنجی کُونج وانگوں گُرا سیں
 کھنہاں باجھ اڈار نہیں
 اُٹھ جاگ گھراڑے مار نہیں ایہہ سون تیرے درکار نہیں

○

اِک نقطے وچ گل مگدی ہے
 پھڑ نقطہ چھوڑ حساباں نوں کر دُور گُفر دیاں باباں نوں
 چھڈ دوزخ گور عذاباں نوں کر صاف دے دیاں خواباں نوں
 گل ایسے گھر وچ دُھکدی اے
 اِک نقطے وچ گل مگدی اے
 کئی حاجی بن بن آئے جی گل نیلے جامے پائے جی
 حج و بیچ ٹکے لے کھائے جی بھلا ایہہ گل کینھوں بھائے جی

گل ایسے گھر وچ ڈھکدی اے
اک نقطے وچ گل گدی اے

جدوں آپنی آپنی پے گئی دھی ماں نوں لٹ کے لے گئی
مونہہ بارھویں صدی پساریا ساہنوں آہل یار پیاریا
در کھلڑا حشر عذاب دا برا حال ہويا پنجاب دا
ڈر ہاویئے دوزخ ماریا ساہنوں آہل سجن پیاریا

علم نہ آوے وچ شمار اکو الف تیرے درکار
جاندى عمر نئیں اعتبار علموں بس کریں اویار

شرع کہے چل پاس ٹلاں دے سکھ لے ادب ادباں نوں
عشق کہے اک حرف ہتھیرا ٹھپ رکھ ہور کتاباں نوں
شرع کہے چل مسجد اندر ہر نماز ادا کر لے
عشق کہے چل مے خانے وچ پی کے شراب نفل پڑھ لے
شرع کہے چل بہششیں چلیے بہشتاں دے میوے کھاواں گے
عشق کہے اوتھے پہرا ساڈا آپ ہتھیں ورتاواں گے

گل رو لے لوکاں پائی اے۔ گل رو لے لوکاں پائی اے
سچ آکھ مناں کیوں ڈرنا ایں۔ ایس سچ کچھے توں ترنا ایں
سچ سدا آبادی کرنا ایں۔ سچ وست اچنجا آئی اے
گل رو لے لوکاں پائی اے

جھوٹھ آکھاں تاں کجھ بچد اے۔ سچ آکھیاں بھانیر مچد اے
جی دوہاں گلاں توں چچد اے۔ بچ بچ کے جیہا کہندی اے
مونہہ آئی بات نہ رہندی اے

○

میری بگل دے وچ چور
میری بگل دے وچ چورنی میری بگل دے وچ چور
کتے رام داس کتے فتح محمد۔ ایہو قدیمی شور
مٹ گیا دوہاں دا جھگڑا نکل پیا کوئی ہور نی
میری بگل دے وچ چورنی

○

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی
سدو نی مینوں دھیدو رانجھا ہیر نہ آکھو کوئی
رانجھا میں وچ میں رانجھے وچ ہور خیال نہ کوئی
میں ناہیں اوہ آپ ہے، آپنی آپ کرے دلجوئی

○

بلھیا پی شراب تے کھا کباب، ہیٹھ بال ہڈاں دی اگ
چوری کرتے بھن گھر رب دا، اوس ٹھگال دے ٹھگ نوں ٹھگ

○

عاشق ہو یوں رب دا ہوئی ملامت لاکھ
تینوں کافر کافر آکھدے توں آہو آہو آکھ

○

حاجی لوک کئے نوں جاندے اسماں جانا تخت ہزارے
جت دل یار اُتے دل کعبہ بھاویں ویکھ کتاباں چارے

○

ماٹی قدم کریندی یار
ماٹی جوڑا، ماٹی گھوڑا ماٹی دا اسوار
ماٹی ماٹی نوں دوڑائے ماٹی دا کھڑکار

مائی قدم کریندی یار
 مائی مائی نون مارن لگی مائی دا ہتھیار
 جس مائی پر بوہتی مائی تِس مائی ہنکار
 مائی قدم کریندی یار
 ہس کھیڈ مڑ مائی ہوئی مائی پاؤں پسار
 بُلھیا ایہہ بجھارت بو جھیں لاه سر بھونیں مار

○

اُلٹے ہور زمانے آئے¹

اسماں بھیت سجن دے پائے اُلٹے ہور زمانے آئے
 کاں لگڑ نون مارن لگے چڑیاں جڑے کھائے
 اپنیاں وچ الفت ناہیں کیا چاچے کیا تائے
 پیو پُتراں اتفاق نہ کائی دھیاں نال نہ مائے
 سچیاں نون پئے مددے دھکے جھوٹے کول بہائے
 اگلے جا بنگاہ لے بیٹھے بچھلیاں فرش وچھائے
 بھوریاں والے راجے کیتے راجیاں بھیکھے منگائے
 اُلٹے ہور زمانے آئے اُلٹے ہور زمانے آئے



¹۔ اس کافی میں سیاسی، سماجی اور اخلاقی قدروں کے زوال کی نشاندہی کر کے عمدہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اشراف کا ذلیل ہونا، رزیوں کا صاحب جاہ ہونا اور چاہلو سوں کی باتوں کا معتبر ہونا اس کی چند مثالیں ہیں جن کی طرف اس کافی میں توجہ دلائی گئی ہے۔ عصری شعور کی عکاس بلھے شاہ کی اس کافی میں چھٹی صدی کے حافظ کی معروف غزل کا سارنگ پایا جاتا ہے:

ایں چہ شور یست کہ در دورِ قمر می بینم
 ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

نجات

ضلع شاہ پور کے گاؤں میٹلا ہرلاں کے رہنے والے کوی نجات راجپوت خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا زمانہ اٹھارویں صدی کا آخری دور بتایا جاتا ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ انیسویں صدی کے شروع تک زندہ تھے جبکہ ڈاکٹر فقیر محمد فقیر نے ان کا زمانہ 1799ء متعین کیا ہے۔

نجات نے ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے کی وار لکھی جو پنجابی ادب میں ایک اہم مقام کی حامل ہے۔ وار پنجابی شاعری میں رزمیہ کو کہتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ ”وار“ سر ایڈورڈ میکلیگن نے 1892ء میں دریافت کی جو انہوں نے گوجرانوالہ کے ایک میراثی سے سنی اور 161 اشعار تحریر کیے۔ بعد ازاں رائے بہادر ہری کشن کول نے اس پر مزید تحقیقی کام کیا اور 854 اشعار جمع کر کے 1916ء میں اس پر بھرپور مقالہ لکھا۔ نجات نے یہ وار ہندوانہ انداز میں لکھی اور ”گل“ اور ”نارد“ کے دو فرضی کردار بھی اس میں شامل کیے۔ ”گل“ کالی دیوی کا اوتار ہے جبکہ ”نارد“ ہندو منی کاروپ۔ شاعر نے ان دونوں کو میاں بیوی کے روپ میں پیش کیا ہے۔

محمد شاہ دی بہادری

میں تاں چڑھ قلعہ قندھار دا سنے بُرجی ڈھا ہاں
اوہدے دھراں بنیرے زمین تے بنیاد اُتاہاں
اوہدی ساڑاں بالا سار میں دے اگیں بھاہاں
کابل رون پٹھانیاں کر کھلیاں یاہاں

تلوار دی تعریف

اِس دھروں میانوں کڈھیاں مل بے شماری
اوہدی واہڈ واؤ نالوں تپلی اُس تا دس واری
اوہ اڑے نہ زرہ بکتر اں رت پیون ہاری
اُس جُدا کیتی وڈھ کھوپڑی سنے مغز اُتاری

جیویں ہانڈی ٹٹے کھیر دی ڈگ ہتھوں بھاری
جیویں مٹکی بھٹی گجری چاء دہیں کھلاری

نادر شاہ تے خان دوران دی لڑائی دا نقشہ

خان دوران گھوڑا چھڑیا جھاک لشکر وڑیا تے کھنڈا دھر دمیال توں ہتھ سجے پھڑیا
اُس گرمی کھاندی آہر نوں رت مگے سڑیا اگے آہا نادر شاہ جو لوہ بکتر جڑیا
اس سٹال سہ سہ ماریاں نہ رہندا اڑیا لوہے نوں لوہے جھلیا پھٹ کرے نہ سڑیا
جیویں تتر منہ باز دے وچ چنگل اڑیا گھس سدا پلنگ نہنگ دے منہ اندر وڑیا

”کرنال دی لڑائی“ میں سے چند اشعار کا منظوم ترجمہ

فوج آئی قندھار سے ایسے، جیسے آئیں شیر
جیٹھ مہینے لشکر آیا، ایک سے ایک دلیر
یوں لہرائیں چمکیں، بجلی بادل سے جوں آئے
خانِ دوراں پھر لکارے اور جوان بلائے
بڑھا مظفر رن میں کودا، گھوڑا اور بڑھایا
خونی باز سعادت جھپٹا اور میدان میں آیا
پھر تلواریں یوں نکرائیں جیسے بارش آئے
کٹ کٹ لوگ گریں یوں جیسے سروں میں ہل، چل جائے
چاک سے یا کمہار اتاریں، گھڑوں کے ڈھیروں ڈھیر
ایسے سر میدان میں بکھرے، خاک میں اٹ گئے شیر
(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



حافظ شاہجہان مقبل

شاہجہان مقبل کے حالات کے بارے زیادہ معلومات دستیاب نہیں تاہم آپ کی ہیر رانجھے کی داستان بامحاورہ پنجابی میں ہونے کے باعث معروف ہے جو وارث شاہ سے تقریباً 30 برس قبل لکھی گئی تھی۔ اس کے علاوہ آپ نے 1159ء ہجری میں جنگ نامہ مقبل بھی لکھا۔ آپ نابینا تھے اس لیے آپ کو حافظ شاہجہان مقبل بھی کہا جاتا ہے۔ قصہ ہیر رانجھا سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

○

رانجھا آکھدا رناں تھیں نفع ناہیں رناں نال نہ دوستی لایئے جی
رناں سچیاں نوں چا کرن جھوٹھا وارے رتاں دے مول نہ جایی جی
سپ مارنوں ڈنگ نہ رہے مولے ساری عمر جے دُدھ پلایئے جی
مقبل کوچ کر کے ایس پنڈ وچوں ہن تخت ہزارے نوں جایی جی

○

جدوں آدمی نوں دُکھ لگدے نیں تدوں آوندی مقبلا یاد اماں

○

مقبل مفت دا خیر ہے جس کرنا رلیا آپنا سبھ کوئی کھاوند اے

○

سو ای لین گے مقبلا جا اگے جنھاں ایس جہان تے بی بویا

○

مقبل مثل مشہور ہے جگ سارے جنھاں رُکھ لایا تنہاں پھل پایا

○

مقبل باجھ ملامتاں عاشقناں نوں مزہ عشق دا مول نہ آوند اے



وجید خان

(پ: 1130ھ)

وجید خان قوم کے پٹھان تھے۔ کابل میں جنم لیا نوج میں بھرتی ہو کر افسری تک پہنچے۔ ایک بار کسی سادھو فقیر سے ملاقات ہوئی تو دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا۔ کابل سے نکل کر پشاور، جہلم، لاہور اور کئی علاقوں کی سیر کی اور آخر میں متھرا جا پہنچے۔ آخری عمر حلیسی اور عاجزی میں گزاری۔ اپنے کلام کے چوتھے مصرعے میں وہ ٹیپ کا مصرعہ بار بار دہراتے ہیں۔ اصل نام بایزید طیفور تھا۔

کنجریاں تے بھنڈاں ملدے مال زر نیل اٹھاون بھار توڑی کھان گھر
براہمن تے سید پھر دے در بدر وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

کابل وچ ناقابل میوے کھاوندے کھانے گرم گرم تے نرم ہنڈاوندے
دکھن دے وچ بھگھے مردے ہنر ور وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

اکنناں نوں گھیوتے کھنڈ نہ میدا بھائیے بوہتی بوہتی مایا چلی آویئے
اکنناں ناہیں ساگ آلونا پیٹ بھر وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

اکنناں دے دھن پلے شاہ سدائندے پہنن لملل خاصہ مشک ہنڈاوندے
اکنناں نوں بھگھے پیندی پھر دے در بدر وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

درد وند درویش مکھوں نہیں بولدے اک آوے پا اناج تاں روزہ کھولدے
چور اچکے کھان ملیدا ترتر وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

اکنناں دے گھر پتر پتراں دے گھر پوترے اکنناں دے گھر دھیاں دھیاں دے گھر دوہترے
اکنناں دے گھر اکو اوہ بھی جائے مر وجید اکون صاحب نوں آکھے انج نہیں انج کر

منتخب کلام کا منظوم اردو ترجمہ

چور جو چوری کریں یہاں پر لوٹ کے لائیں گھر
ان کو میسر دودھ ملائی، کھائیں ڈونگے بھر
اور جو تیری آس پہ بیٹھے، پھرے یہاں در در
کون وجید کہے مالک کو ایسے نہیں یوں کر

○

کسی کے گھر میں گھی اور شکر حلوہ روز اڑائے
کسی کے گھر میں ہر دم دیکھو، مایا بڑھتی جائے
کسی کو پھیکا ساگ ملے نا، پیٹ پہ ہے پتھر
کون وجید کہے مالک کو ایسے نہیں یوں کر

○

یہاں پہ موج اڑائیں کُتے، گھی شکر وہ کھائیں
جن کا دوہیں دودھ سبھی وہ بھوکے مر مر جائیں
بووے کوئی، کاٹے کوئی، لے جائے کوئی گھر
کون وجید کہے مالک کو ایسے نہیں یوں کر

○

مورکھ پاس سواری دیکھو ہاتھی گھوڑے ہیں
دانا گھو میں پیدل، تن پر میلے جوڑے ہیں
دانا محنت کر کے کھائے، مورکھ بیٹھا گھر
کون وجید کہے مالک کو ایسے نہیں یوں کر

○

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



میاں جان محمد

ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے میاں جان محمد رنجیت سنگھ کے عہد کے شاعر ہیں جنہوں نے بہت عمدہ دوہڑے لکھے۔

○

تن دوکان تے برہوں موچی مینوں بھیاں بھیاں وٲر دیندا
درد خمیر سولاں دی رنبی میرے چھلکے سب چھلیندا
دووں آرتے سوئیوں چوکاں میرے ترپ ترپ نیچے کڈھیندا
جان محمد اہو رہیاں جوڑا سوہنا اہے اجوڑ کریندا

○

تن دوکان تے برہوں دھوبی مینوں شوق صہون لگاندا
دل پانی تے پنجر تختہ مینوں دردوں سوڑاں لانددا
سولاں میل نہ چھڈی قطرہ مینوں آہیں نال سوکاندا
جان محمد پھڑ کیتی کندی مت سوہنا انگ لگاندا

○

تن دوکان تے برہوں کوہلو جیہڑا نت اٹھ گھانی پائے
دکھاں دی لٹھ تے سولاں دا پھیرا میری رت دا تیل چوائے
ذوقوں بیل تے شوقوں کانبجن مینوں اٹھے پہر بھوائے
جان محمد کھل کوہلو دی لتھی تتی کیہڑے پاسے نوں جائے



سندر داس آرام

سندر داس آرام میر منو کے دور میں فوج میں میر منشی ہو کر جھنگ میں رہے۔ فارسی اور پنجابی کے عالم تھے۔ 1172 ہجری میں قصہ سسی پنوں لکھا۔ اُس قصے سے نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

○

آکھن ایسی حسن دی صورت دنیا وچ نہ کائی
رب نے حور بہشت دی سانوں کر کے لطف بھجائی
آپ جے لطف کرم تے آوے کھربوں بوند وساندا
بکے بن اوہ کر ہریاول میوے نال لگاندا
لہونوں اوہ چا دُدھ کرے تے دُدھوں گھیو اُچاویے
خاروں گل کردا ہے پیدا پتھروں لال بناوے

○

ہتھیں جیہڑی گنڈھ کھلے تے دندیں زور نہ لایئے
کہن سیانے سپ ماریئے لائھی ہتھ بچایئے
ماؤں آکھے میں جان دیساں پر تینوں جان نہ دیساں
اُمر ٹمبر بھائی تیرے اوتھے چا بھجیساں

مصدی کانا

کیڑی سوہرے تڑپئی نو من کجل پا
ہاتھی موہڈے پا لیا تے اوٹھ لیا لکا
گاہلڑ گا جراں کھا گیا ساڈھے تن گھماں
چوہا چکی لے گیا تے کوہلو لے گیا کال
بس مصدی کانیاں قصہ کر دے تم
تیل دیوے داکم گیتے لوکاں نوں اے کم

سید وارث شاہ

(1720ء-1798ء)

سید وارث شاہ پنجابی کے شہرہ آفاق اور عظیم شاعر تھے جن کی ”ہیر“ کا شمار ادبیات عالیہ میں ہوتا ہے۔ جنڈیالہ شیر خان ضلع شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام گل شیر شاہ تھا۔ قصور کے مولانا غلام مرتضیٰ کے شاگرد ہوئے اور جوانی ملکہ ہانس میں مسجد کے امام کے طور پر گزاری۔ قصور اس دور میں تصوف کے حوالے سے ایک اہم علاقہ تصور کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بلھے شاہ کے علاوہ پنجابی شاعری کے باوا آدم حضرت بابا فرید کے والد گرامی قاضی جمال الدین بھی کابل سے آکر پہلے قصور میں ہی مقیم ہوئے اور پھر سلطان شہاب الدین غوری کے حکم پر ملتان (کوٹھے وال) گئے۔ وارث نے 1180 ہجری میں ہیر کا قصہ مکمل کیا۔ اس کے علاوہ بھی ان کی کئی تصانیف ہیں مگر ”ہیر“ کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ مقولہ شاعران کے قصے کا وہ حصہ ہے جس میں دائی سچائیوں کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اکثر مصرعے ضرب المثل کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ وارث شاہ کو پنجابی کا شیکسپیر بھی کہا جاتا ہے جس نے ایسا منظوم ڈراما تخلیق کیا جو رہتی دنیا تک پنجابی ادب میں زندہ رہے گا۔ وارث شاہ نے بھی بلھے شاہ، شاہ حسین اور میاں محمد بخش کی طرح مجرد زندگی گزاری۔

○

بھائیاں باجھ نہ مجلساں سجدیاں نی اتے بھائیاں باجھ وہار ناہیں
بھائی مرن تے پندیاں بھج باہیں بھائیاں باجھ پرھے پروار ناہیں
لکھ اوٹ ہے کول وسیندیاں دی بھائیاں گیاں جیڈی کوئی ہار ناہیں
بھائی ڈھاوندے بھائی اُسار دے نی بھائیاں باجھ بلی کوئی یار ناہیں
طالع منداں دیاں لکھ خوشامداں نی تے غریب دا کوئی غم خوار ناہیں
ایکل باہیاں نوں لوکی مار دے نی باہاں والیاں نوں کوئی سار ناہیں
باہاں والیاں دی لوک کرن عزت باجھ باہاں دے کجھ سنسار ناہیں
وارث شاہ میاں باجھ بھائیاں دے ساہنوں جیونا ذرا درکار ناہیں

○
 ہیر آکھدی جو گیا جھوٹھ آکھیں کون رُٹھڑے یار ملاوندا ای
 ایسا کوئی نہ دسیا میں ڈھونڈھ تھکی جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوندا ای
 بھلا موئے تے وچھڑے کون میلے ایویں جیوڑا لوک ملاوندا ای
 ساڈے چم دیاں جتیاں کرے کوئی جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوندا ای

○
 لے وے رانجھیا واء میں لا تھکی میرے وس تھیں گل بے وس ہوئی
 قاضی ماییاں ظالماں بنھ توری، مینڈی تینڈری دوستی بس ہوئی
 گھر کھیڑیاں دے نہیں وسناں میں اوہناں نال اساں خار خس ہوئی
 جاں جیواں گی ملاں گی رب میلے، حال سال تے دوستی بس ہوئی

○
 دوست سوئی جو پت وچ بھیڑ کئے یار سوئی جو جان قربان ہووے
 شاہ سوئی جو کال وچ دکھ کئے گل بات دا جو نگہبان ہووے
 گاں سوئی جو سیال وچ ددھ دیوے بادشاہ سوئی جو شاہبان ہووے
 نار سوئی جو مال بن بیٹھ جاوے پیادہ سوئی جو بھوت مسان ہووے
 امساک ہے اصل افیم باجھوں غصے بناں فقیر دی جان ہووے
 روگ سوئی جو نال علاج ہووے تیر سوئی جو نال کمان ہووے
 کنجر سوئی جو غیرتوں باجھ ہووے جیویں بھابھڑا بن اشان ہووے
 قصبہ سوئی جو ویر بن پیا وے جلا د سوئی جو مہر بن جان ہووے
 کنواری سوئی جو کرے حیا بہتا نیویں نظر اتے بے زبان ہووے
 قاضی سو جو شرع وچ ہووے قائم گائیک سو جو گلے وچ تان ہووے

پیر سو ای جو ترت مراد دیوے خادم سو ای جو وچ فرمان ہووے
شوم سو ای جو لاریاں وچ رکھے سخی سو ای جو ڈھل نہ دان ہووے
سید سو ای جو شوم نہ ہووے کاذب، زانی سیاہ تے نہ قہروان ہووے

○

دیکھو ایس زمانے دے پیر یارو کردے مکر سب گرو گنٹھال دے نیں
بھانویں تَبْر مُرید دا مرے بھکھا پیر آپنے نفس نوں پالدے نیں

○

گن ماڑیاں دے سبھے رہن وچے ماڑے ماڑیاں تے دُکھ پھولدے نیں
شاندار نوں کرے نہ کوئی جھوٹھا، جھوٹھا کرن کنگال نوں ٹولدے نیں

○

عشق وچ بڑیاں تلک بازیاں نیں ایہتھے حوصلہ پست ضمیر دا ای
عشق عاشقاں دی مت مار دیندا لکھے حکم ایہہ خاص تقدیر دا ای

○

جدوں تیک توں غافلا وانگ کنگھی چرکے ہووندا دلوں فگار ناہیں
تدوں تیک محبوب دی زلف والی نظر آوے تینوں تار تار ناہیں

○

درس عشق دا سدا ای رہے کھلا عاشق کدی نہ کرن تعطیل میاں
ایس عشق پچھے ہوئے چاک عاشق کیتی ذرا نہ شرم تے ڈھیل میاں

○

جیہڑیاں لین اڈاریاں نال بازاں اوہ تاں بلبلاں تھک مریندیاں نی
اوہناں ہرنیاں دی عمر ہو چکی پانی شیر دی جوہ جو پیندیاں نی

○

مان تے روپ گمان بھریئے اٹھکھیلے چھیل چھیلے نی
عاشق بھور فقیر تے ناگ کالے باجھ منتروں مول نہ کیلیے نی

○

رن ویکھنی عیب ہے انھیاں نوں رب اکھیاں دتیاں ویکھنے نوں
 وارث شاہ نہ بھیت صندوق کھلے بھانویں جان دا جنڈرا ٹٹ جائے
 وارث رن فقیر تلوار گھوڑا چارے تھوک ایہہ کسے دے یار ناہیں
 وارث شاہ نہ دیے موتیاں نوں پھل اگ دے وچ نہ ساڑیے جی
 وارث شاہ وساہ کیہ زندگی دا بندہ پانی دے وچ پتا سٹرا ای
 وارث شاہ میاں گٹا چکھ سارا، مزے دکھ نیں پوریاں پوریاں دے
 وارث شاہ چھپائیے خلق کولوں بھانویں آپنا ای گڑ کھائیے جی
 وارث شاہ وساہ کیہ زندگی دا بندہ بکرا ہتھ قصائیاں دے
 وارث شاہ نہ عاداتاں جانڈیاں نیں بھانویں کیٹے پوریاں پوریاں دو
 پتر کھوتیاں دے گھوڑے نہیں ہوندے گھوڑے ہون ناہیں پتر لیلیاں دے
 وارث شاہ نہ پینگ دی باس چھپ دی بھانویں رسمسی وچ کافور ہووے
 گنگا گنیاں نہ ہڈیاں مڑدیاں نی گئے وقت نوں کسے نہ موڑیا ای
 بناں مرشداں راہ نہ ہتھ آوے دُدھ باجھ نہ رجھدی کھیر میاں
 راکھا جو آں دے ڈھیر دا گدھا ہویا انھا گھلیا حرف لکھاوے نوں
 سوٹا پیر ہے وگڑیاں تگڑیاں دا تے شیطان استاد مراسیاں دا
 اک بیج کے کسے نہ انب کھاہدے پھروانہہ شہتوت نہ لایا ای

○
 بُٹھکھا کھنڈتے کھیر دا ہويا راکھا رنڈا گھلیا ساک کراونے نوں
 ○
 گدڑ کچھریاں دا جمعدار ہويا اونٹھ گھلیا باغ لگاونے نوں
 ○
 بیڑی کاغذ دی باندر ملاح بنیا انھا گھلیا حرف لکھاونے نوں

متفرق اشعار کا منظوم ترجمہ

○
 جان دیئے بن یار نہ حاصل، ناز نہ ہو دلدار نہیں
 زن، تلوار، فقیر اور گھوڑا، وارث کسی کے یار نہیں

○
 اگر کسی کا ساتھ نہ دیں تو اس سے پیار بڑھائیں کیوں
 وارث دل میں پیاس نہیں تو شربت پر لپچائیں کیوں

○
 گزرا وقت اور عمر نہ لوٹے، بھاگ نہ پھر پھر آئیں گے
 بات اور تیر نہ واپس پلٹیں، روح نہ پھر سے پائیں گے

○
 سکھیوں کو مت بھید بتانا، دل میں راز چھپاؤ جی
 وارث بات چھپاؤ چاہے، اپنا ہی گڑ کھاؤ جی

○
 یار کا بھید نہ ظاہر ہو، گو، ہارے پوچھنے والا بھی
 وارث یہ صندوق نہ کھولنا، ٹوٹے جان کا تالا بھی

○
 بازوں ساتھ اڑے جو بلبل اپنی جان گنوائے گی
 اس ہرنی کی خیر نہیں جو شیر کی جانب جائے گی
 (منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)

شاہ مراد خان پوری

(وفات 1702ء)

دھنی کے قصبہ خانپور میں جان محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں شعر کہے۔ آپ کو اردو غزل کے بانیوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ”کلام شاہ مراد“ کے نام سے انکا مکمل کلام 1966ء میں شائع ہوا۔ اس کے علاوہ بھی کئی لوگوں نے کلام مرتب کر کے شائع کیا۔

غفلت نامہ

سُتّا ہیں تاں جاگ بندیا غافلا آ تماشا ویکھ چلیا قافلا
سُتّا ہیں تاں جاگ بندیا عاصیا اپنا آپ سنبھال کوسنگ نہ جاسیا
سُتّا ہیں تاں جاگ رب چپ رات نُوں رب کچھھسی عمل نہ کہ ذات نُوں
سُتّا ہیں تاں جاگ بہتا سونوسیں ہو نہ اتنا شاد بہتا رووسیں
سُتّا ہیں تاں جاگ لاٹوں بوٹیاں پھر نسیں آنا جب کہ اکھّاں نوٹیاں
آ تماشا ویکھ اس سنسار دا کر لے سودا زود اس بازار دا

ظاہر و باطن

مُلاں ہو کر علم نہ جانے اُچی بانگ سناون کیا
بہمن ہو کر بھید نہ جانے متھے تلک لگاون کیا
جوگی ہو کر جگت نہ جانے جھوٹھے کن پڑواون کیا
جس بیٹری وچ ونجھ نہ ہوئے اس بیٹری وچ جاون کیا
جس گھر گیاں نہ ہوئے آدر اس گھر پھیرا پاون کیا
جس مہری وچ مہر نہ ہوئے اس سنگ پریت لگاون کیا
جس حلوے وچ گھینونہ ہوئے اس حلوے دا کھاون کیا
شاہ مراد کر تھیا تھیا نچن پی شرامون کیا



ہاشم شاہ

(1752ء-1823ء)

آپ جگدیو کلاں ضلع امرتسر میں حاجی محمد شریف کے ہاں پیدا ہوئے۔ 14، 15 برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ 84-1883ء کے لاہور گزیٹیئر (ص 55) کے مطابق آپ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے درباری شاعر (Court Poet of Ranjit Singh) تھے مگر محققین نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ آپ نے عروض، طب، رمل اور نجوم کے ماہر تھے۔ تین شادیاں کیں اور پیری مریدی سے بھی شغف رہا۔ آپ نے دو ہڑوں کے علاوہ اردو، فارسی، ہندی اور پنجابی میں کئی قصے لکھے مثلاً چہار بہار ہاشم، مثنوی ہاشم شاہ، دیوان ہاشم فارسی میں ہیں۔ کبت ہندی میں ہیں۔ ”مناجات ہاشم“ اردو میں ہے جبکہ قصہ شیریں فرہاد، قصہ سسی پنوں، قصہ سوہنی مہنیوال، قصہ ہیر رانجھا اور سی حرفیاں وغیرہ پنجابی میں ہیں مگر شہرت سسی پنوں کے قصے اور دو ہڑوں کو حاصل ہوئی۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

اول نام دھیآؤ اس دا جن ایہہ جگت اُپایا
تھماں، میکھ، زنجیراں باہجوں دھرت آکاش نکایا

سسی پنوں

چمکی آن دوپہراں ویلے گرمی گرم بہار اے
تپدی لو وگے اسمانی پنچھی مار اُتارے
آتش دا دریا کھلوتا تھل مارو وچ سارے
ہاشم فیر پچھاں نہ مُردی لوں لوں ہوت پکارے
نازک پیر ملوک سسی دے مہندی نال شنکارے
بالو ریت تپے وچ تھل جیوں جوں بھنن بھٹیاریے
سورج بھج وڑیا وچ بدلی ڈردا لشک نہ مارے
ہاشم ویکھ یقین سسی دا صدقوں مول نہ ہارے

سسی آن ڈٹھا وچ نیندر ہوت بے ہوش جو خوابوں
سورج وانگ شعاع حسن دی باہر پوس نقابوں
جے لکھ پا صندوق چھپائیے آوگ مشک گلابوں
ہاشم حسن پریت نہ چھپدی تارک ہون جبابوں

○
ثابت صدق سوہنی کر دھائی، رہی نہ اٹکے ہوڑے
خونی ویہن قہر دیاں لہراں واگ پچھانہ نہ موڑے
ایسی پریت سجن سنگ جوڑی آس جیون دی توڑے
ہاشم صدق سوہنی دے اتوں مارے مرد کروڑے

○
عشق چھپایاں چھپدا ناہیں بھاء نہ چھپدی لکھیں
اوڑک اک دن باہر آوے نشر ہووے وچ لکھیں
گھمن گھیر چو پھیرے گھیرے ٹھاٹھاں لین کلاوے
لہراں زور کرن ہر طرفوں اک آوے اک جاوے

○
سوہنی مَول نہ تردی تر کے خوب تری ڈب مر کے
ہوئی شہید سسی جد موئی کھوج اُتے سر دھر کے
تاں مشہور ہويا پروانہ جاں مویا ہٹھ کر کے
ہاشم کوئی نہ منزل اپڑے جان ولوں ڈر ڈر کے

○
اک بہہ کول خوشامد کردے پر غرضی ہون کمینے
اک بے پرواہ نہ پاس کھڑوون پر ہوون یار گنینے
کونجاں وانگ ہزار کوہاں تے اوہناں شوق وکھو وکھ سینے
ہاشم ساجن کول ہمیشہ، بھانویں وچھڑے ہون مہینے

○
 گل تے خار پیدائش اک سے باغ چمن دی دونویں
 اک شب عمر گلاں دی اوڑک اتے خار رہن نت اوویں
 تھوڑا رہن قبول پیارے پر تُوں خار نہ ہوویں
 ہاشم آن ملیں گل ہس کے بھانویں اک پل پاس کھلوویں

○
 سونا صاف پیا کٹھیالی تا لگے تیوں چمکے
 جیوں تلوار اصل فولادی صیقل ہووے تے دکے
 آتش تیز تویں تیوں کردی واؤ لگے اٹھ رکے
 ہاشم جان عشق دا جوہر خوار ہووے تیوں بھمکے

ڈیوڑھ

کامل شوق ماہی دا مینوں رہے نت جگر وچ وسدا۔ لوں لوں رسدا
 رانجھن بے پرواہی سودا اتے کوئی گناہ نہ دسدا۔ اٹھ اٹھ نسدا
 جیوں جیوں حال سناواں رو رو ویکھ تتی دل ہسدا۔ ذرا نہ کھسدا
 ہاشم کام نہیں ہر کس دا عاشق ہون درس دا۔ برہوں وسدا

چند دوہوں کا منظوم اردو ترجمہ

○
 پھول اور کانٹے دونوں دیکھو ایک جگہ ہوں پیدا
 اک شب پھول کی عمر یہاں پر، نت کانٹوں کی دنیا
 تھوڑا جینا لیکن پیارے، کانٹا مت بن جانا
 ہاشم ہنس کے ملو گلے گو پل بھر کو مسکانا

○

پارکھ بن کوئی مول نہیں ہے، گو پارس کہلائے
لیلیٰ کی تو قیمت جب ہے، مجنوں اگر بتائے
پھول کی قیمت بھنورا جانے، اس پر جو مر جائے
ہاشم جو گن خود نا جانے، وہ کیا گن سمجھائے

○

کہاں سکندر، کہاں ہے دارا، جام کہاں ہے جم کا
جن کی تیغ سے دیو بھی کانپیں دل دہلے رستم کا
ان کی راہ ملے نا ڈھونڈے، دُنیا ہے گھر غم کا
ہاشم جان غنیمت جانو، نہیں بھروسا دم کا

○

ساجن تیرے برتاوے سے جان لبوں پر آئے
بول پڑوں تو جگ رسوائی چپ بھی رہا نہ جائے
شرم کی ماری جس گھر جاؤں برہا ڈھول بجائے
ہاشم جس گھر ہاتھی جائے چھپے نہ لاکھ چھپائے

○

زلف کا جال اور حسن کا چوگا اس پر دل آرائی
چوگ چگن کو دل مچلا اور اپنی جان پھنسائی
کہاں گیا کس حال میں ہے، پھر دل کی خبر نہ آئی
ہاشم وہ نا لوٹ کے آئیں جنھوں نے پریت لگائی

○

(منظوم اردو ترجمہ: شفیق عقیل)



شاہ محمد

(1789ء-1862ء)

امر تسر کے رہائشی شاہ محمد نے قصہ سسی پنوں بھی لکھا مگر انہیں پنجاب کا پہلا قومی شاعر کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے سکھوں اور انگریزوں کی جنگ پر مبنی رزمیہ لکھا جس میں مقامی لوگوں کی بہادری کی تعریف کی اور غداروں کی اصل حقیقت انتہائی عمدہ انداز میں بیان کی۔ پنجابی ادب میں دو رزمیہ بہت معروف ہوئے۔ ایک نجابت کا ”نادر شاہ دی وار“ اور دوسرا شاہ محمد کا ”سکھوں دی وار“۔ یہ رزمیہ انگریزوں اور سکھوں کے ان آخری معرکوں پر مبنی ہے جس کے نتیجے میں انگریزوں نے پنجاب پر اپنا قبضہ مکمل کیا۔ پہلی خونی جنگ 1848ء اور دوسری 1849ء میں ہوئی۔ مصنف نے ان جنگوں کا محرک مہارانی جند کوراں کے جذبہ انتقام کو بنایا ہے جو پنجاب کی حکمران تھی اور بعد ازاں درباری سازشوں اور اپنی غلط پالیسیوں کے باعث تخت سے اتار کر قید میں ڈال دی گئی تھی۔ مصنف نے اس پورے دور یعنی رنجیت سنگھ کی پیدائش فتوحات اور موت کے بعد آنے والے جانشینوں کے احوال کو مکمل تفصیل کے ساتھ موضوع بنایا ہے اور یہ وار اس طرح لکھی ہے جیسے وہ خود چشم دید گواہ ہو۔

واقعات کے مطابق جند کوراں نے جذبہ انتقام سے مغلوب ہو کر سکھ فوجوں کو مروانے کے لیے انگریزوں کو خط لکھ کر بلایا اور کہا کہ انگریزی فوجیں سکھوں پر بھرپور حملہ کر کے ان کو ختم کر دیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اس موقع پر وہ سکھ فوجوں کا خراج بند کر دے گی۔ یہی نہیں بلکہ اس نے سکھ فوجوں کو توپوں کے لیے جو بارود دیا اس میں لپی ہوئی سرسوں کو کالا رنگ دے کر ملا دیا جس کے نتیجے میں سکھوں کی توپیں بیکار ہو کر رہ گئیں۔ ہر چند کہ سکھ پوری بہادری اور تندہی سے لڑے اور انہوں نے انگریز فوج کا بہت نقصان بھی کیا مگر غداروں کے باعث بالآخر شکست سے دوچار ہوئے۔ آخر کو جب ان پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ یہ تباہی غیروں کی نہیں بلکہ جند کوراں کی لائی ہوئی ہے جسے انگریزوں نے صلے کے طور پر جاگیر اور وظیفہ عطا کر دیا ہے تو بے چارے سوائے تلخی اور بے بسی کے کچھ نہ کر سکے۔ ملاحظہ ہوں اس حوالے سے وار کے چند بند۔ پہلے دو چومصرعوں میں جند کوراں کے جذبہ انتقام کی نشاندہی کی گئی ہے جس کے نتیجے میں جنگ ہوئی۔ تیسرے بند میں جنگ کا منظر ہے اور چوتھے بند میں سازش کے کھل جانے پر بے بسی کا اظہار ہے۔

جند کوراں دا جذبہ انتقام

میںوں آن چوفیریوں گھوردے نی لیندے مفت انعام روپے باراں
جٹی ہوواں تے کراں پنجاب رنڈی سارے دیس دے وچ جاترن واراں
چھڈاں ننیں لہور دے وڑن جوگے سنے وڈیاں افسراں جمعداراں
پئے رُلن گے وچ پردیس مُردے شاہ محمد مارنی ایس ماراں

○

چوڑے لہن گے بہت سہاگناں دے نتھ چونک تے والیاں ڈنڈیاں نی
جنھاں کوہ کے ماریا ویر میرا کوہاں گی ایہناں دیاں جنڈیاں نی
دُھماں جان ولائتوں پراں تیکر پاواں بکرے وانگ چا ونڈیاں نی
شاہ محمد پین گے وین ڈوگھے جدوں ہون پنجابناں رنڈیاں نی

○

لڑائی دا منظر

آئیاں پلٹناں پیڑ کے توپ خانے اگوس سگھاں نے پاسے تروڑ دتے
میوا سنگھ تے ماکھے خان ہوئے سدھے بلے تن فرنگی دے موڑ دتے
شام سنگھ سردار اٹاری والے بنھ شتروں جوڑ وچھوڑ دتے
شاہ محمد سگھاں نے گوریاں دے وانگ ننبواں لہو نچوڑ دتے

بارن توں بعد بے بسی دا نقشہ

پچھوں بیٹھ کے سگھاں نوں عقل آئی کپھی چڑھی ہیں زہر نوں سان مائی
رکھناں کھندراں وچ پھسا کے جی توں تاں لاه سٹے ساڈے گھان مائی
ہتھ دھو کے پئی ایس مگر ساڈے گھریں اچے نہ دینی ایس جان مائی
شاہ محمد کھوہ ہتھیار بیٹھے نال لڑدیاں لئے پچھان مائی

منتخب کلام

راضی بازی رہندے مسلمان ہندو سر دوہاں دے وڈی آفات آئی
شاہ محمد اوج پنجاب دے جی کدی نہیں سی تیسری ذات آئی

○

آج ہووے سرکار تے لُ پاوے جیہڑیاں خالصے نے تیغاں ماریاں نی
شاہ محمد اک سرکار باجھوں فوجاں جت کے انت نوں ہاریاں نی

○

جھنڈے نکلے کوچ دا حکم ہويا چڑھے سُورے سنگھ دلیر میاں
چڑھے پُت سرداراں دے چھیل بانکے جویں بیلویں نکدا شیر میاں

○

ایہہ جگ سراء مسافراں دی ایٹھے زور والے کئی آگئے
شداد نمرود فرعون جیسے دعوے بنھ خدا کہا گئے
اکبر شاہ ورگے وچ دلی دے جی ڈھیری وانگ ونجاریاں پا گئے
شاہ محمد رہے گا رب سچا واچے کُوڑ دے کئی وجا گئے

○

کونجاں نظر آون بازاں بھکھیاں نوں پئے سنگھ کچھچیاں کھاوندے نی

قصہ سسی پنوں

رخ خودی گمان نہ رہیا کائی میں تاں ڈبی وچ عشق دی لہر مائے
میری پیت چکور پتنگ والی سہاں آپنے سرتے قہر مائے
چشمہ آب حیات دا ہوت پنوں ہور سبھ جہان ہے زہر مائے
شاہ محمد رب جی مہر کرسی چل ویکھ ساں پنوں دا شہر مائے



حامد شاہ عباسی

(1161ھ)

حامد شاہ عباسی سید عطاء اللہ کے ہاں تحصیل پٹھان کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے دادا سید اعظم ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان آئے تھے۔ دس برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیے تھے۔ جوانی میں جوتش کا علم بھی سیکھا۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن میں ”جنگ نامہ حامد“ اور ”ہیر رانجھا“ کا قصہ بھی شامل ہیں۔ آپ نے 30 برس کی عمر میں جنگ نامہ حامد (واقعہ کربلا) مکمل کیا جبکہ ہیر کا قصہ 1220 ہجری میں یعنی وارث شاہ کے 40 سال بعد مکمل کیا۔ آپ کے دوہڑے بھی بہت مشہور ہوئے جن میں تصوف اور وحدانیت کا رنگ پایا جاتا ہے۔

عشق

جس نوں مزہ ہے عشق دا، اس نوں کھانا کیہ آکھ
سوںویں نہ راتیں نیند وچ دے مصیبت لاکھ
نہ ہسدا نہ رووندا سر وچ پاوے راکھ
حامد عشق حقیقی پئے ویلیں داکھ

روپ

روپ ہے اکھیاں بانکیاں اندر جگت بہار
عاشق اکھیاں دے ہوئے وڈے چشم کٹار
اکھیاں مارے موئے ہن عاشق وچ سنسار
حامد اکھیاں وچ جو خالق دا اسرار

ہیر رانجھا

میںوں ضد ٹڈھوں رانجھے ہیر دی سی نت بولدا بُری زبان میاں
جٹی جٹ اُدھال لے گیا سی جی مندے کرم سی وچ جہان میاں
کتے بسارنگی کھوہ کے چور کیتی گاؤں والڑا پکڑ خراب کیتا
کتے و سبھلی کھوہ کے دھرت ماری قصہ پڑھدے نوں کتے بے آب کیتا
ہندر مکیاں مار کے گاوندے نوں پکڑ پسیلیوں جگر کباب کیتا
بائی ورھے حامد ایسے حال یتے بہت بہت سوال جواب کیتا

منظوم اردو ترجمہ

ان آنکھوں کا روپ ہے ایسا جیسے نئی بہار
ان سے کوئی پیار کرے، تو بنیں یہ تیز کٹار
ان کی چاہت ہر کوئی چاہے، پاگل سب سنسار
حامد ان کی آنکھوں میں دیکھو، خالق کے اسرار

○

عشق شہنشاہِ دو عالم عشق مرا ایمان
عرش سے لے کر فرشِ تلک تو عشق ہی غالب جان
اس کی خاطر بنے بھکاری راجے اور سلطان
جو بن عشق جیے دنیا میں وہ کیسا انسان

○

جس کو پریت کی چاٹ ہے اس پر کھانا ہوا حرام
دن گزریں یا راتیں بیتیں، سونے سے کیا کام
راکھ ہو سر میں، ہنسنا بھولے پیار کا یہ انعام
حامد عشقِ حقیقی ہو تو، یاد رہے اک نام

○

دنیا میٹھی نہیں ہے اس کو زہر سے کڑوا جان
قدم قدم پر لالچ دے کر گھیرے گا شیطان
کرم وہاں آئیں گے سب یہیں رہے گی شان
جو بوئے سو کاٹے جگ کی ریت ہے یہ پہچان

○

(منظوم اردو ترجمہ: شفیق عقیل)

مولوی لطف علی

(1129ھ-1209ھ)

ملتان میں پیدا ہوئے اور بہاولپور میں عمرگزاری۔ دیگر تصانیف کے علاوہ ”سیفل نامہ“ بھی لکھا اور اسی سے شہرت حاصل کی۔ یہ تصنیف 1195 ہجری میں مکمل ہوئی۔ سیفل نامہ میں شہزادہ سیف الملوک اور پری بدیع الجمال کی داستان منظوم کی گئی ہے جس پر میاں محمد کے علاوہ اور بھی کئی شعراء نے طبع آزمائی کی۔ کہا جاتا ہے کہ نواب بہاول خان ثانی کے محل میں مدن نام کی ایک لونڈی تھی جسے دیکھتے ہی مولوی لطف علی دل و جان سے اس پر فریفتہ ہو گئے اور اسی کے عشق میں یہ مثنوی تحریر کی۔

سیفل نامہ

آکھیا شاہ پسر نون میتھوں اینویں نہ ہو آوارہ
آکھیوس باجھ و نچھن دے باہل ہور نہ کوئی چارہ
آکھیا شاہ نہ رول اسانوں کجھ فراق ستارہ
آکھیوس منگ دعائیں تائیں ترت لہاں چنگارہ
آکھیا شاہ نہ چھوڑ حیا نہ دولت ملک سہارا
آکھیوس باجھ سجن دے ویکھاں ملک تمام اندھارا

سیفل نامہ میں سے تین بند کا ترجمہ

○

اس دنیا میں موت کا پتھر لعل جواہر توڑے
ترس ذرا نہ اس کو آئے نازک بدن بھنچھوڑے
ازل کا مالی رحم نہ کھائے شاخ سے پھول مردے
نیا پرانا کچھ بھی نہ دیکھے جڑ سے پیڑ جھنچھوڑے

اس ندی میں موت کی لہریں، ڈوب گئے کئی جوڑے
 اتنی طاقت کس میں یہاں ہے، موت سے منہ جو موڑے
 جہاں بھی جا کر چھپ جاؤ گے ملک الموت نہ چھوڑے
 نازک جسم کو کیڑے کھائیں جیسے موت چھچھوڑے
 قبریں دیکھو، غور کرو، کیا خاک نے جسم نچوڑے
 پھر بھی اس کا پیٹ ہے خالی لاکھوں کھاگئی جوڑے
 سب کی راہ عدم ہے یارو، سانس کے لمحے تھوڑے
 مجھ مسکین کا قصہ سن کر یاد نہ میری چھوڑے
 لطف علی نے اسی لیے یہ قصے نئے ہیں جوڑے

○

پھر الیسی کہنے لگی وہ قاصد کو بھجواؤں
 پری کے دیس میں دلبر تجھ کو پل بھر میں پہنچاؤں
 ہر مل بن کر تجھ پہ جلوں میں نظر بد سے بچاؤں
 اپنے جسم پہ راکھ ملوں اور رنگ بھبھوت رچاؤں
 شوق کا سُرخ دوپٹا اوڑھوں پیار کا دیپ جلاؤں
 ساجن بن میں دکھیا پل پل غموں کا بوجھ اٹھاؤں

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



میاں کریم بخش

(1785ء-1876ء)

لاہور کے رہائشی میاں کریم بخش اپنے دور کے استاد شاعر تھے۔ شعروں میں بھارت میں اور استادانہ پہلو نمایاں ہے۔ تقریباً ان پڑھ تھے مگر وہی علم اور فی البدیہہ شعر کہنے میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے ہیرا رانجھا کا قصہ بھی لکھا۔

قصہ ہیرا رانجھا سے نمونہ کلام

گورو دھار کے مندریں پا آیا جامہ نال گیری لیا رنگ جوگی
لگن یار دی بے اختیار کیتا ملی خاک تے ہو یا ملنگ جوگی
پنچ پیر ملے، مہربان ہوئے ہیرا آکھدا اے میری منگ جوگی
دھواں کھیڑیاں دے وچ پا بیٹھا سہتی نال مچاوندنا جنگ جوگی
بوٹا جڑھاں تھیں پٹ اُکھیڑیا سو ساری چا مٹاوندنا کنگ جوگی
بن کے رانجھیوں جوگی کریم بخشا ہیرا کر لئی او اپنے سنگ جوگی

○

کھادا غم یعقوب فراق اندر بھریاں گئیاں کلجے نوں رُگیاں نیں
اُہدے رووندے نیں بصیر ہو گئے یوسف جھگیاں کیتیاں لگیاں نیں
ہوئی معاف تقصیر نہال ہوئے نزواں لال پاسے دیاں پگیاں نیں
پئے اہناں نوں طوق کریم بخشا ہوئیاں بے فرمان جو گھگھیاں نیں



عبداللہ عبدی قیصر شاہی

(1823ء-1918ء)

حضرت عبداللہ عبدی قیصر شاہی 1823ء میں رسول نگر (گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام شیخ محمد یار تھا۔ ابتدا میں راجا دلپ سنگھ کی ملازمت کی۔ جب 1849ء میں دلپ سنگھ فرخ آباد لے جائے گئے تو یہ بھی ہمراہ تھے۔ اس کے بعد راجا کی ملازمت سے الگ ہو گئے پھر تھانیداری اور ڈسٹرکٹ ناظری کی۔ 1884ء میں پنشن پائی اور 1918ء میں انتقال کیا۔ ڈاکٹر وحید قریشی مرتب یار نامہ (سی حرفیاں حضرت سید عبدی قیصر شاہی) دیباچے میں لکھتے ہیں کہ ان کا کلام ان کے پوتے شیخ برکت علی کی وساطت سے اُن تک پہنچا اور یہ بھی حضرت عبدی کے فیوض کا نتیجہ ہے کہ بعد میں ان کے خاندان کے افراد علم و ادب کی خدمت میں پیش پیش رہے جن میں شیخ امیں اکرام، جسٹس امیں اے رحمان وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ 48 صفحات کا یہ مجموعہ 1963ء میں پنجابی ادبی بورڈ لاہور نے شائع کیا۔ آپ کی تمام سی حرفیوں کے ہر مصرعے کے آخر میں ”یارا“ کا لفظ آتا ہے۔

○

جیم جمیاں حرف پریم دل تے لکھیا گیا اے آپنے آپ یارا
اکو داغ جماندرو عشق سائوں، ہور دُکھ نہ تاپ سراپ یارا
کوئی جاگدے کوئی او جاڑ پھر دے، کوئی بولدے تے چپ چاپ یارا
عبدی کوئی علاج نہ پیش جائے کرے فضل تے ہووے ملاپ یارا

○

جیم جال وجود دے وچ پھاتھا پنچھی رُوح دا خاص آزاد یارا
ہوئے قدرتاں ویکھ حیران اسیں کہیا بھارا ایں پیر استاد یارا
وچوں نال اساڈڑے رہیں رَلیا اُتوں پائے نی کیہہ فساد یارا
عبدی سُنّیاں کلاں جگائیاں نی کوئی دے نہ آ کے داد یارا



برداپشاوری

(1827ء-1898ء)

سردار بردا خان پشاور کے رہنے والے تھے۔ ہندکو میں انتہائی عمدہ سی حرفیاں اور چومصرے لکھے۔ کچھ عرصہ راولپنڈی جیل میں قید بھی رہے جس کا ذکر انھوں نے اپنی شاعری میں کیا ہے۔ حاضر جواب، خوددار اور خوش ذوق شخصیت کے مالک تھے۔ بردے کی شاعری کا فنی و فکری معیار بہت بلند ہے، شعری ضرورتوں اور نزاکتوں کا پورا پورا ادھیان رکھتے تھے۔ زندگی کے نشیب و فراز کا بھی انہیں گہرا تجربہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سماجی شعور اور اردگرد کے ماحول کی بہت عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ بلاشبہ برداپشاوری ہندکو اور پنجابی شاعری کا ایک بہت بڑا نام ہے۔

○

الف۔ اٹھ پہلے روز ٹریا بردا متھا لگا سو نال لڑائی دے جی
سکے بھائی نے قید کرا دتا لک بنھ کے نال جوئی دے جی
تتاں برسوں دی قید میں کٹ آنواں سخن یاد رکھاں سکے بھائی دے جی
بردا چھٹے قیدوں ملے مایاں نوں جویں ہیر نوں چاک ملائی دے جی

○

ج۔ جیل خانہ راولپنڈی والا جس دیاں کوٹھیاں گنوں تے ہین چاہلی
بچ ست قیدی روز آوندے نیں اک دن نہیں جاندا وے مول خالی
باراں سیر چھولے دیندے پینے نوں منہ تے چھائی زردی اکھیاں آئی لالی
بردا آکھدا یارو انگریز ڈاڈا جنھاں سئیاں جواناں دی عمر گالی

○

ب۔ بُری مرض یارو عشق والی دارو لگدے نہیں طبیب والے
ساہوکاراں دے سخن منظور ہندے سخن نہیں منظور غریب والے
نال عاجزی دے کم کڈھ لیندے رساں چوپ لیندے مٹھی جیبھ والے
بردا سئیاں درختاں دی کرے راکھی میوہ پکے تے کھاں نصیب والے

○
 الف۔ اکھیاں تیریاں سندرا اوئے نت کجے دے نال کالیاں نہیں
 گل وچ تعویذ نے رنگ لایا کنیں سوہنیاں مندریاں والیاں نہیں
 لک پتلا سرو مثال تیرا جویں وچ چمن دے ڈالیاں نہیں
 بردا آکھدا سندرا مہرباناں عاشق سے مصیبتاں جالیاں نہیں

○
 ل۔ لگے جنہوں سو ای جاندا اے کون رووندا نال بہانیاں دے
 کنہوں کھول کے دل دا بھیت دساں کون سندا اے درد دیوانیاں دے
 اُس یار کولوں کجھ نفع ناہیں جیہڑا نس جاوے مارے طعنیاں دے
 بردا دل نوں رکھ سنبھال پیارے کجھ زور نہ پُت بیگانیاں دے

○
 ع۔ عمر مثال جناب دی اے سورج چڑھے پرچھانواں ڈھلدا اے
 جس دم اُتے دم مار بیٹھوں اوہ سماں کوئی گھڑی پل دا اے
 جو آں نال نہ کسے نے کنک کپّی نال اک دے انب نہ پھلدا اے
 بردا ہر اک نے مُدّت نال جانا جتنا تیل دیوے اوناں بلدا اے

○
 الف۔ اصل تھیں کدی بے وفائی ناہیں کم اصل تھیں نہ کدے وفا ہووے
 اوہدے درد نوں جان توں آپنا کر جیہڑا تیرے درد دا درد خواہ ہووے
 اوس دوست توں نہ اُمید رکھیں جیہڑا اپنے مطلب دا آشنا ہووے
 جیہڑا تیرے دکھ تے نہ کدی جھورے بردا مارس گولی بے سکا بھرا ہووے

○
 الف۔ آؤ سہیلیو کم کریئے کماں باجھ نہ ملن مزدوریاں نہیں
 دماں باجھ نہ ہوندے نہیں کم کوئی حسن باجھ نہ ہون مغروریاں نہیں

کھنڈاں باجھ نہ ہووندے شربت مٹھے گھیو باجھ نہ ہوندیاں چوریاں نیں
بردا آکھدا رکھو نماز روزہ ہور سبھ گلاں ایتھے کوڑیاں نیں

○

ایک بار آپ میاں تاج الدین کنڈی دوز (جو کہ ملتان کے باسی اور امرتسر کٹرہ خزانہ کے
رہائشی تھے) کو ملنے کے لیے گئے۔ تاج نے اپنا اتا پتا بتاتے ہوئے چومصرے میں کہا:
الف۔ اسماں دے ملنے دی خواہش رکھیں وطن اسماں دا خاص ملتان بچھ لے
امرتسر پنجاب وچ آ کے تے کٹرے وچ خزانے دوکان بچھ لے
اللہ دتہ غریب دا نام عاجز کنڈی دوزاں دی آ کے دوکان بچھ لے
تاج دین دا جان کے نام پایا سمن شاہ دولو نگہبان بچھ لے
یہ سن کر آگے سے بردا پشوری نے فی البدیہہ جواب دیا:

ک۔ کیٹری کستوری تے مُتک و پچیس جو میں آن کے تیری دوکان بچھ لاں
کیٹرا بہاء الحق دا توں پوترا ایں وطن جا کے تیرا ملتان بچھ لاں
کیٹرے لکھاں کروڑاں دا ونج کرنا ایں جیٹرا جا کے تیرا نشان بچھ لاں
بردا آکھدا ہور توں خواہش نیں اے نگہباں جو تیرا خواہان بچھ لاں

○

ع عمر مثال حباب دی اے سورج چڑھے پرچھاواں ڈھلدا اے
جس دم اُتے دم مار بیٹھوں اوہ سماں کوئی گھڑی پلدا اے
جو آں نال نہ کسے کنک کپی نال اک دے انب نہ پھلدا اے
بردا ہر اک نے مدت نال جانا جتنا تیل دیوے اتنا بلدا اے



میاں محمد بخش

(1830ء-1907ء)

چک ٹھا کرہ علاقہ کھڑی شریف میر پور آزاد کشمیر میں میاں شمس الدین کے ہاں پیدا ہوئے جو حضرت عبداللہ شاہ غازی دمڑی والی سرکار کے مرید اور سجادہ نشین تھے۔ میاں صاحب نے والد سے اکتسابِ فیض کیا اور ساری عمر رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔ سی حرفیاں، دوہڑے، مرزا صاحبان، سیف الملوک، سوہنی مہینوال، شیریں فرہاد اور دیگر قصوں کے علاوہ غنیمت کنجاہی کی معروف فارسی مثنوی ”نیرنگ عشق“ (جو دولڑکوں شاہد اور عزیز کے عشق پر مبنی ہے) کا بھی پنجابی میں منظوم ترجمہ کیا تاہم جو شہرت سیف الملوک کو حاصل ہوئی وہ کسی قصے کے حصے میں نہیں آئی۔ یہ قصہ پہلی بار آپ کی زندگی میں ہی یعنی 1902ء میں جہلم سے شائع ہوا یعنی اسے چھپے ہوئے 108 برس سے اوپر ہو چکے ہیں۔ اس نسخے کی پروف خوانی اور تصحیح آپ نے خود فرمائی تھی۔ آپ کا کلام اعلیٰ اخلاقی اقدار کے پرچار کا ایک ایسا آئینہ ہے جسے آپ نے پہلے مصرعہ میں دعویٰ اور دوسرے میں دلیل فراہم کر کے صیقل کیا۔ پنجابی کلاسیکی شاعری میں آپ کے ایسے اشعار سب سے زیادہ ہیں جو عام لوگ حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں کیونکہ ان میں غیر معمولی سوز و گداز اور عوامی دانش و دانائی پائی جاتی ہے۔ 22 جنوری 1907ء کو وفات پائی اور کھڑی شریف میر پور آزاد کشمیر میں مدفون ہوئے۔ وارث شاہ، بلھے شاہ، شاہ حسین کی طرح آپ نے بھی تمام عمر شادی نہیں کی۔

○

سے سے جوڑ سگت دے ڈٹھے اوڑک و تھان پیمیاں
جنھاں باجھوں پل نہ گزرے اوہ شکلاں یاد نہ رہیاں

○

نیچاں دی اشنائی کولوں فیض کسے نہ پایا
کرتے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

○

درد منداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں
جس پلے بپھل بدھے ہوون آوے بو رومالوں

○
عاماں بے اخلاصاں اگے خاصاں دی گل کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

○
اوکھے ویلے کاری آوے بھلیاں دی اشنائی
اڑیا آکھن دی لُج پالن جو انسان وفائی

○
جاں کھیتی دا ککھ نہ رہیا نہ سکا نہ ہریا
کس کم ڈھپ سکاون والی کس کم بدل ورھیا

○
مالی دا کم پانی دینا بھر بھر مشکاں پاوے
مالک دا کم بھل بھل لانا لاوے یا نہ لاوے

○
مر مر اک بناون شیشہ مار وٹا اک بھن دے
دنیا اُتے تھوڑے رھندے قدر شناس سخن دے

○
باغ بہاراں تے گلزاراں بن یاراں کس کاری
یار ملے دکھ کٹے جاون شکر کراں لکھ واری

○
اچی جائی نیوں لگایا بنی مصیبت بھاری
یاراں باہجھ محمد بخشا کون کرے غمخواری

○
حسن جمال ترا کس کارن عاشق سِکدا مرسی
جاں دیدے نابینے ہوئے پھر سرمہ کیہہ کرسی

○
نہ یلیے تاں ملیے ناہیں جے یلیے تے ہس کے
مٹھا بول اندر وڑ ملیے عاشق دا دل کھس کے

○
دیکھ الغوزہ سُکلی لکڑی اگی بالن والی
ہر ہر جائی رخنہ موری اندر سارا خالی
جاں مردے منہ لائی بھائی کج لئی ہر موری
نیک انیک اوازے نکلے پھوک جدوں وچ ٹوری

○
جائز ہوندی دوئے دے ہتھیں جے خدمت دلبر دی
بادشاہاں دے بدلے سبھو خلق نمازاں پڑھ دی

○
دشمن مرے تے خوشی نہ کریئے سجناں وی مر جاناں
ڈیگر تے دن گیا محمد اوڑک نوں ڈب جاناں

○
ویری دشمن موئے گئے دا ساہ وساہ نہ کریئے
سپ موئے دا کنڈا چھبے پھر بھی دردیں مریئے

○
شعر مرے اس ملک اپنے وچ مول نہ پاندے قیمت
دور دراڑے جس نوں لبھن جانے بہت غنیمت
کیسر سستا ہے کشمیرے پچھو مثل لہوروں
پستہ تے بادام محمد سستے ملن پشوروں

○
توڑے کتے بن کے رہیے وچ وطن دیاں گلگیاں
در در جھڑکاں سپیے تاں بھی پھر پردیسوں بھلیاں

○
باج اواز ادا رسیلی گدا شعر الونا
دودھ اندر جے کھنڈ ملائیے مٹھا ہوندا دونا

○

قصے ہو کر کسے دے اندر درد اپنے کد ہوون
 بن پیڑاں تاثیراں ناہیں بے پیڑے کد روون
 ○
 درد ہووے تاں ہا نکدی کوئی نہ رہندا جر کے
 دلبر اپنے دی گل کیجے ہوراں نوں منہ دھر کے
 ○
 جس وچ گجھی رمز نہ ہووے درد منداں دے حالوں
 بہتر چُپ محمد بخشا، سخن اجیے نالوں
 ○
 جس دل اندر عشق نہ رچیا کتے اُس توں چنگے
 خاوند دے در راہی کردے صابر بھکھے ننگے
 ○
 جادوگر دو نین گڑی دے وچ کجے دی دھاری
 صوفی دیکھ ہوون مستانے چھڈن شب بیداری
 ○
 انھے نوں بازار پھرایا سارا سیر کرایا
 جاں پُچھوں تاں ایہو کہسی کجھ نظریں نہیں آیا
 ○
 لکھ سواد نہ مصری اندر کھنڈاں وی چکھ ڈھیاں
 اینہاں ساریاں چیزاں نالوں گلاں سجن دیاں مٹھیاں
 ○
 ہر کوئی میلہ دیکھن کارن آن میدان کھلویا
 اِس میلے چوں کجھ نہیں کھٹیا جس دا میل نہ ہويا
 ○
 جھل جھل ہار نہ ہاریں ہمت ہکدن پھرسی پاسا
 بھکھا منگن چڑھے محمد اوڑک بھردا کاسا

○
اُچھا ناں ایہتھے جس وی دھریا اوہ چُلھے وچ سڑیا
نیواں ہو کے لنگھ محمد تاں بچپس تُوں اڑیا

○
مان نہ کیجے روپ گھنے دا وارث کون حسن دا
سدا نہ رہسن شاخاں ہریاں سدا نہ پھول چمن دا
سدا نہ بھور ہزاراں پھرسن سدا نہ وقت امن دا
مالی حکم نہ دئے محمد کیوں اج سیر کرن دا
سدا اڈاراں نال قطاراں رہسن کد کلنگاں
سدا نہ لاٹ چراغاں والی سدا نہ سوز پتنگاں
سدا نہ چھوپے پا محمد رل مل بہناں سنگاں
سدا نہیں مرغایاں بہناں سدا نہیں سر پانی
سدا نہ سیاں سیس گنداون سدا نہ سرخی لانی
لکھ ہزار بہار حسن دی خاکو وچ سمائی
لا پریت محمد جس تھیں جگ وچ رہے کہانی
مگر شکاری کرے تیاری بار چریندیا ہرنا
جو چڑھیا اس ڈھیناں اوڑک جو جمیاں اس مرنا
بُجھ وساہ نہ ساہ آئے دا مان کیہا پھر کرنا
جس جے تُوں چھنڈ چھنڈ رکھیں خاک اندر وچ دھرنا
لوئی لوتی بھر لے کڑیئے جے تده بھانڈا بھرنا
شام پئی بن شام محمد گھر جاندی نے ڈرنا

○
ہک دن کرن شکار شکاری باری اندر آیا
آن درخت گھنے دی چھانویں اس نے ڈیرا لایا

نالے باز ہواؤں اڈا آ بیٹھا اس رُکھ تے
 طعمہ لوڑے ماس نہ چھوڑے آیا ظالم بھکھ تے
 ہبٹھ شکاری باز اتے سی وچ بیٹھی اک گھگی
 دشمن ویکھ کہے اج میں بھی چوگ ازل دی چگی
 بیٹھوں شست شکاری جوڑے تیر گھگی نوں لاناواں
 اتوں باز تے جے اڈے کپڑ شتابی کھاناواں
 گھگی جدوں اوہناں ول ڈٹھا کر دی فکر گھنیرا
 کہندی ربا کیونکر رکھسیں بچن نہیں ہن میرا
 بیٹھ رہاں تاں شست برابر مارے تیر شکاری
 جے اڈاں تاں باز پکڑسی ہر پاسوں میں ماری
 تیر لگن وچ دیر نہ کوئی کجھ تدبیر نہ چل دی
 آہی گھڑی اجل دی ایہو وچ تقدیر ازل دی
 جاں رب رکھن اتے ہویا کیہہ سبب بنایا
 گھگی ول شکاری تکدا شست دھیان بھڑایا
 پچھوں ناگ چلائے اس نوں دند آلود زہر دے
 تیر چھٹا اوہ لگا بازے دونویں دشمن مردے
 گھگی بیٹھی رہی اتھائیں چنگی بھلی نروئی
 مارن والے موئے محمد قدرت رب دی ہوئی
 قدرت قادر والی والی گنتر وچ نہ میوے
 قصہ دس محمد بخشا یار کھلوتے سیوے

مناجات

رحمت دا مینہ پا خدایا باغ سُکا کر ہریا
بوٹا آس اُمید میری دا کردے میوے بھریا
مٹھا میوہ بخش اجیہا قدرت دی گھت شیری
جو کھاوے روگ اس دا جاوے دور ہووے دلگیری
سدا بہار دینیں اس باغے کدے خزاں نہ آوے
ہوون فیض ہزاراں تائیں ہر بھٹکھا پھل کھاوے
بال چراغ عشق دا میرا روشن کردے سیناں
دل دے دیوے دی رُشنائی جاوے وچ زمیناں

حمد باری تعالیٰ

اول حمد ثناء الہی جو مالک ہر ہر دا
اوس دا نام چتارن والا ہر میدان نہ ہردا
کام تمام میسر ہوندے نام اوہدا چت دھریاں
رحمیں سکے ساوے کردا، قہروں ساڑے ہریاں
قدرت تھیں جس باغ بنائے جگ سنسار تمامی
رنگ برنگے بوٹے لائے کجھ خاصے کجھ عامی
ہکناں دے پھل مٹھے کیتے پت اوہناں دے کوڑے
ہکناں دے پھل کاری آون نفعے پھلاں دے تھوڑے



مولوی عبدالستار

(1823ء-1913ء)

مولوی عبدالستار شیخوپورہ میں میاں مردان کے ہاں 1823ء میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تحریر کردہ قصہ یوسف زلیخا 1894ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ کئی سی حرفیاں اور چھوٹے بڑے قصے لکھے مگر زیادہ شہرت ”یوسف زلیخا“ کو حاصل ہوئی۔ انتہائی قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کو شاعری خاصی راس آئی۔ 40 برس کی عمر تک تو آبائی پیشے یعنی کھڈی کے کام سے ہی منسلک رہے مگر جب مذہبی رنگ میں ”قصص المحسنین“ (یوسف زلیخا کا قصہ) لکھا تو ایک کھاتے پیتے زمیندار میاں شمس الدین نے آپ کو بھرا بھرا یا گھر ہدیے میں دے دیا تاکہ آپ کیسوی سے شعر و شاعری کر سکیں۔ اسی طرح بعد ازاں آپ کے شاعرانہ کمالات کے باعث ”بگھیڑی“ نامی گاؤں کے لوگوں نے آپ کو کاشت کے لیے اچھی خاصی زمین ہدیہ کر دی تاکہ آپ فراغت اور سکون سے زندگی بسر کریں۔ آپ کے کلام میں بے پناہ سادگی، تاثیر اور سچائی پائی جاتی ہے۔

○

الف۔ اکھیاں کسے نہ رکھیاں ہن اکھیں رکھیاں مول نہ جاندیاں نہیں
آپو ڈاڈیاں نال پیار پاون آپے روندیاں تے پچھو تاندیاں نہیں
مکھ یار دا ویکھ کے رہن راضی نہ کجھ پنیدیاں تے نہ کجھ کھاندیاں نہیں
ستار بخش اس حال نوں جاندے ہن اکھیں پیش حسیناں دے آندیاں نہیں

○

ح۔ حال کیہ پچھنائیں عاشقاں دا سدا روندیاں عمر گزار دے نہیں
سارے جگ وچوں گنہگار ہوئے جویں چورتے ٹھگ بازار دے نہیں
نالے لوک غریباں نوں دین طعنے نالے نین محبوباں دے مار دے نہیں
ستار بخش میں روندڑی ہار آیاں اجے نین نہ ویکھنوں ہار دے نہیں



قصص المحسنين سے منظوم اردو ترجمہ

اس قدرت نے خاک پہ دیکھو، کیا کیا رنگ چڑھایا
ہر صورت کا حسن نکھارا، جلوہ باہر آیا
جدا جدا ہیں نقش سبھی کے، جن بھی اور بشر بھی
ہر ہر پھول سے خوشبو آئے، قدرت کاریگر کی
مشرق، مغرب، ہر سو اس نے لاکھوں شہر بسائے
خلقت فانی، بھرا ہے میلا، کوئی حساب نہ آئے
پل میں لاکھوں پیدا کر دے، پل میں انھیں وہ مارے
کسی کا وہ محتاج نہیں ہے، عاجز وہاں ہیں سارے
گرم دنوں میں کنویں میں دیکھو پانی سرد بنائے
سرد دنوں میں گرم ہو پانی، کیا کیا روپ دکھائے
کیسی اس استاد نے یارو، قدرت عجب دکھائی
اک آدم کی نسل ہے لیکن رنگا رنگ بنائی
کسی کو درد محبت حاصل، کسی کو ہے گمراہی
وہاں کسی کی پیش نہ جائے وہ دربار الہی
کوئی امیر بنائے اس نے، عیش کریں جو چاہیں
کوئی غریب ہیں اتنے یارو، اپنے کو ترسائیں
کسی کو ملکوں کی سرداری، در پہ فوج کھڑی ہے
گلیوں میں مر جائیں کوئی، مشکل گھڑی گھڑی ہے

کسی کے گھر میں خوشیاں ناچیں اور مراد بھی پائے
 کسی کے لیکھ میں درد جدائی، ہجر میں وہ مرجائے
 کسی کو زیور، زینت حاصل کنگن ہار، نیارے
 کسی کو ہتھکڑیاں زنجیروں، قیدی ہوں بیچارے
 کسی کو گوشت اور زردہ حاصل، شکر نہ لب پر لائے
 کسی کو باسی ٹکڑا ملے تو آنکھوں ساتھ لگائے
 کسی نے اتنا زیادہ کھایا اپنی جان گنوائی
 کسی نے رات کو فاقہ کر کے اپنی نیند اڑائی
 کوئی یہاں پوشاکیں پہنیں، شان کی ہوں تدبیریں
 کوئی چھپائے جسم کو ایسے چن چن جوڑے جھیریں
 کوئی یہاں پر مرے پیاسا اور پکارے ”پانی“
 پانی میں کوئی ڈوب مرے، یہ قدرت دیکھ خدا کی
 کسی میں طاقت عذر کرے کچھ یا آواز اٹھائے؟
 خاکی، نوری، ناری، ہو گو کھال اتاری جائے

(منظوم اردو ترجمہ: شفیع عقیل)



سائیں مولاشاہ مجیٹھوی

(1836ء-1944ء)

سائیں مولاشاہ مجیٹھوی انیسویں صدی کے اہم شاعر تھے جنہوں نے دیگر قصوں کے علاوہ ہیر اور سسی کا قصہ بھی لکھا۔ ان کی ”سسی پنوں“ ڈاکٹر میاں ظفر مقبول نے اردو ترجمے اور مشکل الفاظ کے معانی کے ساتھ انتہائی عمدہ تحقیقی انداز میں مرتب کی جو 2008ء میں شائع ہوئی۔ سائیں مولاشاہ نے یہ داستان 1896ء میں مکمل کی تھی اور پہلی مرتبہ 1907ء میں امرتسر سے شائع ہوئی جو 76 صفحات پر مشتمل تھی۔ ایک تحقیق کے مطابق سسی پنوں کی منظوم داستان پنجابی میں تقریباً 131 شعراء نے لکھی جن میں ہاشم شاہ اور فضل شاہ نواں کوٹی بھی شامل ہیں جن کے قصے بالترتیب زیادہ مشہور ہوئے۔ سائیں مولاشاہ اسلوب اور طرزِ تخیل کے حوالے سے وارث شاہ سے کافی متاثر نظر آتے ہیں تاہم ان کی قادر الکلامی مسلم اور تشبیہات اور استعاروں کا نظام قابلِ تعریف ہے۔ سائیں مولاشاہ نے 5 ستمبر 1944ء کو وفات پائی۔ آپ کا مزار ”تبرڑی“ (انڈیا) میں ہے۔ 1992ء میں آپ کے پوتے میاں محمد اسماعیل منظر نے عقیدت مندوں کی خواہش پر کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں انتہائی باوقار یادگار تعمیر کرائی۔

سندھ اور بلوچستان کے علاقے میں وقوع پذیر ہونے والے اس قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ بھنجور کے بادشاہ جام سلطان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ جب وہ نوجومیوں اور جو تھیوں سے اس کا زائچہ بنواتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بچی جو ان ہو کر عشق میں نام کمائے گی اور جام سلطان کو بدنام کرے گی۔ بادشاہ اپنی بدنامی کے ڈر سے بہت سے مال و دولت کے ساتھ اسے صندوق میں بند کر کے دریا برد کر دیتا ہے۔ بچی اتانامی دھوبی کے ہاتھ لگ جاتی ہے جو بے اولاد ہوتا ہے اور اس بچی کے ملنے سے اس کے حالات بدل جاتے ہیں۔ بچی سن بلوغت کو پہنچتی ہے تو نوجومیوں کے اندازے درست ثابت ہوتے ہیں اور وہ مکران کے شہزادے پنوں کے عشق میں گرفتار ہو جاتی ہے۔ جب عشق عروج پر پہنچتا ہے تو پنوں کے بھائی سسی کو بے ہوش کر کے پنوں کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ سسی، پنوں کی تلاش میں نکلتی ہے اور صحرا میں پنوں کو تلاش کرتے ہوئے بھوک پیاس اور گرمی کی شدت سے مر جاتی ہے۔ موقع پر موجود کاکانامی ایک چرواہا اس کو دفن کر دیتا ہے۔ پنوں سسی کی تلاش میں جب وہاں پہنچتا ہے تو چرواہے کے بتانے پر اسے سسی کی قبر کا نشان ملتا ہے جہاں وہ کھڑے ہو کر دعا کرتا ہے جس کے نتیجے میں قبر پھٹ جاتی ہے پنوں اس میں داخل ہو جاتا ہے اور قبر دوبارہ بند ہو جاتی ہے۔

در بیان صفت اصحاب کبار

- (1) ابا بکرؓ تے عثمانؓ علیؓ چونہاں جیڈ نہ کسے دی شان میاں
اول آخر دیکھو اُتے ظاہر باطن کیتا چونہاں دا قُرب سبحان میاں
- (2) چار یار رسولؐ دے چار کعبے، گلے چار تے چار مکان میاں
چار ظہر دے فرض تے چار سنتاں، اربعہ غنصری چار پہچان میاں
- (3) فرشتے چار تے چار کتاب منوں اتے رکن ہیں چار ایمان میاں
آہے چار مصلے، امام چارے قُل چار ہیں وچ قرآن میاں

ترجمہ:

- (1) حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، اور حضرت علیؓ چاروں حضور اکرم ﷺ کے دوست ہیں اور ان چاروں یاروں کی شان کے ہم پلہ کوئی اور نہیں ہے۔ اول آخر دیکھ چاہے ظاہر و باطن، ان چاروں کو ہی اللہ تعالیٰ کا خاص قرب حاصل ہے اور چاروں مقرب الہی ہیں۔
- (2) رسول اللہ ﷺ کے چاروں دوست در حقیقت چار کعبے (قبلے) ہیں گویا چار گلے اور چار مکان ہیں۔ ظہر کی نماز کے چار فرائض اور چار سنتیں ہیں اور جان لے کہ عناصر بھی چار (آگ، مٹی، ہوا، پانی) ہیں۔
- (3) (سائیں مولا شاہ چار کے ہندسے کی رمزیت، اہمیت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ) خدا کے مقرب بھی چار ہی فرشتے ہیں اور چار ہی مقدس کتابیں ہیں اور ایمان کے رکن بھی چار ہیں چار ہی امام ہیں (امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ) اور چار ہی جائے نماز (مصلے) ہیں اور قرآن میں چار ہی قُل ہیں۔

مقولہ شاعر

(شاعر کا قول)

- (1) چار ہندو آں وید تے چار کوٹاں، مرکب چار وچ زمین آسمان میاں
جمادات پہلے، نباتات دو جے، حیوانات، چوتھے انسان میاں

- (2) دِن ورھے دِنّاں وِپّوں چار وڈے، چار ہندوآں تے مسلمان میاں
دوسہرا دیوالی تے ہور لوہڑی بساکھی وچ لوکی میلے جان میاں
- (3) پہلا عاشورہ اتے شہرات نالے عید فطر تے عید قربان میاں
مچھلی مکڑی نہ کوئی ذبح کردا بناں ذبح کیتے سبھو کھان میاں
- (4) تے کرامتاں چار ہین ابراہیمی روشن واضح وچ جہان میاں
مچھی مکڑی ککوتے چوتھی خچر ہین چونہاں دے بند وہان میاں
- (5) دولت حسن جوانڑی اتے دولت قید چونہاں دے وچ انسان میاں
پاوے پلنگ دے چار، کہار چارے، ڈولی چک کے ہو نروان میاں
- (6) تھن چار ہوندے گائیاں مچھیاں دے چوندے چاروے گجر کسان میاں
اک رنگ دیاں ہوندیاں چار نرداں، چوپڑ کھید دے سگھڑ سبحان میاں
- (7) سُنب چار گھوڑے ہاتھی چار لتاں پنجواں سنڈ دا ویکھ لمبان میاں
چار جگ اتے چار چک آکھن، چراغ چو مکھی جل دے شمعدان میاں
- (8) چار تخم ملائیکے عرق چارے حکماء کسے مریض پلان میاں
دِن چار پہر، رات چار پہرے، مچھڑ مانگنوں بہت ستان میاں
- (9) جادو کرن کھترانیاں چار جامے گھروں باہر جا کے کسے تھان میاں
چار راہ ہوون جتھے چوک پورن، ککڑ بکری چھڈن چھڈان میاں

- (1) سائیں مولا شاہ، اب پھر چار کے ہند سے کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہندوؤں
کی مقدس کتابیں بھی چار ہی ہیں اور چار ہی اطراف اور زمین و آسمان چار ہی عناصر کا مرکب ہیں۔
پہلے جمادات، دوسرے نباتات، تیسرے حیوانات اور چوتھے انسان۔
- (2) سال کے دنوں میں چار دن (تہوار) بڑے اہم ہیں۔ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک
بڑی بزرگی والے دنوں کی تعداد بھی چار ہی ہے۔ ہندوؤں کے چار دن یہ ہیں: دوسہرا، دیوالی،
لوہڑی اور بیساکھی۔

- (3) مسلمانوں کے چار بڑے تہواروں میں سے پہلا عاشور ہے، دوسرا شبِ برات ہے، تیسرا عید الفطر اور چوتھا عید الضحیٰ ہے۔ مچھلی اور مکڑی کو کوئی ذبح نہیں کرتا (کیونکہ یہ ایسے ہی حلال ہیں) اور سب انہیں ذبح کیے بغیر ہی کھاتے ہیں۔
- (4) حضرت ابراہیمؑ کی چار کرامتیں ہیں اور چاروں دنیا جہان میں مشہور ہیں۔ چاروں انسان کی ہم عمر ہیں۔ مچھلی، مکڑی، ٹیڑی اور نخر چاروں کو ہی منہ مارنا منع ہے۔
- (5) اے میاں ہر انسان دولت، حسن جوانی اور دولت ان چاروں کی قید میں ہے۔ پلنگ کے پائے بھی چار ہی ہوتے ہیں اور (کہار) پاکی اٹھانے والے بھی چار ہی ہوتے ہیں جو کہ اُسے اٹھا کر چلتے ہیں۔
- (6) بھینسوں اور گائیوں کے چار پستان ہوتے ہیں جن کو گجر دوھتے ہیں اور کسان چراتے ہیں۔ چوسر کھیل کے چار ہی مہرے ہوتے ہیں لیکن اس کھیل کے کھیلنے والے سگھڑ کھلاڑی اسے کسی طریقے اور سلیقے سے سجاتے ہیں۔
- (7) گھوڑے کے چار سم ہوتے ہیں اور ہاتھی کی چار ٹانگیں اور پانچویں سوئڈ ہوتی ہے جو بڑی لمبی ہوتی ہے۔ اے میاں! لوگ کہتے ہیں کہ چار زمانے اور چار چک مشہور ہیں اور چوکھیلے چراغ بھی شمع دان میں جلتے ہیں۔
- (8) حکیم چار جوہر ملا کر مریضوں کو عرق پلاتے ہیں۔ اے میاں! دن کے چار پہر اور رات کے بھی چار پہر ہیں۔ جن میں مچھر اور کھٹل بڑے ستاتے ہیں۔
- (9) کھتر انیاں چار کپڑوں میں گھروں سے باہر جا کر ویرانے میں جادو ٹونا کرتی ہیں اور چوک چار راستوں سے مکمل ہوتا ہے اور چورستے میں وہ لوگ مرغ اور بکری کو چھوڑتے ہیں۔

○

- (1) شبنوں مار چنگدڑاں رکھیاں تے میوے لٹ کھادے امرود دے جی
- گرٹھ چنٹوڑ کینا فتح شاہ اکبر معشوقہ واسطے گوہر مقصود دے جی
- (2) ویاہ سون بھادوں کالی گدڑی دا ہون راگ پدرم سلطان بُود دے جی
- مولا شاہ فقیر دے لگ آکھے نہ کر شوخیاں کم خرو دے جی
- (1) چنگا دڑوں نے چوکیداروں پر شب خون مار کر امرود کے میوے کھائے بالکل اسی طرح جیسے اکبر اعظم نے اپنی محبوبہ کی خاطر چنٹوڑ کا قلعہ فتح کیا تھا اور اپنا گوہر مقصود حاصل کیا تھا۔

(2) ہر طرف اب گویا ساون بھادوں میں گیدڑی کا بیاہ ہو رہا ہے۔ حیران کرنے والی ان ہونی باتیں ہو رہی ہیں اور ہر کوئی پدرم سلطان بود کے راگ الاپ رہا ہے۔ دیہاتی سماج کی پرانی روایت کے مطابق جب ساون بھادوں میں بارش ہوتی ہے اور آسمان کے صاف ہونے پر قوس قزح نمودار ہوتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ کالی گیدڑی کا بیاہ ہو رہا ہے۔ اے مولا شاہ! تو فقیر کا کہان لے اور شوخیاں مت کر اور خرمستیاں چھوڑ دے یعنی اپنے آپ میں رہ اور وہی کر جو وہ کہتا ہے یعنی کوئی کام کر کے دکھا۔

مقولہ شاعر

(شاعر کا قول)

- (1) وُدھ باجھ نہ سنڈھ تھوں مجھ بن دی پالے سوئت نہ باجھ اولاد میاں
دیا دھرم دے باجھ نہ سخی بن دا، دیا دھرم دے باجھ جلاڈ میاں
- (2) کامل مُرشدان باجھ نہ بھرم جانڈے کرے لکھ خدائے نوں یاد میاں
تکتے علم دے باجھ فقیر ناہیں کانے رسے دے باجھ کماڈ میاں
- (3) رن باجھ نکاح سہاگ ناہیں، جھگّا رن دے باجھ برباد میاں
چڑیاں پیتیاں ندی نہ نیر گھٹ دے، ضد باجھ نہ ودھے فساد میاں
- (4) الف باجھ حروفان دا چاڑا نہ، الف باجھ سب بے بنیاد میاں
سورج تاریاں باجھ جہان اَنھا، باجھ پیاریاں دل ناشاد میاں
- (5) بارش بدلاں باجھ نہ کدی ہوندی اگ باجھ نہ ڈھلے فولاد میاں
چلے کم نہ کوئی لوہار باجھوں، پاوے کو جھڑے، باجھ خراد میاں
- (6) رعیت باجھ نہ حاکم دا حکم چلے حاکم باجھ کون سنے فریاد میاں
حکمت باجھ نہ کوئی حکیم ہوندا، کسر باجھ نہ پیڑ مواد میاں
- (7) خون باجھ نہ مہری دا یار کوئی باجھ وسوں نہ پنڈ آباد میاں
سچ بولیاں اگ جہان لگے، جھوٹھ بولیاں بڑا اپراہد میاں
- (8) لیا دنیا نے جان خُدا پیسا، چلے دین توں بے مراد میاں
دنیا آپنا آپ بھلا بیٹھی ہتھ ملے گی خواب توں بعد میاں

(1) دودھ کے بغیر سنڈھ (کنواری نو عمر بھینس) سے بھینس نہیں بن سکتی اور کوئی صاحب اولاد، بھاگوں والا ہی اولاد پالتا ہے کہ بغیر بھاگوں کے کسی اور کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی۔ خیرات، سخاوت اور مہربانی کے بغیر کوئی کبھی سخی نہیں بن سکتا اور جو بغیر ان اوصاف کے ہو وہ جلا د ہوتا ہے۔

(2) اے میاں! کوئی لاکھ خدا کو یاد کرے مگر کامل مرشد کے بغیر شکوک و شبہات دور نہیں ہوتے علم کے نکات فقیروں کے بغیر کوئی نہیں بتا سکتا اور رس کے بغیر کما د (گنا) نہیں ہوتا۔

(3) اے میاں! عورت کے بغیر سہاگ نہیں ہے اور عورت کے بغیر گھر گھر نہیں بنتا بلکہ برباد ہو جاتا ہے۔ چڑیوں کے ندی سے پانی پینے سے اس کا پانی کم نہیں ہو جاتا اور ضد کے بغیر کبھی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔

(4) اے میاں! الف کے بغیر دوسرے تمام حروف چل نہیں سکتے کہ الف کے بغیر جملہ حروف بے بنیاد ہیں۔ سورج اور ستاروں کے بغیر یہ سارا جہان ہی اندھا ہے اور اپنے پیاروں کے بغیر دل خوش نہیں رہ سکتا۔

(5) اے میاں! بادلوں کے بغیر کبھی بارش نہیں ہوتی اور آگ کے بغیر کبھی فولاد نہیں ڈھلتا۔ لوہار کے بغیر لوہے کا کوئی کام ہی نہیں چلتا اور اگر خرد نہ ہو تو چار پائی کے پائے بھی بد صورت اور بد نما ہوتے ہیں یعنی لوہار اور ترکھان کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔

(6) اے میاں! رعایا کے بغیر حاکم نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی حکم چلتا ہے اور پھر حاکم کے بغیر کون کسی کی فریاد سنتا ہے۔ حکمت کے بغیر کبھی حکیم نہیں بنتا اور بیماری یا کسی کمی کے بغیر درد نہیں ہوتا۔

(7) اپنے خون (اولاد) کے بغیر عورت کا کوئی غمخوار نہیں ہوتا اور افراد کے بغیر کوئی بھی گاؤں آباد نہیں ہوتا۔ اے میاں! سچ بولنے سے جہان میں آگ لگتی ہے اور جھوٹ بولنا سخت ظلم کے مترادف ہے۔

(8) اب دنیا والے روپے پیسے کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔ اپنے دین سے بے بہرہ ہو جانے کے باعث وہ نہ صرف دنیا بلکہ آخرت میں بھی نامراد ہی رہ جائیں گے۔۔ دنیا نے اب اپنا آپ بھلا دیا ہے اور کسی گہرے خواب میں مست ہے۔ جب یہ خواب سے جاگے گی تو کفِ افسوس ملتی رہ جائے گی۔

مقولہ شاعر

جف القلم نہ موڑیاں کدے مُردی بھانویں لکھ تدبیر چلائیے جی
 ویلا موت دا ٹالیاں نہیں ملدا بھانویں لکھ طبیب بلائیے جی
 جو کجھ ہو رہی آتے ہون ولی ادل بدل نہ ہووسی رایئے جی
 کدی زمین دا نہیں اسمان بن دا بھانویں کسے تھوں بچھ پچھائیے جی
 بوٹا اک دا نہ بوڑھ جیڈ ہوندا بھانویں خدمتاں لکھ کرایئے جی
 چٹے وال نہ کدی سیاہ ہوون وسے مہندیاں لکھ لگائیے جی
 بچہ بھیڈ دا کدے نہ بنے ہاتھی بھانویں ہتھنیوں دُدھ پلوایئے جی
 کھٹے آب دا کدی نہ بنے میٹھا شربت جڑھاں تے کھنڈ دے پائے جی

نوحہ کردن مادر سسی در فراق دختر

- (1) کیتی ایس معصوم تقصیر کیٹری جمدی دتڑا قید کرا اللہ
 کیتو بے انصاف، انصاف ناہیں دتتا جرم بن جرم پھڑا اللہ
- (2) تیرے نال نہ کسے دازور چلے توں تاں ٹڈھ توں بے پروا اللہ
 مولا شاہ نجومیاں قہر کیتا آدم جام نول لیا بھرما اللہ
- (3) نچ جمنیوں سسیے تنئے نی! آئیوں تترے لیکھ لکھا دھیا
 ہو یا ایڈ گناہ کیہ عیب تیتھوں جیٹھری گل توں نیر روٹھا دھیا
- (4) جانے رب کیہ ہووسی نال تیرے مینوں عمر دار ہے گاواہ دھیا
 ہے لیکھ لکھا کیہ آئیوں توں کیہ کجھ ورتی تینڈرے بھا دھیا
- (5) صورت رَج نہ ڈٹھڑی آج تیری گیا ویلڑا وقت وھا دھیا
 مولا شاہ ہینے کرم تترے دے دتتا شیر نہ گود کھڈا دھیا

- (1) اے اللہ اس معصوم نے بھلا کونسی تفسیر کی ہے کہ اسے پیدا ہوتے ہی بغیر کسی جرم کے تو نے قید کر دیا ہے۔ یہ تو کوئی انصاف نہیں ہے کہ بغیر جرم کے ہی تو نے اسے مجرم ٹھہرا دیا ہے۔
- (2) اے اللہ تیرے ساتھ کسی کا زور نہیں چلتا کہ تو شروع سے ہی بڑا بے پروا ہے۔ اے مولا شاہ! نجومیوں نے بڑا قہر کمایا کہ انہوں نے اپنی چکنی چڑی باتوں سے بادشاہ آدم جام کو قائل کر لیا۔
- (3) اے بد نصیب سسی! کاش تو پیدا ہی نہ ہوتی کہ تو آئی تو اپنے ساتھ برے نصیب لکھا کر لائی۔ نہ جانے تجھ سے ایسا کونسا گناہ سرزد ہوا جس کی پاداش میں ساری عمر کا رونا تیرے دامن میں پڑ گیا۔
- (4) اے بیٹی! اللہ ہی جانے کہ تیرے ساتھ کیا کچھ ہو گا؟ اب مجھے تو ساری عمر یہی روگ لگا رہے گا اور میں تیرے فراق میں روتی تڑپتی رہوں گی۔ ہائے افسوس کہ آگے تیرے حالات کیسے ہوں گے؟
- (5) اے بیٹی! میں نے تو تیری صورت بھی ابھی جی بھر کر نہیں دیکھی اور وقت گزر گیا۔ اب اسے کیسے لوٹاؤں؟ اے مولا شاہ! ہائے ہائے اس بد نصیب کے نصیب، کہ اسے اس کی ماں نے اپنی گود میں لے کر دودھ بھی نہ پلایا۔

○

- (1) بھڑ دے ساہن دھکے لگے گجریاں نوں بھرے مل کون مٹکیاں پھوڑیاں دے
صورت ہار سنگار دی لکھ عاشق عاشق گنگے نہ اٹھیاں کوڑھیاں دے
- (2) پھر دی لٹھ کھیہ کھیہ کے سُرراں نکلن کُتا ٹھک وجے نال بوڑیاں دے
کھوتے تے ہلٹ دندے رہے رات ساری چوراں بھن کھڑے موسل توڑیاں دے
- (3) کپاہ کما د وچ جٹاں نے پون خاطر گڈے لا کھڑے کوڑے روڑیاں دے
دھلیارے مجھیں پچھاری پاگھوڑیاں نوں رسے وٹ کے سن دیاں جوڑیاں دے
- (4) جتھے یاری لگی اوتھے لاہد ہوئی لتھے چڑے بی لسوڑیاں دے
میل ہوندے ناہیں در در پھرن روندے مزے لگدے محبتاں گوہڑیاں دے
- (5) آٹے چاولاں سب پکوان پکن نان پکدے نہیں توہاں سوہڑیاں دے
پیار یار کڈھے مولا شاہ سائیں بھن ڈکرے ویکھدے چوڑیاں دے

- (6) آدم جام گُرسی نامہ لکھ اپنا کر کے بند تعویذ بنایا سی
گل حال احوال تحریر کر کے نڈھی سسرپی دے گل پایا سی
- (7) دسے لیکھ نجومی جاں نڈھڑی دے باپ نیر دے وچ روڑھایا سی
جدوں ویکھیا کھول تعویذ سسی خاندان مولا یاد آیا سی
- (8) سسی بیٹھ کے گوشے دے وچ روندی ربا ایہہ کیہہ لکھیاں پایاں میں
میتھوں کون تقصیر سی ایڈ ہوئی جیہڑی گل توں نیر روڑھائیاں میں
- (1) ساند آپس میں لڑتے ہیں تو دھکا گوجریوں کو لگتا ہے۔ ٹوٹے ہوئے منکوں کی کون قیمت ادا کرے
گا؟ ہارسنگار والی صورت کے سبھی عاشق ہوتے ہیں۔ کوئی گونگوں، اندھوں اور کوڑھیوں کا عاشق
نہیں ہوتا۔
- (2) رہٹ کی ڈھریاں رگڑ رگڑ کر پھرتی ہیں تو اس میں سے قسم قسم کے سر نکلتے ہیں اور اس کا کٹار ہٹ
کے چکر کے دندانون سے ٹھک ٹھک بجتا ہے۔ کنویں اور رہٹ ساری رات چلتے (بہتے) رہے اور
ادھر چور توڑی کے موسل چڑا لے گئے۔
- (3) جاٹ کپاس اور کما میں کھا ڈالنے کے لیے بیل گاڑیاں کوڑا کرکٹ سے لاد کر لے گئے اور انہوں
نے پٹ سن کی بنی رسیوں سے بھینسوں اور گھوڑیوں کو بیٹکھڑ ڈال دی۔
- (4) جہاں یاری لگی تھی وہاں کی مخبری ہو گئی اور لوگوں نے اس طرح چڑی ادھیڑی جیسے لسوڑھی کی
گٹھلی سے چھلکا اتار لیا گیا ہو۔ ملاپ تو ہوتا نہیں ہے مگر در بدر پھر رہے ہیں۔ مزے تو گہری محبتوں
کے ہوتے ہیں۔
- (5) آٹے اور چاولوں کے کئی طرح کے پکوان پکتے ہیں مگر دھان کے چھلکوں اور چنوں کے چھلکوں
سے روٹی ہرگز نہیں پکائی جاسکتی۔ اے مولا شاہ! دیکھو یار کس طرح اپنی چوڑیوں کے ٹکڑے
ٹکڑے کر کے پیار نکال رہا ہے۔ (پنجاب میں لڑکیاں اپنی چوڑیاں توڑ توڑ کر نئے رشتے داروں
سے اپنے پیار کا تناسب نکالتی ہیں اور جس کی چوڑی سے شیشے کا جتنا زیادہ کچرا گرتا ہے اسے اتنے
ہی زیادہ پیار پر محمول کیا جاتا ہے)۔

(6) (بادشاہ) آدم جام نے جب اپنی معصوم بچی (سسی) کو دریا برد کیا تو کاغذ پر اپنا سارا شجرہ لکھ کر اُسے تعویذ کی طرح بند کر کے اس کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ اس پر اپنا سارا حال احوال اور اس کا نام بھی لکھا ہوا تھا۔

(7) جب نجومی نے اس کی قسمت کے بارے میں بتایا تھا تو دوشیزہ (سسی) کے باپ نے اسے بہتے پانی میں بہا دیا تھا۔ اے مولا شاہ! جب اس (سسی) نے اپنے گلے کا تعویذ کھول کر دیکھا تو پھر اُسے اپنا خاندان یاد آگیا۔

(8) سسی گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر رونے لگی کہ اے اللہ یہ میرا کیسا نوشتہ تقدیر ہے۔ بھلا مجھ سے کون سی اتنی بڑی تقصیر ہو گئی تھی جس کی پاداش میں مجھے پیدا ہوتے ہی دریا برد کر دیا گیا۔

مقولہ شاعر

- (1) اولاداں کدوں بیگانیاں کم آون بھانویں چوریاں کٹ کھولے جی
آخر اپنے اصلے تے آجاون بھانویں نال محبتاں پالیے جی
- (2) رن غیر نہ آپنی کدی ہوندی، بھانویں عمر ساری نال جالیے جی
بھلا آپنی کدوں زمین ہوندی جیہڑی معاملے تے لے کے واہ لیئے جی
- (3) کتے ککڑ نہ شرع دا حکم جانن، بھانویں لکھ تعلیم سکھالیے جی
بچے کونل دے کدے نہ کاگ ہوندے آخر کاگ رہ جاوندے خالیے جی
- (4) صورت آدمی بنے نہ طوطیاں دی بھانویں پنجرے پکڑ کے ڈالیے جی
وفادار نہ کنجری کدے ہوندی جھگا چوڑ کر لکھ دکھالیے جی
- (5) رنگڑ قوم نہ کدے فقیر ہوندی لکھٹاں شغل کر چندڑی گالیے جی
تُرشی جائے نہ کھٹیاں بوٹیاں دی پیوند لکھ چاڑھی مٹھے مالے جی
- (6) سفیدی جائے نہ کپڑے وچ رہندی کوڑے رنگ ہزار رنگالیے جی
رن کالیوں کدی نہ بنے گوری مل کے لکھ صابون نہالیے جی
- (1) بیگانی (غیروں کی) اولاد کب اپنے کام آتی ہے چاہے اُسے لاکھ چورے کیوں نہ کھلائے جائیں۔
آخر کار وہ اپنے اصل پر آجاتی ہے چاہے انہیں محبت اور ناز و نعم سے ہی کیوں نہ پالا جائے۔

- (2) غیر عورت کبھی اپنی نہیں ہوتی چاہے اس کے ساتھ تمام عمر ہی کیوں نہ گزاری جائے۔ بھلا وہ زمین جو معاملے یعنی بھاڑے پر کاشتکاری کے لیے لی جاتی ہے کبھی اپنی ہو سکتی ہے؟
- (3) کتے اور مرغ کبھی شریعت کے حکم کو نہیں جان سکتے چاہے انہیں لاکھ تعلیم دی جائے اور سکھایا جائے۔ کوئے کو نل کے بچے کبھی نہیں ہو سکتے اور آخر کار وہ خالی کوئے ہی رہ جاتے ہیں۔
- (4) طوطوں کو لاکھ پنجروں میں بند کر کے رکھا جائے مگر وہ کبھی آدمی نہیں بن سکتے۔ چاہے اپنا سب کچھ لٹا دیا جائے طوائف تب بھی وفادار ثابت نہیں ہو سکتی۔
- (5) رنگڑ کبھی فقیر نہیں ہوتے چاہے لاکھوں شغل کر کے اپنی جان ہلکان کر لیں۔ کھٹے پودوں کی ترشی کبھی نہیں جاسکتی چاہے اسے کوئی مالی میٹھے کی پیوند کیوں نہ لگا ڈالے۔
- (6) سفید کپڑے کو کوئی بھی کچا رنگ کر لیا جائے اس کی سفیدی اس کے دھاگوں میں رہ جائے گی۔ اسی طرح عورت اگر سیاہ رنگ کی ہو تو اسے لاکھ صابن مل کر نہلایا جائے وہ کبھی گورے رنگ کی نہیں ہو سکتی۔

مقولہ شاعر

اک گل سوار دی کم بگڑے ہوندے کم نوں اک بگاڑ جاندی
اک گل انسان دا قرب کر دی اک بختیاں ہیٹھ لتاڑ جاندی
اک گل سُن کے مجلس خوش ہووے اک گل کلیجہ بڑے ساڑ جاندی
اک گل سجن کر دی دشمنان نوں اک پیاریاں دے پیار پھاڑ جاندی
اک گل دوسراں نوں میل دیندی اک گل وچھوڑ وچھاڑ جاندی
اک روندیاں گل ہسا دیندی اک غماں دے ویلنے واہڑ جاندی
اک گل برادری نال میلے ایک گل نکھیڑ نکھاڑ جاندی
اک گل دی لگن چاگل لاوے اک لگڑی لگن نوں پاڑ جاندی
اک گل تھوں ہون آباد جھگے اک وسدیاں گھر اُجاڑ جاندی
مولا شاہ کس گل ظہور کیتا گل تکرڑی گھت کے ہاڑ جاندی



احمد علی سائیں

(1836ء-1932ء)

اصل نام احمد علی تخلص سائیں جنم پشاور 1836ء، وفات پشاور 1932ء، قزلباش خاندان سے تعلق تھا۔ فارسی گھر کی زبان تھی۔ ہند کو میں عمدہ بیت، چومصرے اور حرفی کے انداز میں زنجیری دار اشعار کہے۔ پشاور میں آپ کی استاد کی چرچا تھا۔ بہت عرصہ تک راولپنڈی میں رہے۔ ہفت زبان تھے۔ اردو، ہندکو، پوٹھوہاری، فارسی، پشتو، کشمیری اور پنجابی جانتے تھے اور ان سب زبانوں میں شاعری کی۔ علامہ اقبال نے انھیں پنجابی زبان کا غالب کہا تھا۔ ان کے کلام میں مرزا غالب کا سائیکل، بیدل کی سی تراکیب اور آتش کی سی مرصع کاری پائی جاتی ہے۔ آپ شاگردوں کا ایک وسیع حلقہ رکھتے تھے۔ سب سے پہلے گجرات کے ایک زرگر حاجی محمد ادریس نے ان کی 300 حرفیاں جمع کر کے شائع کرائیں اور مفت تقسیم کیں۔ اس کے بعد افضل پرویز (مرحوم) نے ”کہنداں سائیں“ کے نام سے ایک مبسوط دیباچے کے ساتھ ان کا کلام مرتب کر کے شائع کرایا۔ آخری مجموعہ رضا ہمدانی نے لوک ورثہ سے شائع کرایا۔

ک۔ کیہڑی گل سوچ کے طلب کرنا ایں عیش غم کولوں سُکھ آزار کولوں
اگے دے کے کس نے وُصول کیتا خون شیر کولوں دلِ یار کولوں
کھا کے ڈنگ اُمیدِ شفا رکھنا ایں منگیں زہر موہرہ گل مار کولوں
سیاہ دل کد ہوندے سفید سائیاں تے توں تاہنگھ بدھئی ستمگار کولوں

د۔ درِ جراح عشاق اُتے پھٹے نیناں دے جگر افکار بیٹھے
سُن کے شور اوہ بولیا خادماں نوں ایہتھے کیوں بیٹھے کس کار بیٹھے
کس دی طلب وچ کُنوں تلاش کر دے کس دے ملن کارن انتظار بیٹھے
نہ ایہہ لنگر نہ دارالشفایاں نہ کوئی حاذق ایہہ کیوں بیمار بیٹھے



میاں ہدایت اللہ

(1838ء-1929ء)

میاں ہدایت اللہ گلی چابک سواراں لاہور کے رہائشی تھے۔ قوم کے مغل تھے لیکن درزیوں کا کام کرتے تھے۔ طویل عمر پائی۔ تصانیف میں بارہ ماہ، سی حرفیاں، حمدیں اور نعتیں شامل ہیں۔ شاگردوں میں بھائی لاہور سنگھ جیسی شخصیات شامل تھیں۔ آپ نے سب سے پہلے 1897ء میں ہیر رانجھاسید وارث شاہ کو مکمل کرنے کی کوشش کی اور 1673 مصرعے لکھ کر وارث شاہ کی ہیر میں شامل کر دیے اور ان اشعار پر نمبر لگا کر آخر میں لکھ دیا کہ نمبروں والے مصرعے میں نے اضافہ کیے ہیں تاہم یہ حقیقت ہے کہ ان کے اضافہ کردہ اشعار اس قدر اعلیٰ پائے کے اور وارث شاہ کی شاعری کی ٹکر کے تھے کہ اکثر محققین اب بھی انہیں وارث شاہ کے اشعار ہی سمجھتے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ میاں ہدایت اللہ خود بھی اتنے عمدہ شاعر تھے کہ ان کے اپنے کلام کو پڑھتے ہوئے کئی بار گمان گزرتا ہے کہ جو شاعر اس پائے کے شعر کہہ سکتا ہے وہ اشعار بھی اسی نے کہے ہوں گے جو خود اس نے ہیر وارث شاہ میں نمبر لگا کر شامل کیے تاہم اس سوال کا جواب ہنوز تشنہ ہے کہ اس نے یہ شعر ہیر وارث شاہ میں کیوں شامل کیے۔ ان کی آخری عمر میں مولانا بخش کشتہ (مرتب پنجابی شاعر ادا تذکرہ) ان سے دو مرتبہ ملے جب میاں ہدایت کی بینائی اور شنوائی کا نظام کافی کمزور ہو چکا تھا لیکن انہوں نے اس سلسلے میں میاں ہدایت اللہ سے کوئی استفسار نہیں کیا۔ اپنی کتاب میں بس اتنا لکھا ہے کہ میاں ہدایت اللہ نے 1673 مصرعے لکھ کر وارث شاہ کی ہیر میں شامل کر کے مکمل کی۔ نمونے کے طور پر پہلے وہ اشعار دیکھیے جو میاں ہدایت اللہ نے وارث شاہ کی ہیر میں شامل کیے اس کے بعد ان کا اپنا کلام دیا گیا ہے۔

○

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے
مینوں رکھ لئیں بابلا ہیر آکھے ڈولی گھت کہار نے لے چلے وے

میرا آکھیا کدی نہ موڑدا سیں اوہ سے بابل کتھے گئے چلے وے
تیرے چھتر چھانویں بابل رُکھ وانگول جھٹ وانگ مسافراں بہہ چلے وے

○

گیا بجھ تقدیر دے نال ٹھوٹھا لیجا قیمت ساتھوں مٹ دی وے
جھیرا نال تقدیر دے بنھ ناہیں تقدیر پہاڑاں نوں پٹ دی وے

آدم حوا نوں کڈھ بہشت وچوں تقدیر زمین تے سٹ دی وے
سلیمان جھوکے بھٹھ ماچھیاں دے تختوں چا تقدیر پلٹ دی وے
موسیٰ لنگھیا پار فرعون اُتے تقدیر دریا اُلٹ دی وے!
یعقوب دے پُت پیارڑے نوں تقدیر کھوہے وچ سٹ دی وے

○

میاں ہدایت اللہ کے کلام کا نمونہ

خ۔ خواب اندر توں بھی اوس وانگوں جیندے مگر پیار اک شیر ہسی
اگے دوڑیا تاں کھوہا نظر آیا گردے اگیا گھاہ چوہیر ہسی
پکڑ گھاہ نوں لکيا کھوہ اندر ہیٹھاں سپ بیٹھا منہ کھلیر ہسی
چوہا کتردا گھاہ ہدایت اللہ لگی ماکیوں منہ دے نیڑ ہسی

○

ز۔ زاریاں وڈیاں عشق اندر ٹھٹھا نہیں ایہہ عشق کماوناں ہے!
تیر جھلنے جگ دے طعنیاں دے سینہ آپنا ڈھال بناوناں ہے
بُھل سُنکھناں باغ توحید وچوں بدن کنڈیاں نال پچھواوناں ہے
اوکھی عشق دی کھیڈ ہدایت اللہ ہتھ شیر دی مُچھ تے پاوناں ہے

○

الف۔ اکھیاں کھول کے ویکھ مور کھ جنھوں ڈھونڈناں ایں تیتھوں دور ناہیں
شاہ رگ تھیں بہت نزدیک ہے اوہ تیرا اپنا قلب حضور ناہیں
چام چٹھ وانگوں انھاں آپ ہوویوں آفتاب دا کجھ قصور ناہیں
پردہ غفلت دا پیو ہدایت اللہ تاہیں تدھ نوں دسدا نور ناہیں

○

الف۔ ایس ترنجبوں کت اگے ساڈے نال دیاں چرنے چک گئیاں
رہی شکل نہ ایہناں دی یاد سانوں جیہڑیاں صورتاں مٹی وچ لک گئیاں
ساڈے ہان دے رہے نہ رُکھ لوکو، جیہڑے پھل تے شناخاں سک گئیاں
چلی چال شطرنج ہدایت اللہ بازی برد ہوئی گوٹاں نک گئیاں

بارہ ماہ

ماگھ مہینے ماہی باجھوں جو سنگ میرے بتی جے
شالا دشمن نال نہ ہووے جیہڑی وچھوڑے کیتی جے
جان تتی دی وانگوں کو ہلو پیر عشق نے لیتی جے
وصل اوہنوں تریاق ہدایت زہر عشق جس پیتی جے

دوہڑا

جد کوچ گیا کر جانی مینوں اک پل مُول نہ بُھلے
خستہ حال پھراں وچ گلیاں میرے کیس گلے وچ کھلے
دل تے بھار وچھوڑے والا میرے نیناں تھیں رت ڈلھے
سوہنے باجھ ہدایت میرا جیون گھستو چلھے



خواجہ غلام فرید

(1841ء-1901ء)

خواجہ غلام فرید مولانا خدابخش کے ہاں چاچڑاں میں پیدا ہوئے۔ 8 برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ بڑے بھائی خواجہ فخر الدین عرف فخر جہاں نے آپ کی پرورش کی۔ خواجہ غلام فرید کی سرانیکی کافیاں اپنی مثال آپ ہیں جو زیادہ تر تصوف اور وحدت الوجود کے موضوع پر ہیں۔ آپ کے کلام میں مقامی قدرتی مناظر سے متعلق تشبیہات (اور بالخصوص روہی اور پیلو کے ذکر) کی وجہ سے آپ کو سرانیکی کا ورڈور تھ بھی کہا جاتا ہے۔

کافی

کیا حال سنداں دل دا کوئی محرم راز نہ ملدا
مونہہ دھوڑ مٹی سر پام سارا ننگ نمود و نجایم
کوئی بچھن نہ ویڑھے آیم ہتھوں اٹا عالم کھلدا
آیا بار برہوں سر باری لگی ہو ہو شہر خواری
روندی عمر گزاریم ساری نہ پام ڈس منزل دا
دل یار کیتے گرلاوے تڑپھاوے تے غم کھاوے
دکھ پاوے سول نبھاوے ایہو طور تیڈے بیدل دا
کئی سہنس طیب کماون سے پڑیاں جھول پلاون
میڈے دل دا بھید نہ پاون پوے فرق نہیں ہک تل دا
دل پریم نگر ڈوں تانگھے جتھاں پینڈے سخت اٹانگے
نہ راہ فرید نہ لانگھے ہے پندھ بہوں مشکل دا

○

وچ روہی دے رہندیاں نازک نازو جٹیاں
راتیں کرن شکار دلیں دے ڈینہاں ولوڑن مٹیاں
گجھڑے تیر چلاون کاری سے سے دلڑیاں پھٹیاں
کر کر درد منداں کوں زخمی ہے بدھن نہ پٹیاں

چھیڑن بھیداں بکریاں گائیاں لیلے گابے کئیاں
 کئی مسکین مسافر پھاتھے چوڑ کتو نے ترٹیاں
 مونجھ فرید مزید ہمیشہ اج کل خوشیاں گھٹیاں

○
 کیوں تو فردتے جزو سداویں توں کئی توں گل
 باغ بہشت دامالک توں ہیں خود بلبل خود گل
 عرش وی تیدا فرش وی تیدا توں عالی ان مل
 دنیا، عقبی، برزخ اندر، ناہیں تیدا مل

○
 ہر صورت وچ دیدار ڈٹھم کھ کل یار اغیار کوں یار ڈٹھم
 کتھ جوہر تے کتھ عرض ڈٹھم کتھ سنت، نفل تے فرض ڈٹھم
 کتھ صحت ڈٹھم کتھ مرض ڈٹھم کتھ چست اتے بیمار ڈٹھم
 کتھ بطن بطون ظہور ڈٹھم کتھ زاہد تے مخمور ڈٹھم
 کتھ ملا تے منصور ڈٹھم کتھ چوب رسن تے دار ڈٹھم
 ارواح عقول نفوس ڈٹھم انسان ظلوم، جہول ڈٹھم
 معقول ڈٹھم منقول ڈٹھم اقرار ڈٹھم انکار ڈٹھم

○
 بن دلبر شکل جہان آیا ہر صورت عین عیان آیا
 کتھ آدم تے کتھ شیث نبی کتھ نوح کتھ طوفان آیا
 کتھ ابراہیم خلیل نبی کتھ یوسف وچ کنعان آیا
 کتھ عیسیٰ تے الیاس نبی کتھ لچھن رام، تے کان آیا
 کتھ زکریا تے کتھ یحییٰ ہے کتھ موسیٰ بن عمران آیا
 بو بکر، عمر عثمان کتھاں کتھ اسد اللہ ذیشان آیا
 کتھ حسن حسین شہید بنے کتھ مرشد فخر جہان آیا

کتھے احمد شاہ رسولاں دا
 استاد نفوس عقولاں دا
 تنزیل کتھاں جبریل کتھاں
 آیات کتھاں ترتیل کتھاں
 گل وچ گل شے ظاہر ہے
 کتھے ناز نیاز دا ماہر ہے
 کتھے ریت پریت دا دہس کرے
 کتھے گل وچ مارو کیس دھرے
 کتھے پنڈت جوشی جوگی ہے
 کتھے مصر براگی روگی ہے
 خاموش ”فرید“ اسرار کنوں
 پر غافل نہ تھی یار کنوں

○

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
 میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
 میڈا کعبہ قبلہ مسجد منبر
 میڈے فرض فریضے حج زکوتاں
 میڈی زہد عبادت طاعت تقویٰ
 میڈا ذکر بھی توں میڈا فکر وی توں
 (راگ ملہار)



محمد بوٹا گجراتی

محمد بوٹا گجراتی 1851ء میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ کشمیری قوم سے تعلق رکھتے تھے، پیشہ شالبافی تھا۔ اس کے علاوہ عطاری کا کام بھی کرتے تھے۔ قصہ خوانی میں کمال مہارت رکھتے تھے۔ مشہور قصوں میں قصہ سلطان محمود، قصہ روڈاجلالی، قصہ شیریں فرہاد، قصہ شہزادی بلقیس، سیر بہشت، قصہ تمیم انصاری، پنج گنج، وفات نامہ سرور کائنات مشہور ہیں۔

○

ض۔ ضرب پریم دی مار سوہنے سینہ پھٹ دے پھٹ دے پھٹ جاندے
اول ہس کے کھس کے جیوڑے نوں فیرہٹ دے ہٹ دے ہٹ جاندے
دیکھ ناز مہربانی نوں عاشقاں دے دل گھٹ دے گھٹ دے گھٹ جاندے
ڈاہڈے بوٹیا بہت پیاریاں دے مکھ وٹ دے وٹ دے وٹ جاندے

○

ت۔ نکیا یار دی زلف اندر پیا چمکدا نور کوہ طور والا
بُھلے ہوش تے عشق دا جوش ہو یا کیتا نوش پیالہ منصور والا
دے سکھ تے جھولڑی دُکھ پائے کیتا ونج ایہہ بہت قصور والا
محمد بوٹیا روندیاں عمر گزری کرے ترس نہ یار غرور والا

○

ب۔ بہت دراز اوہ بُرج اُچا جتھے عشق دے جھنڈرے جُھلدے نیں
ایس عشق بازار پپار ڈاہڈا جتھے سوڈڑے سراں دے تل دے نیں
پھرن کالڑے ماتمی ویس کر کے عاشق بھور مشتاق جو بُھل دے نیں
قیدی عشق دے بوٹیا لین ترے گلوں زلف دے طوق نہ کھلدے نیں



قادر بخش

قاضی فضل حق مرحوم اپنی کتاب ”پنجابی علم و ادب میں مسلمانوں کا حصہ“ میں لکھتے ہیں کہ ”یہ قادر بخش پورن بھگت اور معراج نامے تصنیف کرنے والا قادر بخش عرف قادر یار نہیں کیونکہ وہ بقول خود ”ماچھی کے“ کارہنے والا تھا جبکہ یہ قادر بخش سہارن، متصل علی پور ضلع گوجرانوالہ میں رہائش پذیر تھا۔“

اس کی تصنیف ایک مختصر رسالہ ”قصہ کپڑا“ ہے۔ یہ کپڑے کا قصہ اپنی طرز کی واحد کتاب نہیں۔ اس سے پہلے بھی اس مضمون پر ایک قصہ لکھا جا چکا ہے۔ سارے رسالے میں ایسا کوئی ذکر نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ کب تصنیف کیا گیا۔ ہاں قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ قادر بخش سکھوں کے زمانے کا شاعر تھا اور اس کی تصدیق مجھے اپنے بزرگ سے بھی ہوتی ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ انہوں نے یہ قصہ بچپن میں سنا تھا اور ان کی عمر اس وقت خدا کے فضل سے اسی برس سے زائد ہے۔ اس قصے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جو کپڑے مصنف کی زندگی میں مشہور تھے، ان تمام کی فہرست دی ہوئی ہے۔

کپڑے دی کہانی اوہدی آپنی زبانی

عشق محبت دُنیا اتے کیتا رب ہویدا
دل وچ اہل دلیلاں آون عشق حقیق کمائے
اکدن سک دلے وچ آہی نظر پئی ول کپڑے
کپڑے کولوں پچھن لگا رسم بزرگاں والی
تنو گھوپے ہور بے چو بے من دا ہاں بے قیمت
باجھوں تیرے بادشاہاں نون کون دنیاتے جانے
کتنے تون صندلس کافوری اپنا نام سداویں
کمرک، لٹھ، خاصہ تینوں پنج تولی بنارس
پنسی، چھٹی، ست سی، نوسی ہور ہجاری نامی
سالمین، ادھواڑہ، شروع، گلبدن ناں دے بندر
خوش کرائنگ لگایا تینوں غوثاں ولیاں پیراں
غیر انگل جے لایا لوڑے مارمن اوہ کاتی
قرب تیرے دا انت نہ کوئی ہے بے انت شہلوں
قرب تیرے دا انت نہ کوئی طالع نیک بشارت

کسے حقیقی کسے مجازی جو کوئی ہو یا پیدا
ملے چل بزرگ کسے نون تاں کجھ لذت پائیے
قادر بخش بزرگ پچھاتا اسنوں محکم پکڑے
تیں کیا عمل کمائے افضل پایا رتبہ عالی
جھنڈے جھلڈے نظریں آون بادشاہندی زینت
بندیوں سب دیوے شرف جیوں جیوں قدر پچھانے
سری، صاف، چنبیلی، لملل سکیا کیا اسم دھراویں
بندہ مثل لوہے دی آہا توں ہیں بچھتھا پارس
زری، بادلہ، محمل، اطلس، کیم خواب، نمیاں
زری، چنبیلی تے چھڈ چھٹیاں نقش نگاری مندر
سندر لوک نہ دسن چہرہ تیریاں ایہہ جاگیراں
تیں کیا عمل کمائے افضل خوش کر لاون چھاتی
پاک نبی نے سرتے رکھیا نیک عمل دے پاروں
مہر نبوت تیرے اگے ہر دم رہے زیارت

چار وید کتاباں چارے ایس دنیا وچ ظاہر
عشق تیرے نوں داغ نہ کوئی بہہ منصف گلاں کردے
سبھناں انگ بگیا تینوں تیتھوں کوئی نہ باہر
توں پا گلو کڑی وانگ معشوقاں وڑناکس وچ قبر دے
تیرے جہانہ دوست کوئی چھوڑ جاوَن سب گھر دے

قادر بخش سہارن والا مڑ مڑ پچھے تینوں

توں کتھوں ایہہ بزرگی پائی دس حقیقت مینوں

سخت قضیئے قادر بخشا ڈٹھے لکھ ہزاراں
گردش کر زمین تے ڈگے ہوش نہ رہے اڈاری
اول تخم میرے نوں لے کے گوہے وچ رلاوَن
اس تھیں پچھے مار سہاگا وچ زمین دے گڈن
پھڑ پھڑ رنے دیون چوکاں نت پیا بھوں کھاواں
ہوئی امید شگوفے والی چامل چائے دو ہیرا
نسل قد سرو تھیں سوہنا میں روشن جگ سارے
کنیں سنن اکھیں ویکھن موہنہ تھیں سخن نہ بولن
کھول لبان منصور مثل میرا نکل گیا ہٹکارا
ڈر صدف تھیں باہر کیتے ہر گز سرت نہ سنبھلی
بوٹیاں نالوں چاکھیرن ہنسیاریاں ناراں
اک ڈنگی جیہی سوئی لے کے بلے کر کر مارن
قادر بخشا سکھ کیہہ دیکھن جیہڑے درد نجانے
دوسیاں ہو شامل ڈیہیاں بیٹھیا سبھے
سوئی جتھوں لنگھ نہ سکے پکڑ قضا نے ڈھویا
چڑا چونڈ لیا سو دندیں ہڈاں نوں سٹ پایا
درداں والیاں آہیں کڈھیاں ٹٹے بند صبر دے
کر کر تھیں بنائے گوہڑے رہی گدور نہ کائی
ایڈ مصیبت تنک لکھیا کیہڑا جمیاں موڑے
ترکھی نوک ترکلے والی جس تن لگے جانے
مڑاوسے سیدھ اٹیرن والی پھڑ کے لایا بھلا
بھیوں کے تند و تند کھلارن مال دکھانوں جنیا

حسب الحال سوال شاعر دے کپڑا کرے پکاراں
حال میرا بے اڈا پنچھی سنیں بیلی اک واری
ایہہ بندے پیدائش کارن میں پر ظلم کماوَن
نودر¹ ہلاں گوڈے گوڈے میری خاطر وگن
ہُسر ہُم زمین دی کھا کے جاں میں باہر آواں
ابر بہار کرم دیاں بونداں سبز کیتا تن میرا
بُھلیا پھلیا نال فصل دے کھلے بخت ستارے
کامل راہ حقیقی اندر ہر گز لب نہ کھولن
اوہی بھاہ کھھاں وچ چھپی دے نکلی بھکارا
ٹھٹھے کر کے چا ہسایا مست جوانی کملی
سن کے چائیں چائیں آئیں جیوں پریاں دیاں ڈاراں
گھر اپنے دے اندر لیا کے دُھے چاکھلارن
پھڑ کے انجوج کھیرن ہوش نہ رہی ٹکانے
چوہی شیر پیا جد نظریں کرڑ کرڑ دند چبے
ویکھ اوسے نوں تھر تھر کنباں نال ہنجومنہ دھویا
ماں نوں کھانی اوس بے ترسی ہر گز ترس نہ آیا
چڑا میرا پیٹنے اگے چڑھیا وقت فجر دے
پیٹنے مینوں ول ول کٹھا ظالم بقر قصائی
تن میرے وچ تیلی دے کے برہوں پکڑ مروڑے
تن میرے داسوت بناوَن کر کرم من بھانے
اگے زخم ترکلے والا ہے سی اللہ اللہ
چاڑھ اوری تے وٹ نڑے مڑ نسل تانا تنیا

¹ - نودر: ایک قسم کا بل جس کا پھل بہت طویل ہوتا ہے

اوہ وی نرم الونا جیہا لذت لئی نہ ساری
 آدم جیویں بہشت نہ رہیا جان کچال مونہہ آئی
 تے کنگھی دکھو دکھ کھلارے پاگل اندر پھاپھیاں
 مت ایہہ کسے مراتب چڑھدا سڑدا ایسے گلویں
 اوہ کرے عداوت رہے نہ مڑیا پیر نہ چھڈے میرے
 تہمت طعام ناناں پھڑ کھڑیا ملیا سخت سزائے
 اس نوں وی پھڑ لیا بے ترساں ہے کوئی اس داسکا
 نیوں نیوں کراں سلام کنگھی نوں اس دے منوں نہ بھلے
 چچمخے¹ اگ نہ ول تھیں تلگے توڑے جل وچ وسے
 کپڑا کر کے نام بلایا شادی ہو گئی من وچ
 کھنبوں بھاہ بھٹکدی سانہویں دوزخ وانگ ڈراوے
 جگر کباب ہويا تن میرا جتے وال نہ رہیا
 جتنا جرم جہت دی ساعت کامل کوک سناون
 چاڑھ مروڑا تن میرے نوں دُھپے چاکھلارے
 صافی اچے نہ آئی تن وچ پکڑ لے چلے عہدی
 مرہم بدن میرے نوں لاون مونہہ تھیں دین دلاسا
 ظالم ٹھگ اک ٹنگیاں وانگن پچھوں قہر کماون
 اوتھے توبہ توب کرے تن میرا جیندیئے مائے
 إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ میں پھر اوتھے پڑھیا من وچ
 پاک نبی نے سرتے رکھیا ہر اک دے من بھایا
 ایہدی قدر صفائی تائیں . نسیر وچ سماوے
 ایس وچ رمز صفائی والی اڑے نہ زرہوں² بغیر
 قطرہ اسنوں صفائی والا اوتھوں ہويا عنایت
 جس پایا تس مر کے پایا راہ صفائی والا
 موتو قبل انت موتوا باجھوں نہیوں یار ملیندا
 بخشے ایس صفائی تانی مشکل کرے آسانی

ساری عمر اندر اوہ بیلی طعام کھادا اک واری
 اوس طعام دتی تن توت سخت کیتی نرمائی
 سیجاں تن وچ بے شماراں پھر دیاں سبوساہیاں
 اوہ دشمن جان شریک ہڈاں دا کچے پیراں ولوں
 یوسف نوں چاکھو ہے سٹن بھائی پھڑ متریرے
 جاں خبر سنی پھر بیٹے بھائی بابل جائے
 اوہ کرے نکور راں دردی بھائی خدمت کر کر تھکا
 وجن چوٹاں بے شماراں گزراں وار نہ آوے
 اوہ صدق نہ ہلے پریت نہ توڑے ماروں ذرا نہ نسی
 دوویں یار اکٹھے ہوئے وتھ نہ رہی بدن وچ
 شادی کیونکر ویکھن دکھیے دل نوں صبر نہ آوے
 کھنبوں کھادا کئی دیہاڑے ہسٹر ہم اجیہا
 دھوبی جا کے گھاٹ کنارے کٹے پڑے لاون
 پپاں دے اوہ بھار کھلوے ول ول سوڑاں مارے
 دھپتاں رت نچوڑی میری جتے بھری سفیدی
 کڈی گراں پھر مینوں کھڑایا ایس گھر آیا واسا
 میں جاتا ایہہ ترسی بندے ڈلیا من پرچاوان
 منکراتے نکیر قبر وچ گزراں پھڑ کے آئے
 گزراں مارے تاب کیتوئیں طاقت رہی نہ تن وچ
 ایس صفائی والے درجے کتھے پھڑ پہنچایا
 پتھر نوں کیا طاقت آہا نال لب لب لاوے
 لوہے دی تلوار بناون استا کار کار یگر
 آب حیات وچوں مڑ پانی خواجہ خضر ہدایت
 ایہہ تاں ہولی ہولی ہوسی پویں نہ بیلی کاہلا
 قادر بخشا کپڑا تینوں پیا نصیحت دیندا
 تم کہانی کر او بیلی کلمہ آکھ زبانی

1 چچمخے: چچماق

2 زرہوں: زرہ بکتر

حافظ شمس الدین

موضع گلیانہ (کھاریاں) کے رہنے والے تھے پیدائش کا قیاسی سن 1894ء بکرمی بتایا جاتا ہے۔ 29 جنوری 1902ء کو وفات پائی۔ عالم فاضل اور باکمال شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف میں بھی خاصی درک رکھتے تھے۔ کئی سی حرفیاں، مثنویاں اور بارہ ماہ تخلیق کیے۔ مخمس اور مسدس بھی لکھے۔ کلام میں تصوف کا رنگ گہرا ہے۔ ”سامک“ پنجاب میں ایک گھٹیا قسم کے اناج کا نام ہے جو اصل فصل پکنے سے پہلے پک جاتا ہے۔ چنے کی طرح اس میں سے بھی چاول نکال کر کھڑی پکائی جاتی ہے۔ جب سامک پک جاتا ہے تو زمینداروں کی لڑکیاں ہاتھ میں ”جھانبا“ پکڑ کر اس میں سے چاول نکالتی ہیں اور ساتھ ساتھ گیت گاتی جاتی ہیں۔ حافظ صاحب نے اس حوالے سے ایک طویل مسدس کہی جس کے چند بند یہاں دیئے جاتے ہیں۔

سامک

ایہہ ویلا اوڑا سٹنے دا کھیڑ جھانبا سامک چمٹنے دا
کر ہمت ویلا گھٹنے دا ایہہ وقت منافع کھٹنے دا
جو بہندا پچھوتاندا نی
اٹھ مار مرادو جھانبا نی
ایہہ سامک سدا نہ اپنا نی کوئی جوڑ گھڑا لے گہنا نی
مڑ پوسی فارغ بہنا نی اکدام نہ کدھروں لینا نی
جو کردا سوکھا کھاندا نی
اٹھ مار مرادو جھانبا نی
جو سٹیاں وقت وہاوے گا اوہ بالکل ضائع جاوے گا
سے شرطیں ہتھ نہ آوے گا نت کون تینوں سمجھاندا نی
میں نت کہندا شرماندانی
اٹھ مار مرادو جھانبا نی



پنڈت کالی داس

آپ گوجرانوالہ میں 1865ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد پنڈت جے دیال مہاراجہ شیر سنگھ کے درباری اہلکار تھے۔ آپ کے کلام میں سوز اور آواز سلی تھی۔ چالیس برس کی عمر میں کالی داس کی جگہ مان سنگھ بن گئے اور اپنا نام پنڈت مان سنگھ عرف کالیداس لکھنا شروع کر دیا۔ آپ نے قصہ پورن بھگت، قصہ گوپی چند اور دیگر بہت سے قصے، کبت، چومصرعے لکھے۔ عمر کے آخری حصے میں ”ہیر رانجھا“ کا قصہ تصنیف کیا مگر خود ہی یہ دیکھ کر کہ وہ وارث شاہ کی ”ہیر“ کے طرز اظہار سے مستعار ہے اسے ”ملکی کیاں“ کے نام سے شائع کرایا۔

نمونہ از قصہ پورن بھگت

آخر کار زبان توں کہیا لوناں، میرا جیوناں رب دے وس راجہ
میرے ساس گراس ہو گئے پورے، اگوں کھاوناں پیوناں بس راجہ
بابل پیکیوں کڈھ خوار کیتی، سوہرے نیک ننان نہ سس راجہ
جویں جنیو نون جدا برہم کر کے، لیا پر م آئند نون کھس راجہ
جیہڑے روز دی نکھڑی ماییاں توں، نہیں روندیاں سکدی دس راجہ
تتی دین گویا دنی پچھے، دنیا وچ بھی لیا نہ جس راجہ
جیہڑا ددھ پیال کے پالیا توں، گیا نانگ دے وانگ اوہ دس راجہ
اودھی گل لگی مینوں زہر وانگوں، لوں لوں میرے گئی دھس راجہ
پتر ہتھ پائے عزت ماییاں دی، تیر اوسنوں ماریے کس راجہ
جے کر کھول کے گل سناں تینوں، سرتے پوے جہان دی بھس راجہ
ہٹے کھیہ اڈان توں بھوتناں نہ، جویں ڈین نہ چھڈ دی جھس راجہ
بھلے برے جہان تے کم کر دے، بندے عاداتاں دے پئے وس راجہ
بھیڑی بناں جے گل چھپاں تیتھوں، ایہہ بھی چت نہیں دیاں دس راجہ
لگی پُت چنڈال دی جدوں متھے، چڑھی پھوک کے تدوں دی کس راجہ

مانواں نال نہ پُت مزخ کردے، نہیں پان گلوکڑی ہس راجہ
کالی داس چوراہے دی گھت مٹی، تیتھوں گیا اگیترا نس راجہ

ترجمہ:

انجام کار لو ناں نے اپنی زبان سے کہا راجہ میری زندگی اب خدا کے بس میں ہے
میرے سانس اب پورے ہو چکے ہیں آئندہ کھانا پینا ختم ہو چکا ہے
باپ نے میکے سے نکال کر خوار کیا، سسرال میں نندا اور ساس نیک نہیں ملے
جیسے برہم دیو نے دم سادھ کر مکمل سکھ آرام کو خیر باد کہہ دیا تھا
جس روز سے والدین نے جدا کیا روتے ہوئے امید کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوئے
میں نے دنیا کے لیے دین گنوا یا تھا مگر دنیا میں آبرو مندی نہ ملی
اس کی بات مجھے زہر کی مانند لگی ہے جو میرے روئیں روئیں میں جذب ہو گئی
اگر بیٹا والدین کی آبرو ریزی کرے اسے کس کر تیر مارا جانا چاہیے
اگر تمہیں کھول کر بات سناؤں تو جہان کی خاک سر میں پڑے گی
بھتنا خاک اڑانے سے باز نہیں آتا جیسے ڈائن عادت سے مجبور ہوتی ہے
اچھے برے انسان عادات کی پابندی کی وجہ سے اچھائی برائی کرتے ہیں
اگر تم سے بات چھپاؤں تو بری بنوں اور یہ بھی حوصلہ نہیں پڑتا کہ تمہارے سامنے اظہار کروں
میں جب بد کردار بیٹے کے سامنے ہوئی تب سے سخت بخار میں مبتلا ہوں
بیٹے ماؤں سے ہنسی ٹھٹھہ نہیں کرتے اور نہ ہی ہنس کر گلے ملتے ہیں
اے کالی داس وہ چوراہے کی خاک اڑا کر تمہارے آنے سے پہلے فرار ہو گیا ہے

اُتر راجہ کا

جیہڑی مرد توں بھیت چھپا رکھے، سو بھی ہو وندی نار انجان رانی
جیہڑی سامنے خصم دے نت بولے، جھگا وسدا کرے ویران رانی
ماؤں باپ دے کہے نہ ٹرن جیہڑے، پتر لاڈلے چوڑ ہو جان رانی
کھان پین داجنہاں نوں پوے چسکا، دھیان ساہورے ناہیں وسان رانی

سکھ سو جو آگیا کار ہووے، گورو سو جو کرے گیان رانی
 برہم جانیاں باجھ نہ بنے براہمن، جویں کھتری باجھ زبان رانی
 مایا نہیں جو بھلے نہ ارتھ لگے، داتا نہیں جو کرے نہ دان رانی
 یار نہیں سکھاں دے یار ہوون، سرتے بنے تے توڑ نبھان رانی
 بندہ راہ پیا دسے واہ پیا، ایویں ہووندی نہیں پکچان رانی
 ڈھال نہیں جو باجھ تلوار ہووے، تیر نہیں جو باجھ کمان رانی
 پہلوان لنگوٹیوں باجھ ناہیں، جویں باجھ خوراک جوان رانی
 بیرج سانجھ کے رکھیاں ستی ہندا، ستی ہووندے بیر بلوان رانی
 کال کٹیاں شاہ دی قدر پوندی، ہون سامیاں نہ بے ایمان رانی
 رعیت سو جو پشت پناہ ہووے، راجہ کرن نہ دکھی جہان رانی
 میتھوں نہیں ناحق دا ظلم ہووے، رکھیں سچدا سخن زبان رانی
 کالی داس نیاں نہ کراں تیرا، نہیں آکھناں کسے سلوان رانی

ترجمہ:

وہ عورت نادان ہوتی ہے جو اپنے خاوند سے راز چھپائے
 جو خاوند کے سامنے ہر وقت زبان درازی کرے، وہ آباد گھر کو ویران کر دیتی ہے
 جو والدین کا کہنا نہ مانیں ایسے لاڈلے بیٹے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں
 جنہیں کھانے پینے کا چسکا پڑ جائے وہ سسرال میں آباد نہیں ہو پاتیں
 سکھ وہ ہوتا ہے جو عمل کا طالب ہو، گورو وہ ہوتا ہے جس سے معرفت حاصل ہو
 خدا کو جانے بغیر باخدا ہونا بے زبان کھشتری کی مانند ہوتا ہے
 دولت فائدہ مند نہیں جو بھلے کام میں صرف نہ ہو جو خیرات نہ کرے وہ مخیر نہیں ہوتا
 جو سکھ آرام کا دوست ہو وہ دوست نہیں ہوتا، مشکل میں کام آنے والا دوست ہوتا ہے
 ساتھی کی ہمراہی سے اس کا پتہ چلتا ہے یونہی کسی کی پہچان نہیں ہوتی۔
 وہ ڈھال بیکار ہے جس کے ہمراہ تلوار نہ ہو، وہ تیر بیکار ہے جس کے ساتھ کمان نہ ہو

اگر لنگوٹ کا پکا نہیں تو وہ پہلوان نہیں جیسے خوراک کے بغیر جو ان نہیں
 لنگوٹ بند ہونے سے ہی آدمی باہمت ہوتا ہے اور باہمت ہی شہ زور ہوتے ہیں
 قحط میں مدد ملنے پر شاہ کی قدر افزائی ہوتی ہے اگر مقروض بے ایمان نہ ہوں
 راجہ رعیت کو دکھی نہیں کرتے بلکہ عوام کے پشت پناہ ہوتے ہیں
 مجھ سے ناحق ظلم نہیں ہو سکے گا تم کو چاہیے کہ تم زبان سے سچ بولو
 اے کالی داس اگر میں تمہارا انصاف نہ کروں مجھے سلوان کون کہے گا
 نمونہ کلام از قصہ گوپی چند

بڈھے جیو نوں بھوگ دی اچھیا اے اس جوگ نوں جو گیا دھارنا کیہ
 جیہڑا اصل دی کرے نہ نقل پوری پورا اوس نے سانگ اتارنا کیہ
 جیہڑا جیوندیاں میں نوں مار چھڈے اوہنوں کال نے آکے مارنا کیہ
 دیوا بال گماشتہ رچے جیہڑا لیکھا شاہ دا اوس نے تارنا کیہ
 جیہڑا اپنا کم نہ تار بیٹھے اوس کسے دا کم سنوارنا کیہ
 گورو ڈبیا وچ سنسار ہووے اوس شش نوں پکڑ کے تارنا کیہ
 جنھوں بھکھ پیاس اکاوندے بن اس نے دکھ تے سکھ سہارنا کیہ
 بناں آوندی پھرے حکیم بنیاں اوس کسے دا روگ گوارنا کیہ
 جے کر انت سریر نے بنس جانا سری رام دا نام وسارنا کیہ
 کالی داس جو سمجھ کے چال چلے چالا اوس شطرنج دا ہارنا کیہ

دوہا

شرع شریعت گلیاں چھڈیں ویکھیں عشق محلہ
 مذہبیاں والیاں نوں چک تھائیں تیرا پھرے نہ کوئی پلہ
 رام رحیم نوں دو کر جانے سر بھڑوے دے کھلا
 کالیداس ساہنوں لے چل اوتھے جتھے رہنا ایں آپے کلا

فضل شاہ نواں کوٹی

(1827ء-1890ء)

سید فضل شاہ نے سید قطب کے ہاں لاہور کے نواحی علاقے نواں کوٹی میں 1827ء کو جنم لیا۔ انتہائی درویش صفت اور اللہ لوک انسان تھے۔ بچپن سے شاعری کا شوق تھا۔ سب سے پہلے سوہنی مہینوال کا قصہ لکھا جو اسقدر مقبول ہوا کہ آج انہی کا قصہ سب سے زیادہ معروف ہے۔ شاعری میں تشبیہات، استعارات اور مختلف صنعتوں اور بالخصوص صنعتِ تجنیس کا استعمال آپ کی خاص خوبی تصور کیا جاتا ہے۔ ”لیلیٰ مجنوں“ کا قصہ 1288 ہجری میں شائع ہوا۔ اس میں بھی لفظی تکرار اور ہم آواز الفاظ کا استعمال بہت زیادہ ہے، اس پر مستزاد یہ کہ صنعتِ غیر منقوٹ میں بھی اشعار کہے۔ ان قصوں میں شاعری کا فکری پہلو کمزور ہے مگر قادر الکلامی ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ سسی پنوں کا قصہ 1280 ہجری میں شائع ہوا۔

سوہنی مہینوال

مڑ مڑ سوہنی پئی پکار دی سی مل جا اوئے سجنائ ویلڑائی
اوکھے وقت آ دیہہ دیدار مینوں تیری چاہ اوئے سجنائ ویلڑائی
سُنجے رُوح نے کل جنجال سٹے گلوں لاه اوئے سجنائ ویلڑائی
لہر قہر دے نال قہار وٹوں پیا واہ اوئے سجنائ ویلڑائی
تیری سوہنی ہو نڈھال پئی آں ملے واہ اوئے سجنائ ویلڑائی
سنکے ملک الموت حیران ہو یا میری آہ اوئے سجنائ ویلڑائی
مینوں قسم تیری لیا روک پانی میرا ساہ اوئے سجنائ ویلڑائی
جہڑے کنڈھریتے بوٹا جان دا سی لگی ڈھا اوئے سجنائ ویلڑائی
مردی وار دکھا نمانیاں نوں کھ آ اوئے سجنائ ویلڑائی
تیرے فضل دے باجھ نہ ہور میرا درد خواہ اوئے سجنائ ویلڑائی

○

سوہنی نام آہا سوہنے نین اُس دے سوہنی ہنس دی مور دی چال آہی
سوہنی رنگ رخسار انار وانگوں سوہنے مکھڑے تے سوہنا خال آہا

○
 بس بس میاں مہیں چارناہیں اینویں کھا کے لون حرام کیتو
 اوسے رُکھ نوں وڈھنا لوڑیوئی جس رُکھ دے ہیٹھ آرام کیتو
 کھا کھا دودھ ملائیاں پاٹ گیوں او ناکام ایہہ کیہہ کم خام کیتو
 تینوں رب دے خوف تھیں جان دیتا نہیں تاں جاندی جو کم خام کیتو

○
 دس گل کائی کیوں نہ گل لائی تینوں رہی بلا چلا سائیں!
 میرے شوہ شوہدے ملی مچھلی نوں کُنڈی گھت کے لیو پھنسا سائیں!
 ڈاروں وچھڑی کونج پردیس آئی کوکاں پی گُرا گُرا سائیں!
 نس رین سوہاگ دی بھاگ آیوں ایہو بھاگ لکھیا میرے بھا سائیں!
 لاواں لاڑیا او لانواں بھا لانواں لاواں گھت کے لواں منا سائیں!

○
 تتی ریت اُتے تتی پی تڑنے مچھی جویں بریت کنار سائیں
 تانبے تاس نواس اُداس ہوئی ماسے ماس کیتا ناس کھار سائیں

سسی پنوں

مائی جھوٹری جھلڑی عشق مائی سینے چنگ چواتڑی ڈاہ گئے
 کوار جھلڑی گھلڑی ولڑی نوں بدھی پلڑی تھلڑی واہ گئے
 درد مند سسی درد مند پئی درد خواخواہ جواہ گئے
 بول بولناں تولناں سچ کرنا بول تول سیتی فضل شاہ گئے

سی حرنی ہیر۔ ڈیوڑھ

الف: الہی میل ماہی نول ہجر ماہی دے تلیاں!

پھاٹاں تلیاں

اک ماہی نوں لے گل لاون اک اُٹھ ڈھونڈن گلیاں

اس غم گلیاں

میں نہ بھلیاں ماہی کچھ لکھ ہزاراں بھلیاں
 بھلیاں بھلیاں
 اک تڑفن فضل پیارے باجھوں جیوں بن پانی دے ملیاں
 درداں ملیاں
 ب: برہوں ماہی دے تلیاں ماہی ڈھونگے سردی
 ہوش نہ سردی!
 جوگی یار رانجھیٹے جوگی جیوں جوگی چپ ہردی
 سک نہ ہردی!
 رانجھا دوہیں جہانیں سانجھا بردی اُسدے دردی
 ہور نہ دردی!
 فضل جنہاں کھیڑے زر زیور لکھ ماہی دی زردی!
 طلب نہ زردی!

قصہ لیلیٰ مجنوں

فغانِ ہفتم لیلیٰ در فراق میاں قیس در صنعت آنکہ نقطہ ہائے بناشد
 یعنی بے نقطہ

آ آ محرم اسرار ڈھولا سردار ڈھولا سرکار ڈھولا
 واللہ کر دارو درد دل والا دلدار ڈھولا دلدار ڈھولا
 ڈھول ڈھال کر ڈھال نڈھال ڈھولا ڈھول مار ڈھولا ڈھول مار ڈھولا
 واصل وصل وصال کر رحم مولا گل لا اک وار سدھار ڈھولا
 دوہڑہ

ر' راہ رستہ سدھا چھڈ کے تے راس ترکلے نوں پایا ای ول یارا
 ول کڈھنے داتینوں ول ناہیں توں وی جا اوس دے جس نوں ول یارا
 ولی ول کڈھا کے ول ہو گئے توں کیہ ول اندر پایا ای ول یارا
 فضل شاہ سبھے کم ول ہوسن جدوں رب ہوسی تیرے ول یارا

غلام رسول

(1842ء-1903ء)

امرت سر کے رہائشی اور درویش منٹس انسان تھے۔ پہلے دوکانداری کرتے تھے پھر فقرا اختیار کر لیا اور گھر بار چھوڑ کر باغوں، درختوں میں بسیرا کر لیا۔ بارہا ماہ کے انداز اور سی حرفی کے روپ میں لکھے گئے ”قصہ مالی و بلبل“ میں سے 3 بند ملاحظہ ہوں۔ ”قصہ مالی و بلبل“ پنجابی میں بہت سے شعراء نے سوال و جواب کے انداز میں لکھا ہے جس میں بلبل کی بے بسی اور صیاد یا مالی کے بے رحمانہ رویے کی حزن نیا انداز میں عکاسی کی گئی ہوتی ہے۔

اسوہ۔ آس کر آئی ساں چمن اندر رہی دل دی دل وچ مراد مالی
اک جدائی تے دوسری پئی پھاہی تیجی سنی نہ توں فریاد مالی

پاواں رب دا واسطہ چھڈھ مینوں تیرا چمن رہے سدا آباد مالی
غلام رسول بلبل کہندی ترس کر توں اے بے داد صیاد جلا د مالی

پوہ۔ پکڑ مالی بلبل بازواں توں اُلٹ پلٹ کے اوس نوں تنگ کردا
کرد کڈھ رگڑے اُپر سنگ دے جی ڈا ہڈا سنگ نالوں دل سنگ کردا

بلبل لگی تڑفن نیم جان ہو کے مالی دیکھ اُسنوں خونِ رنگ کردا
غلام رسول یزید بے دید وانگلوں بے عذر عاجز نال جنگ کردا

ماگھ۔ مارنے تھیں اک دم ٹھہر جاویں بلبل کہے اک میرا سوال مالی!
میرا خون سٹیں اپنے چمن اندر میرے گل دیکھن میرا حال مالی!

دوچار گلاب دے برگ لے کے رکھیں میل میرے پراں نال مالی
غلام رسول بلبل اکھیں میٹ لیاں مونہوں کہے اُسنوں کر حلال مالی

کرد۔ پٹھری

مولوی محمد حسین

(1844ء-1916ء)

مولوی محمد حسین بھیرہ (شاہ پور) کے رہنے والے تھے۔ والد قادر بخش (مصنف مٹھی روٹی) حکمت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ مولوی محمد حسین کو شاعری کا جوہر ورثے میں ملا۔ پنجابی کے علاوہ فارسی اور اردو کے اچھے عالم تھے، شاگردوں میں مولوی دلپذیر بھیروی، بی بی مخفی اور کئی نامور شعراء شامل تھے۔

ج۔ جگ جہان ویران دے جدوں یار دلدار سدھار گئے

جنہاں نال اساڈیاں رونقاں سن اچن چیت اوہ جندرے مار گئے

بے قرار ہو کے زار زار روواں ساڈا پیار اوہ یار وسار گئے
دل کھدا پیا حسین میرا سجن مل کے نہ جاندی وار گئے



گنگارام

(1835ء-1907ء)

گنگارام امرتسر میں نثار کا کام کرتے تھے۔ پنجابی میں کئی قابل ذکر قصے لکھے جن میں حقیقت رائے، روپ بسنت، گوبی چند، راجہ بھرتی اور سوہنی مہینوال وغیرہ شامل ہیں۔

کبت۔ سوہنی مہینوال

سوہنی ہوئی سی نشنگ چڑھ گیا گوڑھارنگ دونوں زلفاں بھنگ کنیں لنگن والیاں
بھو آں دس کمان نین ناردے نشان لال وکھ پریشان لبائ سرخ متوالیاں
دند سچے موتی آبی گلھاں بھجن مہتابی مکھ سوہنا گلابی کنیں سج رہیاں بالیاں
گنگا رام اوہ شنگار پینی دھار تلوار چوٹاں لکھ تے ہزار مہینوال نے سنبھالیاں



مولوی غلام رسول عالمپوری

مولوی غلام رسول عالم پور کوٹلمہ ضلع ہشیار پور میں میاں مراد بخش کے گھر پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں انہیں ”نٹھو“ کے نام سے بلایا جاتا تھا۔ اردو، فارسی عربی کے عالم تھے۔ پرائمری اسکول میں مدرس بھی رہے۔ مسجد کی امامت بھی کی اور شعر و شاعری سے بھی دل لگائے رکھا۔ احسن القصص کے نام سے لکھا گیا قصہ ”یوسف زلیخا“ بے حد مشہور ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کی ”چٹھیاں“ منظوم خط بھی معروف ہیں۔ قادر الکلام اور پُر گو شاعر تھے۔ ”صنعتِ منقوط“ اور ”صنعتِ غیر منقوط“ کے کمالات بھی دکھائے۔

○

اُسدے جیڈ نہ طالع والا اس دے کرم سولے
جس نوں یار وکیندا لہے قیمت ہووس پلے

○

اے دلدار کنداں والیا محبوبا میں واری!
تیرے ناز کرشمایا اُتے میں قربان وچاری
جیون جو گیا جو کجھ ہو گیا سُن لے درد کہانی!
جے نہ میں مری مرجانی توں مت خام پچھانی
میں پر تیریاں درداں باجھوں جے اک گھڑی وہانی
منصب عشق حرام میرے پرتے میں جن دیاں کھانی
جس دن دا وچ سفنے میں تے گھت گیوں چکارا
تس دن دا طوفان اکھیں تھیں کھل پیا سو سارا
عشق

عشق بناں تَن دشمن دل دا تے دل دشمن تن دا
ویری نال پیا وس ویری داسا خار چن دا
عشق بناں دل مُردہ غافل کس گنتی وچ آوے
عشق دلاں نوں صیقل غماں تھیں کر شمشیر دکھاوے

عشق اندھیری جاں سر بُھلے کھاون جگر ہلارے
 خودی تکبر مان غرورت جان پلک وچ مارے
 عشق کرم دا قطرہ ازلی میں تیں دے وس نابیں
 اکناں لہدیاں ہتھ نہ آوے اکناں دے وچ راہیں
 آتش عشق دُکھاں دا بالن جل بل ہو انگیارا
 ہو کے اگ سما وچ آتش تاں پاویں چھٹکارا
 55 سال کی عمر میں زلیخا کا حلیہ

سال گئے پچونجہ عمروں زلفوں گئی سیاہی
 نور اکھیں تھیں قوت بدنوں حال جمال تباہی
 ماس بدن سب ہڈوں چھٹا لفیاء قد کمانوں
 دند گئے مونہہ لقمیوں خالی تے بیزار زبانوں
 طاقت تنوں گئی چک زورا قدموں تیز ادائی
 جنہاں شیواں پر مان ہزاراں ہن اوہ پاس نہ کائی
 صنعتِ غیر منقوٹ

دُھر دا ہولا کرم اساڈا اس دا کھلا دھاڑا
 گھاہ اگلا اوہ وگدا آہا لگا ہو دوگاڑا
 کھسا وس سروسر ورہدا ہر دم درد کوہاڑا
 ساڑ دلا گھر درد الم دا کڈھ کڈھ آہ اواڑہ
 اڈ کاگا وگ ول اُس گل رو آکھ سلام ہمارا
 عہد ہوس معلوم اول دا محکم وعدہ سارا

صنعت منقوٹ

نچ جنی جن جنی تنی نی بخت پٹی بُت چینی
شب خیزی بے چینی تیزی جیں تن نقش جبینی
نین تپن جیوں ش شفق تے تیں نت تخت نشینی
بخشی پیت پگی تیں بے تے زینت زیب یقینی

در بیان ضعف حال زلیخا در مصائب فراق و رسیدن

اوبعد از ناتوانی بہ توانائی و در آمدن در نکاح یوسف و رسیدن بعشق حقیقی

یوسف روے زار و زاری و یکہ غماں دا حالا
اج کیائی حال زلیخا یوسف نے فرمایا
یوسف پچھے کویں زلیخا تیرا وقت وہایا
یوسف پچھے دس زلیخا کدھر گئی جوانی
یوسف پچھے دس زلیخا حُسن کتھے اج تیرا
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے چمک جمالوں
یوسف پچھے دس زلیخا زلفاں کدھر گئیاں
یوسف پچھے دس زلیخا دنداں سلک کتھائیں
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے لب دی لالی
یوسف پچھے دس زلیخا لافیا قد کیائی
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے تیز نظارہ
یوسف پچھے دس زلیخا گئی کتھے بینائی
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے تیریاں چالاں
یوسف پچھے دس زلیخا کتھے تیریاں شانان
یوسف پچھے دس زلیخا عقل کتھے اوہ تیری
یوسف پچھے دس زلیخا قدم تیرا کیوں ڈولے

رحم پیا دل رو رو پچھے حالا درداں والا
کہے زلیخا جو کچھ تینوں ظاہر نظری آیا
کہے زلیخا جیوں جیوں یوسف تینوں آکھ سنایا
کہے زلیخا عشق تیرے تھیں کر چھڈی قربانی
کہے زلیخا ہجر رُڑھایا ہتھ نہ پہتا میرا
کہے زلیخا غماں بھائی تیریوں دُور وصالوں
کہے زلیخا تیرے در دیں کھس زمیں جھڑپیاں
کہے زلیخا گھس گھس ٹے کردیاں وصل دعائیں
کہے زلیخا جال سدھائی لاٹ فراقاں والی
کہے زلیخا ٹٹن لگی مینگھ ہولارے چائی
کہے زلیخا درد تیرے نے کیتا پارہ پارہ
کہے زلیخا دوہری ہو ہو لبھدی پھراں، گوائی
کہے زلیخا گم گئیاں اوہ تیریاں وچ خیالاں
کہے زلیخا اوہ دن گذرے بدلایا ہور زمانہ
کہے زلیخا عشق تیرے نے کوٹ غصَب وچ گھیری
کہے زلیخا میں ناتانی وگن فراقوں جھولے

یوسفؑ پچھے دس زلیخا تیرے کیوں روندے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے مال خزانے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا دولت کنوٹ ڈالی
یوسفؑ پچھے دس زلیخا صحن کتھے دالاناں
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے محل منارے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا حجرے کتھے نیارے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے فرش حریری
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے نرم سرہانے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے زیور سارے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے تخت سنہری
یوسفؑ پچھے دس زلیخا باغ کتھے گلزاراں
یوسفؑ پچھے دس زلیخا گئے غلام کتھائیں
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کتھے تیریاں سیاں
یوسفؑ پچھے دس زلیخاں اج کتھے سرداری
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کیوں ایہہ سختیاں چائیاں
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کیوں ایہہ درد اٹھائے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا ایہہ کیا گریہ زاری
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کیوں نکرہ حال گزارے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کیوں سکھیں دکھ سیتے
یوسفؑ پچھے دس زلیخا کیوں نکرہ عمر وہائی
فرمایا دس کار تیرے دی کس تے ذمہ داری
فرمایا دس کون کریندا اج تیری عنخواری
فرمایا دس کون پیاری تیرا درد ونڈاوے
فرمایا دس قسمت تینوں کیا طعام کھلاوے
فرمایا دس شربت شیریں تینوں کون پلاوے

کہے زلیخا میرے رخ تھیں گرد دکھاندی دھوندے
کہے زلیخا نام تیرا لے کھادے لٹ جہانے
کہے زلیخا بے دولت دے دیکھ دوویں ہتھ خالی
کہے زلیخا آلو کوکن میریاں وچ مکاناں
کہے زلیخا ڈگدے جانڈے کھا کھا درد ہلارے
کہے زلیخا تیرے باجھوں بھرے دکھال تھیں سارے
کہے زلیخا پلنگ وچھوڑا فرش میرا دلگیری
کہے زلیخا ہجر تیرے نے لٹے زور دھگانے
کہے زلیخا نام تیرے تھیں وارواری وارے
کہے زلیخا تیرے ناموں لٹ گئے لے شہری
کہے زلیخا خزاں فراق تیرے گل خاراں
کہے زلیخا نظر نہ آئے جانڈے میرے تائیں
کہے زلیخا جاں غم لٹی چھوڑ گھراں نوں گئیاں
کہے زلیخا درد تیرے نے لٹ کھڑی اوہ ساری
کہے زلیخا تیں تھیں کیتیاں پیش میرے ہن آئیاں
کہے زلیخا ظلم کماے انت میرے سر آئے
کہے زلیخا عشق تیرے دی ایہہ خاصیت بھاری
کہے زلیخا وچ وچھوڑے دوزخ دے وچکارے
کہے زلیخا دکھ تیرے تھیں سکھ تصدق کیتے
کہے زلیخا روون باجھوں گھڑی نہ گزری کائی
عرض کرے سب عشق تیرے تے میری کلا گزاری
عرض کرے غم درد وچھوڑتے ہو گرہ زاری
عرض کرے دکھ ونڈن والی کوئی نظر نہ آوے
عرض کرے آگ برہوں والی جس دامزہ نہ آوے
عرض کرے دل جگر غماں تھیں خونی جام لیاوے

فرمایا دسِ دردی ہو کے کون سُنے دُکھ تیرا
 فرمایا دسِ وقتِ مصیبت کون سنے فریاداں
 فرمایا دسِ اجِ زلیخا کُنوٹلِ بلدی ڈھوئی
 فرمایا دسِ درد تیرے دا کونِ طیبِ سداوے
 فرمایا دسِ اجِ زلیخا کس تھیں ہے دل کھٹا
 فرمایا دسِ تیرے تائیں کیڈک ہے بیماری
 فرمایا دسِ اجِ زلیخا نالِ کیہدے ورتارا
 فرمایا دسِ سوون ویلے تیرا کیا سرہاناں
 فرمایا دسِ کیونکر گذرن تیریاں دن تے راتاں
 فرمایا دسِ کویں زلیخا تیرا وقتِ وہاوے
 فرمایا دسِ اجِ زلیخا نالِ کیہدے پیوندی
 فرمایا دسِ دُکھ تیرے دا اجِ علاجِ کیائی
 میں یوسفِ بیماریاں والی میریاں کرو دوائیں
 عرض کرے دُکھ سُندا میرا تیرا عشقِ لُٹیرا
 عرض کرے سُنِ ہجر پکڑے تیریاں دُور مراداں
 عرض کرے در تیرے باجھوں ہور نہیں در کوئی
 عرض کرے اوہ وصل تیرا اک جو میں ہتھ نہ آوے
 عرض کرے بُت بے وس کولوں جو عملاں دا وِٹا
 عرض کرے بیماری میری دو عالم تھیں بھاری
 عرض کرے ورتارا میرا شوق تیرے تھیں سارا
 عرض کرے میں سوواں ناہیں جاگدیاں مَر جاناں
 عرض کرے جلِ بلدی رہناں کرورداں دیاں باتاں
 عرض کرے غم آوے تاوے پانی ہنچھ رڑھاوے
 عرض کرے دُکھ لگے مینوں میں دُکھاندی بندی
 عرض کرے اوہ معلمِ تینوں مہیتھیں پُچھ نہ کائی
 دیکھ میرے دُکھ اُپے لے روندیاں چھوڑ نہ جائیں

منتخب کلام کا منظوم اُردو ترجمہ

یوسف پوچھے کہو زلیخا، کیسے وقت بتایا؟
 کہے زلیخا، جیسے میں نے تجھ کو آج سنایا
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، کہاں ہے تیری جوانی؟
 کہے زلیخا، تیرے عشق میں دے دی ہے قربانی
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، حسن کہاں ہے تیرا؟
 کہے زلیخا، ہجر نے لوٹا، زور نہیں کچھ میرا
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، رنگ ہوا کیوں پھیکا؟
 کہے زلیخا، تیرے عشق کا تیر لگا ہے تیکھا

یوسف پوچھے کہو زلیخا، کہاں ہے اب بینائی؟
 کہے زلیخا، دوہری ہو کر ڈھونڈوں کہاں گنوائی
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، کہاں ہے شوخی تیری؟
 کہے زلیخا، تیرے غم میں ہوئی وہ دشمن میری
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، ہوش کہاں ہیں تیرے؟
 کہے زلیخا، تیرے عشق نے اپنے جال میں گھیرے
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، قدم ترا کیوں ڈولے؟
 کہے زلیخا، کمزوری میں ہجر کے کانٹے رولے
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، نین ترے کیوں روئیں؟
 کہے زلیخا، میرے رخ سے گرد غموں کی دھوئیں
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، کہاں ہیں محل نیارے؟
 کہے زلیخا بن پیارے کے دکھوں سے بھر گئے سارے
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، کہاں ہیں تیری سکھیاں؟
 کہے زلیخا جب دکھ آئے پھیریں سب نے اکھیاں
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، آج کہاں وہ دائی؟
 کہے زلیخا، میرے دکھ میں دیتی پھرے دہائی
 یوسف پوچھے کہو زلیخا، کیسے عمر گزاری؟
 کہے زلیخا، روتے روتے بیت گئی ہے ساری

(منظوم اردو ترجمہ: شفیق عقیل)



میاں راجہ

(1850ء-1942ء)

میاں راجہ مارچ 1850ء کو شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میاں قائم تھا جو حکمت کا کاروبار کرتے تھے۔ میاں صاحب اگرچہ ان پڑھ تھے مگر قدرت کی طرف سے شاعری کا جوہر ودیعت ہوا تو آپ نے ڈھولوں کی صورت میں شاعری کی جو محمد اظہر ورک نے ”ڈھولیاں دے بادشاہ“ کے نام سے 2010 میں شائع کی۔ آپ نے 11 اکتوبر 1942ء کو وفات پائی۔

عشق، تقدیر، غم

تینوں عشق دی کھیڈ دا ول ناہیں عشق کھیڈ دا وانگ جواریاں دے
دولت حسن تے راج دا مان ناہیں، خالی جان گے بول ہنگاریاں دے
جو بن جوگی تے ٹھگ نہ فیر آون لمے ہوندے نیں چت وپاریاں دے
دساں حرفاں دے اسم ترے بن دے، دارو ہون نہ ایہناں بیماریاں دے

مہر و کنجری

بڈھی رن کشیدے لگی، جد آتھگڑے پاٹے۔ پہلی عمراں سوئی نہ بھدئی، پٹ دے رہ گئے ماپے
سس سوہرا تے خاوند روون آکھن کوئے۔ ایہو جیہی جیجی کولوں جان نہ چھٹدی جاپے

بجھارت¹

خاوند ستا تے نار جاگدی اوہ گن گن کرے شمار
دیندی خبر غلام نون ایہدے سر وچ لٹر مار
جے ماریں تے پاک این نہیں تے دونویں ہاں گنہ گار
خاوند آہندا ہس کے نون چنگی میری نار

¹ یہ بجھارت دیہاتی کسانوں کے حوالے سے ہے جب ہر فرد کے پاس گھڑی نہیں ہوتی تھی چنانچہ کسانوں نے اپنی اپنی زمینوں کو پانی لگانے کے لیے اجتماعی طور پر ایک گھڑی والا رکھا ہوتا تھا۔ جب ایک کسان کے پانی کا وقت ختم ہو جاتا تھا تو یہ گھڑی والا فقارہ بجا دیتا تھا جس سے پانی لگانے والوں کو پتہ چل جاتا تھا کہ پہلے کسان کی باری ختم ہو چکی ہے اور دوسرے کی شروع ہو چکی ہے۔ یہاں راجہ نے اسی بات کو اس پیمانی میں بیان کیا ہے یعنی فقارہ بجانے والا آدمی سویا ہوا ہے اور گھڑی جاگ رہی ہے اور گھڑی اسے کہتی ہے کہ اگر فقارہ نہیں بجاؤ گے تو دونوں گنہ گار ہوں گے۔

بابو کرم امر تسری

(1853ء-1959ء)

بابو کرم امر تسر کے رہنے والے تھے۔ پہلے اردو میں شاعری شروع کی پھر آغا حشر کاشمیری کے کہنے پر پنجابی کی طرف لوٹ آئے۔ قیام پاکستان کے وقت لاہور آئے اور بقیہ عمر یہیں گزار دی۔ معاصرین میں عوامی شہرت کے لحاظ سے بلند مقام پر فائز تھے۔ علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خان، مولانا تاجور نجیب آبادی، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم اور کئی دیگر نامی گرامی شعرا سے قریبی مراسم رکھتے تھے۔ فکری انفرادیت، پختہ گوئی اور عظمت خیال کے باعث ان کی شاعری سب کو پسند تھی۔ آپ نے طویل عمر پائی اور جو لکھا وہ اعلیٰ پائے کا تھا۔ ”گلدستہ کرم“ کے نام سے آپ کا مجموعہ چھپ چکا ہے جس میں ”بچہ ٹوٹرو“ چیمپاری، ہرنی، بڈھی مائی اگ دی، جلاہی، گوجرئی کے نام سے لکھی گئی نظموں کے علاوہ کافیاں اور چومصرعے بھی موجود ہیں۔ علامہ اقبال نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ ”آپ پنجابی کے غالب ہیں“۔ حفیظ جالندھری نے لکھا کہ ”بابو کرم ایک خوش باش، خوش فکر اور باغ و بہار فرد تھے ان کی شاعری پنجابی میں تھی لیکن میں کہتا ہوں اردو میں بھی ایسی شگفتہ شاعری بہت ہی کم ہے۔ پھر ان کے شعر میں لہجہ تھا۔ وہ لہجہ مجھے پنجابی کے کسی شاعر میں نظر نہیں آیا، کسی میں نہیں“۔ فیض احمد فیض نے لکھا کہ ”استاد کرم پنجابی زبان کے مسلمہ استاد ہی نہیں، پنجاب کی قدیم تہذیب کا مجسمہ بھی تھے“۔ صوفی تبسم نے ان کی وفات کے حوالے سے لکھا کہ میں بھی ان کے جنازے میں موجود تھا۔ مجھے اس وقت یہ محسوس ہو رہا تھا کہ ہم ایک ہستی کو نہیں بلکہ پوری تاریخ کو دفن کرنے جارہے ہیں۔ 105 برس کی عمر میں وفات پائی اور ساری زندگی تجرد میں گزاری یعنی شادی نہیں کی۔

○

ایسے سخت سیاہ سن عمل میرے کہ میں ٹھوکر اں تھیں پائمال ہندا
پُرزے پُرزے کر چھڈ دے لوک مینوں جدا جدا میرا وال وال ہندا
پتھر برس دے وانگ منصور مینوں گریبان دامن میرا لال ہندا
جے نہ رب دی ذات رحیم ہندی کرم ویکھدوں کیہہ تیرا حال ہندا

○
 ایس عشق ملاح نوں ویکھیا ای مینوں آر دتا اوہنوں پار دتا
 ایس بحر محبت دے وچ یارو مینوں ڈوب دتا اوہنوں تار دتا
 توبہ ہجر تنور وچ کیہہ آکھاں مینوں ساڑ دتا اوہنوں ٹھار دتا
 بازی عشق تے میں کرم جت گیا پر میں دوہاں جہاناں نوں ہار دتا

○
 نہیں سفر سامان درست ہو یا کیہہ کراں گا خاک وچ رلیا میں
 جی چاہندا اے پاڑ کے پھوک سٹاں تینوں کراں گا کیہہ خالی پللیا میں
 فرصت ہندی تے کجھ بنا لیندا تھوڑے وقت وچ کیہہ کردا جھلیا میں
 جدوں آیا تے کرم اذان ہوئی ہو گئی نماز تے چلیا میں

○
 بھلے کم کولوں ایناں دُور ہاں میں جتاں فاصلہ دن تے رات دا اے
 رہندا پرے ایللیس ہے مجھ کولوں مینوں سمجھ پتلا خرافات دا اے
 دنع باز، عیار، مکار ہاں میں اعتبار کس نوں میری ذات دا اے
 ایسے بُرے دی جو رکھے شرم کرم بس حوصلہ رب دی ذات دا اے

○
 یارو میں کئی وار میخوار وانگوں توڑی ویکھ کے ابر بہار توبہ
 میری توبہ کیہہ صنم پرست دی اے ٹٹی ویکھ کے یار رُخسار توبہ
 میری توبہ کیہہ اے ڈور طفل دی اے بڑی خام توبہ گرہ دار توبہ
 میری توبہ توبہ بُرے بانے دی پھڑی تکرڑی ہو گئی فرار توبہ
 توڑی میں صد بار ہزار بلکہ ہن میں پھر کرنا سیہ کار توبہ
 کرم کریں توبہ استغفار توبہ توبہ توبہ اے میرے ستار توبہ



محمد اسماعیل سفری

(1912ء-1976ء)

اسماعیل سفری ہوشیار پور میں پیدا ہوئے اور فیصل آباد میں وفات پائی۔ آپ کا تخلیقی سفر تقریباً نصف صدی پر محیط ہے۔ گیت نگاری اور مذہبی و ڈرامائی شاعری کے حوالے سے شہرت حاصل ہوئی۔ قیام پاکستان سے قبل ہی ان کے تین شعری مجموعے خیالاتِ سفری (پنجابی گیت مطبوعہ 1935ء)، انوارِ محمد (میلا دنامہ) اور ہیر رانجھا (منظوم تمثیل) چھپ کر برصغیر میں معروف ہو چکے تھے۔ مختلف گراموفون کمپنیوں کے ذریعہ آپ کے بے شمار گیت عوام و خواص تک پہنچے، مثلاً درج ذیل تو الیاں بے حد مقبول ہوئیں اور ہر جگہ سنی گئیں۔

- دلدار کمنداں والے داگ سینے تیر نسنگ جاندا (دینا قوال جالندھر)
- کر کے وعدہ دلبر اراج دا ہن کیوں کر دا گل گل گل (دینا قوال)
- چُپ کر ڈوٹ جانہ عشق دا کھول خلاصہ (محمد علی فرید قوال)

”سفری دا ہیر رانجھا“ کا ایک تازہ ایڈیشن فیصل آباد سے 2003ء میں بڑے خوبصورت انداز سے شائع ہوا۔ اسماعیل سفری نے یہ قصہ گیت نگاری کے رنگ کو ملحوظ رکھتے ہوئے لکھا ہے اس لیے یہ کیسٹوں میں بھی دستیاب ہے اور بے حد مقبول ہے۔

سوال رانجھا

میں تال تخت ہزار یوں آیا ڈیرہ آن تپن تے لایا
میں تال خاص موجودا جایا پُتر نئیں گواراں دے
بیڑے پار لگا دے لڈنا دل وچ شوق دیداراں دے
درشن ہیر جٹی دا کرنا کر کم اوگن ہاراں دے

جواب لڈن

ساڈے آن تپن تو ملے بڑے چڑھدائیں کر کر ہلے
پیسے نئیں گے تیرے پلے تو کم کریں ہپاراں دے
پیسے کھول پھڑادے مینوں ایہہ کم نئیں مول ادھاراں دے
تیرے ورگے فقیر ہتھیرے پٹے ہوئے پھر دے ناراں دے

سوال رانجھا

لڈنا کیوں توں مغز کھپاویں ایویں ٹر ٹر وقت گواویں
دل وچ خوف خُدا نہ کھاویں پے گیا وچ تکراراں دے
بیڑے پار لگا دے لڈنا دل وچ شوق دیداراں دے
درشن ہیر جٹی دا کرنا کر کم اوگن ہاراں دے

جواب لڈن

تیری شکل امیراں ورگی پیسے دین تو کیوں چند ڈردی
ایتھے ہونی نہ ہمدردی حکم لگے سرکاراں دے
پیسے کھول پھڑادے مینوں ایہہ کم نہیں مول ادھاراں دے
تیرے ورگے فقیر بتھیرے پٹے ہوئے پھر دے ناراں دے



پیر مہر علی شاہ

گولڑہ شریف کے بانی معروف صوفی دانشور پیر مہر علی شاہ کی شاعری میں سے یہ نعت بہت مشہور ہوئی۔

نعت

آج سِکِ مِتراں دی ودھیری اے
کیوں جنڈڑی اُداس گھنیری اے
لُوں لُوں وِچ شوق چنگیری اے

اِج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں

کھ چند بدر شعثانی اے
مَتھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اُکھ مستانی اے

چٹے دند موتی دیاں بہن لڑیاں

اس صورت نوں میں جان آکھاں
جان آکھاں کہ جانِ جہان آکھاں
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں

جس شان توں شانناں سب بنیاں

ایہا صورت شاہا پیشِ نظر
رہے وقتِ نزع تے روزِ حشر
وِچ قبر دے پل تھیں ہوسی گزر

سب کھوٹیاں تھیں ہون تَد کھریاں



سید میراں شاہ

(1246ھ-1332ھ)

جانندہر کے رہنے والے سید میراں شاہ نیک طبیعت اور صوفی منش انسان تھے۔ ہیر رانجھا اور سوہنی مہینوال کے قصوں کے علاوہ کلیات میراں شاہ اور گلدستہ میراں شاہ کے نام سے کلام شائع ہوا۔ آپ نے ہیر رانجھا کا قصہ ایک نئے انداز سے لکھا۔

○

ض۔ ضرب خدائی دے عشق والی جسٹوں لگ دی ہے سوئی جاندا اے
گلاں نال تاں کجھ نہ لہجدا اے جیہڑا عمل کرے موجاں ماندا اے
کامل پیر دے باجھ نہ رب ملدا کوئی زور ناہیں مان تاں دا اے
میراں شاہ ایہہ زاہد دا خیر ناہیں ایہہ تاں کم پریم گیان دا اے

ڈیوڑھ

ج۔ جگر وچ زخم ہجر دا کس نوں پھول دکھاواں۔ کس در جاواں
باجھوں وصل علاج نہ کوئی سوسو مرہم لاواں۔ نفع نہ پاواں
برہوں ظالم اندر وڑیا کیونکر جان بچاواں۔ خاک سماواں
میراں شاہ دربار خواجہ دے رو رو حال سناواں۔ تاں شکھ پاواں

○

موجو نے تقدیر جو آئی موت پیالا پیتا پچھو رل کے نال رانجھے دے ویر بھرانواں کیتا
رل بھرجائیاں مارن طعنہ خون جگر دا پیتا قاضی پنچ بھرا سدا کے سب ورثہ ونڈ لیتا
جتھے دب سرکڑا ہوندا سورانجھے نوں دتا
میں مرگئی رانجھناہو



رحیم یار

(1851ء-1903ء)

رحیم یار (رحیم بخش) موچی دروازہ لاہور کے رہنے والے اور میاں ہدایت اللہ کے قابلِ فخر شاگرد تھے۔ ریلوے ورکشاپ میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ دو شعری مجموعے ”تحفہ رحیم یار“ اور ”مجموعہ رحیم یار“ کے نام سے شائع ہوئے۔ بقول میاں مولا بخش کشتہ ان کا کلام گداگروں اور فقیروں کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا ہے کیونکہ جب وہ سوز، روانی اور دنیا کی بے ثباتی کے حوالے سے کہا گیا ان کا کلام گلیوں میں لحن سے پڑھتے ہیں تو لوگوں کے دل پسینج جاتے ہیں اور انہیں خیرات زیادہ ملتی ہے۔ مولا بخش کشتہ مزید کہتے ہیں کہ آپ کثرتی جسم اور لمبے ڈیل ڈول کے حامل تھے اور ڈانگ ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ بازار میں جاتے ہوئے اگر کسی کو غلط شعر پڑھتے سن لیتے تو چاہے وہ واقف ہو تا یا ناواقف ڈانگ مار کر کہتے ”شعر دا خون نہ کرتے انچ پڑھ“۔

○

الف۔ آیا سیں لعل وہا جنے نوں ونج کولیاں دے کاہنوں پا بیٹھوں
تینوں حکم کستوری خریدنے دا ڈھیر ہنگ جوین دے لا بیٹھوں
کیہہ جواب دے سیں اُس شاہ تائیں جس دی رقم نوں کھیت کرا بیٹھوں
رحیم بخش سوداگری کرن آیوں چور ہٹیا مفت سرا بیٹھوں
ث۔ ثابتی دے نال ویکھ میاں کتھے یار تیرے جیہڑے ہان دے سَن
کتھے صحبتاں بیٹھکاں مجلساں نی رات دن جتھے موجاں مان دے سَن
کتھے گئے نی رستم جہان اوتوں جیہڑے دیواں نوں پڑ وچ ران دے سَن
رحیم بخش ظاہر اوہ بھی گم ہوئے جیہڑے موئے نوں زندہ کر جان دے سَن
ج۔ جنہاں نوں شوق دیدار دا اے چور وانگ لاون اٹھ سَن راتیں
جان حیل کے یار دے در جاون کئی دشمنان دے پہرے بھن راتیں
چوری چوری محبوب دا وصل لہسن واء نہ سُنے نہ دوسرا کن راتیں
رحیم یار کیہہ عشق دی سار جانن جیہڑے کھا سُنے بہتا ان راتیں

سر شہاب الدین

(1865ء-1949ء)

چوہدری شہاب الدین نے چوہدری کالو کے گھر ضلع سیالکوٹ میں جنم لیا۔ والد گاؤں کے معمولی پٹواری تھے مگر آپ ترقی کرتے ہوئے پہلے لاہور میونسپل کمیٹی کے صدر اور پھر پنجاب کونسل کے ممبر اور اس کے سپیکر بنے۔ آپ کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ آپ نے معروف سیاست دان میاں ممتاز دولتانہ کو اپنا منہ بولا بیٹا بنالیا۔ 1924ء میں حکومت نے انہیں خان بہادر اور 1930ء میں Sir کا خطاب دیا۔ شاعری کا شوق شروع سے تھا تاہم آپ کا اصل کارنامہ مسدس حالی کا منظوم پنجابی ترجمہ مسدس کی صورت ہے جو انتہائی با محاورہ اور قابل تعریف ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا جسے ترجمے سے پڑھ کر محفل میں سماں باندھ دیتے۔

○
کسے پچھیا جا بقراط کولوں کپڑے روگ نیں جان نوں مار دے جی
کیہا اوس نہیں ویکھیا روگ کوئی بناں داروؤں، وچ سنسار دے جی
پر اوہ روگ جو سہل بیمار سمجھن
کہے وید جو نہیں وچار دے جی
جیہڑا روگ دے کھوج نشان دے کپڑے اوس دی سمجھ وچ پاوندے نیں
ناہیں کرن پرہیز نہ پین دارو مرض آپنی آپ ودھاوندے نیں
کدے وید نوں ویدنا نہ دسن
ایویں جیون دی آس گواوندے نیں
ایہو حال اس قوم دا وچ دنیا بیڑا وچ گھسن جیہدا گھمیا اے
کڈھا دور تے قہر طوفان جھلے ہنے جا پدا پور نگھیریا اے
تے گھوک مہانیاں سنے سارے
پاسا اک نے وی نہ پھیریا اے

گھٹا تترے لیکھ دی چڑھی سرتے بھکھ ننگ پی رنگ وکھاوندی اے
 لیکھ چندرے پئے کرلاوندے نیں سچے کھیوں ووج ایہہ آوندی اے
 ہے سو کل کیہ؟ اج کیہ ہو گئے او
 پلاں وچ کیوں نیند آ جاوندی اے
 کڈھے راہ ایہناں دے بھلے دا جو روڑا اوس دی راہ اٹکاوندے نیں
 اوہدا پھیر وی کم جے چمک جائے منوں جوڑ کے تہمتاں لاوندے نیں
 بھانویں آپنا منہ ہو جائے کالا
 اوہدی پت پر تیت گواوندے نیں
 پنجابی آبادکاراں دے ہاڑے

پانی لہجدا نیں سی پین جوگا ان کھان نون ہتھ نہ آیا سی
 جتھے وسدے سن بگھیڑ گدڑ جنگل آن اوہ اسماں وسایا سی
 مڈھوں پٹ کے جنڈ کریر سارے پانی پٹ کے کھال وگایا سی
 ون وڈھ کے پھوک فنا کیتے ہل زمیں تے جدوں چلایا سی
 پھنیر مار دتے نال بختیاں دے خوف کھڑی وچ نہ آیا سی
 کتیاں وچ کے آپنا بھوں بھانڈا ڈیرہ بار دے وچ جمایا سی
 اینہاں قضاں دی جے خبر ہوندی اسماں بار وچ آونا کاس نون سی
 وسدے گھراں نون آپ اجاڑ کے تے ٹبر ٹور لیا ونا کاس نون سی
 بھاجڑ ڈھوکے دیس بدیس ہونا ایڈا وخت کما ونا کاس نون سی
 جیہڑے جنگلی لوگ آباد ایہتھے ڈیرا اوہنا دا چا ونا کاس نون سی

(نوٹ: سر شہاب الدین کا کیا ہوا پوری مسدس حالی (مد و جزر اسلام) کا پنجابی ترجمہ پہلی بار 1931ء میں شائع ہوا۔ نمونے کے یہ چند بند اسی میں سے لیے گئے ہیں۔)

استاد گاموں خان

(1860ء-1916ء)

نواب بہاولپور کے رشتہ دار اور خاندانی امیر تھے۔ جب آپ کے دادا 1857ء کی جنگ آزادی میں قید کر کے لاہور کے قلعے میں لائے گئے تو آپ کے والد قابل خان بھی ہمراہ تھے، چنانچہ آپ کی پیدائش قلعے میں ہوئی۔ استاد شاعر تھے۔ شاگردوں کی تعداد کافی زیادہ تھی۔ آخری عمر درویشی میں گزاری۔ آپ کا شمار پنجابی غزل کے بانیوں میں ہوتا ہے۔

○

کنگھی پھیر کے یار نے مانگ کڈھی نکتہ لبھیا اسماں ایس بات وچوں
کوئی صاحب سکندر نون جا آکھے کڈھی یار نے راہ ظلمات وچوں

○

اودھے ویکھ رُخسار رقیب سڑیا میری رُوح رُخسار تون ہوئی صدقے
اودھر اگ اُتے پئی اگ بے ایدھر نور چمکے پیا نار والا

○

خ۔ خبر نہیں سی بے وفاتوں ایں اسیں نال تیرے اکھیں لا سمجھے!
ہر ہر بات اُتے مسکرا جاویں اسیں ایہہ بھی اک تیری ادا سمجھے
قید ہجر دی پچھ تون عاشقاں تون ایس مرض نون تیری بلا سمجھے
نت ظلم کرنا ایں گاموں خاں اُتے ہچھا ظالماں تینوں خدا سمجھے

○

ب۔ بلبلو باغ وچ خوشی و سو ایس وطن نون تسیں جاگیر کر لئو
اسیں ہاں پردیسی عندلیب بے کس تسیں ہور کسے نون اسیر کر لئو!
ایہہ لئو الوداع تساں خوش خوش و سو اس تھیں بلند کوئی ہور تعمیر کر لئو
گاموں اتے صیاد دے نال مالی دستخط کر لئو اتے تحریر کر لئو

خلیفہ قمر لاهوری

(1857ء-1903ء)

قمر الدین قمر لاهور کے رہنے والے تھے۔ پیشے کے اعتبار سے حکیم اور حکیم آغا علی خان کے خاص شاگرد تھے۔ صرف 46 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

○

ع۔ عشق والی چٹیک لا گیوں مٹھڑا خواب دے وچ دکھا کے تے
ظالم ہجر تیرے مینوں مار سٹیا کدی حال نہ پچھیا آ کے تے
قسم رب دی اے اک اک قدم اُتے پیا ڈگناں ہاں غش کھا کے تے
دس کیہہ ظالماں ہُن تیرے ہتھ آیا عاجز قمر نوں مار مکا کے تے

○

س۔ سُورما ای کوئی جھلدا اے ظالم عشق دیاں ضرباں کاریاں نوں
بھل گئیاں کتاباں جد عشق لگا ملاں عالماں فاضلاں قاریاں نوں
بھانویں لکھ تیراک بیباک ہوون بجر عشق اندر بھلن تاریاں نوں
قدر سخن گو دی سخنور جانے قدر لعلوں دی قمر جوہریاں نوں

○

ر۔ رُخ کیہہ اے سیم و زر گویا بیٹھی زلف ناگن اُتے مار چکڑ
میرے دکھاں دانے جے حال دلبر کھا کے زمیں تے ڈگے یکبار چکڑ
پھراں جنگلاں وچ دن رین بھوندا میرے پیراں دے وچ ہے یار چکڑ
تیرے نال کیہہ دوستی فلک ہوئی رہیا قمر نوں لیل و نہار چکڑ



پیر نیک عالم

(پ 1857ء)

پیر نیک عالم گجرات کے رہائشی تھے۔ پہلے سکول ٹیچر تھے پھر وکالت کرتے رہے۔ آخری عمر فقیری رنگ میں گزری۔ کئی قصے لکھے۔ میاں احمد یار اور سید فضل شاہ کے بعد یہ تیسرے شاعر تھے جنہوں نے وارث شاہ کو اشعار میں لکارا اور لکھا کہ وارث شاہ کے قصہ ”چوہیٹھی نامہ“ کے سامنے میرا قصہ ”پوہ پھٹی“ اور ”ہیر رانجھا“ کے سامنے میرا قصہ اصغر صغریٰ رکھ کر دیکھو تو تم میرے قصوں کو بہتر پاؤ گے۔ قصہ ”اصغر صغریٰ“ میں سے صغریٰ کی تعریف میں لکھے گئے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ صغریٰ اس وقت عمر کے آٹھویں سال میں داخل ہوئی تھی۔

قصہ اصغر صغریٰ

آٹھویں سال پر نقش نگار چہرہ سرس رنگ داستان ارژنگ کولوں
شوخ چلبے نین ممولیاں دے لمی دھون عجیب کلنگ کولوں
بھواں ڈنگیاں دھنکھ لاہور دی توں پلکان سدھیاں تیر خدنگ کولوں
ٹھوڈی سرس کشمیر دے سب نالوں متھا گول بلور دی ونگ کولوں
سوہنے کن گلاب دے پھل نالوں اثرناک آواز سی چنگ کولوں
بھارے پٹ پہاڑ دی جڑھ نالوں پتلا لک دھوڑی دے ڈنگ کولوں
پلکان تیز ترکھیاں تیر نالوں قاتل تیز نگاہ تفنگ کولوں
تنگ مکھڑا اوسدا مچ سوڑا کلی کیڑی دی بھی دھری تنگ کولوں

○

ڈھٹیاں وانگ عاشق مُڑ مُڑ گرے پیریں سوہنا لکھ پیاشی شی کردا
اگے یار دے سُتھرے دی مُٹھ اندر چڑی وانگ عاشق چچی کردا
جام عشق دے دازہر لکھ کوڑا عاشق سی تک کدے نہ بھی کردا
عاشق مان تران سب لٹ کے تے جنے کھنے اگے جی جی کردا

پیراں دتہ تر گڑ والا

(پ۔1860ء)

نام پیراں دتہ تخلص خادم، میاں محمد اسماعیل کے گھروزیں آباد میں جنم لیا۔ شروع سے شاعری کا اور عشق کی حد تک ہیر وارث شاہ پڑھنے کا شوق تھا چنانچہ آپ نے ہیر کے کئی قلمی مسودے ڈھونڈے اور ان کی چھان پھٹک کے لیے جنڈیالہ شیر خان میں سید وارث شاہ کی قبر پر چلہ کشی بھی کی۔ بالآخر آپ کو ہیر وارث شاہ کا ایسا قلمی مسودہ ملا جسے اصلی قرار دے کر آپ نے اپنے پاس سے 1192 مصرعے لکھ کر اس میں مزید شامل کیے اور 21 مارچ 1917ء کو مکمل کر کے چھپنے کے لیے دے دی جو 1920ء میں شائع ہوئی اور ”پیراں دتہ تر گڑ والے دی اصلی تے وڈی ہیر وارث شاہ“ کے نام سے بے حد مقبول ہوئی۔ میاں ہدایت اللہ کی طرح آپ کی کاوش نے بھی تحقیقی غلط فہمیوں کو جنم دیا جو آج تک پوری طرح نہیں سلجھ سکیں۔ اسی لیے دانشور دو دھڑوں میں منقسم ہیں جن میں زیادہ تر نے الحاقی اشعار کی نشاندہی کر کے انہیں وارث شاہ کے اشعار ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ بقول مولانا بخش کشتہ ہیر وارث شاہ میں انہوں نے کوئی اچھا اضافہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ آپ نے قصہ یوسف زلیخا اور دیگر کلام بھی لکھا۔ درزیوں کا کام کرتے تھے اس حوالے سے ان کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

○

گڈی طبع نوں لمبڑی ڈور دے کے واء نال پریم اڈائیاں نیں
قطع درزیاں والیاں سوچ کے تے کتراں رنگ برنگ لگائیاں نیں

چند الحاقی شعر

ڈولی چڑھدیاں ماریاں ہیر چیکاں میں گھمائی رنجھیٹیاں سائیاں وے
پناں اجل اُبھڑی چھری کٹھی ایہناں قاضیاں وڈ قصابیاں وے
رہی سُدھ نہ کجھ سہیلیاں دی تُردی وار نہ گلے ملائیاں وے
رکھے اج اجو کڑی رات بابل گاؤں ماسیاں پھپھیاں تائیاں وے



استاد گام

(1860ء-1938ء)

نام غلام محمد تخلص گام، لاہور کے رہائشی تھے۔ والد درزیوں کا کام کرتے تھے مگر انہیں کباب بیچنے کا شوق تھا۔ چار جماعتیں پاس تھے مگر شعر خوب کہتے تھے۔ حاضر جواب اور فی البدیہہ کلام پر ملکہ حاصل تھا۔ اکثر شعر اسے ٹکراؤ بھی رہتا۔ ایک مرتبہ نواب گاموں خان نے ایک چومصرعہ پڑھا:

خ۔ خوار جیہا مینوں اوس کیتا رہا ایسا ہی کریں توں خوار اُس توں
جیہا اوہ ظالم مینوں ہو ملیا اتے ایسا ہی میلیں دلدار اُس توں
پہلے یار ہووس پھیر وچھڑ جاوس غیراں نال بولے آوے خار اُس توں
گاموں اکھیاں نال دکھلائے اللہ جانے قدر میری آوے سار اُس توں

استاد گام نے فوراً اس کا جواب دیا

خ۔ خوار ہوواں بھانویں میں کتنا میرے مولاناہ کریں توں خوار اُس توں
بھانویں اوہ مینوں جفا کار ملیا وفادار توں میلیں دلدار اُس توں
بلبل وانگ بھل بھل رکھے پاس اپنے گلرونہ دیوے کدی خار اُس توں
گام اوہنوں بے قدر نہ ملے دلبر بھانویں نہ آوے میری سار اُس توں

اپنے بارے وچ

ہن میں آپنی دسناں گل تہانوں ہو یا پیدا اک بندہ عجیب ہاں میں!
پانواں سونے نوں ہتھ ہو جائے مٹی ایسا دنیا وچ صاحب نصیب ہاں میں
رنج و غم ہمسائے نیں خاص میرے رہندا انہاں دے بالکل قریب ہاں میں!
تسیں جتنے بھی ہو اشخاص ایہتھے تہاڈے ساریاں کولوں غریب ہاں میں!
اک گل دامیرے وچ ہے وادھا ہاں محنتی کوئی من کھٹوتے نہیں!
بھانویں کہندے نے گام کباب والا کوئی کہندا خوشامدی ٹھوتے نہیں!

اللہ دتہ شیفۃ

(1863ء-1908ء)

اللہ دتہ شیفۃ امرتسر کے رہنے والے اور بابا صادق کے شاگرد تھے۔ رنگین مزاج اور عاشق طبع ہونے کے ناتے آپ کے کلام میں روانی اور رومانی انداز نمایاں ہے۔

ذ- ذرہ بھی سوچ دا نہیں دل وچ تینوں کس نادان دی مت ہے ایہہ
چڑھ کے چھاتی تے ظالماں بھڑکنا ایس کچے کانیاں دی نرم چھت ہے ایہہ
بے گناہ غریب نوں قتل کرنا ایس قیمت دار انسان دی رت ہے ایہہ
ویکھ پیراں وچ ایس نوں رول ناہیں تیرے شیفۃ دے سردی پت ہے ایہہ

○

اک دن گلشن ہستی تھیں وانگ بلبلی نامراد توں جائیں گا یاد رکھیں
ایویں قفس تاریک وچ گور دے توں اپنے آپ گھبرائیں گا یاد رکھیں
غم غذا تے فکر دا پی پانی ہنجو خون ٹپکائیں گا یاد رکھیں
تیرا کسے نہیں شیفۃ ساتھ کرنا باجھ شام پچھتائیں گا یاد رکھیں

○

و- ویکھ کھاں پاہندیا کھوہل پتری اے تیک ناہیں دل آرام آیا
وے اکھیاں وچ تصویر اوہدی جس دا مفت وچ مینوں الزام آیا
پچھیا حال نہیں ایس دکھیاڑے دا اٹا لٹن کارن خاص و عام آیا
کسے کہیا نہیں آ کے شیفۃ نوں اٹھ ویکھ تیرا اوہ شام آیا



سردار خان برق

(1863ء-1894ء)

سردار خان برق کا تعلق امرتسر سے تھا۔ چھوٹی عمر میں یتیم ہو گئے۔ پنجابی کے علاوہ اردو اور فارسی میں بھی شعر کہے۔ صرف 31 سال کی عمر میں وفات پائی۔

○

الف۔ آریاں تھیں جگر چاک ہووے زلف یار دا سہل نہیں شانہ بنا
چُجھن خار تے چھاننی پیر ہوون ایسا ہے صحرائی دیوانہ بنا
کرے بیشک ہمسری اوہ بلبلاں دی اے پر سخت دشوار پروانہ بنا
برق ملک علوم دی سیر کر توں جیکر چاہیں دانا فرزانہ بنا

○

خ۔ خوب نقاش نے شوخ دیاں چشماں مثل بادام بنائیاں دو
ہووے ویکھ کے عید عشاق تائیں بھواں وانگ ہلال سجائیاں دو
لباں لعل تھیں اُسدیاں لال از بس من پسند سبھ خلق دے آئیاں دو
تیلا چُکلیاں نازک وجود دیاں برق کہے خم کھان کلائییاں دو

○

ی۔ یار تھیں منگیاں دو چیزاں اگُوں ہس کے آکھدا دس کیہہ کیہہ
جو ہے دس تیرے سوئی منگدا ہاں آکھے پھیر اوہ تاں بھی دس کیہہ کیہہ
اول وصل ابدی ثانی نظر شفقت منگاں ہوور تیتھوں استھیں بس کیہہ کیہہ
پائیاں بہت مصیبتاں عشق اندر دسے کھول کے برق بے کس کیہہ کیہہ



شکر داس شکر

(1864ء-1917ء)

نام شکر داس بھابھڑہ، تخلص شکر۔ امرت سر کے رہائشی اور لالہ رام نگر کے شاگرد تھے۔ بیت بازی میں شہرت حاصل کی۔

○

ح۔ حوراں وی ویکھ حیران ہوئیاں میرے یار دی ویکھ یکسان اُنگی
میرے دلبر دی اُنگی ویکھ کے تے لگا یوسف وی منہ وچ پان اُنگی
لکھاں ویکھ عاشق حیرت وچ جاوَن رکھے رُخ تے جدوں جانان اُنگی
شکر داس اس یار دے رُعب اگے کیہ مجال کہ کرے انسان اُنگی

○

ت۔ تیرے شہیداں دے شہر اندر جنت وچ اڈیکدی حور اگے
گھڑا پھڑ کے شاہ توکلی دا اج ٹھلنا یار ضرور اگے
تیرے ہجر فراق دی دیکھ سولی سولی سیر ہو گئی منصور اگے
شکر داس مجازی وچ پیر تیرا اَبے منزل حقیقی دی دُور اگے

○

ح۔ حسن دا باغ تیار ہویا گویا کھلی بہار گلزار دی اے
بھور مست ہو گیا خوشبو لیکے گل دیکھ بلبَل جان وار دی اے
ڈالی خالی نہ کوئی چمن والی ویکھ موج ایہہ کیسی گلزار دی اے
نین ویکھ کے نرگس بے حال ہوئی شکر داس صورت ایسی یار دی اے



لاہور اسٹگھ لاہوری

(1865ء-1923ء)

لاہور اسٹگھ گمٹی بازار لاہور کے رہنے والے تھے۔ پنجابی کے استاد شاعر ”میاں ہدایت اللہ لاہوری“ کے شاگرد تھے۔ مصوری کا شوق تھا۔ 9 عددی حرفیاں اور قصہ ہیرا رانجا لکھا۔ ہیر میں سے چند اشعار:

ب۔ باورے ایس جہان گردے چھاوئی اصل غنیم نے پائی ہوئی اے
فوج کمر کس حکم حضور لوڑے ننگی قتل تے تیغ اٹھائی ہوئی اے
اک اک نوں کہے ہلون کے تے جاگو سٹیو نیند کہی آئی ہوئی اے
پیمیاں بھاڑاں تے دوڑی جائے دنیا لاہوری تیار ہو دیر کہی لائی ہوئی اے

بیڑی ہوئی روان تے شوق سہتی رانجھے و نچھلی پکڑ و جانیو سو
سارا پور بیڑی وچ مست کیتا سندر رانگی بھیرویں گانیو سو
من موہ لیا نال آواز بانگی ایسی چٹیک پریم دی لانیو سو
اوس گھڑی توں میں قربان لاہوری جیہڑی شوق دے نال لنگھانیو سو

مائے دے روٹی جھیب رانجھنے نوں پی شام سویر دا بھکھڑا ای
ملکی آکھیا ایہہ لے کھا بیبا حاضر جیہا پکا مسٹا رُکھڑا ای
ایہہ عمر تے گھروں پردیس آیا خبرے کیہ بنیا ایہنوں دکھڑا ای
لاہوری منزلاں مار حیران کیتے سکے ہونٹھ کملایا مکھڑا ای

گوراں مشر

گوجرانوالہ کے رہائشی اور پنڈت کالیداس کے شاگرد تھے۔ نابینا تھے مگر بلند پایہ شاعر۔ قصہ ہیرا رانجا بھی لکھا۔

چوری گٹ کے ہیر سیال چلی چلی رانجھنا پیر مناوے نوں
نکل ہنسنی مانسور وچوں چلی موتیاں چوگ چکاوے نوں
چیکاں مار کے مورنی باہر آئی چلی لکا دا باغ ڈھاوے نوں
جٹی ناز انداز نیاز کر کے چلی رُٹھڑا پیر مناوے نوں

حافظ محمد بخش

(1868ء-1922ء)

لاہور کے رہنے والے محمد بخش (حافظ بخش) حکیم گاموں خان کے شاگرد اور خلیفہ تھے۔ 14 برس کی عمر میں چچک کے باعث بینائی جاتی رہی، اس لیے حافظ کہلائے۔ مرغ اور بیڑے لڑانے کا بے حد شوق تھا۔ مشاعروں میں اپنے شاگردوں کے لشکر سمیت آتے اور ٹھاٹھ سے پڑھتے۔ ”سی حرنی ہفت پیکر“ سمیت ”کلیاتِ بخش“ کے نام سے سارا کلام شائع ہو چکا ہے۔

غزل

نیناں والی بندوق تے اج دیکھو ظالم نگہ دی چاہڑ سنگین آیا
آکھے دشمنان دے حملہ ور ہو کے اُتے میں عاشق کترین آیا
مقتل عشق اندر اج خاص کر کے صورت کوئی نہ بچن دی دسدی اے
خنجر ناز کروا میان حسنوں میرے قتل لئی دل سنگین آیا
دھوکھا مہندی دا کھا نہ بھل جائیں بار بار تینوں دلا آکھنا میں
کسے عاشق دے خون تھیں جا پدائے کر کے دست جلا د رگین آیا
دشت عشق اندر طائر روح میرا جس ویلڑے کرن پرواز لگا
ایہدے کرن شکار لئی مار گچھی فوراً دوڑ کے ہجر شاہین آیا

غزل

رو رو عشق محبوب دے وچ چشموں ندی اشکاں دی پئی وگائیدی اے
ظالم ایس فراق دے وہن اندر پے کے چھل تے چھل پئی کھائی دی اے
معتقد جے عشق دا ہیں تو بھی تینوں آکھنا ہاں مقتل عشق اندر
تیغ ناز محبوب دے ہیٹھ گردن رکھ کے حوصلے نال کٹائی دی اے
کم عاشقاں دا ناہیں جوش کرنا ہو خاموش پروانیاں وانگ اپنی
اُپر شمع محبت دے شوق سیتی جان خوشی دے نال جلائی دی اے

سو پٹ شوق دے نوں اگ عشق دے کے کرا کسیر کشتہ پارے نفس دے نوں
 ایہدے جیہی جہان تے ہور ایسی نہ کوئی دلا بوئی کیمیائی دی اے
 خطرہ جان گوا بحر عشق اندر وڑ کے کہن عاشق ویکھو عاشقاں نوں
 لا کے ونجھ محبت دا صبر والی کشتی اس طرح نال ترائی دی اے
 مصری قند نبات نوں وار سٹن او عزیز تیرے شیریں وات اتوں
 بھلن شیر تے شہد دے مزے تیری لذت جنھن چکھی اشنائی دی اے



امام دین منشی

گو جرنوالہ کے استاد شاعر تھے۔ کہا جاتا ہے ایک مرتبہ شاگردوں کو کلام سنارہے تھے کہ ایک
 شاگرد نے پھبتی کس دی۔ منشی صاحب چڑ کر غصے میں آگئے اور اپنی ساری کتاب کو آگ لگا دی۔ جو چند سی
 حرفیاں چھپ چکی تھیں وہی باقی رہ گئیں۔

○

اُہدے کٹاں تے رکھ کے مکھ دونویں میرے قتل دی گل سمجھان زلفاں!
 منشی طور دا اکھاں بچ بھرے جلوہ سوہنے گھڑے توں جدوں چان زلفاں

○

ز۔ زہرہ تے مشتری قطب تارا سُٹاں یار دے مکھ توں وار تے
 آفتاب مہتاب گلاب یارو ہین رخسار اگے شرمسار تے
 بے نظیر تے بدر منیر یوسف جیکر ہندے ہندے خدمت گار تے
 ماہی مرگ گل نرگس امام دینا ویکھ اکھیاں کرن اذکار تے



اُستاد عشق لہر

(1869ء-1948ء)

اصل نام چراغ دین، قلمی نام عشق لہر، لاہور میں میاں خواجہ کے گھر 1869ء میں جنم لیا۔ بالکل ان پڑھ تھے مگر بے پناہ اور اُستاد شاعر تھے۔ تحریک پاکستان کے دوران مسلم لیگ کے جلسوں میں قومی نظمیں پڑھنے کے باعث آپ کو ایک اہم قومی شاعر بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔ پہلے موچیوں کا کام کرتے تھے بعد ازاں درزیوں کا کام سیکھ لیا۔ اوائل عمری میں ہی شاعری شروع کر دی تھی۔

○

نیکی اک ناہیں کیتی وچ دنیا، ایسا غلطیاں دا پاسہ ملیا میں
بھارا بوجھ گناہواں دے نال ہویا، لوکی رہے ہلونڈے نہ ہلیا میں
آیا نزع دا وقت تے وگے آنسو، اگے کوئی سامان نہ گھلیا میں
عشق لہر میں کالکاں کھٹیاں نیں، تائیں منہ لکا کے چلیا میں

○

سوہنی رڑھدیاں گھڑے نوں کہن لگی وے توں کچیا کچ وکھاوناں سی
وے تول خاک دا مرد سیں دس مینوں نال عورتاں دغا کماوناں سی
بانہہ پھڑی دی پئی نہ لاج تینوں لڑ لگی نوں توڑ چڑھانا سی
مینوں روہڑ کے توں بھی نہ توڑ چڑھیوں میرے ساٹھیا ساٹھ نبھانا سی
روہڑے پیا جہاز وجود میرا ناخدا بن کے بنے لاونا سی
ایس ہجر دی کانگ طوفان وچوں مینوں ثابتی نال لنگھاوناں سی!
سوہنی پھیر مڑ اجل نوں کہن لگی توں ذرا تے ٹھہر کے آونا سی
اجے دل دی ستار نوں میل کے تے ایہہ میں گیت پیارے دا گاونا سی
بیٹھوں پار کاہنوں مہینوال جا کے نزع وقت بندی وے آونا سی
عشق لہر ایہہ عشقدا نواں تحفہ پے کے پانی وچ سڑدیاں جاونا سی

عشق عاشقان دے بر خلاف رہنا ایس دس کوئی دلی عداوت غریباں دے نال
مینوں اس طرح دا نیم جان کیتو کھلے کجھ نہ نُسے طیبیاں دے نال
میرے حال نوں ویکھ کے شوخ میرا گلاں کردا سی آپنے حبیباں دے نال
اگے کوئی نہیں بچیا اس مرض وچوں عشق لہروی بچے نصیباں دے نال
○

وے توں میر شکار شکار چڑھیوں تے میں ہیر ساں آہو غزلاں دے وچ
ناقص عقل جلا ہے دے وانگ ہوئی چن ویکھدی پھراں گھمالاں دے وچ
○

سسی وچ تھلاں دے بولی جد روک کھلوتے چھالے
پتہ ہوندا جے دغا کرن گے سُرخ صراحیاں والے
قسم خدا دی کدے نہ پیندی راتیں زہر پیالے
عشق تیرے دیاں لہراں مینوں دے گئیاں دیس نکالے

پاکستان بن تے

باندر ونڈ ونڈی جدوں حاکماں نے بدل گیا اُوہ خوشی دا دیس ساڈا
محمد علی جناح نوں بھیج دتا آ کے کم سواریا ایس ساڈا
جیہڑا ہر گیا ہو یا سی لیڈراں توں اوہو جتیا آ کے کیس ساڈا
عشق لہر مبارکاں لوک دیندے پاکستان بن گیا اے دیس ساڈا



تاراچند گجراتی

(1872ء-1933ء)

تاراچند گجراتی (ٹی سی گجراتی) گجرات کے رہنے والے تھے۔ زیادہ وقت باہر دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی میں گزارتے جس کے باعث والد نے تنگ آکر گھر سے نکال دیا۔ آپ نے راولپنڈی آکر قصے لکھنے اور بیچنے شروع کر دیے۔ پہلا قصہ ”بابونامہ“ ہی کامیاب نکلا اور آپ کو ذریعہ معاش مل گیا۔ 1906ء میں فقر و درویشی کو اپنا اردو نثر میں بھی کئی کتب تحریر کیں۔

○

ت۔ تساں نوں عشق دی سار کاہدی اوہی جان دے جنہاں نوں لگدیاں نیں
اندر اگ فراق دی ساڑ سٹیا بدیاں سر میرے سارے جگ دیاں نیں
شور حاسداں تے طعنے دوستاں دے پدیاں مغز اندر توپاں دگدیاں نیں
کدی عشق نہ لاوندا تاریا میں پر ایہہ بھولیاں صورتاں ٹھکدیاں نیں

○

ز۔ زندگی کیہ اے خاک میری اک گھڑی نہ دل نوں قرار ہووے
بھیڑی ایس جدائی تھیں موت چنگی جے نہ جان ہووے نہ آزار ہووے
کیڑے کراں دربار پکار جا کے نہ میں مراں نہ اوہدا دیدار ہووے
ہر دم رب تھیں ایہہ التجائی سی، مرض عشق دا نہ کوئی بیمار ہووے

○

کھٹے دل ہو جان جے بولیاں تھیں کدی کرن نہ جیہی تاثیر کھٹے
وٹے مونہہ متھا نہ کوئی اوندیاں تھیں بھن دے مونہہ متھا بھالویں نال وٹے
سٹے دموں مکا ونگار کے تے اے پر دم دے کے نہ کوئی کھوہ سٹے
کٹے وانگ ہووے کھا کھا لون جیہڑا ٹی سی حیف جیکر اوہی سیس کٹے

○
 الف۔ ایہہ کیہڑی گل قاعدے دی ہر دم ظلم دی تیج اٹھا رکھنا
 ہوئی گئی گزری گل جان دی دیہہ غصہ کیہہ ایڈا دلربا رکھنا
 جیکر جوڑیئے سبناں توڑیئے نہ سگوں لوڑیئے مہر وفا رکھنا
 اپر تساں معشوقاں دی ذات اندر خبرے منع ہے خوفِ خدا رکھنا

○
 قصہ بابونامہ

کس کس نوں ہُن ملے نوکری اک نہ طالب دو نہ چار
 وگی وا اوئی ایسی وچ ہند دے آ کے یار
 جس نوں ویکھو سروس خاطر تھاں تھاں ہندا پھر دا خوار
 نال نصیباں ٹٹے پٹھے پڑھ لئے جس نے اکھر چار
 ہتھ ہلانا مشکل اُنوں کم کرن وچ سمجھے عار
 جنا کھنا بس پڑھنے کچھے گُرسی منگے وچ دربار
 کس کس نوں ہُن ملے نوکری اک نہ طالب دو نہ چار

اکے تے پڑھیا لکھیا کوئی مشکل دسدا سی بیکار
 اگے تے اتنے ہو گئے ویہلے جس دا کوئی نہ انت شمار
 لگڑے، ماچھی، ڈوم، جلاہے، دھوبی، موچی اتے چمار
 کوٹ بوٹ پتلون پہن کے مارے پھر دے تھاں تھاں یار
 قلی ڈھونڈو اک نہیں ملدا بابو ملدے ست ہزار
 کس کس نوں ہُن ملے نوکری اک نہ طالب دو نہ چار



بھائی ویر سنگھ جی

25 دسمبر 1872ء کو امرت سر میں پیدا ہوئے 1949ء میں ایسٹ پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر آف اور ٹیٹیل لرننگ کی ڈگری ملی۔ 1952ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کے نامزد ممبر مقرر ہوئے۔ پنجابی کے منفرد ادیب اور ابتدائی نثر نگاروں میں سے تھے جن کی کتابیں ”سندری“، ستوننت کور اور بچے سنگھ پنجابی ادب کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ پنجابی شاعری کا مجموعہ ”بھائی ویر سنگھ رچناولی“ 1969ء میں مشرقی پنجاب سے شائع ہوا۔

کہتے ہو

کتھے ہو؟ کو لے ہو!

کوندے نہیں؟

کوندے ہو پر کئیں سد سئندی نہیں!

کتھے ہو؟ کو لے ہو!

دسدے نہیں؟

دسدے ہو پر صورت نین و سئندی نہیں

کتھے ہو؟ کو لے ہو!

ملدے نہیں؟

ملدے ہو پر تن نون دیہہ پٹیندی نہیں

کتھے ہو؟ سوہنے سائیں

کو لے ہو میرے پیارے سائیں

ہو کو لے پر ترف ملن دی

سملیندیاں سملیندی نہیں

○

ہوشاں نالوں مستی چنگی

رکدی سدا اٹکانے

استاد مولا بخش

(1885ء-1945ء)

خرادی محلہ لاہور کے رہنے والے اور استاد مراد بخش کے شاگرد تھے مگر اصلاح عام طور پر اپنے دادا استاد ہدایت اللہ سے لیتے تھے۔۔ کتابوں میں 'شاندار موتی'، 'انودھ موتی'، 'انمول موتی'، 'شکوفہ عشق'، 'بین شہزادی'، 'قصہ مرزا صاحبان'، 'قصہ سلطان محمود'، 'قصہ لیلیٰ مجنوں'، 'چمکدار موتی'، 'موتیاں دا خزانہ'، 'رنگ برنگے موتی'، 'توبتہ النصوح'، 'بھیلی دے بیر'، 'شکوہ جواب شکوہ وغیرہ شامل ہیں۔ تمثیل نگاری اور رمز و کنایہ ان کے کلام کی خاص خوبیاں تھیں۔

○

اول ویکھ توں عشق دے نام تائیں، تے لفظ ایہہ لکھے سمجھاونے نوں
کھلا ع دا منہ ہے قبر وانگوں، جیوندی جان عاشق دے سماونے نوں
دندے شین دے سمجھ مثال آرا، نکتے پر بت دا بوجھ پچاوانے نوں
گھیر قاف دو نکتے وچ آ کے، لبھے راہ نہ جان بچاوانے نوں
جیہڑی کھولھ کتاب میں ویکھناں ہاں، ایہو نکدے نیں شکوے بھرے ہوئے
حضرت عشق لکھ لکھ سلام تینوں، تیرے چھتے درخت نہ ہرے ہوئے

○

اک دن بلبل نوں پچھیا چمن اندر، کر کے گفتگو شیریں گفتار دی اے
عاشق گلاں دی آکھے جہان تینوں، عجب کار ویکھی تیری کار دی اے
برگ گل کھلاریں توں نال پیراں، لا لا کے ضرب منقار دی اے
ہو کے عاشق معشوق برباد کرنا خوبی ایہہ کیہ تیرے پیار دی اے
بلبل کہیا میں گلاں تے نہیں عاشق، ایویں جھوٹھ دنیا پئی مار دی اے
مولا بخش میں اوس نوں ڈھونڈنی آں، بو پھل اندر جیہڑے یار دی اے

○

رہندی چشم پر نم ہمیش میری، پئی وانگ ناسور دے رسدی سی
 ایہہ نتیجہ بس اوہدے پیار دا اے، دامن گیر الفت رہی جسدی سی
 تھکّاں خون تے بُوئے حنا آوے، ہوئی اوہ جو پہلے ای دسدی سی
 مولا بخش اوہو لگی سل مینوں، مہندی یار دی جدھے تے پس دی سی

جانی جو بن دا چھڈ دے مان کرنا سمجھ جا نصیحتاں میریاں نوں
 ہن میں ایہہ نہ آکھاں تے کیہ آکھاں ویکھ ویکھ کے آکڑاں تیریاں نوں
 اچا سرو ہمیش بے پھل رہندا پھل لگدائے نیویاں بیریاں نوں
 مولا بخش گزار دم عاجزی نال برا جاندا اے رب دلیریاں نوں

کیتا عمل نہ زندگی وچ کوئی ایویں رایگاں عمر گنوا بیٹھے
 ہے افسوس کہ کیمیا وقت سارا اسیں خاک دے وچ رُلا بیٹھے
 کوئی ذرا قیامت دا فکر ناہیں خوف رب دا اسیں بھلا بیٹھے
 ویلا ستیاں گیا تے اکھ کھلی پونجی عمر دی جدوں لٹا بیٹھے
 تیر نکل گیا ہتھوں وقت والا تے کویلے دی رہی کمان باقی
 ایس باغ جہان تے وانگ شبنم کوئی دم دے اسیں مہمان باقی

متھرا سنگھ شفیق

آپ کا شمار گوجرانوالہ کے معروف شعرا میں ہوتا تھا۔ گوری ناتھ گوہری کے ہمعصر اور مد مقابل تھے۔ شاعروں میں دونوں اپنے شاگردوں کے گروہ لے کر اترتے تھے۔ بہت سے شاگرد تھے جن میں سے ہانکے دیال نے شہرت پائی۔

م۔ موسم بہار دے جلد آئیو گلشن وچ گلبرگ پئے جھوم دے نیں
 شاہِ عشق نے سرکشی نال کیتے حاضر بادشاہ شام تے روم دے نیں
 تیرے بناں بہار مت ہار جائے پرچے گزر رہے بادِ سُموم دے نیں
 جلد پہنچ شفیق شفیق بن کے عاشق منتظر تیرے قدوم دے نیں



تیجا سنگھ صابر

(پ۔1907ء)

آپ کے والد کا نام نانک سنگھ تھا، نانک پورہ فیصل آباد کے رہائشی اور منفرد انداز کے شاعر تھے۔
پہلی کتاب ”پرچھانویں“ 1942ء میں شائع ہوئی، اس کے بعد بھی کئی کتابیں چھپیں۔

غزل

مینوں ویکھ کے جھومن لگے ساقی وی میخانہ وی
نچن لگے ویکھ صراحی بوتل وی پیمانہ وی
ویکھ کے تتر کھنہی بدلی کون بھلا رہ سکدا اے
میتھوں کھوہ کے پی کے نچے پنڈت وی مولانا وی
ڈگدے ڈھیندے مردے مردے دوای گھٹ بے مل جاون
پھرتے میرے لئی ہے جنت دوزخ دا ویرانہ وی
دو گھٹاں دے کھنہ لگا کے دل اڈاری لاوے جاں
محفل دے وچ نچن لگے شمع وی پروانہ وی
مدہوشی دے اندر ہی میں گل عقل دی کردا ہاں
کرماں دے نال کوئی ہوندا اے دانا وی دیوانہ وی
ٹھیکے اندر بہہ کے اس لئی اس دی پوجا کردا ہاں
جھگڑے دے نیں اڈے بن گئے مسجد وی بتخانہ وی
رنداں اندر رند ہاں پورا سادھاں اندر سادھو ہاں
صابر دی زندگانی لوکو صوفی وی رندانہ وی

بھین

بیٹھی تلونڈی وچ بھین سوہنے ویر دی
زمیں اُتے مڑ مڑ اونسیاں لکیر دی
پوجا پئی اے کردی خیالی تصویر دی
ہنجواں دے ساگر خیالاں نال چیر دی
چونک وچ بیٹھی بیٹھی گلاں کرے مَن نال
رہا کوں میل ہووے چودھیں دے چَن نال

اینے وچ روٹی ویل توے اُتے پائی جا
اگ ہیٹھاں ہوکیاں تے آہاں دی جلائی جا
ایسی کوئی یاد دی چواتی سینے لائی جا
ایہہ بھین آکھ کے تے سُر ت نکائی جا
ویر تینوں تاں جاناں دل دی جے جان کے
روٹی میرے ہتھاں دی جے کھانویں آج آن کے

اوس پاسے توے اُتے روٹی پئی پکدی
بھین شوہدی مڑ مڑ بوہے ول اے تکدی
ہنجواں نوں ٹیر ٹیر سیک پئی اے ڈکدی
بھکھی اے پریم دی نہ تھکدی نہ اک دی
بھلکا جاں توے اُتے ہو گیا تیار اے
کسے کہیا بوہے اُتے ”ست کرتار“ اے



میاں کریم اللہ عاشق

میاں کریم اللہ، گوجرانوالہ کے صوفی حضرت خواجہ محمد عمر کے پوتے اور میاں عبداللہ کے صاحبزادے تھے۔ عالم دین اور صاحب حال درویش تھے۔ مرجع خلائق تھے اور ملنے والوں کے دلوں پر ان کے اخلاقِ حسنہ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ مجموعہ کلام ”گلدستہ عاشق“ کے نام سے شائع ہوا جس میں غزل، نظم اور چومصرعے شامل ہیں۔

○

یارو عجب استاد ایہہ ڈٹھا اے میں جیہدے درس نیں کل خاموشیاں دے
کیا خوب شاگرد عجیب اُسدے کردے یاد جو سبق بے ہوشیاں دے
چھڈ مجلساں گوشیاں وچ بہندے چھڈ کوششاں فکر سرگوشیاں دے
عاشق وچ میخائیاں جام پیون جا ملامتاں اتے نموشیاں دے

○

ہو کے دل دانا جو کچھدا اے عشقوں مزہ اکوار نادانیاں دا
دفتر ہوش حواس دے کچھدا اے قلم نیستی کسب حیرانیاں دا
شرح علم الابدان دی بہت اوکھی ناہیں کم ایہہ کجھ آسانیاں دا
ساری عمر نہ عاشقا طے ہووے ایہہ راہ اوکھا بیابانیاں دا

○

اوس باغ اندر کدوں چور جاوے، جس دے چار چوفیرے دیوار ہووے
مالی باغ دے اوس دیوار اُتے، دتی کنڈیاں دی ڈاڈھی واڑ ہووے
اک اک کنڈا ایسا ڈنگ مارے، جویں زہر آلود تلوار ہووے
عاشق انھیاں نوں کدوں راہ لبھے، جدوں باغ سمندروں پار ہووے



پیر محمد

(1780ء-1847ء)

پیر محمد موضع ”نونان والی“ کا رہنے والا تھا جو کہ گجرات میں ہے۔ آپ نے سکھوں اور مسلمانوں کی آخری جنگ کا نقشہ ”چٹھیاں دی وار“ کے نام سے لکھا۔ پیر محمد چٹھہ رسول نگر (وزیر آباد) کا چوہدری تھا۔ یہ وار (رزم نامہ) پنجابی کی کلاسیکل شاعری کا حصہ ہے اور اسے پہلی مرتبہ 1925ء میں قاضی فضل حق نے شائع کروایا۔ پنجابی میں جو تین رزم نامے معروف ہوئے ان میں ایک شاہ محمد کا ”سکھاں دی وار“ تھا۔ دوسرا نجابت کوی کا لکھا ہوا رزم نامہ ”نادر شاہ دی وار“ تھا اور تیسرا پیر محمد کا لکھا ہوا ”چٹھیاں دی وار“ ہے۔

نمونہ کلام از چٹھیاں دی وار

تے خلقت گوناگوں بھی سبھ مولا پائی تے واری آپو آپنی سب موت لنگھائی
تے لکھی آہی توڑ دی سبھ ہوندی آئی اک پیر محمد نام سی دھن چن دی مائی
رسو لنگر دا چوہدری بھو دشمن کھائی تے خویش قبیلہ آپنا سب بھیناں بھائی
تے اُس دی وچ پنجاب دے سب پھرے دہائی بندہ شاہ اسلام دا با صدق صفائی

مقولہ شاعر

تے ویکھ لکھاں دی چھپری نہ آتش لایئے
○
جے مردا شربت پیتیاں، نہ موہرا دیئے
○
تے گھیو ڈلھا نہ آکھیے، وچ تھالی ڈلھے
○
مت پاڑ اولّا پاڑیئے، نہ جائے سیتا
○
تے ہتھ نہ مولے اپڑے، تھوہ کوڑی دا کھا



شاہ دین

(پ۔1870ء)

آپ نے مولوی قطب دین قریشی کے ہاں سیالکوٹ میں جنم لیا۔ بیس برس کی عمر تک عربی، فارسی، صرف، نحو، منطق اور حدیث و فقہ کی کتابیں اپنے والد سے پڑھتے رہے۔ کچھ عرصہ اسکول ماسٹر بھی رہے مگر زیادہ عمر درویشانہ انداز میں گزاری۔ آپ نے پنجابی کی ٹھوس خدمت کرتے ہوئے عربی اور فارسی کے اساتذہ اور کلاسیکل شعرا کے پنجابی میں انتہائی عمدہ منظوم تراجم کیے۔ ان تراجم میں مثنوی زید الدین عطا، مثنوی بو علی قلندر، مثنوی شمس تبریز، مثنوی گلشن راز، مثنوی مولانا روم وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے اکثر ترجمے چھپے ہوئے ملتے ہیں۔

نمونہ از ترجمہ مثنوی مولانا روم

سن و نخبلی تھیں جیہڑے ویلے سوزتے ساز الاوے
ہجر فراق غماں دے جیہڑے کر کر کے گراوے
جنگل وچوں وڈھ کے مینوں جس دن دے لے آئے
سُن سُن حال میرے نوں رنداں زاہداں حال و نجائے
اوہ دل لوڑاں جو دل ہووے درد فراقوں سڑیا
پھول سناواں تاں میں قصے درد غماں دے اڑیا
اپنے اصلوں دُور دراڈا جس نوں سُنیا جاوے
مڑ مڑ اصل اپنے ول آوے رووے تے گراوے
میں ہر مجلس اندر رو رو کوک دہائیاں پائیاں
نیکاں بُریاں دی صحبت وچ رو رو جھڑیاں لائیاں
آپو آپنی خواہش موافق ہر اک نیڑے آیا
اے پر بھیت دے دا میرے کسے نہ لبھیا پایا



فیروز الدین دلگیر

(1872ء-1897ء)

لاہور کے رہائشی فیروز الدین دلگیر حکیم آغا علی خان کے خاص شاگرد تھے۔ بہت عمدہ لکھتے تھے اور بہت کچھ لکھا لیکن بہت سا کلام چھپ نہ سکنے کے باعث ضائع ہو گیا۔ نمونہ کلام:

س۔ سیاں نے سرخی تے پان چوسے ملیا میں غریب دنداسڑا اے
کویں شوہ دی نظر منظور ہوساں پلے حسن دا اک نہ ماسٹر اے

سینہ گلاں دا ہویا صد چاک سُن کے سختی بلبل تے جیہی صیاد کیتی
توڑ وانگ بادام منقار آکھے ملی سزا کیوں اچی فریاد کیتی
سبزے رحل اُتے مصحف رُخ گھلامیں قربان جاواں لکھن والیاں دے
ابرو بسم اللہ پڑھ کے بسم اللہ عاشق صورتاں دی سورت یاد کیتی
میری عمر گذری مکتب عشق اندر سارا قاعدہ پڑھنا کجا رہیا
نہیں ب دا سبق اُستاد دیندا جد کہ الف دی تقطیع نہیں یاد کیتی
اوہ جو فہم نا فہم دا فہم سمجھن اُسدے فہم نا فہم تے گلہ کیہہ اے
قدر دان دلگیر جو ہین بیشک اوہناں قدر تیری بامراد کیتی

لال اکھیں غصے نال کر کے تے ناحق جھٹک ناہیں سو سو وار دامن
بھلار شک مسیح شربت وصل باجھوں چھڈے کس طرح تیرا بیمار دامن

س۔ سوت کے تیغ میان وچوں وانگ شیر دے گج کے آپیا
خوشی نال میں گردن جھکا دتی سر لٹھ کے زمیں تے جا پیا
ٹھنڈا ہون نہیں دیندا تڑفاوندا اے قتل ہوونے دا مینوں چا پیا
عزرائیل دلگیر دا ویکھ جگرا ڈردا کرے خُدا خُدا پیا



محمد الدین سوختہ

(1876ء-1944ء)

آپ احمد بخش کے ہاں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ والد امرتسر میں داروغہ تھے۔ جوانی سے شعر و شاعری کا شوق تھا۔ بہت کچھ کہا جس میں سے قصہ ہیر رانجھا (400 صفحات) شائع ہو چکا ہے۔

○

الف۔ اللہ دی ذات دے وچوں اکو الف نکھیڑیا میں
مُرشد کن وچ پھوک جاں ماری جھگڑا کل نیڑیا میں
انحد دا آوازہ آیا تھاں جاں دیگ تے بھیڑیا میں
شاخاں سوختہ ہوئیاں ہوئیاں کھوہا آس جاں گیڑیا میں

○

ب۔ بیٹھ کے شاخ امید اُتے ہس کھیڈ کے بلبل گزار گئی
چند روز دی زندگی سمجھ فانی گلاں نال کر خوب پیار گئی
آئی خزاں تے باغ ویران ہو یا رو رو کہے ہن کتھے بہار گئی
اوڑک قفس دیاں تیلیاں توڑ بلبل تن تھیں سوختہ جان سدھار گئی

قصہ ہیر رانجھا

رانجھے دل دے نال وچار کیتی کیویں ہیر دے ملن دا ڈھنگ کریئے
جیہڑا راہ سدھے سانوں پا دیوے ایسے نال کسے انگ سنگ کریئے
ایسی اپنی شکل بدلا لئیے نواں اپنا کوئی روپ رنگ کریئے
ہر دم مست مستانڑے گیت گائیے کوئی ہور ناہیں نشہ بھنگ کریئے
کسے گورو دے پہلوں جا پیر پھڑیئے پچھوں نال اوہدے خوب جنگ کریئے
اک گھڑی آرام نہ لین دیئے بات بات اتوں اُس نوں تنگ کریئے
کرامات اوہدی ساری کھوہ لئیے اوہنوں رڑے بہال کے ننگ کریئے
مطلب اپنے کدی نہ سدھ ہوون جیکر سوختہ جگ توں سنگ کریئے

ہیر
 تینوں آکھیا سی نیونہہ لان ویلے ڈونگھے پانی دے وچ نہ پیر پائیں
 رکھیں آپنی زبان نوں وس اندر جھوٹھی فوجیاں والی نہ قسم کھائیں
 جیہڑا سدا بہار ہی رہے دیندا خوشبو دار جا کے کدروں پھل لائیں
 جیہدا کوئی کنارہ نہ نظر آوے اس جگہ اتے جا کے خوب نہائیں
 جنھاں جگہ توں آیا ہیں ویکھ جا کے تیرا کوئی نشان ہے اوس تھائیں
 ساڈی سوختہ نگہ دے وچ وڑ کے ویکھیں کتے اداس نہ ہو جائیں

جواب رانجھا

ہیر فکر نہ کر کسے بات دا توں تیرے نام اتوں اپنی جان دیساں
 ایویں ہو چھیاں والی نہ گل کرساں سوچ سمجھ کے تینوں زبان دیساں
 آپنا دل دے ساں آپنا جگر دے ساں آپنی ہستی دا سارا سامان دیساں
 پھر ہند دی رسم ادا کرساں ایویں سوختہ نوں ناہیں پان دیساں

سائیں محمد حیات امرتسری

(1876ء-1933ء)

امرتسر کے رہائشی حمد حیات وارث شاہ کے حافظ تھے اور کہتے تھے کہ میں خواب میں وارث شاہ کا
 شاگرد ہو چکا ہوں۔ دُور دُور سے لوگ ہیر وارث شاہ کی تشریح پوچھنے کے لیے ان کے پاس آتے تھے۔

قصہ مختصر سنو کن دھر کے تے بہتی نہیں لمبی واردات میری
 ہاڑ ہیٹھ تے لو اوں سیال اُتے، کمبل اک وچ گزر جائے رات میری
 کھانواں رب داسواں زمین اُتے، اس طرح دی بسر اوقات میری
 کُتا نفس حیات نہیں صبر کردا، ملے روز جو ہووے برات میری



دھنی رام چاترک

(1876ء-1954ء)

نام دھنی رام۔ پہلے ہر دھنی تخلص کیا پھر چاترک۔ والد کا نام پوہلو مل۔ ضلع سیالکوٹ میں جنم لیا۔ غربت بہت عرصہ ساتھ رہی مگر آپ پریس سے وابستہ ہو گئے اور لاہور، امرتسر میں اچھا کاروبار کیا۔ 1931 کے بعد ان کے حالات بہت بہتر ہو گئے۔ اس سارے سفر کے دوران انھوں نے پنجابی کی خدمت جاری رکھی اور بہت کچھ لکھا۔ نثر میں بھی اور شاعری میں بھی۔

دُنیا دارنوں

پیٹ دے پُجاریا او رب دیا جھوٹیا بھٹھ وانگ بھکھڑا بھڑولے وانگ موٹیا
اگے توں اگیرے ہتھ حرص داودھانا ایں پانی اُتے تیل وانگ پَسردا ای جاناں ایں
رب جانے کیڈا تیری حرص دا منارا اے کتھے تیری کامناں دے سندھ دا کنارا اے
جیہڑا تیرے لاگے لگا اوہو گیا رنگیا چسکیاں دے ناگ نے قبیلہ سارا ڈنگیا
تینویں اے تے فیشناں دے تھلے گھٹی ہوئی اے بھولی بھالی دیوی دی توں آب رول سٹی اے

میلے وچ جٹ

توڑی تند سانجھ ہاڑی وچ وٹ کے لمبڑاں تے شاہاں دا حساب کٹ کے
میںہاں دی اڈیک تے سیہاڑ کڈھ کے مال ڈھانڈا سانجھنے نوں چوہڑا چھڈ کے
پگ جھگا چادر نوں سوانیکے سٹاں والی ڈانگ اُتے تیل لائیکے
چھے مار وچ جھلی آنند چھا گیا مار دا دماے جٹ میلے آ گیا



عبدالقادر دانشمند

(1874ء-1934ء)

امرِ تسریں پشمینے کا کام کرتے تھے۔ 20 برس کی عمر میں شاعری شروع کی۔ باذوق اور میل جول والی شخصیت تھے۔ کبت ابیات اور عمدہ چومصرعے لکھے۔

دُده گڑھک باجھوں شیر بڑھک باجھوں رستہ سڑک باجھوں سدا سارناہیں
گڈی ڈور باجھوں، دھاڑا چور باجھوں مُردہ گور باجھوں کسے کار ناہیں!
انجن ریل باجھوں، دیوا تیل باجھوں، جنج میل باجھوں نمودار ناہیں!
دانش عقل باجھوں، سوہنا شکل باجھوں، بھنڈ نقل باجھوں، روزگار ناہیں!

○

ع۔ عاشقان دا سخن سچ یارا کدی ہوندا نہ تولیوں ماسٹرا اے
جس حد تے عاشق کھلو جاندے دیندے سر نہ چھڈدے پاسٹرا اے
مجنوں گیا جد لیلیٰ دے در اُتے لیلیٰ بھٹیاں اوسدا کاسٹرا اے
دانشمند داناواں نے سچ کہیا چڑیاں موت گواراں دا پاسٹرا اے

○

دانشمند داناواں نے سچ کہیا زخمِ عشق نہیں مٹ داقبر توڑی

○

گوری ناتھ

(1863ء-1908ء)

گوجرانوالہ کے رہائشی جے دیال کے بیٹے اور پنڈت کالیداس کے بڑے بھائی تھے۔
د۔ دلا تھدھ پاس ثبوت کامل تینوں غمی کیہہ راز شمار والی
دل دے داغ دا رہیا چراغ روشن بل بل بجھ گئی شمع مزار والی
دامن غیر کیہہ مُنکر نکیر ہوسن بغل وچ تصویر ہے یار والی
گوری ناتھ آپے پلہ صاف کرسن سُن تقریر اوہ عاشق زار والی



امیر علی

(1877ء-1941ء)

امیر علی، محمد نصیر کے ہاں ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ جوان ہوئے تو سیر سپاٹے کے لیے اصفہان اور سعودی عرب چلے گئے۔ چار سال بعد آئے تو ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ پھر نوکری چھوڑ کر قصے لکھنے اور بیچنے شروع کر دیئے۔ قصہ ”کرتوت دنیا دی“ 212 مرتبہ اور ”زندہ دل زمانہ“ 214 مرتبہ چھپا اور ہزاروں کی تعداد میں چھپا۔ کتب امیر علی بھی بہت مشہور ہوئے۔ 512 صفحات پر مبنی ایک جنگ نامہ (مرثیہ) بھی لکھا۔

○

کنجری داچت برا، جھولی چک مت برا، گڑم آیانت برا، جھوٹ نہیں میں ماردا
سود والا پھیر برا، ہتہ دلیر برا، عورتاں متیر برا، عزت اُتاردا
ویر پیا نائی برا، بھین گھر بھائی برا، سوہریاں جوئی برا، لعنتاں سہاردا
امیر علی خار برا، ٹکڑ بوج یار برا، نیچ دا پیار برا، جگ جے پکاردا

○

”ایہی گھگھو“ کا ایک بند

سرد خشک افیم دے چار درجے معدے دل دماغ نوں جکڑ دی اے
گھوکی چاہڑ اعصاب کمزور کردی قبض نال انسان نوں رگڑ دی اے
باہ کرے تباہ نہ چا چھڈے بیوی نال ہنوریاں جھگڑ دی اے
امیر علی افیم صیاد وانگوں چھڈے نہیں زندہ جتھوں پکڑ دی اے

○

امیر علی لکھ عاقل چا تر کھان دھکے تے رُلدے
سونا پھرن تے ہو جائے مٹی نال ککھیاں دے ٹلدے
جھل وللیاں کملیاں دے سر چھتر آساں ڈٹھے جھلدے
بے پرواہیاں رب سچے دیاں ہوئے باز قیدی بلبل دے

ملکھی رام ملکھی

(1883ء)

ملکھی رام گلاب مل کے گھر لاہور میں 1883ء میں پیدا ہوئے۔ 12، 13 برس کی عمر سے ہی شاعری کا شوق چرایا اور بے شمار چھوٹے بڑے قصے کہے۔ شہادت امام حسین پر مبنی ”بارہ ماہ پانی“ بہت معروف ہوا۔

○

الف: ایس جہان دریا اندر لہراں موت دیاں رنگ لایا اے
لکھاں کشتیاں ڈُبیاں ایس اندر تختہ اک وی باہر نہ آیا اے
ہونجھ لا کے تے قسمت ہار گئے انت کسے ملاح نہ پایا اے
ملکھی کنڈا نہ پار دا کسے ڈٹھا تارو عالماں زور لگایا اے

○

ر، رنگ زمانے دا ویکھیا میں دنیا حرص دے دھاگے وچ بچھی ہوئی اے
ہر اک آکھدا میں مالدار ہوواں چوٹ ایس گل دی سبھ نوں وُجی ہوئی اے
بھلا اوس نوں کس طرح پھل لگے ٹہنی جیہدے نصیباں دی بچھی ہوئی اے
ملکھی بکھے دے بھائیں جہان بکھھا شاہو کار کہندے دنیا رچی ہوئی اے



سو بھارام شرف

(پ 1879ء)

نام سو بھارام، تخلص شرف، امرتسر کے رہائشی۔ پہلے شنکر داس شنکر کے شاگرد ہوئے پھر منشی محمد دین سوختہ سے اصلاح لی۔

○

د۔ دل داتا سخی وانگ حاتم دُنیا ہتھوں نہ سرے تے کیہہ کراں میں
ایسا رکھا نصیب کہ ول میرے کدی نگہ نہ کرے تے کیہہ کراں میں
حسرت کھڑی رووے دریا کنڈرے تے دُبا بخت نہ ترے تے کیہہ کراں میں!
داڑھاں ہلیاں وال سفید ہوئے شرف نفس نہ مرے تے کیہہ کراں میں

○

ب۔ بت نوں پُوج میں بُت ہویاں ہوئی اے نہ گل وصال دی اے
برہوں اگ فراق دی وچ سینے لگی بُجھے ناہیں ہڈ بال دی اے
کدی رووناں تے کدی ہسناں ہاں حالت عجب ایہہ میرے خیال دی اے
کدی ماہر ووی لکھنا یاد اندر صفت زلف دی تے شرف خال دی اے

○

ج۔ جگرے ہوئے میں یار ولے قاصد سکھ سنیہوڑا گھلیا ای
نازک وال سفید سرفقت پیری میرا نال غماں ہو چلیا ای
اگ دند داڑھاں دوجی وار پئے لگا نخل امید نہ پھلیا ای
شرف شب تار یک گناہ ہوئے دن نفس دو پہر نہ ڈھلیا ای



مراد بخش مراد

(1881ء-1908ء)

لاہور کے رہنے والے لوہار تھے۔ سردار لاہور سنگھ کے شاگرد اور عمدہ بیت باز۔ 27 برس کی عمر میں وفات پائی۔

○

یار بانکا جاپے سُرخ اکھیں جویں پنتلیاں لال لباس پایا
دل سہکدا اے ویکھاں کویں سجن ڈیرہ ڈوتیاں نے آس پاس پایا
تیرا یار ناراض ہے تده اُتے میرے جیو لوکاں ایہہ وسواس پایا
جھوٹے عاشقاں ملے مراد ناہیں اسماں سخن محبوب دا راس پایا

○

ل۔ لاج سبھ آساں دی ہے تینوں پیدا کرن والا بخشہار ہیں تُوں
آساں نال یقین دے نیاں اے اوکھے ویلڑے داند دگار ہیں تُوں
سبھ کرن سوال دربار تیرے آساں جانیاں سچی سرکار ہیں تُوں
مراد بخش کہے دلوں پُکار کر کے مالک سب دا پروردگار ہیں تُوں



حاجی محمد صفوری

(1880ء-1934ء)

حاجی محمد صفوری علاقہ عبدالحکیم ضلع خانیوال میں 1880ء میں حضرت خواجہ اللہ بخش کے گھر پیدا ہوئے جن کا تعلق پانچویں پشت میں مائی صفورہ سے جاملتا ہے جو اس علاقہ کی برگزیدہ خاتون تھیں۔
حاجی محمد صفوری ایک عالم فاضل شخص تھے۔ دینی تعلیم مقامی مدرسوں سے حاصل کی۔ جوانی میں ایک خوبصورت غریب گھرانے کی لڑکی سے پیار ہو گیا۔ آپ نے اس خاتون سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو خاندانی عزت و منصب اڑے آگئی۔ اس کی وجہ سے دلبرداشتہ ہو گئے اور عشق مجازی سے عشق حقیقی کی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے مختلف مکاتب فکر کے صوفیاء کرام سے روحانی فیض حاصل کیا۔ بالآخر حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف کے مرید بنے۔ ان سے روحانی درس حاصل کرنے کے بعد عبدالحکیم میں آکر لوگوں کو دین کا درس دینا شروع کر دیا۔ آپ نے قصہ سسی پنوں لکھا اور چومصرعہ شاعری میں کمال فن دکھایا۔ ”سسی پنوں“ کا قصہ صاحبزادہ یوسف طاہر نے مرتب کر کے آئینہ ادب لاہور سے پہلی بار 1972ء میں شائع کرایا۔

○

نو لکھے وچ ستیاں ستیاں ڈھلّ پچھانواں جاسی
حُسن جوانی جو بن فانی بھلک پرے تھی باہسی
سُک جاسن ایہہ باغ حُسن دے پکھی ہون اُداسی
حاجی محمد گلشن تیرا ڈھپ لگیاں گرما سی
پلّ وساہ نہ ساہ داسیے بھٹھ بھڑواہ حُسن دا
پنجرے پیا مسافر پکھی رکھے شوق اُڈن دا
اُڈ جاسی ایہہ پنجرے وچوں طوطا دُور وطن دا
حاجی محمد دل تے رکھیں نام نشان سجن دا

دوہڑہ

ایہہ جگ جو بن چار دھاڑے پل دا نہیں بھرواسہ — کوڑ دلاسه
دولت دنیا مال خزانے چھوڑ جاسیں کر پاسہ — بے وسواسہ

ہتھ مُنہ خالی کوچ کر یسیں ہتھ وچ خالی کاسہ — جان نہ ہاسہ
حاجی محمد یاد خدا کر یاد بناں نہیں آسہ — رتی ماسہ

کلام پُتوں

نہ کر مان تکبر سیے نہ کر ایڈے مانے
حُسن جو بن دو زل مل آئے تیرے کول پراہنے
وڈے ویلے ایہہ ٹر جاسن نت نہیں ایتھے راہنے
حاجی محمد ہک دن جاسیں چھوڑ بھنہبور ٹکانے
نہ کر مان حُسن دا سیے نہ کر ہاسے ٹوکاں
نت نہ مار مسافر پاندھی ناز دیاں دے چوکاں
یاد نہیوں میعاد حُسن دی چار دیہاڑے جھوکاں
چھوڑ شتول ہتولے سیے چھوڑ رناں دے چالے
چھل ول نال نہ ریجھا مینوں مکر تساڈے اعلے

○

بنیسر یار دا موتی ہونواں، نک ماہی دے جھلاں
لٹک لبان تے رنج رس پیواں لواں پریم دی حلاں
یار ہسے تاں کھڑ تڑ جانواں وانگ شگفتہ بھلاں
حاجی محمد کرم سجن دا مردیاں تیک نہ بھلاں

مقولہ شاعر

عیب جوئی نہ کریں کدی، نہ اُچا بول الانویں
عصمت اُتے حرف نہ رکھیں مت خود سٹیا جانویں
مت مالک ناراض ہو جاوے باز تکبروں آنویں
حاجی محمد عاجز بن کے نیواں ہو پھل پانویں

جواب سسی

کوئی نہ جمیا موڑن والا حق تقدیر خدا دی
کدی نہ پاسے ہووے مائی لکھی قلم قضا دی
جو گھڑیا سو بھجسی آخر ریت ایہا ڈھ لا دی
حاجی محمد ہک دن مرنا دنیا جھوک فنا دی

دوہڑہ

نکڑی ہوندی یار نوں سُنیا عمر آہی ست سالوں — پیم خیالاں
آتن جانواں، من پرچانواں، پائیں ہمیشہ فالوں — بیٹھ سنبھالاں
مدتاں بچھوں ڈھولن آیا بہت ہویم خوش حالاں — وقت وصالوں
حاجی محمد چھڈ گیا ستیاں ویکھ میرے احوالاں — بد اعمالوں
کچوں کوچ کریم کیتا قدم پایا ابدالوں — نیک خصالوں
سسی وی ول کھسی پل وچ مٹھی چنچل چالاں — جگ مقالوں
آ بھنبھور تتی نوں ملیا گھت گیا جال جلالوں — تھل جھل بھالاں
حاجی محمد لا کے یاری واپس مڑن محالاں — نمک حلالوں



پنڈت دولت رام

(1880ء-1935ء)

پنڈت دولت رام، پنڈت صاحب دتہ کے گھر لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد بچوں کو پڑھاتے رہے، 1904ء قصہ رُوپ بسنت لکھا۔ 1908ء میں پورن بھگت اور 1911ء میں راجہ سریال کے نام سے قصے لکھے۔ اس کے علاوہ بھی کئی تصنیفات چھوڑیں۔ قادر الکلام شاعر تھے۔

قصہ حقیقت رائے

بُھل جیہا لکھ دُکھ دور کرے بھوریاں دے دیکھ کے پنکھ تاب کوئی نہیں جھلدا
مٹھے مٹھے بول گھول قندنوں پلاوند اے پاوے کون مل اُہدی اک اک گل دا
ویکھ ویکھ ناریاں کرن گلاں ساریاں جی نکا بال سانوں گلاں نال جھلدا
دولتا انیک لوک جمع ہندے ویکھنے نوں جاوند بازار جاں کہاں بھاگ مل دا

قصہ پورن بھگت

رانی آکھدی سبھے میں جانی ہاں پنناں رام دردی کوئی ہور ناہیں
جیہڑی بنی سو سبیس تے کٹ لیتی کوئی نال بھگوان دے زور ناہیں
اک وار گھمیار جو گھڑے بھانڈا رہندا سدا اوہ نوال نکور ناہیں
کئی ہو گئے وید جہان اُتے جوڑی کسے حیاتی دی ڈور ناہیں
کس آسرے عمر گزار ساں میں دوجا بال میرے گھر ہور ناہیں
دولت وانگ جسو دھائے مراں گی میں ملنا پرت کے نند کشور ناہیں

قصہ روپ بسنت

دل دے وچ وزیر نے خیال کیتا متاں ہو رہ نہ کوئی کلکیش ہووے
اوتھے گیان وچار دی لوڑناہیں جتھے کرودھ دا آن پردیش ہووے
راجہ، اگن، جل، جوگرہ، چار جیہڑے اُلٹی چواں دی ریت ہمیش ہووے
گلاں نال نہ راجے نے سمجھناں ایں پتھر جوڑنا نال سریش ہووے
متاں کنور دی اچھیا کرن لگا راجہ مجھ نوں سپ دی نیش ہووے
صبر چُپ کر کے مَن مار بیٹھا بھلا کیتیاں بُرا نہ پیش ہووے
دولت رام جی کنور ہُن بچن تاہیں جیکر دیال بھگوان ہمیش ہووے

قصہ راجہ سریال

ماتا آکھ دی بچھ نہ حال بچہ چاہے چت نہ گل سناونے نوں
آیا اک پردیس دا سادھ کوئی تیرے پتا دا دھرم گواونے نوں
آیا سادھ نہ کوئی اپا دھی آیا تیرا ماس منگدا بھیٹ کھاونے نوں
کویں چت چاہے ساڈا مایاں دا تیری جنڈ دے مار مکاونے نوں
کیستی آج بھگوان نے نظر پٹھی ساڈی انس دا تخم مٹاونے نوں
اگ موت روپی آج بھڑک اٹھی ساڈا تیاں دا دل تاونے نوں
اچن چیت تقدیر دا تیر چھٹا تیری جنڈ دے بچہ مکاونے نوں
دولت رام ایسے طرح لیکھ ساڈے میٹے کون بھگوان دے بھاونے نوں



بانکے دیال

(1880ء-1929ء)

اصل نام پر بھدیال المشہور بانکے دیال، والد کا نام لالہ میا داس تھا جو گوجرانوالہ کے رہائشی مگر والد جھنگ میں تھانیدار تھے۔ خود بھی پولیس اور محکمہ انہار میں ملازمت کی جو زیادہ دیر نہ چل سکی۔ آپ نے کافی کلام لکھا۔ 1908ء میں لائل پور (فیصل آباد) میں ایک بڑے جلسے میں اپنی نظم ”پگڑی سنبھال او جٹا پگڑی سنبھال اوئے“ پڑھی جو بے حد پسند کی گئی اور اس نظم کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیلی۔ تحریک آزادی کے دوران کئی مرتبہ جیل کاٹی۔ اخبار بھی نکالا اور صحافت میں بے باکی اور شاعری میں عصری موضوعات کو جگہ دے کر نام کمایا۔ جولائی 1929ء میں سیر کے لیے کشمیر گئے اور وہیں انتقال ہو گیا۔

○

رل کے بیٹھیاں وچ بھنڈار گڑیاں تنجن کت گویا پر جھلیاں نیں
چرنے چکے ترکلے ول پے گئے گھٹے نال رلائیاں چھلیاں نیں
لوکی کرن مخول تے دین طعنے لئو جی کت کے گھراں نوں چلیاں نیں!
چنگیاں بھلیاں گڑیاں پئیاں گاؤندیاں نیں گلاں کیتیاں جھل وللیاں نیں
کتن گئیاں آپس وچ لڑائیاں چنگا ساتھ نبھایا کولیاں نیں
کیتا تئبیا جنھاں دا گیا ضائع اوہ آج رون بائیں کر کر کھلیاں نیں
مل دا ہے انار انگور مہنگا تراں پھٹاں مل جان سولیاں نیں
ہندی جاندی اے آپ زبان مٹھی میرے شعر مصری دیاں ڈلیاں نیں

○

ساہنوں پتہ نہیں سی انج ہو جاونا ساڈیاں کوکاں ساڈا کجھ نہ بناؤنا
کاہنوں کر دے ایڈے جوش تے اباں او پگڑی سنبھال جٹا پگڑی سنبھال او
ساڈیاں گلاں گئیاں بھو دے مل او جاتانہ ساہنوں ساڈے لاٹ نے بھل او
کیتا نہ کسے ساڈے دکھ دا خیال او پگڑی سنبھال جٹا پگڑی سنبھال او



بھگوان داس المست

(پ1882ء)

بھگوان داس المست، لالہ میا داس کے گھر 1882ء میں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ لالہ بانکے دیال آپ کے بڑے بھائی تھے۔ آپ بھی پہلے محکمہ نہر میں ملازم ہوئے مگر پٹواریوں کی ہڑتال میں شامل ہونے کے باعث نوکری چھوڑ کر گھر آگئے اور اپنے بڑے بھائی کے اخبار میں کام شروع کر دیا۔ پانچویں جماعت سے شعر کہنے شروع کر دیے تھے۔ سیاسی، مذہبی اور سماجی موضوعات پر شاعری کی۔ ایک طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

○

میری نظر شاید دھوکھا کھا گئی مل ل اھیاں نوں پھیر تکتیا میں
مینوں کہے میں چاننی رات ویکھاں ایہہ سمجھائے کے دلے نوں ڈکیا میں
نکتہ چین دل سمجھدا ممول ناہیں اسدی ایس عادت توں آکتیا میں
دل نے فتح پائی ضمیر اُتے آخر بولنوں رہ نہ سکیتا میں

اُچی بول کہیا کپٹی دس مینوں ایہہ سیہہ جھوٹھ پکھنڈ کھلاریا ای
تیرا دل کالا مینوں نظر آوے اُتے نور والا دسر دھاریا ای

او بد بخت نکتہ چیں ہوش کر کجھ نیک پاک توں آپ نوں جاننا ایس
پھولا آپنی آپنی اکھ دے وچ تیرے میرے دے داغ پہچاننا ایس
میرے اپنے لئی ہین داغ میرے لوکاں لئی میرے کول چاننا ایس
تینوں لوڑ سیہہ پئی اے پکھنے دی میری چاننی دی موجاں ماننا ایس

داغاں میریاں دا تینوں دُکھ کاہدا چانن دیاں تینوں موجاں مان بیٹھا
آپنے فرض نوں پورا نبھاوندا ہاں شاہد ایس دا کل جہان بیٹھا

بڑے بھائی بانکے دیال کی وفات پر مرثیہ

شیراں والڑی بھبک جو ماردا سی اوس مُنہ نوں جندرے وِج گئے
ہُن نہ کدی سٹیج تے آوسن گے جتنا گجناں سی اُتنا گج گئے
ملک عدم دے سفر پے گئے راہی پا کے نرا کشمیر دا پچ گئے
جِنھّاں عمر دا ساتھ نبھاونہ سی ساڈا ساتھ تروڑ کے اج گئے

بھائی بھائیاں دا مٹّڑ مٹّڑاں دا، مڑ اج مات پنجاب دا لال گیا
سب کجھ دیس توں گھول گھمائے کے تے مڑ اج آپ بھی بانکے دیال گیا

بھیناں روندیاں آکھ کے ہائے ویراماتا آکھے کیتھے میرالال رووے
بھلا گل کیہہ کہاں سمبندھیاں دی گوجرانوالڑے دا بال بال رووے
تیریاں کیتیاں یاد کر کر تینوں اج کون نہ بانکے دیال رووے
دیواں دل نوں دھیر پر دھیر کتھوں میرا جسم سدا وال وال رووے

بھائی اٹھ پئی کانگرس ہند دی آ، تیرے کم دا پیا میدان خالی
تیرے باجھ اج بانکے دیال مینوں پیا سدا اے کل جہان خالی



عزیز خاں شرم

(1886ء)

امر تسر کے رہائشی عزیز خان شرم، بابو کرم امر تسری کے شاگرد اور انتہائی با محاورہ اشعار کہنے والی شخصیت تھے۔ اپنے اشعار میں کوئی نہ کوئی محاورہ یا ضرب المثل ضرور استعمال کرتے تھے۔ ڈاکٹر شہباز ملک نے پنجابی ضرب الامثال کی جو تازہ ترین کتاب شائع کی ہے اس میں اکثر ضرب الامثال کی تفہیم کے لیے ان کے مصرعے یا اشعار شامل کیے ہیں۔

○
اچھا دشت وچ کراں گی گذر جا کے تے میں نہیں ایتھے اوصیاد رہندی
رہندی چمن وچ ہندا احسان تیرا بھانویں قید رہندی یا آزاد رہندی
خزاں آ کے کرے ویران گلشن چند روز ایہدی ہے بنیاد رہندی
غرض کسے وی اٹک دی شرم ناہیں وقت بیت جاندا اے گل یاد رہندی

○
رڑھدے پانی دے بلبے وانگ بیبا لگھ گیا ہے عہد شباب تیرا
وکن ہٹ پساری تے جا پھنچا آج وانگ سنبل پیچ و تاب تیرا
لٹاں قبر اندر نیت ابر اندر توبہ شکن ہو گیا خطاب تیرا
ہن تے شرم کرتوں لوکی آکھدے نے دھولی داڑھی تے آنا خراب تیرا

○
ساڈے راہ وصال وچ کدوں تیکر دس ہجر دے نانگ نے شوکناں ایں
اوکھے وقت بے ناں شرم کم آیوں دس عید پچھوں تنبا پھوکنا ایں

○
اوہ جو دسدیاں ڈھیریاں جتھے ککھ پئے
او تھوں کوئی نہیں آوندا ایتھوں لکھ گئے

○
مثل سچ دانا ایہہ شرم کہندے ہاتھی وانان نال دوستی بُو ہے بھیرے

○
ٹو قسمت دا ملیا کمزور شرم آگوں کھچدے تے پچھوں دکھنے ہاں

گیانی ہیرا سنگھ درد

(1889ء)

ہیرا سنگھ درد، بھائی ہری سنگھ کے ہاں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ تیسری جماعت سے شاعری شروع کر دی۔ پہلے ڈکھیا تخلص کرتے تھے، 1918ء میں درد تخلص اپنایا۔ سکول میں ماسٹری کرتے رہے۔ 1924 میں گورکھی میں پنجابی کا معروف رسالہ ”پھلوڑی“ نکالا۔ آپ کی سیاسی نظموں کی خاصی دھوم رہی۔ اس کے علاوہ بھی بہت عمدہ نظمیں لکھیں۔ 1925ء میں پنجابی سبھا کی بنیاد رکھی اور سکھوں میں اہم شاعر ہیں جن کی سیاسی نظموں کی دھوم مچی۔

واہ سجن

جے میں بھور ہوندا تاں میں سمجھ لیندا توں بس بھل دے وچ ای وسدا ایں
جے پتنگ ہوندا تاں میں ایہو کہندا توں ہی لاٹ بن کے پیا ہسدا ایں
جے میں ہرن ہندا تینوں ناد کہندا بن کے راگ میرا دل کھسدا ایں
ہندا جے پیہا تے سمجھدا میں توں ہی پیا اسمان توں وسدا ایں
اپراہناں دے وچوں میں کوئی بھی نہیں تاہیوں سہارے ہی پیا ٹولدا ہاں
کدی بھل سٹنگھاں کدی لاٹ ویکھاں دھراں کن تے کدی منہ کھولدا ہاں

ہورا گے

جد تیک بوند لہو دی اک وی ہے میرے تن وچ
جد تیک ناڑ اک وی ہلدی اے اس بدن وچ
جد تیک پھرنا اک وی پھر دا اے میرے من وچ
جیوندا میں اس لئی ہاں میری ہے رُوح وطن وچ
اک وار وطن آپنا آزاد کر دکھاں گے
اگے ای اگے جاں گے کچھے نہ پیر پاں گے



عبدالرحیم عاجز

(1896ء-1953ء)

امر تسر کے رہائشی عبدالرحیم عاجز معمولی پڑھے لکھے تھے۔ سیاسی جلسوں میں عوامی شاعری کرتے اور خوب داد پاتے۔ سید عطا اللہ شاہ بخاری سے خصوصی تعلق رہا۔ جیل بھی کاٹی۔ شاعری میں وطن کی محبت نمایاں ہے۔ یکم مئی 1953ء کو تیل کے کاروبار میں خسارہ ہونے کے باعث خودکشی کر لی۔

آزادی

دُنیا اُتے آزادی جہی چیز کیہڑی جس نوں قدر نہیں اوہ انسان ای نہیں
اس دی خواہش توں جو محروم ہووے اہدے جیہا کوئی پاگل نادان ای نہیں
اوہ کیہہ قدر آزادی دی جان دے نیں جنہاں سکھیا ٹھہوں غلام رہنا
او نادانوں آزاد جو ہین قوماں ہتک مجھن اوہ تساں دا نام لینا
اپنی ہندی رُسوائی نوں ویکھ کے تے تہانوں آوندی ذرا بھی آن ای نہیں
کسے بلبل نوں گلشن تھیں پکڑتیں رکھو سونے دے پنجرے پا کے تے
جگہ چھولیاں دی بھانویں دیو موتی وچ بھتی دے تسیں ملا کے تے
ناممکن اے لالچ وچ آن کے تے آکھے نفس نوں ایہہ زندان ای نہیں
پودا کوئی زمین وچ لا رکھو کویں نال آزادی دے بڑھ دا اے
پھیلے اس طرح نال زمین اندر پتہ لگے نہ اوس دی جڑھ دا اے
اوسے تائیں وچ گملے لا رکھو رہندا اوہدا پھر مان تران ای نہیں
دُنیا اُتے آزادی جیہی چیز کیہڑی جس نوں قدر نہیں اوہ انسان ای نہیں



ایشتر سنگھ ایشر

(پ۔1892ء)

ایشتر سنگھ، چوہدری ڈھیرا سنگھ کے ہاں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ گارڈن کالج راولپنڈی میں فرسٹ ایئر میں داخلہ لیا مگر صحت کی خرابی کے باعث پڑھائی چھوڑ کر ڈاک خانے میں کلرکی کر لی۔ 1953 میں دلی چلے گئے۔ پہلے اردو میں پھر پنجابی میں شاعری کی۔ بعد ازاں مزاحیہ شاعری میں کافی مشہوری حاصل کی۔ کئی مجموعے شائع ہوئے۔ نظم ”پریم“ کے کچھ شعر:

○

دل لو کی سمجھ بیٹھے لون ہے پساری دا کچ دا ہے چھلہ یاں ہے سودا نیاری دا
سمجھ لیا لوکاں ایہنوں داؤ ہے جواری دا عشق لوکاں جاتا اک جھڑ لو ہے مداری دا
جب کے تے سٹ دتا پتہ جویں پان دا پریم لوکاں سمجھ لیا عرق گاؤ زبان دا
سچ کہواں پریم کیہ اے پھانسیاں تے سولیاں لوکاں جنھوں سمجھ لیا اے گاجراں تے مولیاں
ہس کے بے گل ہوئی پریم دا اُپاشک اے بکلیا متیش دا دوپٹہ جھٹ عاشق اے
رہندا سی پریم اگے کنڈیاں تے خاراں وچ رہندا اے سوار اج موٹراں تے کاراں وچ
اگے ہندی ہیر سسی کوئی ای ہزاراں وچ لکھاں ہن ہیراں اج گلیاں بازاراں وچ
عشق اج کاہدا ہو یا پانی تے لکیر اے جنا کھنا رانجھا اج جنی کھنی ہیر اے
ایہناں نیناں وچ کد رب دا پیار اے سینے دا شو جنھنا نیناں وچکار اے
بڈھیاں دے بلھاں تے ایہو ای پکار اے ”آجامورے بالما تیرا انتظار اے“

ساڈے جیہاں پاییاں دا جینا کوئی جینا اے

مال روڈ جانا جتھا مکہ تے مدینہ اے



ایشتر داس غالی

(1898ء)

ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ 1912 میں ٹی سی گجراتی کے شاگرد ہو کر شاعری شروع کی۔ مزاحیہ شاعری بھی کی۔ سنجیدہ شاعری میں بھی ایک خاص اسلوب کے حامل تھے۔

○

میں بھی ہاں اک عاشق زار سجن ذرا میری بھی قبر توں ہو گزرو
آہ و سوز نہ بھلا تسکین ہی سہی ذرا جھوٹھیاں اگھیاں توں رو گزرو
کہندی نغش نہیں گی تہانوں بیکسی دی ہار ہنجواں دے ہی پرو گزرو
غالی مردہ جلانا دفنانا نہ سہی وقت فاتحہ تھوڑا کھلو گزرو

دل

ہلدا اے رن وچوں سورما بے دل ہو کے کھا کے پچھاڑا اودا جائے جدوں بل دل
اوس ویلے اوس کبخت نوں ایہہ بھاسدا اے مار کے جھپٹا جوں کڈھ گئی ال دل
منتر تعویذ لکھ کرینے دوا دارو کیہہ اے مجال کدی پھیر جائے بل دل
ہتھال پیراں گوڈیاں تے زخم بھانویں پئے آن خیر نہیں اوس ویلے جدوں جائے جھل دل
دل نوں توں وڈی ساری چیز جان بھائی جان جان ناہیں ایس نوں توں نکا جیاتل دل

○

دل دا ستایا سی تے پھڑ تیسہ ڈٹ گیا!
ڈھیر ڈھیر پھراں دے سٹ دتے پٹ پٹ
پٹ پٹ کھڈیاں پہاڑاں وچوں جھٹ پٹ
آسے پاسے روک دتے مٹی گھٹا سٹ سٹ
مونہوں پیا کہندا سی جے شیریں ملے اس ویلے
گھول کے پیالے وچ پیندا رہواں گھٹ گھٹ
کاہدی اے مجال کہ روال کدی ڈول جان
عاشقاں دے بھرے ہوئے ہن دل کٹ کٹ



چراغ دین جونیکے والے

(1898ء-1995ء)

چراغ دین جونیکے والے پنجابی کے ایک اہم شاعر تھے جنہوں نے طویل عمر پائی۔ طبیعت میں درویشی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ کئی قصے اور کتابیں لکھیں جن میں ”ہاسے دی پٹاری“ نامی کتاب بھی شامل ہے جس میں انہوں نے کئی لطیفے منظوم کر کے پیش کیے۔ درج ذیل تحریر اور نمونہ کلام ان کے بیٹے محمد علی چراغ کے ایک تفصیلی مضمون سے لیا گیا ہے۔

دنیا بھر میں درختوں کے پتوں اور کونپوں کو رگڑ کر یا اُبال کر پینے کا رواج رہا، اسی طرح ایک عرصے سے چائے بھی پی جا رہی ہے۔ براعظم پاک و ہند میں دو ہزار سال قبل بھی چائے بطور مشروب استعمال ہوتی رہی ہے۔ سوم رس کا ذکر ”رگ وید“ میں بھی موجود ہے۔ 1840ء کے قریب برطانوی ہندوستان سے دنیا کے دیگر ممالک کو چائے کی برآمد شروع ہو گئی تھی۔ اس عہد میں جہاں سیلون اور آسام چائے کے لیے مشہور تھے وہاں دیگر ایشیائی علاقوں جاوا، سماٹرا، جاپان اور فارموسا کی چائے خوشبو کے لحاظ سے اپنی انفرادیت برقرار رکھے ہوئے تھی۔ افریقہ میں کینیا اور ناسالینڈ کی چائے اپنے معیار کی بدولت مقبول تھی۔ اسی عہد میں یعنی 1645ء کے قریب چائے کو ولندیزیوں نے انگلستان میں متعارف کروایا۔ ابتدائی زمانے میں چائے صرف امراء کا مشروب خیال کیا جاتا لیکن 1913ء میں یہ انگریزوں کے قومی مشروب کا درجہ اختیار کر گئی۔ بعد میں تاج برطانیہ کی سلطنت کے زیر اثر علاقوں میں چائے پینے کی عادت میں اضافہ ہوتا گیا۔

بیسویں صدی کے آغاز میں پہلے ممبئی اور کلکتہ میں چائے خانے قائم ہوئے اور بعد ازاں کراچی میں۔ اسی دور میں پنجاب میں بھی چائے کا استعمال عام ہوا۔ 1925ء میں لاہور میں صرف تین چار چائے خانے تھے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں چائے عام ہو گئی اور چائے بنانے والی کمپنیاں پنجاب کے اکثر علاقوں میں لوگوں کو مفت چائے فراہم کر کے اس کے فروغ کا سبب بنیں۔

شروع سے ہی عوام الناس میں لسی کی کافی پذیرائی حاصل رہی ہے اور یہ دنیا کا پہلا مشروب شمار کیا جاتا ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب انسانوں نے بھیڑ، بکریاں، بھینسیں اور اونٹ پالنے شروع کیے تو دودھ، دہی اور لسی کی کافی فراوانی ہو گئی اور تقریباً ہر تہذیب کے دور میں لسی پی جاتی رہی۔

نئے دور میں جب پنجاب میں لوگوں نے لسی چھوڑ کر چائے پینا شروع کی تو ہمارے پنجابی شعراء کو جو لسی کو ایک طاقت بخش اور متوازن غذا خیال کرتے تھے، یہ فکر لاحق ہو گئی کہ کہیں ہمارے نوجوان لسی پینا ترک ہی نہ کر دیں۔ اسی سلسلے میں دیگر شعراء کی طرح چراغ دین جو نیکے والے نے پاکستان بننے سے تقریباً دو سال قبل (1945ء-1946ء) ”جھگڑا چائے لسی دا“ کے نام سے ایک قصہ لکھا۔ چار اوراق پر مشتمل یہ قصہ کل 75 اشعار پر مشتمل ہے۔ نمونے کے طور پر چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

○

پہلوں نام رب سچے دا تہاویے	قصہ لسی چاء دا جوڑ کے سناویے	
اک دن چائے تے لسی ہونیاں کٹھیاں	شکھ ساندھ پچھ گلیں آن ڈٹھیاں	
چاہ نے کہیا لسیے سنانویں حال توں	کرنا مقابلہ کیہہ میرے نال توں	چاء
ٹھنڈ وچ بندے نوں بچاواں پالے توں	ثابت ایہہ کرا لے چاہواں پین والے توں	
تھکے ٹٹے بندے دا تھکیواں لاہ دیاں	ہاڑ جیٹھ وچ ٹھنڈکاں پچھا دیاں	
لسی کیہیا چاء نوں ایویں پھریں گھابری	میرے نال کس طراں کریں توں برابری	لسی
میرے وچ تری تیرے وچ خشکی	میرا رنگ چٹا تیرا لال مٹکی	
دل تے دماغ رکھاں دونویں تر میں	بڈھیاں نوں دینی ہاں جوان کر میں	
لسی پین والے دا نہ دل دھڑکے	لاغراں نوں کراں مضبوط پھڑکے	
پوہ ماگھ وچ پئی ٹھاریں دند نی	سارے لوک مینوں کردے پسند نی	چاء
پرچ تے پیالی وچ مینوں پان گے	نکے نک گھٹ بھر کے لنگھان گے	
پالے وچ لسی بھلا کون منگ دا	میرے باجھ کسے دا نہ جھٹ لنگھدا	
جناں چر زور وچ رہوے سردی	میرے نال دنیا ہے پیار کر دی	
لسی نے جواب دتا سن چائے نی	سارے گن آپ اپنے سلاہے نی	لسی:
خشکی ودھائیں خون نوں سکائیں توں	نگہ کمزور کر کے دکھائیں توں	
دونویں تیرے تے خشکی تے گرمی	جھگڑا توں کریں مل کے بے شرمی	
آلے وانگوں منہ چا بناویں بندے دا	ہویا پرچار کیہہ رواج گندے دا	
لسی نت پیوے فائدہ پچھا دیاں	سال پچھوں مہینہ زندگی ودھا دیاں	

چاء کتھوں آئیوں زندگی ودھان والیے تازگی سریراں نوں پُچان والیے
 ویکھ لیا تینوں وڈی فاندہ مند نوں بادی دیاں پیڑاں کریں بند بند توں
 لگا تار مینوں جیہڑا روز پیوے گا کیوں میرے ڈٹھیاں بغیر جیوے گا
 لسی تیرے کولوں جنھاں کالج سڑاوناں تیرے نال اوہناں کیہہ پیار پاونوں
 چاء ہووے بھانویں جیٹھ ہاڑتے سیال نی ایس گل دا نہ کر دے خیال نی
 پچھ لے کپور تھلے تے جالندھروں چاء پیتی باہجھ نکلے نہ اندروں
 کوٹہ تے کراچی دونویں ادھو ادھ نی لسی نالوں چاء دی دکان ودھ نی
 سیالکوٹ راولپنڈی جموں ول نی پہلوں چاء پکان پچھوں ہور گل نی
 ہندی سندھی لوک میتھوں رہ نہیں سکدے چاء داوگار مونہوں کہہ نہیں سکدے
 لسی کل دی توں بھوتنی سویاں بچ ادھ نی کیہڑا ای علاقہ تیرا میتھوں ودھ نی
 اُنی سو ستاراں بچ پنجابے آئیں نی تے اج ناڈھو خاں دی بچی سدائیں نی
 چاء وائی بادی رتھ تنان نوں ودھائیں توں بڑی چنگی کیہڑی گل توں سدائیں توں
 فوج وچ رہن میریاں ضرورتاں اگانہہ دی ترقی دیاں ہین صورتاں
 آسام دے علاقے وچ میرا جم نی میرے اگے بولنا کیہہ تیرا کم نی
 ایشیاء توں گئی یورپے دے وچ میں بصر تے روم شام لیا کھجج میں
 عدن کہ ایران اے یا فلسطین اے روس یاں اومان، اٹلی سپین اے
 میرا ورتارا ہو گیا زمانے تے ایویں نہ توں لڑیں حوصلے بیگانے تے
 لسی آکھے گن کے میں دستاں ساریاں پیدا تیرے وچوں ہون جو بیماریاں
 کناں وچ شاش شاش تے اندھراتہ دونویں گلاں ہوندیاں ہزاراں لکھاں نوں
 تیری صفت تیرے وچ بس اپنی ایں کر کمزور مرداں نوں دینی ایں
 چاء پین والے نوں افیم لگ دی ایہہ وی بڑی مشہور گل جگ دی
 چاریں پنجیں سالیں دنداں نوں اکھیڑ دی ستیں اٹھیں سالیں فیصلہ نیڑ دی
 دسیں سالیں اکھیاں توں کریں انھیاں ایس گلوں چائے تینوں ٹھیک متیاں



گیانی گورکھ سنگھ مسافر

(1889ء)

گیانی گورکھ سنگھ مسافر فتح جھنگ میں پیدا ہوئے۔ والد زمینداری کرتے تھے۔ آپ نے اخلاقی، سیاسی، سماجی اور طنزیہ شاعری کی۔ قیام پاکستان کے بعد بھارت چلے گئے جہاں اسمبلی کے ممبر رہے۔ یہ نظم خاص طور پر بہت مشہور ہوئی۔

○

وچ رنج رنج ودھا گئی من دُھو جیہی اک پاگئی
کچھ کرک سینے لا گئی جد یاد بچپن دی آگئی
دندیاں کسے نُوں وڈھنا گاہلاں کسے نُوں کڈھنا
اڈا کسے نُوں مارنا جھگا کسے دا پاڑنا
کتیاں سی موجاں ہندیاں روکاں نہ کچھ پابندیاں
چھلیاں توں دانے گھیڑوا پھر دا ساں بھکھے مار دا
بے فکر بے پرواہ سی من دا میں شاہنشاہ سی
کوئی نہ سی لتھی چڑھی مڑ آوندی نہ اوہ گھڑی
اڑیاں ایہہ عہد اریاں بچپن توں سو سو واریاں
کہندا کوئی شیطان سی کوئی آکھدا حیوان سی
ماسی نے کہنا کھھیا چر دا ہی رہنا ایں بھکھیا
ماروں گی مرنے جو گیا کیڈا توں ضدی ہو گیا
بھا بھی کہے انموڑ اے کیڈا ایہہ رنڈی چھوڑ اے
گلاں محبت والیاں اج بن گیاں نیں گاہلیاں



امرتا پریتم

(1919ء)

13 اگست 1919ء کو امرت کور کے نام سے، گیانی کرتار سنگھ ایڈیٹر انچیف ”نگارہ“ کے ہاں گوجرانوالہ میں جنم لیا۔ شاعری کے علاوہ نثر میں بھی بہت کچھ لکھا۔ آپ کی کتابوں کے کئی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ مشہور نظم ”پنجاب“ کے علاوہ بھی آپ نے جدید انداز کی بے پناہ شاعری کی۔ آپ کا شمار نئی نظم کے ان بانیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے آنے والی نسلوں کو نئی راہیں دکھائیں۔ پہلا مجموعہ ”امرت لہراں“ 16 برس کی عمر میں چھپا۔ ”جیوند جیون“، ”لوک پیڑ“، ”پتھر گئیے“، ”لمیاں واٹاں“، ”تزیل دھوتے بھل“ چند شعری مجموعوں کے نام ہیں۔

○

آج آکھاں وارث شاہ نوں کتوں قبراں وچوں بول
تے آج کتاب عشق دا کوئی اگلا ورقہ پھول
اک روئی سی دھی پنجاب دی توں لکھ لکھ مارے وین
آج لکھاں دھیاں روندیاں تینوں وارث شاہ نوں کہن
اٹھ درمنداں دیا دردیا اٹھ تک اپنا پنجاب
آج بیلے لاشاں وچھیاں تے لہو دی بھری چناب
کس نے پنجاں پانیاں وچ وٹی زہر رلا
تے اوہناں پانیاں دھرت نوں دتا پانی لا
اس زرخیز زمین دے لوں لوں پھٹیا زہر
گٹھ گٹھ چڑھیاں لالیاں پھٹ پھٹ چڑھیا قہر
آج سبھے کیدو بن گئے حسن تے عشق دے چور
کدھروں لیاہیے لہہ کے آج وارث شاہ اک ہور

رانجھن وے تیراناں

رانجھن وے تیراناں

پہلے لیتا مولوی جس رکھیا تیراناں
پھیر رانجھن رانجھن کردی رہی تیری کرماں والی ماں

رانجھن وے تیراناں

امڑی نے لیتا، بابل لیتا، لیتا پھیر بھراں
بھیناں لیتا، بھابھیاں لیتا، لیتا سارے گراں

رانجھن وے تیراناں

کسے نوں کوئی دوش نہ دیوے کرے نہ کوئی منھاں
پرتد کیوں بنیں گناہ وے رانجھیا جد میں ہیرتی مونہوں لاں

رانجھن وے تیراناں

نی ہیرے! رانجھن تیرے داناں

کیہہ ہويا جے مولوی لیندا اے لیندی امڑی تے بابل وی لیندا
لے لیندے ویرتے بھابھیاں دی لیندیاں تے بھاویں لیندا سب گراں
پر اک ہیرے جے توں نہ لیندی تاں آج کون لیندا اوہداناں؟
صدیاں پچھوں وی آج گڑیاں آپنے آپنے سجن دا

رکھ دیندیاں نے رانجھن ناں

نی ہیرے؟ رانجھن تیرے داناں

○

اڈ اڈ کے بدل آیا کئی کئی وس جانا
بھریا ترنجن ڈار کونجاں دی سبھناں نے اڈ جانا
کنک کونجاں پیکی دھیاں چار دناں دا میلہ
چڑھیا گھر آئی جوانی اڈ جان دا وویلا



منشی لطیف گجراتی

(1911ء-1997ء)

منشی لطیف گجراتی کا خاندانی نام عبداللطیف بٹ اور والد کا نام محمد رمضان تھا۔ 26 فروری 1911ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ تھوڑے عرصے بعد دو بھائی بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان پے درپے صدقات نے بہت متاثر کیا جس کا واضح اظہار ان کی شاعری میں بھی ہوتا ہے۔ جوان ہو کر بلدیہ گجرات میں ملازمت اختیار کر لی اور ساتھ ساتھ ”گجرات پنجاب بس سروس“ میں بحیثیت خزانچی وابستہ رہے۔ اسی مناسبت سے آپ منشی کہلائے۔ تصانیف میں غزلیات کا مجموعہ ”جھلیاں سدھراں“ اور نظموں کا مجموعہ ”پھٹ اکھراں دے“ نمایاں ہیں۔ آپ کی وفات 31 دسمبر 1997ء کو ہوئی۔

بے وستی وچ اپنا وی کوئی سینے نال نہ لاند اے
بٹھے ہوئے پتراں نوں رُکھ رہن نہ دیندے ٹاہنی نال

گرمی چم بدن دا ساڑے ہڈیاں بھن دا پالا
اکو جیہا غریباں واہتے جگ تے ہاڑ سیالا

جو دولت مند وڈیرے نیں جینہاں دے محل اُچیرے نیں
ذی شان جنہاندے ڈیرے نیں سب ڈاکو، چور لٹیرے نیں
ایہہ انھے ہتھ بیڑے نیں نہ تیرے نیں نہ میرے نیں
ایہناں سانوں چانن لانا کیہہ جو آپوں وچ ہنیرے نیں

ظالم اپنے وڈ پئے تے نہ کر اینا مان نکا جیہا چنگلیاڑا اگ داساڑ چھڈے کھلیان
کل اسماں سی پتھر گھڑ کے جیہڑا بت بنایا بن بیٹھا اے ویکھو اوہدے وچ ساڈا بھگوان

کنہی چھت تے بوہے ٹپے کندھاں ماریاں ڈھاواں
گھر اپنے دی ونڈی پائی بہہ کے جدوں بھراواں

○
لُون لُون سِي جِس وَنْهِيَا مِيرَا كَنْدِيَاں نَال حِيَاتِي وَج
اوسے نے اِنج قبر ميري تے ويكھو آن كھلارے بھل

○
راہواں تكدياں اکھال بے نُور ہونیاں ايويں جھوٹھے بھلاوڑے رہے پيندے
كدے دھڑكيا دل كدے اكھ پھڑكي كدے كاں بنيرے تے آ بيٹھے
غزل

صِيَاد پچھاتيا نہيں ساہنوں اسين لوک آں کيہڑے قبيلياں دے
اساں لوہے دے سنگل تروڑ دتے ساہنوں دس نہ پنجرے تيلياں دے
جھکھڑ جھل کے جڑاں توں پٹ گیا اے اوہناں سارياں رُکھاں پرانیاں نوں
كدی جیہڑیاں رُکھاں دی چھاں ہیٹھاں لہدی تھاں سی نال وسیلیاں دے
ايکن كدی وی وسدا ويكھيا نہيں جس طرحاں دا ايٹکی مينہ وسياے
موہاں تیک گئے بھرے نیں کوٹ سارے گلے ہونٹھ وی ہوئے نیں ٹيلياں دے
آئے دن جو شہراں چِچِ دِنے راتیں ڈسدے سن پئے بھولياں بھالیاں نوں
اک ماندري دندنيں پٹ چھڈے اوہناں سارياں سپاں زہريلياں دے
آپنے پيراں تے آپ کھلوتاں بے نکلن ساہ سوکھے تيري زندگي دے
اے لطيف دس کسے دے آسرے تے کد تک جيويس گا نال توں حيلياں دے

○
دُکھ درد بے ڈيرے لاندے نیں پئے لان وفا دے رستے وَج
كدی جم کے شے کھلوندي نئيں وگدے دريا دے رستے وَج
کس کس نُوں گل نال لائے اوہ کس کس دے درد ونڈائے اوہ
سے کلیاں نیں سے غنچے نیں سے بھل صبا دے رستے وَج



مولا بخش کشتہ

(1876ء-1955ء)

مولا بخش کشتہ 1876ء کو میاں سلطان بخش بھٹی کے گھر امرتسر میں پیدا ہوئے۔ ان کی غزلیات کا دیوان جو پنجابی میں غزلوں کا پہلا مجموعہ تھا، پہلی مرتبہ 1903ء میں شائع ہوا اور 1960ء تک اس کے سات ایڈیشن چھپ چکے تھے۔ اس کے بارے میں خود کہتے ہیں:

کوئی لکھے تاریخ تے یاد رکھے بخش رب نے عزت ایہہ خاص مینوں
غزلاں وچ پنجابی دا سب کولوں پہلے پہل چھپیا ہے دیوان میرا
مولا بخش کشتہ نے پنجابی کے ایک اہم شاعر ہونے کے علاوہ ”پنجابی شاعراں دا تذکرہ“ کے نام سے
ایک بنیادی اور نہایت اہم تحقیقی کتاب بھی مرتب کی جس کی اہمیت اور ضرورت آج بھی مسلم ہے اور آج
بھی پنجابی شاعری میں یہ Basic book کا درجہ رکھتی ہے۔ 19 جولائی 1955ء کو لاہور میں وفات پائی۔

غزل

اک اسیں ہاں جہناں نے نہیں ڈٹھا اکھیں مل کے کدی دلدار دا خط
اک اوہ وی قسمتیں والڑے ہن آوے جہناں ول جہناں دے یار دا خط
کتے جھڑکاں الاہڑے کتے طعنے لکھے ہون گے اوس کرو دھبے نے
نمو جھانی بنا کے شکل قاصد لئی آوندا ہے جو یار دا خط
تلی نور دی مورتی ہے اوہدی سندر چال تے مسٹھرا بول پیارا
کدی لکھے تے موتی پرو دیوے ایسا ہے خوش خط اس یار دا خط
لکھیا ساہنوں تے غیر دی پکھ کیتی پچھیا کجھ تے دتا جواب کوئی
ہے اقرار تے نہ انکار کدھرے ہے اچرج اس یار مگار دا خط
درداں بھری کہانی ہے عاشقاں دی ولہ کڈھ کے پڑھ لئیں کدی سجن
سٹ چھڈیں نہ کسے دواکھڑے تے اپنے ایس کشتہ بے قرار دا خط

○

کر رہیاں بلن اکٹھا تن بدن دے واسطے مر رہیاں رات دن جو کُوڑے دھن دے واسطے
مرن پچھوں دیکھ کے لاشے نوں سکتہ ہو گیا جد بدیشی کپڑا آیا پھر کفن دے واسطے

استاد رمضان ہمد م

(1877ء-1954ء)

استاد رمضان ہمد م شیخ اللہ بخش کے ہاں اکبری منڈی لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد مصوری کرتے تھے۔ آپ کو چھوٹی عمر میں ہی سید فضل شاہ، میاں ہدایت اللہ، سردار لاہور سنگھ جیسے بڑے شعرا کی رفاقت نصیب ہو گئی جس کے باعث شاعری کا شوق چر ایا اور میاں مراد بخش لوہار کے شاگرد ہو گئے۔ 21 برس تک ریل کے محکمے میں نوکری کی لیکن ٹرین ایگز امینز کے عہدے پر پہنچ کر طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے لیے ورکشاپ کے فور میں ہو کر افریقہ چلے گئے۔ واپس آ کر تھیٹر یکل کمپنیوں کے لکھاری اور منیجر کے طور پر کام کیا۔ چھوٹا سا مجموعہ کلام ”ہیریاں دی کان“ کے نام چھپ چکا ہے جو پنجابی آنرز کے کورس کا حصہ رہا۔ شاگردوں میں بابو فیروز دین اور استاد دامن زیادہ مشہور ہوئے۔ شاعری میں کمال کی روانی، تیزی، کاٹ اور پینترے بازی و بلند خیال پائی جاتی ہے۔ پڑھنے کا انداز بھی جادو گروں والا تھا۔ آپ کا شمار نوکلاسیکل دور کے اہم ترین شعرا میں ہوتا ہے۔

قلم تے تلوار

قلم تے تلوار جیہڑے وار واری وار کیتے
 اکو واری کھول دساں واردات وار دی
 قبضے اُتے ہتھ تلوار پہلا ہتھ اُتے
 کہن لگی ویکھ کیہڑی ہتھو ہتھ ہار دی
 سوت کے میان اوہنے سوت لئی جان میری
 کم سی کسوتا جے کسوتا ہتھ مار دی
 اُٹھی پھیر گج کے تے و سدی جہان اُتے
 کڑا پنی بجلیاں دے سراں تے لشکار دی
 دھڑا دھڑ ڈگدا اے دھڑ اُتے دھڑ پیا
 دھڑاں نالوں سر، سر دھڑاں توں اتار دی
 دھڑاں دیاں دھڑاں اگے لگ کے تے نسدیاں
 دھڑاں پاوے لشکاراں نوں دھڑاں جیسے مار دی

ہتھو ہتھ ویہندیاں دے ہتھ پیر اڈ کیتے
 کیتے جیسے ہتھ خون ہتھا تے گزار دی
 ویہن لگے ویہن جدوں ویہن لگی ویہن جوگی
 واہن کیتے ویہن تے سمندراں نوں تار دی
 پھٹ پاڑ چیر کے تے ڈکرے ہزار کیتے
 چونبھڑاں دے نال کتے ٹنب کے تے مار دی
 تخت والے تخت توں بے تخت ڈگے تخت تے
 تخت بخت روہڑ کے تے پھٹ تے پھٹکار دی
 بولی مار قلم تائیں بولی اے بلارے وانگوں
 جانے تیری جتی نی توں مار اِکو وار دی
 میرے لیکھے لیکھ تیرے کوڑے نے اروڑیاں
 تیرے وانگوں کوڑیاں دے بھاگ نہیں شنگار دی
 کن نک پائی اے سر منی ایں مونہہ کالی اے
 شوکیں کیہڑی چوڑ اُتے گل نہیں وسار دی
 مرد جو میدان دے اوہ جان دے نی جان مینوں
 کانی جیہی کانی جانے شان کیہہ تلوار دی
 اُٹھی قلم اُٹھ کے تے نھاتی اے دوات وچ
 چھنک چھنڈ پونجھ کے تے پنڈے نوں سنوار دی
 لیک اُتے لیک ماری لیکاں لائیاں تچ کے
 پان پت لاہی ساری تلی تے تلوار دی
 کہن لگی ونگی جی اُچی نیویں بولنی ایں
 ادب تے لحاظ تینوں سار نہ گفتار دی
 کل جی گدڑی تے اج اوہدا ویاہ ہويا
 مورکھے توں سوچ تے سہی آئی کیہڑے وار دی

لکھے پہلے روز مہسویوں لیکھ بھاگ بندیاں دے
 موت دا سامان ای کر توت بھیڑوکار دی
 لے کے میرے تار دے سرکار دے دربار اندر
 نیویاں جہان کوئی تھان نہ انکار دی
 جگدے حساب دسے کیمیا دے ٹوٹکے
 سینے سارے کھوہل کے تے کاغذاں تے مار دی
 نظم تواریخ تے جغرافیے دے بھیت کھوہلے
 طب جفر جوتشاں دے لیکھے چتکار دی
 اگلے جہان تائیں بولدی زبان میری
 کھوہل کھوہل دسدی بہادری سنسار دی
 اُچے اُچے ناویں جیہڑے اوہناں دی تے گل ہوئی
 تیری جیہی کلک آوے اوہ بھی لیک مار دی
 دفتران دے دفتران نے آن کے گواہی دتی
 قلم پہلے روز توں ہے آدمی دے کار دی
 سچ جے پچھاوندی تے آوندی نہ سامنے توں
 چلی جتھے قلم نائیں شان کیہہ تلوار دی
 چپ چاپ نسدی تلوار تے میدان ولے
 قلم میری نظم نوں وی آن کے سنوار دی
 جگوں باہری چھنج ہدم آئی اے دھیان اندر
 لوکاں اکھیں ویکھی اے تلوار جتھے ہار دی



پیر فضل گجراتی

(1897ء-1972ء)

پیر فضل گجراتی، پیر مقبول شاہ سجادہ نشین شاہ دولہ گجرات کے ہاں یکم جنوری 1896ء میں پیدا ہوئے۔ میونسپلٹی گجرات میں ملازم رہے۔ پہلے اردو میں شاعری کی پھر پنجابی میں آئے اور ایسے آئے کہ آپ کو پنجابی غزل کا بانی سمجھا جاتا ہے جنہوں نے پنجابی میں غزل کو بھرپور انداز سے متعارف کرایا۔ آپ نے پابند نظمیں بھی بہت عمدہ لکھیں۔ ”ڈوگھے پینڈے“ غزلیات کا مجموعہ تھا جب کہ ”ٹکوراں“ میں نظمیں غزلیں شامل تھیں۔ ”قطبی تارا“ نعتوں کے مجموعے پر صد اترتی ایوارڈ ملا۔ 22 اگست 1972ء کو گجرات میں وفات پائی۔

نعتیہ مسدس ”چن“

اک رات مینوں بحر فکر اندر ادھی رات توڑی غوطے مارنے پئے
اک خاص مضمون دا سلسلہ سی مینوں کئی خیال چتارنے پئے
دل نوں طفل تسلیاں دین خاطر لکھاں ریت دے محل اُسارنے پئے
قصہ درد دا گوش گزارنے نوں تارے فلک تھیں کئی اُتارنے پئے
رنگا رنگ دے سن سامان پیدا محفل گرم میرے خیالات دی سی
کدھرے ظلم ظلمات دا ناں نہیں سی ایسی سلطنت چاننی رات دی سی

شش جہت وچ چاننا چن دا سی ہے سی نور دے نال بھرپور دنیا
عالم ہو دا طاری سی وچ عالم نشے خواب دے وچ محمور دنیا
شروع ہر پاسے بارش جلویاں دی بنی ہوئی گویا کوہ طور دنیا
گرمی حسن دی تے ٹھنڈک روشنی دی رل مل کردی سی پئی مسحور دنیا
لفظاں وچ اوہ سماں نہیں بجھ سکدا مینوں جو اس سے سواد آیا
چن چمکدا ویکھ کے فلک اُتے مینوں ماہی مکے والا یاد آیا

اوس ماہی دے روبرو ایس چن دا کوئی قرب نہیں تے وقار نہیں
 ایہہ چھپیا اُفق دے وچ رہندا اے کئی کئی دن ہوندا نمودار نہیں
 ایس چن دا اک چکور عاشق دوجا ہور کوئی طلب گار نہیں
 اوس چن اُتوں صدقے ہون واسپتے لہجے حوراں غلاناں نوں وار نہیں
 اوہدے ڈٹھیاں باجھ نہ جی سکن عالم اقدس دے ہین وسنیک جتنے
 جن و انس مشتاق سرکار دے نیں پیدا پئے ہوسن حشر تیک جتنے

ایہدے منہ تے داغ سیہیاں دے سارے عضو بے داغ حضور دے نیں
 سورج سامنے اکھ نہ ایہہ کھولے، دونویں نینن مازاغ حضور دے نیں
 ایہہ کدی روشن کدی نہ روشن، روشن سدا چراغ حضور دے نیں
 ایہہ جام خالی اک پیا مُوہندا، امرت بھرے ایانغ حضور دے نیں
 اوس چن والی پہلی رات کولوں، ایہدی چودھویں دی رات پیٹھاں پیٹھاں
 اوہدے عرش بریں تے تذکرے نیں، ایہدی زمیں اُتے بات پیٹھاں پیٹھاں

ایہہ خاص حصہ کوئی کرے روشن، اوہدے چاننے ہین قسطین توڑی
 اوس چن توحید دے چن چاہڑے چڑھ کے بدر توڑی تے حنین توڑی
 ایس چن دی کشش دا حد بناں، لہراں وچ سمندراں پین توڑی
 ٹھلاں اوس دے عام فیضان دیاں مشرقین توڑی مغربین توڑی
 اوس بدر کمال دی شب ہجرت، اردل وچ نہ جے ایہہ چن ہوندا
 ایہنوں لہجہدی جگہ نہ جھنڈیاں تے، جاری ایس دا کدی نہ سن ہوندا

ایس چن دے پوجنے والیاں نیں حاضر ہو کے جدوں سوال کیتا
 ایس چن تائیں اوس چن سوہنے، دوکھن اشارے دے نال کیتا
 چھائیاں زردیاں مونہہ تے پئیاں چھائیاں اوہدے رعب ایسا ایہدا حال کیتا
 ایہنے داغ غلامی دا لا متھے، اوہدی شاہی دا تد اقبال کیتا
 جھاڑو ہتھ وچ ریشماں دے لے کے تے رستے پیا معراج دے صاف کردائے
 اوہ چن جس زمیں تے ہويا پیدا، اوس زمیں دا پیا طواف کردائے

ایس چن نوں لگ گرہن جاندائے، مطلع الفجر رخسار اوہدے
 ایہہ کدی چڑھدائے کدی نہیں چڑھدا، لگے رہن ہر وقت دربار اوہدے
 ایہدے کول عطارد تے مشتری نے، ایدوں کئی حصے سوہنے یار اوہدے
 ایس چن نے اک نہ بات کیتی، سخن قیمتی باجھ شمار اوہدے
 ایس چن اُتے بدل چھا کے تے کر ایس دا چانا چوڑ جاوَن
 اوس چن تائیں فضل ویکھ کے تے بدل کفر تے شرک دے دوڑ جاوَن

غزل

کیہ ہويا سینا وِخھ گیا یا جگرا ساڈا چیر گیا
 ایہہ خوشی اسانوں تھوڑی اے نہیں خالی تیرا تیر گیا
 گل میری نسبت کیتی اے اک نویں لباساں والے نے
 ایہہ لیراں لتھا کدھرے دا کیہ چمبڑ وانگوں لیر گیا
 جد ویکھن میرے سوہنے نوں سوہنے شرمندے ہون پئے
 گئی وجدی پھوک چراغاں نوں اوہ جدھر مہر منیر گیا
 اکھاں وچ ڈورے مستی دے خوشیاں وچ لورے آون پئے
 اک جھٹ کھلوتا کول جہدے اوہ بدل اوہدی تقدیر گیا

بس اوہ دنیا تے دین دیاں قیداں توں ہو آزاد گئے
پا آپنی زلف مسلسل دی اوہ جہناں نوں زنجیر گیا
زل سونا مٹی نال گیا، جد سونے نوں ہتھ پایا میں
اوہ ہتھ وچ لے کے مٹی نوں مٹی نوں کر اکسیر گیا
کسے کول بہا کے فضل کدی میرے دل دیاں گلاں سنیاں نہ
میں ماریا ہويا درداں دا راہواں وچ گھت وہیر گیا

سکياں بھیناں

سسی سوہنی سکياں بھیناں برہوں دے گھر جاياں
پر متضاد نصیبہ دونوں دھروں لکھا لیاياں
ایہدے ہتھوں دور بریتا اوہدی تھلیں وہانی
اوہ پانی نوں سکدی موئی ایہہ موئی وچ پانی
ایہہ پانی وچ کھائے غوطے اوہ پئی پھکے ریتاں
لیکھ اوہدے وچ ہسٹر گمیں بھاگ ایہدے وچ سیتاں
باگاں دے وچ کھیڈ دیاں نیں جیہا کھادا موڑا
ایہدے پیش پے سرکنڈے اوہدے اکو روڑا
تر دیاں دوہناں نوں کس دتا بھیڑ بھڑتھی پوکھا
ایہہ گھڑے دا دھوکھا کھا گئی اوہ ٹلیاں دا دھوکھا
ایہدے راہ وچ بلن کچھاں مچھاں پان توایاں
اودھے راہ وچ ڈیناں بونے باشک نانگ بلایاں



صوفی غلام مصطفی تبسم

(1899ء-1978ء)

صوفی غلام مصطفی تبسم، صوفی غلام رسول کے ہاں 4 اگست 1899ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ پہلے اصغر اور پھر تبسم تخلص کیا۔ ایم اے فارسی کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر ہو گئے۔ صدر شعبہ فارسی کے طور پر 3 اگست 1954ء کو ریٹائر ہوئے۔ ریڈیو پاکستان لاہور کے اسکرپٹ رائٹر اور اسٹاف آرٹسٹ رہے۔ پنجاب یونیورسٹی اور نیشنل کالج میں 1970ء سے 1972ء تک ایم اے پنجابی کی ابتدائی کلاسوں کو بھی پڑھاتے رہے۔ آرٹس کونسل اور اقبال اکادمی سے بھی وابستہ رہے۔ شاعر، استاد، مترجم، شارح، ادیب اور اسکرپٹ رائٹر کے طور پر شہرت پائی۔ آپ کو بیک وقت چار زبانوں (انگریزی، فارسی، اردو اور پنجابی) میں شعر گوئی کا ملکہ حاصل تھا۔ آبائی وطن کشمیر تھا۔ دادا شیخ احمد صوفی، نانابائی تھے کیونکہ وہاں نانابائی کو صوفی کہا جاتا تھا۔ آپ کی ذات اپنی جگہ ایک انجمن تھی۔ برصغیر کے نامور ادیب و شاعر جب بھی لاہور آتے تو صوفی صاحب کے ہاں قیام فرماتے۔ ان میں سید سلیمان ندوی، عطاء اللہ شاہ بخاری، فراق گورکھپوری، جوش ملیح آبادی کے نام قابل ذکر ہیں۔ دبستان لاہور میں صوفی تبسم ایک اہم حیثیت کے حامل تھے جن کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ علامہ اقبال سے بھی آپ کو ایک خاص نیاز حاصل تھا۔ 7 فروری 1978ء کو حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کیا۔

بچوں کے لیے بھی نظمیں لکھیں جن میں ”ٹوٹ بٹوٹ نے کھیر پکائی“ بے حد معروف ہوئی۔ 1965ء کی جنگ کے حوالے سے جنگی ترانہ ”ایہہ پتر ہٹاں تے نہیں وکدے“ بھی بے حد مقبول ہوا اور غالب کی غزل کا پنجابی ترجمہ ”بھانویں بھرتے بھانویں وصال ہووے وکھو وکھ دو نوواں دیاں لذتاں نیں“ بھی زبان زد خاص و عام رہا۔ بے شمار کتابوں کے مصنف تھے۔ پنجابی شعری مجموعہ ”نظراں کر دیاں گلاں“ کے نام سے 1988ء میں شائع ہوا۔

غزل

بھلاں دیاں خوشیاں مات پئیاں، اوہ طور نہ رہے گلزاراں دے
جد نظراں پھریاں یار دیاں، رنگ اڈ پڈ گئے بہاراں دے
اسیں آپنی دنیا و سدے ساں، خود روندے ساں، خود ہسدے ساں
کیہا دل نوں روگ لگایا اے، مونہہ تکنے آں پئے غمخواراں دے

ایہہ عشق دا روگ او لڑا اے، اس روگ دے چارے کیہ کرنے
 ایہہ زخم کدی وی نہیں بھرنے، ایہہ زخم نہیں تلواراں دے
 اسیں دل دے ڈکھڑے کہنے آں، تسیں سن کے چپ ہو ہندے او
 ایویں رُٹھڑے رُٹھڑے رہندے او، ایہہ کم نہیں دلداراں دے
 ایہہ کم نہیں تقصیراں دا، ایہہ لکھیا اے تقدیراں دا
 اتھے دوش نہیں تدبیراں دا، ایہہ ڈکھ نیں عشق بیماراں دے
 کیہ حالت کچھنا ایں صوتی دی، اوس تیری محبت دے کچھے
 سو گلاں سنیاں غیراں دیاں، سو ناز اٹھائے یاراں دے

غزل

ساڈے عشق دے چمکدے لیکھاں اُتے غم دیاں سیاہیاں ڈلھ گئیاں
 جیہڑیاں حُسن تیرے چکائیاں سن اوہ چاننیاں راتاں رُل گئیاں
 ایس عشق نمانے دے دھاگے دیاں کُجھ ایڈ اولیاں گنجھلاں سن
 کُجھ کھل دیاں کھل دیاں ہو رہیاں کُجھ پیندیاں پیندیاں کھل گئیاں
 گلاں مٹھیاں مٹھیاں پیار دیاں جیہڑیاں دو ہاں بیٹھ کے کیتیاں سن
 جیہڑیاں نال اساڈے بیتیاں سن ساہنوں یاد رہیاں تینوں بھل گئیاں
 کیہہ ڈکھڑے پھولنا ایں سچناں اوئے، قدم رکھ کے عشق میدان دے وچ
 تُوں اک جوانی تُوں روونا ایں، ایٹھے کئی جوانیاں رُل گئیاں

انسان

ہے سارے جہان تے نظر تیری، کدی تکیا ای ایس انسان وَّ لے
 کَل جنت چوں ایس تُوں کڈھیا سائی، اج اُڈدا اے پھیر اسمان وَّ لے
 پَلے بنھ یقین دے دھوکھیاں تُوں، پیا نٹھدا پھرے گمان وَّ لے
 ایویں ٹولدا پھرے حقیقتاں تُوں، نہ کفر وَّ لے نہ ایمان وَّ لے

پیراں ہیٹھ دی مٹی دی خبر ناہیں، اُتوں گن دا پھرے ستاریاں نُوں
دُکھ درد دے داڑودی لوڑ کوئی نہ، ایویں چھیڑ دائے ایہناں بے چاریاں نُوں
رہ سکے نہ بناں سہاریاں دے، اُتوں تنگ کرے بے سہاریاں نُوں
قدم ساحل تُوں اگے نئیں پٹیا سو، کھڑا ڈھونڈ دا پھرے کناریاں نُوں
سرتے بارِ امانت دے چُکنے دا، وعدہ کر بیٹھتے ہن چُکدا نئیں
داغ بندگی دا متھے لگ گیا، ہن پیا لکاوندائے لُکدا نئیں
سجدہ کیتا سی کدی فرشتیاں نے، ہن کوئی ایہدے اگے جُھکدا نئیں
اک جرم کر کے گلا ہو گیا سی، اچے تیک دا من ایہدا سُکدا نئیں
جہانِ عمل

ایہہ زندگی اے اک شراب خانہ، سدا پین دی اے دعوت عام ایہتھے
حصے اونی شراب ای آوندی اے، جتا ہوندا اے کسے دا جام ایہتھے
گل راز والی جیہڑی اچے توڑی، کسے واچ دے وچ سمائی نئیں اے
صاف جام دے لبیاں توں ٹپکدی اے، بول پیندی اے وانگ کلام ایہتھے
ایہتھے سلسلہ وجد تے حال دا اے، ایہتھے گل کوئی قیل تے قال دی نئیں
نکتہ فلسفے دا جنھوں سمجھدے او، اوہنوں آکھدے نیں دردِ جام ایہتھے
اساں وقت دا ساہ اُکھاڑ دتا ایس زندگی دی تیز دوڑ اندر
اوپدا سویر دا ابھریا ہويا سورج نظر آوندا اے لبِ بام ایہتھے
لوکی مُڈھ توں ای اک غلطی نُوں صحیح سمجھ کے ذہن وچ بیٹھ گئے نیں
آکھن زندگی نام سکون دا اے، تے اوہ زندگی کرے خرام ایہتھے
اسیں طلب دے جوش وچ نکلے آں، اسیں طلب دی لاج نُوں پالنے آں
ایس علم دے جسم وچ جان پا کے اوہنوں عمل دے رُوپ وچ ڈھالنے آں
(پیام مشرق سے علامہ اقبال کی نظم کا ترجمہ)

غزل

میرے شوق دا نسئیں اعتبار تینوں، آجا وکھ میرا انتظار آ جا
ایویں لڑن بہانڑیں لبھنا ایں، کیہہ تُوں سوچنا ایں ستمگار آ جا
بھانویں ہجرتے بھانویں وصال ہووے دکھو دکھ دونواں دیاں لذتاں نیں
میرے سوہنیا جا ہزار واری، آ جا پیاریا تے لکھ وار آ جا
ایہہ رواج اے مسجدال مندرراں دا، اوتھے ہستیاں تے خودپرستیاں نیں
مے خانے وچ مستیاں ای مستیاں نیں، ہوش کر بن کے ہشیار آ جا
تُوں سادہ تے تیرا دل سادہ، تینوں ایویں رقیب گُراہ پایا
جے تُوں میرے جنازے تے نسئیں آیا، راہ تکدا تیری، مزار آ جا
سکھیں و سنا جے تُوں چاہونا ایں میرے غالباً ایس جہان اندر
آ جا رنداں دی بزم وچ آ بہہ جا، ایہتھے بیٹھدے نیں خاکسار آ جا

(غالب کی غزل ”زمن گرت نبود باد انتظار بیا“ کا پنجابی ترجمہ)

○

ایہہ پتر ہٹاں تے نسئیں وکدے

ایہہ پتر ہٹاں تے نسئیں وکدے کیہہ لبھنی ایں وچ بزار گڑے
ایہہ دین ہے میرے داتا دی نہ ایویں ٹکراں مار گڑے

ایہہ پتر وکاؤ چیز نسئیں مل دے کے جھولی پائیے نی
ایہہ ایڈا ستا مال نسئیں کتوں جا کے منگ لیاپیے نی
ایہہ سودا نقد وی نسئیں ملدا تُوں لبھدی پھریں ادھار گڑے

اینہاں دشمنناں کولوں کیہہ ہرنا ایہہ کسے کولوں وی ہر دے نہیں
 اینہاں دشمنناں کولوں کیہہ ڈرنا ایہہ موت کولوں وی ڈر دے نہیں
 ایہہ اپنے دیس دی عزت تُوں جان آپنی دیندے وار گڑے
 دھن بھاگ نہیں اوہناں مانواں دے جنہاں مانواں دے ایہہ جائے نہیں
 دھن بھاگ نہیں بھین بھرانواں دے جنہاں گودیاں ویر کھڈائے نہیں
 ایہہ مان نہیں ماناں والیاں دے نہیں ایس دی تینوں سار گڑے
 ایہہ پتر ہٹاں تے نہیں وکدے کیہہ لبھنی ایں وچ بزار گڑے

نظم

گھر چوں بچے، سیویاں لے کے، مسجد ولے چلے
 سوچناں وال، ایہہ سیویاں پہلے
 مولوی دی بیوی چکھے
 یاں اوہ بڈھری
 جس نے اج دی
 آس چ، سارے سال دے روزے رکھے



ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ

(1899ء)

ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ منشی شیر سنگھ کے ہاں گوجر خان میں پیدا ہوئے۔ راولپنڈی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لاہور اور کلکتہ میں تعلیم مکمل کی۔ 1928ء میں پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ پنجابی کے ہیڈ مقرر ہوئے۔ 1947ء میں امرتسر چلے گئے۔ "History of Punjabi Literature" آپ کی معروف کتاب ہے جس پر 1931ء میں کلکتہ یونیورسٹی نے آپ کو ڈی لٹ کی ڈگری دی۔ تحقیق و تنقید کے علاوہ آپ ایک عمدہ شاعر بھی تھے۔ پہلا مجموعہ کلام "ساوے پتر" کے نام سے آئینہ ادب لاہور نے 1979ء میں شائع کیا جس میں "رب اک گنجھلدار بھارت" "چھٹو دی پیری" "انارکلی" اور "نور جہاں" جیسی اہم اور مقبول نظمیں شامل ہیں۔

رب

رب اک گنجھلدار بھارت رب اک گورکھ دھندا
کھولن لگیاں پیچ ایس دے کافر ہو جائے بندہ
کافر ہونوں ڈر کے جیویں کھوجوں مول نہ کھنچیں
لائی لگ مومن دے کولوں کھوجی کافر چنگا

ماں

ماں ورگا گھن چھاواں بوٹا مینوں نظر نہ آئے
لے کے جس توں چھاں اُدھاری رب نے سورگ بنائے
باقی گل دنیا دے بوٹے جڑ سکیاں مرجھاندے
اپر بھلاں دے مرجھائیاں ایہہ بوٹا سک جائے

انہی دے بوٹے تھلے

اک بوٹا انہی دا گھر ساڈے لگا نی
جس تھلے بہناں نی سُرگاں وچ رہنا نی

کیہ اوس دا کہنا نی
 پر ماہی باجھوں نی
 ایہہ مینوں وڈھدا اے
 اس بوٹے تھلے جے
 تے جی پرچاون نوں
 کوئل دیاں کواک نی
 پیہڑے نوں بھٹاں میں
 پھر ڈردی بھابو توں
 یاداں وچ ڈُبی دا
 تے سوئی کسیدے دی
 پھر اٹھ کے پیہڑے توں
 چچی دھر ٹھوڈی تے
 سکھاں دیاں گلاں نی
 کھیراں تے پوڑے نی
 سوہنے دے ترلے نی
 جاں چیتے آ جاون
 جس شبھ دھاڑے نی
 میں نہاتی دھوتی نی
 میں کجلا پایا نی
 مل مل کے کھوڑی میں
 کڈھ کڈھ کے بُندیاں میں
 ویہڑے دا گہنا نی
 پردیسی باجھوں نی
 تے کھٹا لگدا اے
 میں چرخنی ڈاہنی آں
 دو تنداں پانی آں
 مارن بندوقاں نی
 چرخنی نوں پھوکاں نی
 لے بہاں کسیدہ جے
 دل کدھرے جڑ جاوے
 پوٹے وچ پڑ جاوے
 میں بھنجے بہہ جاواں
 ویہناں وچ ویہہ جاواں
 میلاں دیاں گھڑیاں نی
 ساون دیاں جھڑیاں نی
 تے میریاں اڑیاں نی
 لوہڑا ہی پا جاون
 گھر میرا لاڑا سی
 میں وال دھائے نی
 میں گہنے لائے نی
 ہیرے لشکائے نی
 کئی پھند بنائے نی

جاں ہار شنکاراں توں
 آ انبی تھلے پھر میں
 اوہ چند پیارا وی
 اوہ میریاں پریتاں دا
 قصے پردیساں دے
 گھمکھار جہازاں دی
 ویری دے ہلے نی
 اوہ دسی جاوے تے
 اُس گلاں کردے نوں
 بدلاں دی شوکر نے
 چرخی دی گھوکر نے
 کوئل دی کوکونے
 تے گھوک سلا دتا
 چرخی دی چرخ توں
 جا سٹے سوہنے دے
 میں کھل کے ہسی نی
 میں دوہری ہو گئی نی
 اوہ اٹھ کھلویا نی
 اوہ ہٹ ہٹ تے نی
 اوہ مڑ مڑ پچھے نی
 میں ویہلی ہوئی نی
 جا پونی چھوہی نی
 آ بیٹھا ساہویں نی
 سوہنا ونجارا نی
 لاماں دیاں گلاں نی
 ساگر دیاں چھلاں نی
 سوہنے دیاں ٹھلاں نی
 میں بھراں ہنگارا نی
 پیتاں دی کھڑ کھڑ نے
 ونگاں دی چھن چھن نے
 پٹیاں دی لوری نے
 منجے تے پا دتا
 تک ستا ماہی نی
 میں کالکھ لاہی نی
 متھے تے لائی نی
 میں تاڑی لائی نی
 میں چوہری ہو گئی نی
 گھبرایا ہویا نی
 میں کھڑ کھڑ ہنساں نی
 میں گل نہ دستاں نی

تک شیشہ چرخی دا	اُس گھوری پائی نی
اوہ کچھے بھجا نی	میں دیاں نہ ڈاہی نی
اُس مان جوانی دا	میں ہٹھ زنانی دا
میں اگے اگے نی	اوہ کچھے کچھے نی
منجی دے گردے نی	انجی دے گردے نی
نسدے وی جایی نی	ہسدے وی جایی نی
اوہدی چادر کھڑکے نی	میری کوٹھی دھڑکے نی
اوہدی جُستی چپکے نی	میری جھانجھر چھنکے نی
اوہدی پگڑی ڈیہہ پئی نی	میری چُستی لہہ گئی نی
جاں ہف کے رہ گئے نی	چُپ کر کے بہہ گئے نی
اوہ کیہا دھاڑا سی	اوہ بھاگاں والا سی
اوہ کرماں والا سی	گھر میرا لاڑا سی
اج کھان ہوواواں نی	اج ساڑن چھاواں نی
ترکھان سداواں نی	انجی کٹواواں نی
توبہ میں بھلّی نی	ہاڑا میں بھلّی نی
جے انجی کٹاں گی	چڑھ کس دے اُتے نی

راہ ڈھول دا تکاں گی؟



ڈاکٹر فقیر محمد فقیر

(پ1900ء۔)

ڈاکٹر فقیر محمد فقیر حکیم میاں لال دین کے ہاں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ 13 برس کے تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے والد حکمت کرتے تھے مگر آپ نے میڈیکل کالج لاہور کی لیبارٹری میں کام سیکھ کر گوجرانوالہ میں اپنا شفاخانہ کھولا۔ پنجابی ادب کی اس قدر خدمت کی کہ آپ کو بابائے پنجابی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ باکمال شاعر اور تحقیق و تنقید اور شاعری کے کئی مجموعوں کے خالق تھے۔

○

نقش ہستی مٹائیو ای تے بھلا کیتا ای ایہہ اک ہور تکلیف وی کری جائیں
میری قبر دے کول دی جان والے ڈھیری ڈھا کے پدھری کری جائیں
ساہنوں نام نشان دی لوڑ کئیہ اے، اپنے کولوں جو دھرنا ای دھری جائیں
کاہدے پتے فقیر نیں عاشقاں دے، کردا قبر دی تہمت توں بری جائیں

غزل

جانا اوہناں ول کدی اویر آپے کدی جان کے آپ سویر جانا
جانا جا کے سوچنا، پرت اونا، پچھانہہ پرت کے سوچنا، فیر جانا
کول ہوندیاں، اوہناں ول جان دے لئی، موڑا مڑی جانا، ولے پائی جانا
اساں جدوں وی اوہناں دے ول جانا، راہواں نال کر کے ہیر پھیر جانا
ہوندا کوں بے وس سی، ول اوہناں، اون جان نادان جوانیاں دا
سرگھی پرتنا جا کے شام ویلے شامیں آونا جدوں سویر جانا
ہوندے رہن دو پاسیوں صلح دے لئی حیلے خوب بنوٹیاں روسیاں دے
ساڈا اوہناں ول ویکھنا چور نظرے، لنگھ اوہناں دا بلہ اُسیر جانا
ویکھے حسن دے درس وچ بڑی واری لفظ بدل جاندا سنے معنیاں دے
لباں ہلدیاں زیر دا زبر ہونا، نظراں نال ہو زبر دا زیر جانا

چڑھتل بدلے سمیاں دے موڈھیاں تے چڑھدی رہی اے حسن دے واریاں دی
دھرنے سوہنیاں نے جتھے پیر اوتھے لا عاشقاں سراں دا ڈھیر جانا
روپ بستیاں دے ویکھ چھڈنی نہیں ریت آپنی جنگلاں پربتاں نے
چڑیاں ویکھ کے بازاں نہیں اڈ جانا ویکھ ہرنیاں سہم نہیں شیر جانا



گیانی کرتار سنگھ

(1882ء-1952ء)

کرتار سنگھ سردار جگت سنگھ کے ہاں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 10 برس کے تھے کہ باپ کا سایہ
سر سے اٹھ گیا۔ 34 کے قریب چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں۔

روپ بسنت

کوئی پھل نہ پُتراں جیڈ مٹھا ہتو کوئی نہ سکتے بھراں جیہا
دیا جیڈ نہ ہور ہے پُن کوئی لائبھ وند نہ پُشو ہے گاں جیہا
سچا دھن نہ دوسرا دھرم جیہا ہور جاپ نہ رام دے ناں جیہا
ہور سکھ جہان دے وچ کوئی نہ سرتے پیو دے سائے دی چھاں جیہا
جانور غریبڑا وانگ گھگھی اتے چنچل کوئی نہ کاں جیہا
بھانویں دیس پردیس دی سیر کر لتو پر سکھ نہ اپنے تھاں جیہا
دنیا وچ دریا نیں بہت بھانویں رنگ عشق نہ کتے جھناں جیہا
دیکھ ڈھونڈ کے جگ کرتار سنگھا کوئی ساک نہ ہور ہے ماں جیہا



فیروز دین شرف

(1901ء-1955ء)

لاہور میں 1901ء میں ویروخان کے گھر پیدا ہوئے جو ریلوے پولیس میں ملازم تھے، معمولی تعلیم حاصل کی۔ اسٹیشن پر قلیوں کا کام کرتے رہے پھر شاعری شروع کی تو فلمی دنیا سے وابستہ ہو گئے۔ پہلا شعری مجموعہ ”دُکھاں دے کیرنے“ 1923ء میں گورکھی رسم الخط میں امرتسر سے چھپا۔ ”سنہری کلیاں“ 1931ء میں، ”نوری درش“ اور ”شرف نشانی“ 1934ء میں ”جوگن“ 1943ء میں اور ”شرف ہلارے“ اور ”دل دے ٹکڑے“ کے علاوہ بھی کئی شعری مجموعے شائع ہوئے۔

سرمایہ داری اور انگریزوں کی غلامی کے خلاف خوب نظمیں لکھیں۔ طنز و مزاح کے رنگ میں بھی بہت لکھا۔ ڈاکٹر دلشاد ڈوانہ صاحبہ نے ان پر پی ایچ ڈی پنجابی کا تھیسس لکھا جو کتابی صورت میں چھپ چکا ہے۔ 14 مارچ 1955ء کو بدھو دے آوے قبرستان لاہور میں مدفون ہوئے۔

دھی دی قبرتے ماں

اُٹھ اُٹھ دھیے قربان تیری نیند تُوں تیرے کول آئی اج امبڑی پیاری تیری
گوڈے گوڈے دن اتوں چڑھ آیا ویکھ سہی اے تیک لتھی نئیں سَتیے خمار تیری
گولیاں دے وانگ تینوں اج پئی جگانی ہاں ویکھ کیڈی بھاوندی اے مینوں سرداری تیری
سانبھ سوت سوہنیے نی گڈیاں پٹولیاں تُوں میتھوں تے نہ ہووے کٹھی کھڈی ایہہ کھلاری تیری
سوسو واری دن وچ رُستی تُوں منوندے ساں ایہتے کون کردا اے دس دلداری تیری
چل دھیے گھر چل اوپرے جیسے شہر وچوں کلیاں نئیں رہن چنگا عمر اے کنواری تیری

بڑا سوہنا عورت دا اکھر بنایا دوہاں نقطیاں نال ایہنوں سجایا
شرف اک نقطہ ہے جنت دا نقشہ تے دوہے دے اندر ہے دوزخ چھپایا

جیونکر بیڑی پانی اندر کردی ہے ایہہ کارے آپ رہے وچ پانی گلدی پر لوکاناں تُوں تارے
اوسے وانگوں کرنی والے آپ ظلم وچ رہ کے شرف جیسے لکھ پاپیاں دے نین کردے پار اتارے

○
 باجھ خوشی دے ہسیا نہیں جاندا رونے غماں دے با،جھ نہیں روئے جاندا
 درد باجھ نہیں سینے وچ چھیک ہوندا چھیکاں باجھ نہیں موتی پروئے جاندا

○
 ہائے ربا میریا توں شیشہ ای بنا دیندوں مینوں میرے یار دا، میں ہوندا کسے کار دا
 اوتھے ای کھلوتا رہندا کندھ نال لگ کے جتھے مینوں آپ جانی پھڑ کے کھلار دا
 دوئیں دھڑیں لگی ہوئی اکو جیہی اگ ہوندا ڈاڈا مزا آ جاندا قسمیں پیار دا

○
 اوہ ہے بُت فرنگ تے میں ہندی ویکھو عشق لگا دل نوں کس دا اے
 اوس لیلیٰ دا مجنوں ایہہ بنے پھر دا موٹر وچ بہندا اکتا جس دا اے
 پناں پیسیوں نوکری کراں اوہدی پھر بھی ڈر رہندا ڈس مس دا اے
 فیشن طلب ہے آبلہ دل ایسا نہ ایہہ جان چھڈے نہ ایہہ پھسدا اے

○
 والاں چٹیاں آن پیغام دتا کوئی دم دی باقی حیات رہ گئی
 مڑ گئے ناز انداز تے حُسن نخرے نہ اوہ چلبلی گل تے بات رہ گئی
 تیرے نال دے ساتھی تے لد گئے نیں سٹی پی کیوں تیری اک ذات رہ گئی
 تارا کوئی کوئی چمکدا سر تے اٹھ غافلاں تھوڑی جیہی رات رہ گئی

○
 لمی دھون کبوتری وانگ پتلی کونجاں ویکھ کے تے شرم کھان پیارے
 کولے ہتھ تے پٹ دے بنے ہوئے نیں لایئے ہتھ تے میلے ہو جان پیارے
 نرم پٹ تے ریشمی پٹ اوہدے نالے پٹ دے سدا ہنڈان پیارے
 کراں کیہہ نہیں لگدا جی میرا اوس پری باجھوں کسے آن پیارے



فیروز سائیں

(پ1902ء)

فیروز الدین فیروز امرتسر کے رہائشی تھے۔ اصلاحی نظمیں کہتے تھے اور ترنم سے پڑھتے تھے۔ فیروز سائیں کے نام سے مشہور ہوئے۔ اپنے دور کے ایک اہم شاعر تھے۔ شعری مجموعہ ”ہاڑے“ 1960ء میں شائع ہوا۔

○

ساڈے قومی خدمت گار

مٹی دے وچ موتی رولن کیرے کدھن، کوڑا پھولن
ہتھیں دے کے دندیں کھولن گلیں دیندے وقت گزار

ساڈے قومی خدمت گار

اگاں بال نہ پتھر گل دے بن تیلوں ناں دیوے بلدے
تھکاں نال پکوڑے تل دے بڑے چالاک بڑے ہوشیار

ساڈے قومی خدمت گار

راہاں دے وچ ککے گڈن پھل ناں کھاندے جڑھ نوں وڈھن
تردے تائیں ڈوب کے چھڈن ڈوبن جاندے نین وچکار

ساڈے قومی خدمت گار

ودھ دے جاندے دکھ اساڈے دور دسیندے سکھ اساڈے
نیڑے رہندی بھکھ اساڈے بھکھے تائیں دین اچار

ساڈے قومی خدمت گار

روگ ناں جانن حکمت کردے لوکی بھکھ دے دکھوں مردے
دارو دین اوہ درد جگر دے دین نہ اوہ وی کرن ادھار

ساڈے قومی خدمت گار

پاکستان نوں رب بچاوے بے درداں دے ہتھ نہ آوے
مینوں اکو چیز ڈراوے کہیاں پھڑ بیٹھے معمار

ساڈے قومی خدمت گار

درشن سنگھ آوارہ

(پ۔1906ء)

درشن سنگھ آوارہ عطر سنگھ کے گھر کالا گوجراں ضلع جہلم میں 31 دسمبر 1906ء کو پیدا ہوئے۔ ہوش سنبھالا تو گوجراں والہ آگئے۔ تقسیم ہند کے وقت پٹیا لہ چلے گئے۔ آپ کی باغیانہ اور سیاسی نظمیں بے حد زور دار ہوتی تھیں۔ انگریزوں کے خلاف باغیانہ نظموں کا پہلا مجموعہ ”بجلی دی کڑک“ 1923ء میں شائع ہوا جسے حکومت نے ضبط کیا اور دفعہ 124، الف کے تحت مقدمہ چلانا چاہا مگر یہ مفرور ہو گئے۔ برما، ملایا، افریقہ اور دیگر ممالک میں روپوشی کے عرصے میں فرضی تخلصوں کے ساتھ شاعری کرتے رہے اور آخر میں ”آوارہ“ تخلص اپنالیا۔ ان کے مجموعہ کلام ”بغاوت“ پر بھی مذہبی حلقوں کی طرف سے کڑی تنقید کی گئی کیونکہ اس میں خدا سے شکوے کے علاوہ مذہبی ٹھیکیداروں پر بڑی سخت تنقید کی گئی تھی۔ آپ نے عمر خیام کی رباعیوں کا ترجمہ بھی کیا۔ ”بغاوت“ کا دیباچہ گور بخش سنگھ نے مارچ 1940ء میں لکھا تھا اور پہلی مرتبہ یہ کتاب مئی 1942ء میں شائع ہوئی۔ آپ کا ایک ہی بیٹا تھا جو جوانی میں فوت ہو گیا۔ اس کے غم میں انھوں نے خدا سے شکوہ کرتے ہوئے جو نظم لکھی وہ کافی طویل اور ان کے اور بیخبل خیالات کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ”بندہ بندے نوں“، ”رب بندے نوں“، ”رب باغی نوں“، ”مالی نوں“ بہت خیال بھری طویل نظمیں ہیں جن میں سماجی و مذہبی بغاوت کا عنصر اور بہت تیکھا اظہار پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ”اوہ دیش“ بھی ان کی ایک معرکہ آرا نظم ہے جو انقلابی خیالات کی حامل ہے۔

(2)

جتھے گھر وچ گھپ ہنیرا اے
پر مندیریں دیوے بلدے نیں
گھر بچے بھکھے مردے نیں
خنکاپیں کُتے پلدے نیں
بھنگ بھجدی اے گھر گوانڈھی دے
گوردوارے لنگر چلدے نیں
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(1)

اوہ دیش جہدے وچ قاتل وی
پوچے ستکارے جانڈے نیں
اوہ دیش جہدے وچ بے دوسے
راہ جانڈے مارے جانڈے نیں
اوہ دیش جہدے وچ لٹاں توں
دل توڑے وارے جانڈے نیں
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(3)

جتھے بندہ اک وی وسدا نہیں
کوئی مسلم، کوئی عیسائی ہے
کوئی ہندو، سکھ کوئی جینی ہے
کوئی سُئی کوئی مرزائی ہے
جتھے سڑے مونہوں کدے سُنیا نہیں
ایہہ میرا ”وطنی بھائی“ ہے
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(4)

جتھے شرع غضب وچ آوندی اے
معصوم تے پاک پریتاں توں
جتھے روز دہاڑی جھگڑے نیں
انہاں مندرراں اتے مسیتاں توں
ارمان لٹائے جاندے نیں
جتھے رسم، رواجاں، ریتاں توں
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(5)

جتھے جھگے پٹ مریداں دے
ہن محل اُسارے پیراں نیں
جتھے گھر جماناں روٹی نہیں
پنڈتاں دی تھالی کھیراں نیں
جتھے بھائی پاندے بوسکیاں
بھیناں دے تن تے لیراں نیں
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(6)

جتھے گٹے کجناں پاپ ہے پر
گل چھری چلانا پاپ نہیں
جتھے پاپ ہے لاہنا کچھے دا
جھٹکا کروانا پاپ نہیں
جتھے پاپ ہے ٹٹناں رسماں دا
دل توڑ گوانا پاپ نہیں
اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(7)

مزدور جتھے تن ننگے نیں

(8)

ہسن دی جتھے منای ہے

جتھے کائے بھکھے مردے نیں
 نہیں اَن نصیب کساناں نوں
 آہاں نال ڈھڈ پئے بھر دے نیں
 پر پنڈت بلھے لُٹ دے نیں
 تے مُلاں موجاں کر دے نیں
 اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(9)

جتھے مڑھیاں تے پھُل چڑھدے نیں
 قبراں تے میلے لگ دے نیں
 خنکاہیں عرس منیندے نیں
 دن راتیں دیوے جگدے نیں
 مویاں دی پوجا ہوندی اے
 پر جیوندے کوڑے لگدے نیں
 اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(11)

جتھے دارو دی تھاں روگاں وچ
 ٹونے کروائے جاندے نیں
 جتھے تھانویں وید حکیمان دی

مسکاون تے پابندی اے
 جتھے دل کھولن دی کھل نہیں
 تے چاہون تے پابندی اے
 اظہار منع ہے ریکجھاں دا
 دل لاون تے پابندی اے
 اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(10)

اوہ دیش کہ جس دے لوکاں وچ
 کوئی جذبے دا احساس نہیں
 کجھ کر سکے دی تاہنگ نہیں
 کوئی ریجھ نہیں کوئی آس نہیں
 اک دوجے تے وشواش نہیں
 اقراراں دا کوئی پاس نہیں
 اوہ دیش توں مینوں دس ویرا
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(12)

اوہ دیش جو دوزخ بنیا اے
 جنت دے اِکو لارے تے
 جتھوں امن اڈاری لا جاندے

گھر سنت بلائے جانے نہیں
 کوئی اصلی حیلہ کرن دی تھاں
 بس پاٹھ رکھائے جانے نہیں
 اوہ دلش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(13)

اوہ دلش جہدا پردیساں وچ
 کوئی آدر نہیں کوئی مان نہیں
 اوہ دلش جہدی بھہ گنتی نوں
 کوئی علم نہیں کوئی گیان نہیں
 بوٹاں دے ٹھڈے کھا کے دی
 جہدا جیوندا سوے سماں نہیں
 اوہ دلش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

(14)

اوہ دلش کہ جہدے جواناں وچ
 کوئی شوق نہیں اتشاہ نہیں
 کوئی نفرت نہیں غلامی توں
 آزادی دی کوئی چاہ نہیں
 نہ دل دی دھڑکن چٹکھی اے
 اسماناں ول نگاہ نہیں
 اوہ دلش توں مینوں دس ویرا
 برباد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!
 ناشاد نہ ہووے تاں کیہ ہووے!

○
 باغ ارم توں ودھ کے مینوں پیارے پیارے وطن
 اس پردیسی ر کھیلے دے تخت ہزارے وطن

○
 رانجھے وانگوں نہیں سی چائیں تخت ہزارہ چھڈیا
 روندی ہیر دے وانگوں مینوں قسمت زوری کڈھیا
 جہلم توں وچھڑ کے اکھیاں وانگ جھناں دے روئیاں
 سوہنی ورگیاں لکھاں سدھراں اس وچ ڈب ڈب موئیاں



حاجی محمد عالم

(1907ء-1991ء)

1907ء میں کینٹ لدھو میں محمد حسن کے گھر پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد انڈین آرمی میں چلے گئے۔ آخری عمر اپنے بڑے صاحبزادے اخلاق ارشد کے پاس گوجرانہ میں گزاری۔ 27 مئی 1991ء کو انتقال کیا۔ شیر زمان ان کے خاص شاگرد تھے۔ نوکلاسیکی رنگ کے اس شاعر کے کلام سے تین نمونے پیش ہیں جن سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیسویں صدی کی دوسری چوتھائی میں شاعر کس قسم کے موضوعات پر لکھ رہے تھے۔ اس دور میں اکثر شعراء نے بلبل اور مالی کے مکالمات کے حوالے سے تمثیلی انداز میں کلام لکھا جو بنیادی طور پر استعارہ تھاروح اور کلبوت کا یا عاشق اور محبوب کا باصیاد اور صید کا۔

دلیل شاعر

ہو یا شوق اشتیاق مشتاق دلبر قصہ جوڑیے عجب عجیب واہ وا
ہووے پُر تحریر تقریر میں تھیں ہووے وزن موزون ترتیب واہ وا
حالت لکھ مالی دوجی بلبل والی ہووے عجب قریب ترکیب واہ وا
قصہ ہووے تیار اقرار دلبر ہووے عالمآ! وصل نصیب واہ وا

زاری بلبل

بلبل بولدی پھولدی حال دل دے اتھروں ڈولھدی کوکدی ہائے مالی
گئے بھور بھنھور نوں شور کردے کھڑیا باغ پر لطف دکھائے مالی
سن کے حال زاری ماری تد ڈاری دتی رب یاری پہنچی جائے مالی
دیویں عالمآ! حکم خدا لیکھے سیر کرن تھیں دل ترسائے مالی

جواب مالی

مالی آکھدا خوب میں جاندا ہاں تیرے جہیا نہ کوئی مکار موئیے
کریں پئی زاری بھادیں لکھ واری کراں مول نہ ایہہ پپار موئیے

دیواں صاف جواب شباب پہلے جھوٹھا قول نہ کراں قرار موئیے
کراں مول نہ گل قبول عالم پھل پھل دا کریں خوار موئیے
(جھگڑا بلبل دمانی)

دلیل شاعر

آئی رت خزاں دی رت اتے واگاں یار دے ول چا موڑیے جی
قصہ حسن تے کبر تقدیر والا طاقت عقل دی نال چا لوڑیے جی
عنی خوشی تے درد دے جوش والا نال وزن دے شعر چا جوڑیے جی
ڈھال عالما! سچ نوں وچ سانچے کوڑی حرص نوں چا تروڑیے جی

کلامِ حُسن

حُسن آکھدا نال نزاکتاں دے، میرا سب کولوں اُچا شان مائے
کراں گل نہ مست مغرور ہو کے، ترلے لاوندا کُل جہان مائے
مرے پچھے تے لکھاں فنا ہو گئے ہور ہووندے شاہ سلطان مائے
میں تے کُل دا عالما! پیر اُچا خادم کُل میرے اُچے خان مائے

کلامِ کبر

کبر غضب تھیں بولیا حسن تائیں میں تے تده تھیں بڑی سرکار میاں
لڑ لگیاں دا سٹاں لڑ ناہیں زوری کراں چا جنگ تیار میاں
میرا کم ناہیں ڈرناں ڈاڈھیاں تھیں میری مرد والی ایہو کار میاں
پہلوں عالما! پُچھ ابلیس کولوں مٹاں گل ناہیں دوجی وار میاں

جواب تقدیر

اتنا سن کے بول تقدیر اٹھی گل دوہاں نوں ہک سنا دیواں
دم مارنے دی اتھے جا ناہیں آئے ساہ تھیں ساہ اڈا دیواں

بھاوے رب نوں تے بھاوے مجھ تائیں آدم جنتوں باہر کڈھا دیواں
نٹھے شیر زمان جے گور کولوں موسیٰ جیہاں نوں گور ٹکا دیواں
(جھگڑا: حُسن، کبر و تقدیر)

جواب

و۔ وگدا عشق دریا ٹھاٹھاں جاوے پیش نہ کجھ موہانیاں دی
تیویں عشق دی لہر طوفان چڑھیا جاوے پیش نہ کجھ ایانیاں دی
کرے عاشقاں آن چلان جلدی جاوے پیش نہ کجھ بہانیاں دی
ہوئے اپیل نہ کدی منظور عالم، جاوے پیش نہ کجھ سیانیاں دی
(پنچہ عشق صادق)



باقی صدیقی

(1908ء-1972ء)

باقی صدیقی کا اصلی نام محمد افضل تھا۔ آپ 20 دسمبر 1908 کو موضع سہام نزد راولپنڈی پیدا ہوئے۔ 63 برس کی عمر پا کر 8 جنوری 1972 کو انتقال کیا اور اپنے آبائی گاؤں میں دفن ہوئے۔ تمام عمر مجرد رہے۔ سترہ سال ریڈیو کی ملازمت میں گزارے۔ اردو اور پوٹھوہاری دونوں زبانوں کے صاحبِ اسلوب شاعر تھے۔ پوٹھوہاری مجموعہ کلام ”کچے گھڑے“ کے نام سے شائع ہوا۔

آزادی

اُچیاں کندھاں

ڈک نہ سکن

پھلاں نی خوشبو

ساڑا

مُدھ غلابی چُنی رنگی

میں غلابی پگ

دو دلاں نا اتنا ملنا

تک نہ سکیا جگ

کوڈی

کوڈی ہک ارمان

رنگ برنگے روپ بدل کے کھیڈن سب انسان

کوڈی ہک دستور

دشمن گھیر اپا کے آئے سجن ہسن دور

کوڈی ہک آواز

جیہڑا وچ پڑے نے لتھا لبھا اُس ناراز

کوڈی ہک لکیر

ہتھ لگے تے قسمت، نہیں تے وچ کلیجے تیر

اِی ڈنہ
 جاتک کھیڈن اِی ڈنہ
 کوئی پدے
 کوئی پدائے
 ڈنہ چاکے اِی پچھے دوڑن
 اپنی وارنہ چھوڑن
 اُچی نیویں جانی اُتوں
 واؤ آرتین
 مارکے چھٹ الاں نے نیچے
 اُڈنی اِی نین
 تگن زمیں نہ بنہ
 جاتک کھیڈن اِی ڈنہ
 اِی ڈنہ
 اج اک کھیڈتے کل اک ہاسہ
 نکیاں کھیڈن آپے تے وڈیاں وقت کھڈائے
 آپنے ہون پرانے
 وقت اجیہاٹلہ مارے
 گاس چڑھے سدھراں نی اِی
 جھلاہو کے بندہ
 پچھے پچھے دوڑے
 ہوش بھلائے
 جان گمائے
 اِی اسماناں وچ تارا
 ہتھ نہ آئے
 وقت وڈا کھڈیار پرانا
 ساری عمر پدائے



استاد دامن

(1911ء-1984ء)

اصل نام چراغ دین، تخلص دامن۔ میاں میرا بخش کے ہاں 4 ستمبر 1911ء کو اندرون لوہاری گیٹ پیدا ہوئے۔ 3 دسمبر 1984ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور باغبانپورہ میں شاہ حسین کے مزار کے ساتھ والے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ ساری عمر لاہور میں ٹیکسالی دروازے کے ایک حجرے میں گزاری اور یہیں وفات پائی۔ استاد رمضان ہدم کے شاگرد تھے۔ اپنے سیاسی اور ناقدانہ کلام کے باعث جیل یا تڑا بھی کرنی پڑی اور مقدمے بھی بنے۔ فلموں کے لیے کئی مقبول گیت بھی لکھے۔ وفات کے بعد فیروز سنز لاہور کی طرف سے مجموعہ کلام ”دامن دے موتی“ کے نام سے شائع ہوا۔

○

کدی مری جانا ایں	کدی شملے جانا ایں
کھچی دری جانا ایں	لاہی کھیس جانا ایں
ایہہ کیہ کری جانا ایں؟	ایہہ کیہ کری جانا ایں؟
دُھسا دُھوس جانا ایں	دُھسا دُھس جانا ایں
بن کے جلوس جانا ایں	جھتے جانا ایں توں
ایہہ کیہ کری جانا ایں؟	ایہہ کیہ کری جانا ایں؟
کدی روس جانا ایں	کدی چین جانا ایں
جاسوس جانا ایں	بن کے توں امریکی
ایہہ کیہ کری جانا ایں؟	ایہہ کیہ کری جانا ایں؟
ٹنگی باہواں جانا ایں	لاہی کوٹ جانا ایں
فلوس جانا ایں	اڈائی قوم داتوں
ایہہ کیہ کری جانا ایں؟	ایہہ کیہ کری جانا ایں؟

○

ہنجورات دے، ٹپکے تریل دے نیں
ہنجو، ہنجواں تے سٹ دے گزر چلے
زندگی کیہ اے؟ نین سیبیاں دی
روندے آئے ساں، پٹدے گزر چلے

خون جگر دا تلی تے رکھ کے تے دھرتی، پوچدے پوچدے گزر چلے
ایتھے کیوں گزارے، زندگی نوں؟ ایہو، سوچدے سوچدے گزر چلے

پاکستان مکان اک بن گیا اے وِسں سادھ اُتے، رہندے چور بیٹھاں
ایتھے نوں حساب اک نکلیا اے رہن سینکڑے اُتے، کروڑ بیٹھاں
لوکاں پہاڑاں دے پہاڑ پلٹ سٹے اسیں آئے وٹوانی دے روڑ بیٹھاں
لوکی چن تے پنچے جاپدے نیں اسیں گئے زمین چ توڑ بیٹھاں
بھج بھج کے دکھیاں چور ہونیاں بھوں چوں دکھیا تے کھوتی بوہڑ بیٹھاں

پنچھی اُڈا اُڈا جائے کتھے جیہڑی تھاں جاوے نامراد آوے
پنجرے وچ میں چمن نوں سہکدا ساں چمن وچ آ کے پنجرہ یاد آوے
جھونکا جو ہوا دا آوندا اے کرن آہلنا میرا برباد آوے
جاں قربان تیری ایس دا اُتوں میرے تڑپیاں تینوں سواد آوے

منان مونہیں ہے اوس دا بھار ہوندا جیہڑی گل ہے ماسیاں تولیاں دی
سوچ سمجھ کے جیہہ ہلائی دی اے سانجھی کان اے ہیریاں کولیاں دی
سب کجھ دیکھ تے کجھ نہ کہو ایتھے عادت پا کے گنگیاں بولیاں دی
سیاہ کاریاں کالا ہے مونہہ کیتا دامن لاج رکھ چٹیاں دھولیاں دی

ٹوں شکاری میں پنچھی ہاں وچ پنجرے، جے کر بولن نہیں دیندا پھڑکن تے دے
جیہڑے تیر توں مارے نیں وچ سینے، جے کر کڈھن نہیں دیندا رڑکن تے دے
ہو سکدا اے ہلچل مچا دیوے، میرے دل دی دھڑکن نوں دھڑکن تے دے
کھس گئے پر دامن! ہے جیہہ باقی، کجھ کہن دے بلٹھاں نوں سڑکن تے دے



استاد امام دین گجراتی

(1870ء-1954ء)

ہنر گوئی کے استاد اور عوامی شاعر امام الدین کے والد کا نام میر حسن دین تھا۔ تحصیل علم کے بعد میونسپل کمیٹی گجرات میں چونگی محرر کے طور پر بھرتی ہوئے اور اٹھائیس سالہ ملازمت کے بعد ریٹائر ہوئے۔ 1900ء کے لگ بھگ پنجابی چو مصرعے سے شاعری کی ابتدا کی۔ ایک طویل عرصے تک گجرات کے عوامی مشاعروں کی جان رہے۔ تین کتابوں کے مصنف ہیں۔ پہلی کتاب ”بانگ دہل“ 1932ء میں شائع ہوئی۔ دیگر کتابوں میں بانگ رحیل اور صور اسرافیل ہیں۔ کہتے ہیں کہ امام دین گجراتی کے شور شرابے کے پیچھے منشی لطیف گجراتی کی انجمن ساز طبع کار فرما تھی۔ خاص طور پر امام دین گجراتی کا مشہور مقدمہ جو ممتاز دانشور راجہ حسن اختر (ڈپٹی کمشنر گجرات) کی عدالت میں مہینوں چلتا رہا اور اہل گجرات کے لیے تہقہ بکھیرتا رہا۔

○
ن۔ ناز کی دست میں پکڑ خنجر میرے قتل نوں طفل نواب اٹھیا
بارہا میں تڑپیا زیر زانو بارہا میں مثل حباب اٹھیا
کئی بار زخمی لہولہان ہو کے خاص بن گل دستہ گلاب اٹھیا
جلوہ حسن کی دساں امام دینا یوم الحشر گویا آفتاب اٹھیا
○

ایس دم دا کجھ وساہ ناہیں دن چارتوں جگ تے حیات رہیں
اک دن عدم نوں جائیں امام دینا سدایار نہ وچ گجرات رہیں
تیرا عشق جلا د نہیں جیون دیندا پیندا خون میرا ماس کھائے توبہ
توں کیہ کریں توبہ اوہ امام دینا بادشاہاں تھیں ظالم کرائے توبہ
○

ح۔ حسن والا خنجر مار کے تے، پائی فیر مڑ کدے نہ جھاتیا وے
تینوں قسم خدای ویکھ جائیں، خلقت خون اندر میرے نہاتی آوے
کدی آب وصال پیال آ کے، اعلیٰ بادشاہاں دے ملاقاتیا وے
سڑ گئی زندگی تپ فراق اندر، امام دین استاد گجراتیا وے



شریف کنجاہی

(1911ء-2010ء)

شریف کنجاہی کا تعلق سنجاہ ضلع گجرات سے تھا۔ ایم اے فارسی کرنے کے بعد اسکول ٹیچر اور بعد ازاں مختلف کالجوں میں فارسی کے لیکچرار رہے۔ آپ کا شمار پنجابی کی جدید شاعری اور بالخصوص چھوٹی نظم کے بانیوں میں ہوتا ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زیر اثر پنجابی شاعروں کی جو کھیپ سامنے آئی آپ ان کے سرخیلوں میں سے تھے۔ پنجابی لغت اور قرآن مجید کے پنجابی ترجمے سمیت آپ کی بے شمار کتابیں شائع ہوئیں۔ شعری مجموعہ ”جگراتے“ مطبوعہ 1958ء پنجابی شاعری میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ کی پنجابی خدمات پر حکومت نے آپ کو پرائڈ آف پرفارمنس دیا۔

مسافر

تیرا پنڈا پوری ٹوت دی تیری لغراں ورگی بانہہ
تیرے بلہ نیں بھل کریر دے تیرا جو بن ون دی چھاں
ایہہ چھاواں سدا نہ رہندیاں رہ جائے پچھتے ناں
اسیں رب سبھی گوریے اج آگئے ایس گراں
اساں جھٹ دوپہر گزارنی اساں بہتا نہیں پڑاں
اساں پنڈ نہ پانے جوگیاں، اساں کل نہ لینے تھاں
کس پلے پا کے بیٹھنا ایہہ دنیا اک سراں
تیرے جو بن وانگوں گوریے اسیں کل مسافر ہاں

○

اج میں بھیڑا اج میں جھوٹا میرے بول اوئے
چنگ تہاڈی ہٹی وکدا سچ تہاڈے پلے
اج وی جے میں اکھ منکے دے ای گیت سناواں
بال ناتھ دے چیلے والی تھاں تھاں ناد و جاواں
قصیاں دے وچ رانجھا بن کے جس گھر وقت گزاراں
اوسے گھر دیاں گڑیاں کڈھاں اوتھے ای سنہ ماراں
رٹاں دی جے اک اک کر کے سرتوں پیراں تائیں

وارو واری چسکے لیکے کراں میں صفت شنائیں
 تاں تے مینوں چنگا جانو میریاں واراں گاؤ
 میرے اک اک مصرعے اُتے رالاں پئے پُکاؤ
 جے میں آکھاں اسیں تسیں ہاں اک آدم دے جائے
 کیوں مڑ اک وگاراں کٹے تے اک وہیلیاں کھائے
 جے میں آکھاں دنیا اُتے بے گھر کوئی نہ ہووے
 جے میں آکھاں بڈھے ویلے ٹوکری کوئی نہ ڈھووے
 جے میں آکھاں مٹا لوناں سارے رل کے کھائیے
 اک دو جے دیاں باہواں بنیے نالے بھار وٹڈائیے
 جے میں آکھاں جھگڑیاں والیاں ساریاں مسلاں ٹھپے
 مار مکاؤ گلاں دے وچ نہ ہنپے نہ کھپے
 تاں میں بھیڑا تاں میں جھوٹھا میرے بول اولے
 چنگ تہاڈی ہٹی وکدا سچ تہاڈے پلے

○

صحت نال جہان دے کم چلدے صحت باج نہ کوئی وی کار ہووے
 ایہہ پر اوس دی صحت کیہہ رہ سکے جیہڑا ٹکڑوں وی اوازار ہووے
 دن چڑھے تے ٹوکری ڈھون لگے شامی چھلڑے دا روادار ہووے
 آوے گھرتے کھان نوں کیہہ لہے، رُکھی روٹی تے نال اچار ہووے
 ایہناں پیسیاں نال ایہہ آپ سوچو فیلسوفیاں کرے کہ ڈنگ ٹورے
 اخنی قورے اوہدے نصیب کتھے اپنی رت پیوے اپنے ہڈکھورے
 پر ایہہ سمجھ لئو کدے جہان اُتے گڈیاں چڑھ کے نئیں اسمان رہیاں
 لیکے پوری چرکلی ڈور مُردی اساں تکیاں نئیں تھلے آن پیاں
 ٹنڈاں کھوہ دیاں والا معاملہ اے بھریاں جان دے او کدوں تیک رہیاں
 مکدی گل جے ہن نئیں جرن جوگے بڑا چر جریاں بڑا چر سہیاں

کدوں تیک سوار اسوار چلسی اورک ہیٹھلی اُتے وی آونی این
اساں مُدتاں دے ہوئے دیندیاں نے مھیٹ لیکے کھیڈ مکاونی این

پانی بھرن پنہاریاں

پانی بھرن پنہاریاں تے وٹوں ون گھڑے بھریا اس دا جانے جس دا توڑ چڑھے
اوہوا لُج چرکلی اوہوا کھوہ دا گھیر اک بھنے اک بھرنے، ایہہ لیکھاں دا پھیر
لیکھاں دی سب کھیڈ ہے، جدوں ایہہ دیندے ہاں لکھاں سگھڑ سیانیاں بھنن ادھ وچکار
بگھنے گھٹ گھٹ بنھیاں تے نویں لیاںیاں لُج جس دا بھننا لکھیا، اس دا جاندا بھج
اس دی ڈھاک اج سکھنی، جس نے بھریا کل اج اوہ مُورکھ بن گئی، کل جس نوں سی ول
تکیاں مان کریندیاں اساں گھاگے ہتھ پھڑے پانی بھرن پنہاریاں تے دکھو دکھ گھڑے

ڈاکٹر شوکت علی قمر

4 نومبر 1950ء کو رمضان علی امرتسری کے ہاں فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ پنجابی میں پی ایچ ڈی
کر کے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں شعبہ پنجابی کے صدر نشین رہے۔ شعری مجموعہ ”اکھ دی پیڑ“
1983ء میں چھپا اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

ریت

مرن والے دی پھو ہڑی اُتے، رٹے ہوئے مکالمے کہہ کے
اوہدے جین حوالے دے نال، چور منافق لفظاں دے سنگ
ماچس دی تیلی ٹوں لے کے، توڑ سیاست گُرسی تیکر
اپنے دکھڑے جگ دے دُکھڑے، چسکے نال سنا جانداں نیں
لوکی، ریت نبھا جانداں نیں!

حشر دی گھڑی

دُنیاں دے وچ، اک دو جے دے، قدنوں چھوٹے کر دے پھرے
گلاں دے وچ، اک دو جے دے، دل دے ٹوٹے کر دے پھرے

بابا عالم سیاہ پوش

اصل نام محمد حسین، عرفی نام بابا عالم سیاہ پوش۔ والد کا نام میاں فضل کریم۔ گورداسپور کے پیدائشی اور لاہور کے رہائشی۔ ساری عمر فلم انڈسٹری سے وابستہ رہے۔ پیدائشی شاعر تھے۔ پنجابی کے بے شمار معروف نغمے لکھے جن میں ”میرے سجرے بھلاں دے گجرے کنڈیاں دے وس پے گئے“، ”میں چھج پتا سے ونڈاں اج قیدی کر لیا ماہی نوں“، ”میری جھا نجر جھن جھن چھنکے چھنکارا جاوے گلی گلی“ جیسے گیت بھی شامل تھے۔ مجموعہ ”کلام“ ”سنیریاں راتاں“ کے نام سے 1976ء میں لاہور سے شائع ہوا جس کا دیباچہ انور کمال پاشا نے اور پیش لفظ شباب کیرانوی نے لکھا۔ اپنے بچپن کے یار دھیلے شاہ کے عقدِ ثانی کے موقع پر دو شعر کہے جو یوں تھے۔

سجرے زخم

ڈٹھا عشق دا ڈاہڈا پپار اسیں بارہیں رُوں تے تیرہیں کپاہ بھئی واہ
اج کل دے اسیں حسین دیکھے اتوں چٹے تے وچوں سیاہ بھئی واہ
اسیں چین آرام لٹا بیٹھے ایویں گت دا کھاہدا وساہ بھئی واہ
عالم یار نوں اک وی تئیں ملدی دھیلے شاہ دا دوجا ویاہ بھئی واہ

وارث دی وراثت

جنھاں ماں پنجابن دا دُدھ پیتا اے اوہ کدی پنجابی نہیں بھل سکدے
جیہڑے ہنجو جھناں وچ ہین ڈلھے نہیں گنگا تے جمنا وچ ڈلھ سکدے
پنجاں پانیاں دے آبدار موتی کسے تھان وی ستے نہیں تل سکدے
وارث شاہ دیاں جتھے وراثتاں نیں اوتھے جھنڈے نہیں کسے دے جھل سکدے



احمد راہی

(1923ء۔)

کوچہ دھرم سالہ امرتسر میں خواجہ عبدالعزیز کے ہاں 12 نومبر 1923ء کو پیدا ہوئے۔ اصل نام غلام احمد تھا۔ 1947ء میں لاہور آگئے اور ”سویرا“ کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ 1949ء سے فلمی دنیا سے وابستہ ہوئے۔ گانے اور کہانیاں لکھیں۔ آپ کی فلم ”ہیر رانجھا“ بہت مقبول ہوئی۔ ”ترنجن“ کے نام سے پنجابی شعری مجموعہ 1952ء میں شائع ہوا۔

○

جو پانی اج پنتوں لنگھدا

اوہ نہ اوندا کھلکے

بیڑی دا پور ترنجن دیاں کڑیاں

فیر نہ بیٹھن رل کے

جاندیاں اوندیاں گھڑیاں مل کے

ڈنگ گھتی تدبیر وے رانجھن

اج دی رات اخیر

آخری واری درد و نڈالے

ہیر دے پیارنوں ہک نال لالے

دن چڑھدے تائیں کھلر جاسی

ساہواں دی زنجیر وے رانجھن

اج دی رات اخیر

اج دی رات اخیر

اج دی رات اخیر وے رانجھن

اج دی رات اخیر

قصہ بن جاؤ ہیر

ڈھاواں مارن گے ہن نیلے

کھیہہ اڈوان گے اوہ ویلے

جنھاں دے اوہلے اک مک ہوئی

میری تیری تقدیر، وے رانجھن

اج دی رات اخیر

جاندیاں گھڑیاں ڈنگ دیاں جاون

اوندیاں گھڑیاں اڈدیاں آون



فلم ہیرا رانجھا کا ایک گیت

سُن وَ نِجلی دی مِٹھڑی تان وے
میں تاں ہو ہو گئی قربان وے

وَ نِجلی دی تان وِچ رُوح میری بولدی
عُمر اں دے کجے ہوئے بھیت پئی کھولدی
ساڈی آزلاں دی جان پچھان وے
میں تاں ہو ہو گئی قربان وے

دونویں پاسے چڑھی اے جوانی والی رُت وے
چند ساڈی اک ہوئی بھانویں دو بُت وے
میںوں اپنے توں وکھری نہ جان وے
میں تاں ہو ہو گئی قربان وے

تک تک تینوں میرے نین نہیں اُور جڈے
تیرے پناں بلہیاں تے ہاسے نین اُور سَجڈے
شالانت توں جو انیاں مان وے
میں تاں ہو ہو گئی قربان وے
سُن وَ نِجلی دی مِٹھڑی تان وے



منیر نیازی

(1928ء)

19 اپریل 1928ء کو ہوشیار پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کر کے ساہیوال آئے مگر تمام عمر لاہور میں گزاری اور یہیں وفات پائی۔ ابتدائی دور میں اردو کے ایک مقبول شاعر کے طور پر معروف ہوئے اور کئی مقبول فلمی گیت بھی لکھے۔ 1960ء کے دہے میں پنجابی کی طرف راغب ہوئے اور پنجابی کو ایک نئے انداز کی شاعری سے متعارف کرایا۔ خوف منیر نیازی کی شاعری کا مرکزی استعارہ ہے۔ اگر منیر نیازی کو شریف نجاہی اور باقی صدیقی کی طرح جدید پنجابی شاعری کا معمار کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ”کل کلام“ کے نام سے آپ کی پنجابی شاعری کی ”کلیات“ چھپ چکی ہیں۔

ہونی دے حیلے

کس دا دوش سی کس دا نہیں سی ایہہ گلاں ہن کرن دیاں نہیں
ویلے لنگھ گئے توبہ والے راتاں ہو کے بھرن دیاں نہیں
جو ہو یا ایہہ ہونا ای سی تے ہونی روکیاں رکدی نہیں
اک واری جدوں شروع ہو جاوے گل فیر ایویں مکدی نہیں
کجھ اُنج وی راہواں اوکھیاں سن کجھ گل وچ غماں دا طوق وی سی
کجھ شہر دے لوک وی ظالم سن کجھ مینوں مرن دا شوق وی سی

○

پت جھڑدی شام

واچلے تے گھر وچ بیٹھیاں گڑیاں دا جی ڈردا اے
اُچیاں اُچیاں رُکھاں بیٹھاں پتراں دا مینہ ورہدا اے
لمیاں سنجیاں گلایاں دے وچ سورج ہو کے بھر دا اے
اپنے ویلے توں وی پہلے تارے ٹمکن لگے نیں،
گھپ ہنیریاں سوچاں اندر دُکھ دے دیوے جگے نیں

دریاواں تے ڈھلے دن دا پرچھانواں پیا تر دا اے
ایس ویلے تے پتھراں داوی جی روون نوں کر دا اے
اسمان ول ویکھن والیاں دا درد

جیہڑیاں تھانواں صوفیاں جا کے لئیاں مل
اوہ اوہناں دے درد دی تاب نہ سکیاں جھل
اگو کوک فرید دی سنجے کر گئی تھل

○

آج دا دن وی

آج دا دن وی ایویں لنگھیا کوئی وی کم نہ ہويا
پُورب ولوں چڑھیا سورج پچھم آن کھلویا
نہ ملیا میں خلقت نوں نہ یاد خدا نوں کیتا
نہ میں پڑھی نماز تے نہ میں جام شراب دا پیتا
خوشی نہ غم کوئی کول نہ آیا نہ ہسیا نہ رویا
آج دا دن وی ایویں لنگھیا —

○

اللہ ولوں گن دی حفاظت

بہت اداس جدوں میں ہوواں سکھ دا سندیسہ آندا
مشکلاں وچ جدوں تھک جاواں کجھ غیب ولوں ہو جاندا
جدھروں مینوں خبر نہیں ہوندی اودھروں حوصلہ آندا
ہنیریاں پچھماں سامنے پُھٹ دی پورباں ولوں لالی
آس نہیں میری ٹٹن دیندا ایس جہان دا والی
میریاں مدداں کر دی رہندی اک مخلوق خیالی

غزل

بدل اڈے تے گم اسمان دسیا پانی اترے تے اپنا مکان دسیا
اوتھوں اگے فراق دیاں منزلاں سن جتھے پہنچ کے اوہدا نشان دسیا
اوہدے سامنے ایہہ جگ ویران لگا اوہناں اکھاں چ ایسا جہان دسیا
ساڈے حال دی خبر اوہ رکھ داسی ساری عمر جیہڑا انجان دسیا
کم اوہو منیر سی مُشکلاں دا جیہڑا شروع چ بہتا آسان دسیا

○

حرف حجاب دے پردے اندر

حرف اک دو جے حرف دا پردا میتھوں قیاس نہ ہويا
ساری حیاتی حرف لے پر حرف شناس نہ ہويا

غزل

کسے نوں اپنے عمل دا حساب کیہہ دیئے
سوال سارے غلط نیں جواب کیہہ دیئے
اُننڈرے کئی صدیاں دے خالی اکھاں وچ
انہاں بے انت خلاواں چ خواب کیہہ دیئے
اجے سمجھ نیں حرفاں دی رمز دی اوہنوں
تے ایس عمرے اوہدے ہتھ کتاب کیہہ دیئے

چومصرعہ

بے دھیانی وچ اسی بس اک ارادہ کر لیا
اپنے دل دے شوق نوں حد توں زیادہ کر لیا
جان دے ساں دونویں اس گل نوں نبھاسکدے نیں
اوپنے وعدہ کر لیا تے میں وی وعدہ کر لیا

چو مصرعہ

باہر حاکماں تھانے کھولے رُوح دے اندر مَلا
سب صوفی ایس منزلوں لنگھے کیہ وارث کیہ بُلھا
ایس عذاب تے سُکھ دے سُفنے صوفیاں نُوں ای دے
اک دروازہ نویں نگر دا صوفیاں ہتھوں ای کُھلا

شہر دے مکان
اپنے ای ڈرتوں
جُڑے ہوئے نیں
اک دُوجے دے نال

ماہیا
دوپتر اناراں دے
اپنے ای نیں مگدے
دُکھ ونڈیے کیہہ یاراں دے

وقت توں اگے لنگھن دی سزا
آدمی کُلاہہ جاندا اے



استاد آغا محمد جوش

استاد آغا محمد جوش نوکلاسیکی دور کے ایک اہم شاعر تھے جنہوں نے ہند کو میں باکمال حرفیاں لکھیں۔ حرفی ہند کو کی ایک ایسی مقبول صنف ہے جس میں احمد علی سائیں اور بردا پشاوری نے لازوال شاعری کی۔ آغا جوش بھی انہی کے پائے کے شاعر تھے۔ مجموعہ ”مٹی دے بت“ کے نام سے مارچ 2001ء میں شائع ہوا۔

○

دور کر منہ توں محبوب زلفاں، ختم رات ہووے آفتاب نکلے
صدقہ حسن جوانی دا کھول اکھیاں، بند بوتلاں وچوں شراب نکلے
دیکھے حسن گر تیرے دو عارضیاں دا، پھر ممکن نہیں مہتاب نکلے
میت جوش دی اُتھے دفنا ساقی، جس زمیں دے وچو گلاب نکلے

○

زن و مرد تے خورد و کلان واللہ، مالک ملک اندر ہر ہک چیز دا اے
ایہہ تفریق کیوں تیری مخلوق اندر کوئی آقا کوئی پتھر دہلیز دا اے
مرد پلایا وے جسدی آغوش اندر اس مظلوم دا درجہ کنیز دا اے
نام عورت دا جوش پاپوش توبہ، ایہہ مقولہ کسے بد تمیز دا اے

○

دولت مند نہیں دل خرید سکدے، بے شک آقا دے اگے کنیز کجھ نہیں
جس دی چشم وچ جلوہء عشق نینگا، برے بھلے دی اس وچ تمیز کجھ نہیں
بچھ زلیخاں سی عشق دے کارنامے، شہر مصر دا مالک عزیز کجھ نہیں
سارے جسم دی زینت گر سچ بچھیں، جوش اکھیاں بغیر ہور چیز کجھ نہیں



عطاء الحق قاسمی

آپ یکم فروری 1943ء کو امرتسر میں مولانا بہاء الحق قاسمی کے ہاں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد پہلے وزیر آباد اور پھر مستقلاً لاہور میں قیام پذیر ہوئے۔ اس وقت ملک کے سینئر ترین کالم نگار اور مزاح نگار ہیں۔ کالموں کی کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ اردو شعری مجموعہ ”ملاقاتیں ادھوری ہیں“ کے نام سے چھپا۔ پنجابی میں بھی شاعری کرتے ہیں۔ دیگر کئی ایوارڈز کے علاوہ حکومت کی طرف سے تمنغہ محسن کارکردگی اور ستارہ امتیاز ملا۔ ناروے اور بنگاک میں سفیر بھی رہے۔ آج کل الحمد ابورڈ آف گورنرز کے چیئرمین ہیں۔

غزل

تیرے میرے سُفنے سچے نکلن گے ادھی رات نوں سورج پورے نکلن گے
 ہتھوں دی دستک تے اک دن ویکھیں توں بند گلی دے وچوں رستے نکلن گے
 گھپ ہنیریاں غاراں دے دروازے وچوں پہلے ہتھ مشالاں لے کے نکلن گے
 رانجھیاں دا ایہہ خواب وی پورا ہووے گا ہیراں دی دستی چوں کھیڑے نکلن گے

غزل

مٹھے مٹھے پیار دے گیت سنان دیو دل دروازہ کھولو اندر آن دیو
 دنیا ہتھوں عمراں روندیاں روندیاں لنگھیاں ہُن دنیا نُوں رون دیو کرلان دیو
 پیریں گھنگھر و پا کے نچو وچ بزاراں دُنیا داری چھڈو میرے ہان دیو
 عزت شہرت لکھناں پڑھناں علم کتاباں جیہڑا جانا چاہندا اے اوہنوں جان دیو
 من بیلے وچ رانجھا جیوندا رکھن لئی کدی تے کھیڑیاں نال وی پھڈا پان دیو
 ڈولی چڑھدیاں چیک نہ مارن جتھے ہیراں اس دنیا وچ دُنیا نوں وسان دیو
 قبراں چار چنیرے کھڑ کھر ہسدیاں نیں ساڈے بلھاں تے وی ہاسہ آن دیو
 لا بیٹھے آں یاری نال غزالاں دے ساہنوں ہُن صحرا دی خاک اڈان دیو
 عطا جی گلاں ہور وی نیں پر فیہہ کیہہ پہلے ای کافی ہو گئی اے ہُن جان دیو



ڈاکٹر رشید انور

میاں کرم دین سندھو کے گھر 7 ستمبر 1923ء کو نوشہرہ پنواں ضلع امرتسر میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد فوج میں چلے گئے لیکن جلد ہی نوکری چھوڑ دی۔ پھر ہومیو پیتھک ڈاکٹر بن گئے۔ ڈاکٹر رشید انور شاعری کے آغاز سے ہی پنجابی ادب سے منسلک رہے اور جدید پنجابی شعری ادب میں نمایاں مقام حاصل کیا۔ رائٹرز گلڈ سے بھی وابستہ رہے۔ نظم اور غزل دونوں میدانوں کے شہسوار تھے۔ آپ کا کلام پنجابی کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ ”منزلاں“ ”یاداں“ ”میاں اڈاریاں“ مطبوعہ شعری مجموعے ہیں۔ آپ کی نظموں میں بلند تخیل اور فکر کی گہرائی پائی جاتی ہے۔ 65 کی جنگ میں معروف ترانہ بھی لکھا۔ 19 جنوری 1989ء کو وفات پائی۔

ویلا

ویلا سانجھ داسدا تاریخ سچی خالی ہون جے ورتے تے پھاڑ دیندا
بلدی چنچوں کرے گلزار پیدا گلشن وچ بہاراں وی ساڑ دیندا

ویلا ات بہروپیا مکر بھتا، دنیا وانگ چھلاویاں چھلی جاندا
وگدا رہوے ایہہ سدا خراس وانگوں چیزاں دن سونیاں دلی جاندا
کڑھدے تیل دا اک دریا ویلا، قوماں ماڑیاں نوں پھڑ کے تلی جاندا
بن دا کسے دایار نہ رُکے کدھرے منہ زور ایہہ بڑا بے دید ڈٹھا
غازی ہوئے تے ویلے نوں نتھ پاوے، ڈکالو نداوی کوئی شہید ڈٹھا

گھوڑا اتھرا ویلے دا چھوہل تکھا بدھا رہوے نہ کدی طبیلیاں وچ
جہیڑے ویلے دی واگ تے ہتھ رکھن ٹھل پیندے اور سمے دے ریلیاں وچ
قوماں وانجیاں جان جے دلوں سٹے پھڑ رول تاریخ دے بیلیاں وچ

جنھاں لوک تاریخ دالقب دیندے اوہ اے ذکر عظیم شہادتیاں دا
ٹینکاں ہیٹھ نمازاں دا مل پیندا فتح صلہ اے ایہناں عبادتیاں دا

کنڈرتی نہ پھیر یوین ولوں ویلا ہتھاں چوں کھسک نہ دھائے کدھرے
 ایہو جذبہ جو نغمے الاپ دا اے ساڈی موت دے گیت نہ گائے کدھرے
 صدقہ جنھاں شہیداں دا فتح لہی لہو او نہاں دا متاں شرمائے کدھرے
 ویلا ازل دے ہتھ خاموش لاٹھی بھلن ہاریاں نوں بخشن جاندا نسین
 ویلا جدوں وی ہڑاں داروپ دھارے جھگی محل دافرق پچھاندا نسین
 جہڑے عمل تو آن بے عمل ہوندے ویلا او نہاں دے سنگ توں اک جاندا
 جہڑے ویلے دے سنگ نئیں ٹرن جوگے پھکی سمجھ کے او نہاں نوں پھک جاندا
 ہتھوں عمل دی واگ جے کھسک جاوے ویلا ول ہنیریاں دھک جاندا
 کوہڑ جنے وی ہوندے معاشرے دے او ہو وطن دے پنڈ لئی گھن ہندے
 ڈلھے موتی آزادی دے جگ اتے سوکھے کدی وی فیر نئیں چن ہندے
 ویلا بدلایا ویلے دے ساز بدلے ویلے نال ہن ویلے دے گیت بدلے
 دھارو روپ اسلام دے غازیاں دا بدلے آپ تے ہیراں دی پریت بدلے
 بھنو و نچھلی را نچھو دیس دیو کر کے عمل ہن ویلے دی ریت بدلے
 ہتھ تیغ سنبھال کے جذبیاں دی فتح دین دے اُتے ایمان رکھو
 جے کر ویلے دی ہیر ویا ہونی جے اٹھو را نچھو تلی تے جان رکھو

○

غزل

کیہ دساں میں کیہڑی گلوں جتی بازی ہار گیا
 جنھوں جنھوں منصف پایا اوہو مینوں چار گیا

نہر کنارے میلا لگیا لوکی بچھدے پھر دے نہیں
 ڈُبن والا کاغذ دی اک بیٹی کاہنوں تار گیا
 تیری اکھ سہارا دتا میریاں ٹٹیاں آساں نوں
 تیرا اک دلاسه چناں میرا بٹا سار گیا
 کندھاں ات ہنیرے والیاں ڈھاہ کے وی میں قید رہیا
 چن چڑھیا تے میرے گردے چانن کندھ اُسار گیا
 ایہو اک وڈیائی میری میں بوہا کھڑکایا نہیں
 وچ خیالیں بھانویں اوہدے بوہے لکھاں وار گیا
 پرلے پار اڈیکن والے بزدل کہہ کے ٹر گئے نہیں
 ارلے کنڈھے آکھن لوکی انور پرلے پار گیا

○

اپنے اپنے پتھر لے کے نال گھراں تو آئیو
 منگلیں پتھراں نال میں دل نوں ننیں سنگسار کراؤنا

○

ظالم تے مظلوم دے اصلی روپ پچھانے جانے سن
 جے تیراں نوں ہوندیاں اکھاں دل ہوندے تلواراں دے
 گل مسیتوں ٹردی ٹردی مے خانے تک آگئی اے
 میخواراں نوں لے ڈبن گے ہن جھگڑے دستاراں دے
 نویں مکاناں تھلے بن دے تہ خانے پئے کہندے نہیں
 انساناں آخیر وسیبا کرنا اندر غاراں دے

جنگ کھیڈنئیں ہندی

اج ہندیاں جنگ دی گل چھیڑی اکھ ہوئی حیران، حیرانیاں دی
مہاراج! ایہہ کھیڈ تلوار دی اے، جنگ کھیڈنئیں ہندی زنانیاں دی
دی وچ بہہ کے مصرعہ آکھدے او، ”دند بھن سٹو پاکستانیاں دے“
شہباز شاہین اسلام دے ہاں اسیں مچھرتے ننیں مچھر دانیاں دے
اسیں سندھی، بنگالی، بلوچ پٹھے اسیں پت پنجاب دے پانیاں دے
اسیں نسل محمود جے غازیاں دی ددھ پیتے نیں ماواں پٹھانیاں دے
پہلوں چھیڑ کے ہن پے نس دے او، سٹ سہوتے سہی پاکستانیاں دی
مہاراج! ایہہ کھیڈ تلوار دی اے، جنگ کھیڈنئیں ہندی زنانیاں دی
گھر بیٹھیاں دند ننیں بھج جانے ایہہ تے گل اے سر میدان دی گل
سونہہ رب دی جیبھ نوں وڈھ دیئے مندی جو وی کرے پاکستان دی گل
وچ اکھاڑیاں دے آکے کھل دی اے کیہڑی سچی اے کیہڑے پہلوان دی گل
اسلحہ ہور کچھ اے جذبہ ہور شے وے کفر سمجھ کیہہ سکے ایمان دی گل
مُل ہور شہیداں دے خون دا اے، قیمت ہور اے گنگا دے پانیاں دی
مہاراج! ایہہ کھیڈ تلوار دی اے، جنگ کھیڈنئیں ہندی زنانیاں دی



اکبر لاہوری

(پ۔1910ء)

اکبر لاہوری کا اصل نام محمد ابراہیم خان تھا۔ 5 جولائی 1910ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ بی اے ایل ایل بی کر کے 1931ء میں پنجاب اسمبلی میں رپورٹر اور مترجم لگے اور کرتے کرتے اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے تک پہنچے۔ پنجابی کے مانے ہوئے افسانہ نگار تھے جنہوں نے تمثیلی انداز کی کہانیاں لکھیں۔ ترقی پسندانہ سوچ رکھتے تھے اور اپنے نظریات کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اردو میں طنزیہ شاعری کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا۔ پنجابی کی یہ ایک نظم تذکروں سے دستیاب ہوئی۔

دو غلے

اک بندہ سی نَمُو جھانا منڈی وچ کھلوتا
آکھے مینوں لوڑی دا اے اک بندہ اک کھوتا
کسے کہیا لے یارا تینوں ایسی چیز دوائے
جو بندے دا بندہ ہووے تے کھوتے دا کھوتا
اوتنے کہیا ایہہ گل نہیں مینوں اگا وارا کھاندی
اکو جنس لوڑیندی مینوں اٹھ ہووے یا بوتتا
مر جاواں پر دوغلیاں دے ویہڑے پیر نہ پاواں
بندہ اصلی بندہ لوڑاں کھوتا اصلی کھوتا



حکیم شیر محمد ناصر

(1908ء-1972ء)

26 دسمبر 1908ء کو اندرون لوہاری گیٹ حکیم اللہ دین لاہوری کے گھر پیدا ہونے والے حکیم شیر محمد ناصر پنجابی کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ والد صاحب حکیم تھے۔ یہ بھی حکمت کرتے رہے۔ حکمت کے علاوہ تعویذ گنڈہ بھی کرتے تھے۔ فال بھی نکالتے تھے۔ تین شادیاں کیں۔ ”آپنی بولی آپنا اصلا، سجر سورج، ہذا من فضل ربی، ارشادات ناصر، ہیر رانجھا، اور شاعری کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ 4 جنوری 1972ء کو رستم پارک نواں کوٹ لاہور میں فوت ہوئے اور اگلے دن میانی صاحب کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ ہفت پہلو شاعر تھے۔ مشاعروں میں کلام پڑھ کے چھا جاتے تھے۔ 1968ء میں باقاعدہ عوامی شاعر کا خطاب ملا۔ ”لہوردی سیر“ ان کی ایک معرکتہ آرا طنزیہ نظم ہے۔

لہوردی سیر

لوکاں دی اس گل تے چاچا! مینوں چڑھدائی ڈاڈا گج
آکھن جئے لہور نسیں ڈٹھا جمیاں، اس نسیں؟ ٹھیک اے، سچ؟
مینوں گل جچی نسیں چاچا، تینوں کیکوں پی اے سچ؟
میں جوں کہناں سچ اے منڈیا! توں کیوں ایویں پینائیں مچ
مینوں وی مڑ جم لے چاچا، میں وی جاں لوکاں وچ رچ
سچ موڑتوں منڈیا! سچ
سچ موڑتوں منڈیا! سچ

لے مڑ توں وی جم لے منڈیا! آگیاں بی لہور دا ٹیشن
چیکل مارے انجن بولن، شوں شوں، شاں شاں، شیشی شیشن
چنگے بھلے دی گنڈھ کھیسے دا ایختے ہو جانداں اپریشن
ہن ایختے کوئی ہور نسیں دوجا، آکو قوم اے، آکو نیشن
بھیڑ بھڑکائی، سچ دا آویں، نال کسے دے ہوئیں نہ ٹچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

ایہہ لنڈا بازار ئی منڈیا! ویکھ اوہ وک دے پئے نی انڈے
ایہنوں لنڈاتاں کہندے نیں کدی سن ایہتھے پڑھدے لنڈے
ایہہ تندور دا ہوٹل بنیائیں، روٹیاں دی تھان پکین منڈے
کدی سن ایہتھے رنڈیاں بہندیاں، ہن ایہتھے بہندے نی رنڈے
اہ سراں سلطان دی آ، لاری تے لاری دبے سچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

ویکھ دووٹی ہٹیاں لگیاں، ہٹوائی نی ڈاہڈے چنڈے
چیزاں وستاں دے جان ایہتھے، چور، اُچکے، لُنڈے لنڈے
جٹلمین وی لے جان ایہتھوں بُوٹ سُوٹ ایہہ ورتے ہنڈے
پیلے بگے چول پئے وگن، تتی چاہ، تے شربت ٹھنڈے
ایہہ کباب نی سڈھیاں دے بی، ایہتھے سب کجھ جاندا ئی بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

اوہ نگر تے کٹوالی آ، چوراں نوں وچ دے نی ڈنڈے
چوراں تے بد معاشاں دا کیہ، سادھ وی ایہتھے جاوَن پھنڈے
جے کٹوالی نہ ہووے تے شہر پلاں وچ ہو جان رنڈے
دن دنیویں شہراں نوں لُٹ کے لے جاوَن لنڈے مشنڈے
ہن وی بے کٹوالی ہٹ جائے، ہنہ ایں جاوے انھی مچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

اوہ دلی دروازہ کی منڈیا! گوہ نال ایہدی ویکھ تیار
لہور دے باراں بُوہے ایہہ جے، سب دی اک جئی ہے ای اُساری
اوہ مسیت وزیر خان دی، ایہہ سارا کشمیری بزاری
ایہہ ڈبی بازار ای جتھے، گھر دی وسوں وکدی ساری
ہن دس جے لہور نسیں ڈٹھا، جمیاں ایں نسیں، ہے ناسچ؟

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

پیر پٹی آ گانہہ نوں جھنڈو! ویکھ آہ کی موچی دروازہ
ایہنوں لہور دا دل آہندے نی، دل وی چھوہلا، سجر، تازہ
چنگلی مندی ہر ہل جُل دا، ایہنوں ایں اٹھدا کی بول آوازہ
ایہتھے ای سیاست جم دی، پل دی، ایہتھے ای اوہدا پڑھن جنازہ
ایہتھے لگی چنگ چو آتی دیس چ پیندائی بھانڈی مچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

اوہ قلعہ، ایہہ شاہی مسیت ای، اوہ راوی نوں جاوے ڈنڈی
اوہ مسیت دی ٹھنڈی چھاں دے ہیٹھ ای منڈیا! ہیرا منڈی،
ایہہ منڈی او راتیں بھج دی، سارا دن رہندی او ٹھنڈی
ایہتھے کیہ وکدائے چاچا! کجھ نہ پچھ او پتر جھنڈی!
ایہہ ای ہیرا منڈی، ایہتھے، ہیرے، دا مل پیندائی کچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

اس منڈی دا کیہ پچھنا ایں، ایہہ ای جگوں باہری منڈی
نہ جنساں، نہ تکڑی وٹے، تے نہ جھوکاں کھاوے ڈنڈی
ایتھے وگن دھیاں، بھیناں، مانواں دی وی پے جائے ونڈی
ایس منڈی دی ہر اک تینویں، رات سہاگن، دن نوں رنڈی
سودا لین تے وپچن، والے دوویں نی کھچاں دے کھچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

شاموں شام تے اکڑ ڈکڑ، جتھوں وگن یاراں باراں
دیہہ ٹانگے تے ٹانگہ وبتے، دیہہ کاراں تے وگن کاراں
نقلی روپ، فریبی رنگن، الھڑ بنیاں بڈھ ٹیاراں
سچی مچی بندے موہ لئے، جھوٹھی موٹھی دیاں پیاراں
طلے کھڑکن، گھنگرو چھنکن، کون کہوے شیطاناں بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

بچ موڑتوں منڈیا! بچ

ایہہ منڈی او نقلی جنت، وگن نقلی حوراں، غلماں
جھوٹھ دے باوے، جھوٹھے گہنے، جھوٹھا گوٹا، جھوٹھا سلماں
وڈے وڈے نواباں دے پت ایتھے ویکھے بھردے چلماں
اُپے اُپے عالم وی کئی رڑھ گئے ایتھے سنے ایں علماں
دین دُنی توں وانجے گئے اوہ، جنہاں نوں پئی ایہدی لُج

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ایہہ اوہ تھال کتھال ایں منڈیا! جیہڑی تھانویں ہاسے روون
ایہہ دنیا دا اوہ پاسا ای جس دے سارے پاسے روون
ایہہ سمندر اوہ ای جس وچ اٹھو پھر پیاسے روون
ایس پیار دی نگری دے وچ پٹن پیار، دلا سے روون
خالی خوشیاں لبھ دیاں لبھ دیاں سوچاں سمجھاں جان کھڑچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ایس منڈی دے سچے مسجد، کھتے ایہدے ضلع کچھری
اک پاسے تے رب دا گھر ای، اک ول کوٹ قنونی، شہری
نیکی دے دو پہاڑ دوولیں، وچ بدی دی کھڈ اک گہری
رب وی ایدھر گوٹگا، بولا، اٹھا کوٹ، کچھری بہری
رب تے رب دے ساکاں اُتے مینوں چڑھدا نی ڈاہڈا گچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

داتا دا دربار ای، ایہتھے کرن سلاماں لوکی ڈھکن
ایہہ ای ضلع کچھری ایہتھے قیداں تے جرمانے ٹھکن
بہن دی کوئی تھال نیس، ایہتھے لوکی کھلے کھلوتے ای سکن
پل دو پل دے جھگڑے جھانجے ایہتھے ورہیاں، وچ نہ مگن
نیاں نصیباں نال کسے نوں، بہتا بن دا ای جھوٹھ دا سچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ایہہ کوٹھا ای شہر دا تکیہ، ایہتھے بیٹھن شہر دے ابے
ایہتھے پتر کوئی نئیں بہندا، ابے ای ابے سچے کھبے
پر وچوں نی، موری ممبر، شہر صفائی تے نی پھبے
میجلاں والے کرن دعاواں ربا موری ممبری، لبھے
ایہہ نہ ہون تے شہراں وچ وی پنڈاں ورگی وے نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ایہہ راہے وچ دھری نے چاچا! سیویاں وٹن والی گھوڑی؟
ٹنگاں دی تھاں چاہڑ چھڈی نئیں اوہ وڈیاں پہیاں دی جوڑی
میں جاتا سی ہولی جئی جئے، اہ تے ہل دی وی نئیں کوہڑی
نئیں او رسیاں تیریاں جھنڈو! تیرے وچ وی عقل نئیں تھوڑی
ایہہ بھگیاں دی توپ ای یبھلا، گولے چھڈے ٹھا، ٹھو، ٹھج

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ایہہ عجائب گھر ای، ڈٹھا ای، ہیں ناں رہ گیاں ہکا بکا
ایہہ چیزاں نی اوہ جٹاں نوں ویلا دے نئیں سکیا دھکا
کدوا کیہ، کیہ، سانجھی آون، کڈا کیتا نئیں کم پکا
ایہہ چیزاں وی خبرے کد تک، ویلا کسے دا نئیں اوں سکا
کیہ منیاد کسے دی، سب نے، مٹی دے وچ جانا ایں رچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

ٹھنڈی سڑکے چڑھ پیاں جھنڈو! ڈٹھا ای کیوں ملی دلی اے
ایہہ ای حویلی یونیورسٹی، علماں نال ایہہ بھری کھلی اے
ایہہ بزار تے اوہوئی اوناں، جس دا ناں انار کلی اے
اک توں اک ای چڑھ دی ہٹی، ایہتھے تاں ہئی بھلیوں بھلی اے
ایہہ وی لے لے، اوہ وی لے لے، دل وچ پیال سدھراں نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

اہ لہاری دروازہ ای، ایہہ ای بڑا ای کرماں آلا
ناصر شاعر ایہوں دا ای، اپنی بولی دا رکھوالا
اوہ بھلیرے پھل پئے وپچن، نرگس، چمبا، موتیا، لالہ
ایہہ ای ہٹی جتھوں نکلے پنجابی دا اک رسالہ
اک رسالہ پنجابی دا، باقی، لیکن چونکہ، نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

آگے آں مڑ ٹھنڈی سڑکے، ایہہ تے لہور دا گم بزار ای!
ایہتھے سودے باہر نہیں سچ دے اندر گھتی بڑا پپار ای!
دیکھ دو ولین رنگ برنگی کاراں دی کہی بچھی تار ای!
ایدھر وڈا ڈاک خانہ ای، اودھر دیکھ اوہ تار گھار ای!
ایہتھے لوک رُپئے رکھن، جیہڑے گھریں نہ سکن نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

اوہ ای سارے دیس دا تکیہ، ایہدا ناں اسمبلی ہال اے
ایہتے سارے دیس تے ہوندا سوچ، وچار، تے گوہ، خیال اے
ایہتے بچھے بھاتے وکن، لون، تیل تے آٹا، دال اے
جوڑ توڑ، سب ایہتے ای ہون، ایہتے ای جہا کال سکال اے
دیس ہمیشہ سکھی وے، ایہتے جے نہ وے کھچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

چڑیا گھر وی آگیا، تک لے ون سونے چڑیاں، طوطے
اوہ نی مور، چکور، تے بطکاں، اہ بگے نی نہاتے دھوتے
اوہ نی رچھ، تے باندر چیتے، اوہ لدھر پیا لوندا، گوتے
اوہ ای شیر اللہ دا بیٹھا، ایہہ نی جنگلی ہرن کھلوتے
ویکھ اوہ ہاتھی، کیوں، پونے داہری جائے کڑچ کڑچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

نچ موڑتوں منڈیا! نچ

چاچا! اوہ کیہ بھجنا اوندائے؟ ایہہ ای ناں دو چھٹی بس
آ، ایہدا وی ہونٹا لے لے، نس او منڈیا! چھیتی نس
کدھر بھج وگیا، جھنڈو! ٹھہر وی جا اوئے بس اوئے بس
بندے ڈھائی جاناں ایں چولا، ایہہ کیہ بنیا اے بی دس
بسوں تریہہ کے ڈگدا ڈھیندا، ٹانگے وچ جا پیا، گھڑچ

بچ موڑ توں منڈیا! بچ

بچ موڑ توں منڈیا! بچ

چل او پنڈ نوں چلے جھنڈو! مت کوئی پاویں ہور پواڑا
دو چھٹی بسوں توں نسوں، تیرا دل ہے کناں ماڑا
لہور ویکھن دا کڈا چا سائی، ایسے لئی پٹیا سائی بھاڑا؟
توں تے آیں بھیا سیں گھٹیا! جویں کسے نوں پیندائے دھاڑا
لہور ویکھ کے جم پیاں؟ لے ہن لوکاں دے وچ رچ

بچ موڑ توں منڈیا! بچ

بچ موڑ توں منڈیا! بچ



شہزاد احمد

لاہور میں مقیم شہزاد احمد اردو کے سینئر ترین شاعر ہیں۔ آپ 16 اپریل 1932ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اب تک اردو کے کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ دیگر ایوراڈز کے علاوہ حکومت کی طرف سے آپ کو تمغہ حسن کارکردگی سے بھی نوازا گیا۔ 1960ء کی دہائی میں جدید ترسیت کی پنجابی شاعری کی تحریک کا آغاز ہوا تو آپ بھی اس گروہ کے ایک سرکردہ فرد تھے۔ ”جاگن والی رات“ کے نام سے 1996ء میں پنجابی شعری مجموعہ شائع ہوا۔

غزل

ساریاں رل کے شور مچایا، ہن کیہہ کرے
جھنہ ایس دھرتی نوں زخمو زخمی کیتا
جیہڑے بُت نے سانوں رب بھلا دتا اے
جیہڑے دل نے منزل دا رستہ دسیا سی
جیہڑے لئی اسیں ساری دنیا بھل گئے ساں
نھیرے دی ایہہ کندھ کدے وی ڈھیہ سکدی اے
اگلی دنیا کیہہ جانے ہے وی کہ نہیں اے

غزل

سفر شہر دا، خواب خیال وانگنوں
میں ہاں قید کرودھ دے قلعے اندر
کسے پاسے دا، طمع نے، چھڈیا نہیں
پہرہ چپ دا اے، بھرے گھر اتے
صدیاں بیت گئیاں سانوں سفر دے وچ
بھگھے کل وی ساں، بھگھے اج وی ہاں
جدھے واسطے پانی نوں رڑکدے رہے

فخر زمان

پیدائش 21 جنوری 1940ء، گجرات۔ پنجابی کے نامور شاعر، افسانہ نگار، ڈراما نویس اور ناول نگار ہیں، سیاسی لیڈر اور پیپلز پارٹی سے تعلق ہے۔ چڑیاں دا چنبہ (ریڈیو ڈرامے) کنسو ویلے دی (شاعری) ست گواچے لوگ (ناول) اک مرے بندے دی کہانی (ناول) بندی وان (ناول) بے وطن (ناول) کم ذات (ناول) زوال دی گھڑی (شاعری) آپ کی چند کتابوں کے نام ہیں۔ بھارت میں آپ کی تخلیقات پر پی ایچ ڈی کی سطح پر کام ہو چکا ہے۔ شاعری میں آپ کی نظمیں بالخصوص جدید تر انداز کے تخلیقی آہنگ کی امین ہیں۔

بے صبری دی سزا
زخم تے دناں دا پرانا ہو گیا وے
پرا بے تیک پکا تھدا، کھرینڈ نہیں بچھیا
لگدا اے تساں کچے کھرینڈ نوں
بے صبریاں بن کے کھوترن دی کاہل کیتی اے
اوہ ادھ پچھدھا تھھا
پرانج پئی نال ای لہووی سم پیا
تے مڑ زخم ہر اجھیا ہو گیا
تے نوں کھرینڈ دی نینہہ اُسا رگیا
ہن ذرا صبر تے قرار نال کم لوو
کھرینڈ نوں چنگی طراں پک لین دیو
مڑ اوہ تہاڈے جتن کیتیاں بناں
آپے ای کسے ویلے اچن چیتی
جھڑ جائے گا

سپلٹ سیکنڈ

جیویں ویکھدیاں ویکھدیاں، اکو واری بڈل دانوارہ چل پوے
تے اکھ جھمکنے وچ

کار دی ونڈ شیلڈ پانی وچ انج بھج جائے، پئی ڈرائیور پلاں لئی انھا ہو جائے
تے مڑ واپر چلا دیوے، تے واپراں دی اک حرکت نال
ونڈ شیلڈ داپانی صاف ہو جائے، تے ڈرائیور مڑ کے کجھ کجھ سجا کھا ہو جائے
ڈرائیور دے اوس انھے تے سجا کھے پن دے وچکار لے سیکنڈ دے
فریکشن دی وتھ، (ہنیریاں توں چانن تک داسفر)
جس دی سانجھ کیہدے نال اے؟ انھے نال کہ سجا کھے نال؟

ہورے کیہہ کیہہ کہہ گیا،
ہورے کنے دکھاں دا تے سکھاں دا
سنیہڑ ابن کے ————— مر گیا



سلیم الرحمن

سلیم الرحمن ایم بی بی ایس ڈاکٹر ہیں۔ 1960ء کی دہائی میں نئی نظم لکھنے والے گروہ کے بانیوں سے ہیں۔ شعری مجموعہ ”آون والے“ 1965ء میں شائع ہوا۔ طویل عرصے سے مستقلاً برطانیہ میں مقیم ہیں۔

دُور دے رنگ

اک لمی جئی بند گلی وچ لال تے لمیاں لاٹاں والے دیوے بلدے
رات دیاں دہلیزاں اُتے گوہڑے گوہڑے رنگ پئے ڈھلدے
بند ہوا وچ خوشبوواں دے کیسر گھلدے
سُنٹیاں سُنٹیاں اکھیاں ہسن اک جھاتی وچ لکھاں لکھاں گلاں دَسَن
دوروں دوروں شکھ نون ترسن کول دیاں ساہواں تون نسن
دوروں سب کجھ جیوندا جاگدا نیڑیوں مٹی بن بھر جاوے
جیہڑے رنگ نون کولوں ویکھو اتھرو دے وچ اوہ گھر جاوے



سلیم کاشر

1934ء میں لاہور میں محمد دین بٹ کے گھر پیدا ہوئے۔ بنک کی ملازمت سے 1993ء میں ریٹائر ہوئے۔ 1960ء کی دہائی میں نئی نظم اور غزل کہنے والے گروہ کے سرکردہ قلمکاروں میں سے ہیں۔ فلمی گیت بھی لکھے۔ آپ کا کلام پنجابی کے مختلف نصابات میں شامل ہے۔ ”سُنٹیاں چھاواں“ ”سرگی داتارا“ اور ”ہوادی سولی“ آپ کے معروف پنجابی مجموعے ہیں۔

غزل

بارش تون بعد آئے گی برف آسمان تون
تیرا شکل کون ایں ایناں تے ویکھ لے
نازک بڑے نیں سوہنیا دل دے معالے
چھوٹے خیل ہندے نیں ذماتاں نئیں چھوٹیاں
باہر نہ جھات پا اے اپنے مکان تون
ایویں چلانہ تیر تون چھپ کے مچان تون
اپنا رہوے نہ لفظ نکل کے زبان تون
چڑیاں نون کون روکدا اُچی اڑان تون

محمود شام

معروف صحافی اور شاعر محمود شام، محمد عارف محمود کے نام سے 5 فروری 1940ء کو پٹیالہ میں پیدا ہوئے۔ پاکستان آکر صحافت سے وابستہ ہو گئے۔ جنگ کے گروپ ایڈیٹر رہے۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ جدید پنجابی شاعری کے اولین گروہ کے افراد میں سے ہیں۔ کئی کتابیں اور مجموعے چھپ چکے ہیں۔ جن میں ”چہرہ چہرہ میری کہانی“ ”آخری رقص“ اور ”نوشہ دیوار“ وغیرہ شامل ہیں۔

کندھاں

دل دے سنج منے گھر وچ

دکھ دی تیز ہنیری

بلدے ہسٹرتوں گھبرا کے

زور زور دی چیکاں مارے

اے پرچار چو فیروے ایہدے کندھاں ای کندھاں

جنہاں نال اوہ ٹکراں مارے

مڑ مڑ آوے

دل دے سنج منے گھر وچ

گھٹادھوڑاڈاوے

اس گھٹے دے جھکھڑاں وچ میں

اپنے آپ نوں گھریا ویکھ کے

زور زور دی چیکاں ماراں

پر میرے وی چار جو فیروے کندھاں ای کندھاں

ٹردیاں پھر دیاں کندھاں



عارف عبدالمتین

لاہور کے عارف عبدالمتین اردو اور پنجابی کے ترقی پسند شاعر اور نقاد کے طور پر معروف رہے۔ آخری عمر میں مذہب کی طرف رجحان رہا۔ پنجابی شعری مجموعہ ”اکلاپے داماسفر“ شروع سے ایم اے پنجابی کے نصاب کا حصہ رہا۔ ”خوشبو داسفر“ کے نام سے غزلیات کا مجموعہ 1991ء میں شائع ہوا۔ انتہائی شریف الطبع انسان تھے۔

شکر اے تو نسیں میرے نال

اگے میرے ڈونگھساگر، کچھے میرے تپدا تھل
پٹاں پیرتے میں ڈب جاواں، جے پرتاں تے جاواں بل
ویلاتے میں

ویلے داگھوڑا منہ زور، میں اوہدا کڑیل اسوار
واگاں کھچپاں، اڈی ماراں، جس پاسے چاہواں لے جاواں
ویلے داگھوڑا منہ زور، ہر دم چاہوے
میتھوں آپنا آپ چھڈاوے، پر اوہدی کجھ پیش نہ جاوے
جس دن ایہہ گھوڑا منہ زور، واگاں توڑ کے نَسے گا
دھرتی دے مارو پتھراں تے، مینوں سٹ کے نَسے گا

غزل

انکھاں والا پُتر گھر وچ لئی تان کے سٹا اے
پیو دی پگ تے ماں دی چُنی رُل گئی اے بازاراں وچ
خبراں بے خبری توں ہور ودھاوون لئی وی چھپدیاں نیں
جھوٹھ وی ہو سکدا اے جو کجھ چھپدا اے اخباراں وچ
جیہڑا خویش قبیلے اُتے سر وارن توں ڈردا اے
عارف اوہنوں کدی نہ میتھے بھل کے وی سرداراں وچ

نثار ناسک

15 اپریل 1941ء کو ڈسکہ میں غلام رسول کے گھر پیدا ہوئے۔ ریڈیو پاکستان راولپنڈی میں 28 سال سروس کی۔ ”دلِ پاکستان“ جیسا مقبول نغمہ لکھا۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں منفرد انداز کی شاعری کرتے ہیں۔

غزل

ہریاں بھریاں ہسدیاں وسدیاں ہاڑیاں ساؤنیاں آئیاں
میں حرفاں دے ہو کے بیجے توں چھٹیاں رسوائیاں
پت جھڑ آئی دیاں گئیاں سڑکاں راہواں لیکاں
پہاڑاں تے تنہائی سوں گئی لیکے برف رضائیاں
رات دی جھولی وچوں ڈگا چٹی اُن دا گولا
فجر نے اُنکلاں دے وچ پھڑیاں نویاں سوچ سلانیاں
وگدی وگدی سوچ کھلو گئی چل دیاں چل دیاں ندیاں
بلھاں اُتے پیڑ جم گئے پانیاں اُتے کانیاں
اک انا دے پہاڑ توں ٹپ جا بھانویں چند نکھٹے
اگے سارے پینڈے سوکھے اگے سب اترائیاں
میں جدوی کوئی نیکی کرنا دل مینوں ایہہ کہندا اے
ناسک کس جنت لئی رب نوں دیندا پھرنا ایس سائیاں



شفیع عقیل

1930ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ طویل عرصہ تک جنگِ گروپ اور اخبارِ جہاں سے وابستہ رہنے کے باعث مستقلاً کراچی میں مقیم رہے۔ پنجابی میں کلاسیکی اور نوکلاسیکی شعرا کے عمدہ تراجم کے علاوہ پنجابی کے حوالے سے تحقیق و تنقید کی کئی کتابیں شائع ہوئیں جن میں ”سیف الملوک۔ تلخیص و ترجمہ“، ”پنجابی لوک داستاںیں“، ”پنجابی کہانیاں“ وغیرہ شامل ہیں۔ علاوہ ازیں خود بھی صاحبِ طرز شاعر ہیں۔ شعری مجموعے ”سوچاں دی زنجیر“ 1975ء میں اور ”زہریلا“ 1980ء میں شائع ہوئے۔ بالعموم چار چار مصرعوں کی نظم کہتے ہیں۔

تیرا میرا دوش

تیرا میرا دوش ایہو سی پیار نہ دونوں پاؤندے
دشمن بن کے زندہ رہندے عمراں نال نبھاؤندے

خوف

خونی شیر ڈراؤنے چیتے ناگ جنھاں نوں کہندے
انساناں توں ڈردے مارے جنگلاں دے وچ رہندے

اندرتے باہر

اُچیاں کندھاں لوک اُسارن باہروں نظر نہ آوے
کندھاں گھر وچ کیہہ کجھ ویکھن ایہہ نہ دسیا جاوے



جمشید مسرور

جمشید مسرور کھاریاں کے رہنے والے ہیں ایک طویل عرصے سے ناروے میں مقیم ہیں۔ اُردو پنجابی اور نارویجن زبان کے سکہ بند شاعر ہیں۔ اُردو کے کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں اور ادبی خدمات پر کئی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ ناروے میں ادبی آرگنائزر ہونے کے علاوہ اپنا رسالہ بھی نکالتے رہے ہیں۔

دھریک دا بوٹا

میں بوٹا اک دھریک دا میرا چیرٹوں اُچا ناں
مرے بھل شریہ توں ودھ کے مری پیلوں گوڑھی چھاں
جس دھرتی مینوں پالیا اوتھے وگ دے پاک چہناں
ایہدے کھوہ فرشتے گیڑدے ایہدا پانی دُدھ دی تھاں
ایہہ مٹی پاک صفات دی ایہدا ایہو ورد سناں
جس ایٹھے مجھاں چاریاں اوہنوں سوہنی نذر کراں
جس ویہڑے میرے پیر نیں اوہ ویہڑا عرش مکاں
میں ایسے ویہڑے سوہناں ایہہ میرا کل جہاں
ایٹھے چکلی راہے نچ دے ایٹھے پیلاں پاندے کاں
ایٹھے فجریں چڑیاں آندیاں لین اپنے رب دا ناں
چھ جی اس ویہڑے وس دے اک بابل تے اک ماں
دو بھیناں تے دو ویر نیں سبھ اپنی اپنی تھاں
اک ویر دے سر تے تاج ہے اوہ گھر دا میر زماں
اک ویر سخن دا رانجھڑا اوہدی مٹھی شہد زباں
ایہہ بابل پیر فقیر ہے اس اگے سسیں نواں
ایہہ ماں ہے روپ بہشت دا ایہدی چاروں پاسے چھاں
اک حکم خدا دا آگیا اے ہُن چلنا ایں عدم گراں

آ مَلّیا لکڑ ہاریاں ایہدی جڑ دے کول پڑاں
 میں پیڑ ترہہ دے دیکھنی بھانویں لکھاں نیروگاں
 کڈھ دین گے تخت ہزارویں لکھ ترے منتاں پاں
 مینوں چھٹیاں چھٹیاں چیر کے رکھ دین گے بالن ناں
 چھ جی ان بھول ملو کڑے انہاں نہن کیویں سمجھاں
 انہاں گل مسافر تھیونا میں آج مسافر ہاں



باقرو سیم قاضی

چکوال میں مقیم باقر و سیم اردو اور پنجابی کے ایک اچھے شاعر ہیں۔ پیشے کے لحاظ سے ٹیچر ہیں۔
 اخبارات میں مزاحیہ قطعات بھی لکھتے ہیں۔

غزل

کنیاں اُتے لکھ تے ہزار دیاں اکھیاں ساڈے اُتے نہیں کسے نار دیاں اکھیاں
 گڈی دیاں کاغتاں نوں ایویں ای پھر ولدا جیباں اُتے ہین تھانیدار دیاں اکھیاں
 ٹٹ پین دلاں اُتے سو سو قیامتاں زریاں مصیبتاں نیں یار دیاں اکھیاں
 قرضہ وڈیریاں نوں پے گیا موڑناں غصے وچ ہین سرکار دیاں اکھیاں
 اوہناں رنگروٹاں نت رہنا اے فٹیک تے جنہاں اُتے نہیں صوبیدار دیاں اکھیاں
 لوکی آٹھاں کہن تے توں کوڑکاہنوں کرنا ایں عینکاں وی ہین تے ادھار دیاں اکھیاں



بوٹاخان راجس

بریڈ فورڈ (انگلینڈ) میں مقیم اردو اور پنجابی کے سینئر شاعر بوٹاخان راجس کا آبائی وطن میر پور آزاد کشمیر ہے۔ غزلوں کے علاوہ روایتی انداز میں لکھے گئے پنجابی چوکھے دانش و دانائی کے مرتفع ہیں۔ ”کلیات راجس“ کے نام سے پنجابی مجموعہ کلام 2003 میں شائع ہوا جس میں کچھ اردو کلام بھی شامل ہے۔ آپ کا کلام دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کلاسیکی دور کے شاعر ہیں لیکن جدید دور میں پیدا ہوئے۔

○

تیرا چہرہ ہے چمکدا چن وانگوں جیہڑا چھپے نہ کسے نقاب اندر
تیری اکھ دے وچ ہے نشہ جیسا، ایسا نشہ نہ کسے شراب اندر
تیرے لبوں دی لالی دی حد ہو گئی ایسا رنگ نہ کسے گلاب اندر
لوکی کہندے قیامت نہ کسے دیکھی، راجس دیکھی اے تیرے شباب اندر

○

رکھ کے پتھراں دے اتے پیر لوکی جدوں ندی نالہ کوئی پار کر دے
اک پنچے تے سٹ دے وزن سارا صبر پتھراں دا تار تار کر دے
پتھر پیر دی تلی نوں چم لیندا ثابت ہو یا کہ پتھر وی پیار کر دے
راجس پتھراں چپ دی مہر لالی کدی دکھ دا نہیں اظہار کر دے

○

زوراں وراں دے دور وچ مرے لسا قبر کڈھن نوں نہیں کوئی تھاں دیندا
جیہڑا ماتم دا اے دعویدار اج کل بھکھا وٹن نہ کوئی گراں دیندا
تیرے در توں رڈیا جائے جیہڑا خیر کدوں فیر اوہنوں جہاں دیندا
تیرے نالوں تے راجس رکھ چنگا ڈھپے سڑ کے دوجے نوں چھاں دیندا

○

ابلیس خبیث بھی شہنشاہ ہے کردا راج ہے بھریاں جوانیاں تے
تھم اُس دا وی چلے چار گٹھاں نظر رکھدا اے رتاں بیگانیاں تے

ذات پات دی رہندی تمیز کتھے کرے وار جد اکھاں مستانیاں تے
راجس پڑھ لاحول تے رکھ تقویٰ سچے رب دیاں مہربانیاں تے

○

گناں خوبیاں تیریاں کس طراں میں جدوں پگامیں ایڈا حساب دانئیں
خدوخال فردوس دی حور وانگوں ثانی کوئی وی تیرے شباب دانئیں
تیری اکھ نشیلی دا نشہ جتنا اتنا نشہ تے کسے شراب دانئیں
تیرے چہرے دی کیہہ مثال دیواں ایناں چہرہ تے صاف مہتاب دانئیں

○

کیڈا سوہنا قانون خدا دا اے، جتھے بھل ہوندا او تھے خار ہوندا
کھچ ہووے دلدار دے دیکھنے دی سینہ تاں جا کے تار تار ہوندا
جیہڑا شوہ دریا وچ کھائے سٹاں آخر اوہی تے تر کے پار ہوندا
دل دے بدلے منگدا جان راجس کوئی میرا وی کملا یار ہوندا

○

ج۔ جیندیاں نہ سوہنیاں حال بچھیا بعد مرن دے آیاتے کس کاری
پہلے دل مسکین دا توڑ کے تے فیر گلے لگایاتے کس کاری
پہلے آپ جلا کے اگ اندر فیر سوگ منایاتے کس کاری
میری قبر تے آ کے یار راجس توں ہار چٹھایاتے کس کاری

○

بندہ مرے تے پڑھی نماز جانندی پیدا ہوندا تے حکم اذان دا بس
ٹٹھے دندتے ہاڑاں وی ڈھے پئیاں مزا ختم ہو یا پین کھان دا بس
بڈھے ہوئے تے عقل وی ہوئی بڈھی ویلا آگیا بھل جان دا بس
دانش وری دی بات دا مزار راجس باقی مزا ہے شیریں زبان دا بس



رندھیر سنگھ

رندھیر سنگھ، مستری دسوندھاسنگھ کے ہاں اپریل 1938ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کلکتہ سے اور کالج کی تعلیم فرید کوٹ کے برچندر کالج سے حاصل کر کے ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ بعد ازاں بیگم کے ساتھ امریکہ چلے گئے اور مستقلاً نیویارک میں مقیم ہیں۔ ”انہیں چھوٹی بحر کا بڑا شاعر“ بھی کہا جاتا ہے۔ شعری مجموعے ”چائن دی سیاہی“ 1987ء میں ”نکیاں غزلاں لگھور رباعیاں“ 1992ء میں ”کن نیاں کن نیاں“ 1994ء میں ”تریل نوں تریلیاں“ 1997ء میں شائع ہوئے۔ ”گاگرتوں ساگر“ کے نام سے شعری مجموعہ 1998ء میں اردو رسم الخط میں لاہور سے چھپا۔ منفرد انداز کی نظمیں اور غزلیں کہتے ہیں۔

غزل

لفظ خوبصورت، طرز خوبصورت
منگی محبت، غرض خوبصورت
دل نوں جو لگی، مرض خوبصورت
محبت دا برتے، قرض خوبصورت
چلدی رہے تاں، نبض خوبصورت

قطعہ

نہ کاپی نہ کتاباں دی نہ بستے دی میں گل کرنی
نہ مہنگے دی کوئی کرنی، نہ سستے دی میں گل کرنی
کراں گا تنگ جتی دی تے جُتی وچلے روڑاں دی
نہ منزل دی کوئی کرنی، نہ رستے دی میں گل کرنی

سکے دادوسر پاسہ

ہارجت دا فیصلہ کرن لئی

میں ورو دھی نوں سکھ اچھالن لئی کہا

سکھ اچھالیا تے میرے والا پاسا پرسی

خوشی وِج میں سِکے وانگ اُچھلیا تے موندھے منہ جا ڈگیا
 جد تک میں کپڑے جھاڑ کے اُٹھیا
 ورو دھی سِکھ چک کے نَمُو جھانا ہو یا جا چکیا سی
 تے میرے ول ویکھ کے ہس رہیا سی
 جو یں دھرتی تے مہر لگ گئی ہو وے
 سِکے دے دوسرے پاسے دی
 میں تھان تے کھڑا ہار گیا



ڈاکٹر ناہید شاہد

اُردو اور پنجابی کے شاعر نقاد اور محقق ہیں۔ اور نیشنل کالج کے شعبہ پنجابی سے وابستہ رہے۔ پنجابی
 شعری مجموعہ ”پتن“ 1993ء میں شائع ہوا۔

تن شعر

ہتھان دے وِج کڑیاں گل وِج پھاہیاں نیں
 رَج کے گہنا پایا ساہنوں سائیاں نیں
 نک تے کناں نال ای جیبھ وِخا دِتی
 رِجھاں لاه کے ویاہ کیتا بھر جائیاں نے
 شیشہ تکیاں وی کوئی سنگی لبھدا نیں
 انھیاں کر چھڈیا، ساہنوں تنہائیاں نے



رونر روی

8 مارچ 1937ء کو پروفیسر پیارا سنگھ گل کے ہاں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 1947ء میں آبائی گاؤں جگت پور (جالندھر) چلے گئے۔ تعلیم مکمل کر کے درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا اور ساری عمر اسی سے وابستہ رہے۔ 1967ء میں کینیا چلے گئے جہاں سے آٹھ سال بعد مستقلاً کینیا میں مقیم ہو گئے۔ پنجابی میں کئی شعری مجموعے، ڈراموں کی کتابیں اور کہانیوں کے مجموعے چھپ چکے ہیں جن میں سے ”گنڈھاں“، ”شبدوں پار“ اور ”پترتے دریا“ اردو رسم الخط میں شائع ہوئے۔ ”اگھر واسی“ اور ”میری کہانی“ کہانیوں کے مجموعوں کے نام ہیں جبکہ ”منج نالک“ ڈراموں کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے انگریزی اور پنجابی کی کئی کتابیں ایڈٹ کیں اور ”سمرتیاں دے دلش“ کے نام سے سفر نامہ بھی لکھا۔ آپ کی ادبی خدمات پر آپ کو کئی ایوارڈ مل چکے ہیں۔

وشوی کرن

اک قطرہ دریا بن گیا ہے!
لوک آکھدے،
اُسنوں شدا چٹھ گیا ہے!
اک کارخانے چوں
ہور کارخانے کڈھی جارہیا ہے
رستے ج جووی اڑدا، کھڑدا
کئی وڈھی جارہیا ہے!
ہر دلش دی جندا دی
کھڑے پانیاں نال تلنا کرن والا،
ہر سروور لئی،
ساگر لے آیا ہے

دریا پہاڑاں توں ہی آؤندے ہن،
اوہناں دے رُخ توں اوس نے
سفنیاں ول لایا ہے
اُسنوں پتا ہے کہ ہر دیش
گنتی دے کجھ ہتھاں وچ کھڈونا ہے
ایہناں ہتھاں دے اوہ چپو چلارہیا ہے
گیت گا،

آپنارہ بنا رہیا ہے
اُنکلی تے گلوب گھمارہیا ہے
○

چھاواں تے پر چھاواں
آئے سجن اج دُھپ چڑھے
تے تڑگئے چھاویں چھاویں
پیڑاں دے وچ جھڑ جھڑ جھورن
پترٹاویں ٹاویں

سُورج آکھے میں ہی، میں ہاں،
اگ بنو تھل سارا
سجن آکھن روپ اساڈا
چن دے نال ستارا
ایس جیون وچ رنگ گھولدے
چھاواں تے پر چھاویں

ملن لئی تاں ہر کوئی آؤ وندا،
وچھڑن لئی، اوہ آئے
کیہہ کراں جدا اک بد لوئی،
پلکاں وچ کھڑ جائے
نہ برسے، نہ جاوے کدھرے،
اکھ دُھنداوے بھاویں

جاون والے ودعیا ویلے
وعدا کوئی نہ کیتا!
نہ وچھڑے نہ ملے اسیں اج
گھٹ خلاد اپیتا
اک ورو لے، دھرتی، انبر
اک کیتے، اک تھاویں
دُھنداں دے ایس موسم اندر
پتر جھڑ گئے سارے
رُکھ نوں میگھل ملے نہ سُورج
کدھر تر گئے سارے!!!
سُورج دے نال دُب گئے اندر
چھاواں تے پرچھاویں



چودھری بڈھا مسافر

نام بڈھا، تخلص مسافر مولود و مسکن، موضع غوطہ ضلع سیالکوٹ۔ تاریخ پیدائش اور وفات کا کچھ علم نہیں تاہم بیسویں صدی کے وسطی دور کے پنجابی عوام کے نہایت ہی مقبول و محبوب شاعر تھے۔ شعر و سخن سے طبعی لگاؤ، طرز سخن نہایت پختہ اور درد انگیز، تصوف و سلوک سے طبعی لگاؤ تھا۔ تصانیف میں سی حرفی اور بارہ ماہ شامل ہیں۔

و، ودھی دے لکھ ہزار دارو گھٹ گئی دا نہیں حکیم کوئی
مرن کس طرح جنھاں دے ساہ لمیں بھائیں گھول کے دئے افیم کوئی
کڈھ ستویں لوے پتال وچوں موت جہیا نہ ہور غنیم کوئی
بے امید مسافرا ہو ناہیں رحمت کرسیا رب رحیم کوئی

ل، لکھ کے چٹھیاں چراں پچھوں یاراں گھلیاں تے اساں واچیاں نیں
چڑھ خوشی دی گئی خوشبو ساہنوں ایہہ چٹھیاں لونگ الاچیاں نیں
سیاں دین مبارکاں آن مینوں ونڈن شکراں تائیاں چاچیاں نیں
جا آکھ مسافرا سسٹری نوں آئیاں فیر پنوں دیاں ڈاچیاں نیں



منوبھائی

6 فروری 1932ء کو وزیر آباد میں پیدا ہوئے، اصل نام منیر احمد قریشی۔ روزنامہ جنگ کے معروف کالم نگار ہیں۔ ٹی وی کے لیے اردو اور پنجابی میں کئی معروف ڈرامے لکھے۔ ”جزیرہ“ کے نام سے پنجابی ڈرامہ سیریل ٹی وی سے کئی مرتبہ نشر ہوا اور پنجابی ادب اور نصاب کا حصہ بنا۔ شعری مجموعہ ”اے قیامت نہیں آئی“ 2003ء میں شائع ہوا۔

اے قیامت نہیں آئی

وال ودھائے راجھے نے تے ٹنڈ کرا لئی ہیراں نے
مرزے خاں نال دھوکہ کیتا اوہدے اپنے تیراں نے
میٹر لا کے خوب چلائی صاحبان اوہدیاں ویراں نے
پر اے قیامت نہیں آئی

سکھ سرہانے بانہہ گوری، ڈکھ سوٹے چرسی چلماں دے
بچے ٹیسٹ ٹیوباں دے، لو لیٹر فقرے فلماں دے
مت ماری گئی سیانف دی تے بھٹھے بہہ گئے علماں دے

پر اے قیامت نہیں آئی

تاریخ تماشا بھگھکھاں دا، تہذیب کھڈونا رجاں دا
تتقید جگالی لفظاں دی، تشہیر سیپا لجاں دا
موسیقی راتب کتیاں دا تے ادب گتاوا مجھاں دا

پر اے قیامت نہیں آئی

دھیاں تن بشیراں دے گھر، پتر چار کمالے دے
پوہڑیاں دے وچ قصہ مکا، لوتھ گئی وچ نالے دے
لوکی بیٹھے رشتے جوڑن پپل تے پرنالے دے

پر اے قیامت نہیں آئی

روگ ہزاراں، اکو نسخہ، اکو راہ گزارے دی
مکھن تاندلیانوالے دا تے ماکھی ضلع ہزارے دی

تیراں اگے سینہ تانے جرات جھوٹھ غبارے دی
پراجے قیامت نہیں آئی

باندر بیٹھے جو آں کڈھن، اک دوجے دے والاں چوں
دُده پیاندی گڑی نوں ویکھن، امرت ٹپکے رالاں چوں
بڑے سیاسی نکلتے لبھن ماں بھین دیاں گاہلاں چوں
پراجے قیامت نہیں آئی

دھک مکوڑے پڑھن نمازاں، دعوے کرن خدائیاں دے
بند کران شراباں نالے پرمت لین عیسائیاں دے
وعدے پیندے آپیں کردے ناں بدناں ڈیسائیاں دے
پراجے قیامت نہیں آئی

پارا تھرما میٹر دا، تے سیاست چودھری طالب دی
ہیرا منڈی شاہیے دی تے دلی مرزا غالب دی
چادر جنرل رانی دی تے چار دیواری جالب دی
پراجے قیامت نہیں آئی

زیراں دی پٹی دے مطلب نکلن لگ پئے زبراں چوں
عینک پا کے انھے لبھن حق حقیقت خبراں چوں
ٹی وی دیاں قوالیاں سن کے مردے جاگے قبراں چوں
پراجے قیامت نہیں آئی

حرف شکایت، ہوٹھ، تروپے، قافیے تنگ ردیفاں دے
سنگھی نونہہ غریباں دی، ہتھ کٹے گئے شریفاں دے
لوہلے لنگڑے پار اتارن، پل صراط تریفاں دے
پراجے قیامت نہیں آئی

چٹے ورقے دین شہادت کالی شاہ جہالت دی
سچل وعدہ معاف گواہی، نہیں رہی لوڑ وکالت دی

غصے دے نال تھر تھر کنبے کرسی عرش عدالت دی
پراجے قیامت نہیں آئی

عزت گئی استادان دی تے بستہ غیب پڑھا کو دا
سیر گیو دے مل وچ لبھے ہن اک پان تمباکو دا
نہیرے دے وچ پتہ نہیں لگدا تھانیدار تے ڈاکو دا
پراجے قیامت نہیں آئی

تقلی دندان والے بڈھے پیچھن بھاء اخروٹاں دے
سب توں بہتیاں پڑھن کتاباں بوجھے اوور کوٹاں دے
لیندے پھرن مبارکباداں خالی ڈبے ووٹاں دے
پراجے قیامت نہیں آئی

لوکی گھراں تے مورچے لا کے کرن حفاظت فوجاں دی
گردیاں اتے بنھ سرہانے ملہم لواندے سوچاں دی
سینر لا کے کرن نمائش اپنے سارے کوچاں دی
پراجے قیامت نہیں آئی

ماں دا دُدھ سمجھ کے پی گئے نیک کمائی نانی دی
ملکہ دے دربار چ دادے دی تصویر جوانی دی
پوتریاں نوں نا منظور حکومت کسے زنانی دی
پراجے قیامت نہیں آئی

اینی ہوئی منصوبہ بندی نوبت آ گئی فاقے دی
ہر اک چیز کھلوتی لگے سانوں ایس علاقے دی
دھوکہ چلدا اے یا فر چلدا اے مرضی بابے سآتے دی
پراجے قیامت نہیں آئی



غلام یعقوب انور

علامہ غلام یعقوب انور گوجرانوالہ کے استاد شاعر تھے جنہوں نے دیہاتی پنجابی کلچر کو شاعری کے ذریعے متعارف کرایا۔ آپ عبدالغنی وفا کے ہاں میانوالی میں 21 اپریل 1915ء کو پیدا ہوئے۔ غزلوں کا مجموعہ ”چن دی کھاری“ کے نام سے شائع ہوا۔ ماہر عروض بھی تھے چنانچہ ”بول تول“ کے نام سے پنجابی میں شعری اصطلاحات اور عروض کی کتاب بھی لکھی۔ شاہ حسین کی کافیوں کا منظوم انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ 21 جنوری 1974ء کو گوجرانوالہ میں وفات پائی۔

غزل

اک کولہ طفل تسلی دا ہر اک پھٹتے دھر لینے آں
کجھ ٹھہر جا دل دیئے پیڑے نی، وٹرتیرا کر لینے آں
اسیں اوہ آں جیہڑے راتاں وچ لٹنے آں اپنے جھگے نوں
مڑ سستھوں ٹردیاں تلیاں تے، بلدے دیوے دھر لینے آں
اسیں ایڈے تے ہمتیلے نہیں، جے وڈھیے ٹکے پتھراں نوں
پر فیر وی سنگیو، پہاڑ کئی اسیں سینے تے جر لینے آں
اوس رب کله دی سونہہ مینوں، ابے دل توں دوئی نکلی نہیں
جے سچ پچھو تے بتاں نوں اج وی سجدے کر لینے آں
اس عقل دے بھنگڑ خانے توں، ایہناں اکھیاں دے ٹھیکے توڑی
کیہہ دساں کس کس موہرے نوں اسیں کوڑا گھٹ کر لینے آں
ایہہ پنجرے بندی خانے دے کجھ کدھروں ٹٹ ای جانڈے نیں
پر پھڑکن نال اسیں انور، توڑ اپنے وی پر لینے آں

غزل

میری جھگی دے دیوے نالوں کوئی بجلی ودھ ٹیار نہیں
پر میں اک مہاٹڑ کاما واں، کسے پنڈ دا لمبڑ دار نہیں
سوچاں دے پٹھے دتھے لئی داتر رمبا لئی پھرناں واں
مرے ہتھ وچ کوئی ڈانگ ڈنگوری سوٹا یاں تلوار نہیں

ہتھ رکھ کے فکر دی جنگھی تے جد، تتا تتا کرنا واں
 اوہ کیہڑی جوڑی اے مصرعیاں دی جو اڈن لئی تیار نہیں
 میں پچھلی رات دلیلاں دی گاہدی تے ہوئے لیندا جے
 اتھرواں توں ودھ کوئی ایہناں ٹنڈاں دا غم خوار نہیں
 میریاں اکھاں دے جگراتے نے راتاں دیاں مشکاں کڑ لئیاں
 کیہڑی کھتی مینوں بھلی اے کہڑا ترنگڑ میرا یار نہیں
 میں نئے بچھے وہاں دے میں سئیاں لائیاں سوچ دیاں
 اج کہڑیاں اوہ ورھیلاں نیں، مرا جنھاں نال پیار نہیں
 میں اکھراں تے مضموناں دیاں ٹلیاں دے ہاسے سننا واں
 اج میرے ویڑھے وچ انور کسے چوڑے دی چھکار نہیں

غزل

چگی دلیلاں دی جدوں کڈھدی اے گالے رات نُوں
 سو وہم پھر دے نیں مرے آلے دوالے رات نُوں
 ٹونیاں کتے خوشبو دیاں، ترپور رنگ تے نُور دے
 یاداں دی ووہٹی پاوندی پھر دی وکھالے رات نُوں
 وہاں دیاں بکیاں لئی سدھراں دیاں صاحباں کئی
 کیہہ کیہہ نہ مرزے درد دے کردے ادھالے رات نُوں
 ○

چین نال جدد دی منگنی ہوئی چھاں سدھراں تُوں سنگھنی ہوئی
 جیون دا موہرا وی پھلکنا موت وی اسماں نہ منگنی ہوئی



طالب جتوئی

طالب جتوئی جنوبی پنجاب کے ایک سینئر اور اہم شاعر ہیں جنہوں نے غزلوں کے علاوہ طنزیہ و شگفتہ نظمیں بھی لکھیں۔ دیگر شعری مجموعوں کے علاوہ ایک مجموعہ ”چان دی ہڈی“ 2003ء میں منظر عام پر آیا۔

غزل

ایس وچارے کرماں مارے ٹبر نال مخول نہ کر
ایس انھیرے دے وچ کوئی دیوا بال، مخول نہ کر
تیرے گلے تائیں وی آسکدے نیں ہتھ ایہناں دے
زورا زوری کھا کے مسکیناں دا مال، مخول نہ کر
تیتھوں اوہلے تے نہیں ساڈے اوکھے ڈنگ حیاتی دے
مخول دے وچ پچھ کے ساتھوں ساڈا حال، مخول نہ کر
گھٹے بھریا ننگا پنڈا پچھ ہزاراں پیڑاں دے
ایتھے انجے ہوندے نیں مزدور دے بال، مخول نہ کر
دُکھاں دے ہلے نوں آکھو ایہدے ورگے پہلے وی
ساڈے سر توں لنگھے نیں کئی صدیاں سال، مخول نہ کر
طالب ویکھ ذرا ایہہ دنیا کیہڑے پاسے جاندی اے
بھلیا لوکا اکھیں کھولھ تے ہوش سنبھال، مخول نہ کر



طارق عزیز

معروف ٹی وی پروگرام نیلام گھر کے کمپیئر طارق عزیز 6 مارچ 1940ء کو جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد پہلے ساہیوال اور پھر لاہور آگئے۔ پنجابی میں ”ہمزاد دا دکھ“ کے نام سے شعری مجموعہ شائع ہوا جس میں چھوٹی چھوٹی فکر انگیز نظمیں پیش کی گئی ہیں۔

سالگرہ

چڑھدے چن نوں ویکھ کے روندی اے اکھ ضرور
ایہو ای دن سن دوستا جدوں ہوئے ساں دور
سچا شرک

دور پرے اسمان تے رب سچے دا ناں
بیٹھاں ایس جہان تے بس اک ماں ای ماں

اعتراف

ایس دنیا وچ زندہ رہنا اک ہنر سی آیا ناں
تیرا میرا کیہ رشتہ سی بھید کدی ایہہ پایا ناں
اک حقیقی گل

مڈھ قدیم توں دنیا اندر دو قبیلے آئے نیں
اک جنہاں نیں زہر نیں پیتے اک او جنہاں پلائے نیں

کوک فریدا کوک جس دے ایس جہان وچ
لے چوڑے کم سدا میں ویکھے اوس دی
اکھ وچ گہرے غم

ایہو ای اے تقدیر ہولی ہولی بھل جاواں گے
اک دو جے دیاں شکلاں وی ہولی ہولی سکھ جاواں گے
زندہ رہن دیاں عقلاں وی

رؤف شیخ

رؤف شیخ 14/ اگست 1933ء کو حافظ آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار نئی غزل کے بانوں میں ہوتا ہے جنہوں نے پنجابی غزل کو فارسی تراکیب سے نکال کر اردو کے قریب کیا۔ ”کرناں“ ”واٹاں“ ”بلدا شہر“ ”شکر دوپہر“ ”فجراں“ ”ریت بھلکھے“ اور ”چپ دازہر“ کے نام سے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

غزل

تعبیراں تک اُپرُ جاندیاں خواہاں جدوں بہار دیاں
پتھراں چوں بھٹ پندیاں نیں فر خشبوواں اتبار دیاں
اوس اِکلی کوچ نوں آپنے وچھڑن دا غم رہندا نہیں
جس دے لئی کرلاون لگ پین ساریاں کونجاں ڈار دیاں
اوہنوں خوف نہیں رہندا بھورا اُٹھدے ہوئے طوفاناں دا
اک دوچے نال جڑ کے بیٹھیاں اِٹاں جس دیوار دیاں
چنگے تے بھیڑے وچ ہوندائے فرق نرا ورتارے دا
اوہو لہراں ڈوبدیاں نیں اوہو لہراں تار دیاں
انساناں دے آل دوالے ضداں دی سرداری اے
ہونیاں کوٹھے ڈھاندیاں تے تدبیراں محل اُسار دیاں
جس دے پاروں مہر خلوص دی دولت گھراں نوں ملدی اے
پرھیا دے وچ اُچیاں ہو جان عزتاں اوس دستار دیاں
مٹی دا سہی پر آپنا ایں جیہڑا کوٹھا چھتیا اے
ہُن نہیں دل بھرماندیاں رؤف ہواواں پرلے پار دیاں

غزل

گل تے پہرا دیندا بھوئیں کلم کلا ہوندا
ویلے وانگوں جے نہ میرا یار نگلا ہوندا
مینوں عقل احساس دے ناں تے کیہہ کیہہ زخم نہیں دتے
لکھاں دُکھاں توں بچ جاندا جے میں جھلا ہوندا
نک نقشا نہ ذات قبیلہ نہ سیرت نہ صفتاں
بندے دی پہچان تے اج کل اوہدا پلا ہوندا
غرضال دی بے درد ہوا نہ اوہنوں ریڑھ لجاندا
جے بھانڈے دا ہور ذرا کو بھارا تھلا ہوندا
آپ سہیڑیاں جھنجھٹاں وچوں جے فرصت مل جاندا
میں اپنے گھر جاندا بھوئیں پنڈھ کولا ہوندا
چاواں دی پرھیا وچ اوہدے سگی ساک ہتھیرے
سوچاں دے وچ ڈبیا ہویا روؤف اکلا ہوندا

غزل

جس بندے کول اکھ ہوندا اے
اپنے گھر وچ گڈراں دی وی
اوہدی اونی رہوے اڈاری
اج اوہ کونج نصیباں والی
مُل چوکھا اے جھوٹ دغے دا
کل تیکر سن نیویاں نظراں
اوہدی تکنی دکھ ہوندا اے
شیراں ورگی دکھ ہوندا اے
جس دی جنی پکھ ہوندا اے
جیہڑی ڈاروں دکھ ہوندا اے
سچ دی قیمت لکھ ہوندا اے
اج متھے تے اکھ ہوندا اے



ڈاکٹر انور سجاد

27 مئی 1935ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ایم بی بی ایس کے بعد آبائی پیشے ڈاکٹری سے منسلک ہو گئے۔ ٹی وی کے لیے بے شمار ڈرامے لکھے۔ اداکاری بھی کی، افسانے بھی لکھے۔ ترقی پسند لکھاریوں کے سرخیل گروہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اردو میں ڈراموں اور افسانوں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پنجابی میں بھی افسانے کہے اور شاعری کی۔

غزل

سوچاں سوچدے سوچدے ایڈے ہو گئے آں
ہنجو روکدے روکدے ایڈے ہو گئے آں
سدھراں سن کہ پھل جھولی وچ ڈگے گا
پتھر بوچدے بوچدے ایڈے ہو گئے آں
پورا کد تک پیار دا لفظ لکھیچے گا
پھٹی پوچدے پوچدے ایڈے ہو گئے آں
کجھ نہ لبھا لیراں باجھوں حالے تیک
کھدو پھولدے پھولدے ایڈے ہو گئے آں
ساہواں دے وچ پے گئے گنجھل ہاواں دے
گڈھاں کھولدے کھولدے ایڈے ہو گئے آں
امن دا تنبو خورے کدوں کسبجے گا
کلے ٹھوکدے ٹھوکدے ایڈے ہو گئے آں



ڈاکٹر امان اللہ خان

ڈاکٹر امان اللہ خان ایک طویل عرصے سے امریکہ کے شہر ”ڈیلز“ میں مقیم ہیں اور کینسر سینٹر کے ڈائریکٹر ہیں۔ پنجابی شاعری اور پنجابی پیاروں سے عشق کی حد تک پیار کرتے ہیں۔ ”عالمی پنجابی اکٹھ“ کے نام سے ایک تنظیم بھی بنائی ہوئی ہے لیکن نام و نمود کی خواہش سے لاتعلق رہ کر صرف پنجابی ادب کی خدمت کرتے ہیں۔ ”ورشہ“ کے نام سے بھارتی اور پاکستانی اداکاروں کے اشتراک سے ایک پنجابی فلم بھی بنائی۔ ”تھر گتیاں نیں چھاواں“ کے نام سے شعری مجموعہ 2004ء میں شائع ہوا۔ موضوعات میں تارکین وطن کے مسائل، ناسٹیبلج عناصر اور جدیدیت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔

ٹھنڈڑیاں یاداں

نکے ہوندیاں بنائے سی محل جہڑے آج مُڑ کے بناؤن نوں جی کردا
جہڑی گلی وچ سجاں توں وچھڑے سی اوتھے پھیرا لون نوں جی کردا
بہواں آلے دوالے چاچے دے سناں لمیاں کہانیاں راتاں نوں
کئے چر دیاں ستیاں یاداں نوں فر آج جگون نوں جی کردا
نہیں بھلدے دن اوہ موجاں دے اوہ سنگی بلی اوہ چاہواں
فر جا کے آج اُس میلے تے اک بھنگڑا پون نوں جی کردا
فر دیکھن لوکی شوخیاں نوں فر چڑھ کے اوندے بنیرے تے
دو رنگی اک پتنگ لے کے میرا پیچا لون نوں جی کردا
کسے پنڈ دے شادی میلے تے مینوں پر لگن میں اڈ جاواں
کجھ ایسیاں بھلیاں گلاں نیں آج جہنوں دُہراؤن نوں جی کردا
جہڑے چھڈ آیاں میں ورھیاں توں فر جا لبھاں اوہناں شگناں نوں
فیر چھیڑاں دل دے تاراں نوں میرا ہسن گاؤن نوں جی کردا
میں قلم بناواں کانے دی میں گاجی لاواں پھٹی تے
میرا بیٹھ کے ڈیسک پرانی تے گل بستہ پاؤن نوں جی کردا

فر کھیڈاں فجرے روہی تے فر دیکھاں بھٹدے سورج نوں
 اک نچدی گھمدی ببری نوں میرا آج تراؤن نوں جی کردا
 میں بگل ماراں لوئی دی میں اگ گھاواں پھوکاں نال
 اک بھندی گرم انگیٹھی تے میرا سیکا لون نوں جی کردا
 پھراں نسدا بھجدا دن راتیں نالے افراتفری ہر پاسے
 ایہہ سارے دھندے ہن چھڈ کے بس دل ورچون نوں جی کردا
 یاد آون مفتے یار میرے جہڑے مل کے بھاٹی جانڈے ساں
 آج جا کے اوہناں یاراں نوں میرا پوڑیاں کھواؤن نوں جی کردا
 اوہ ٹولی اپنے سبناں دی اوہ نہر دا بنھ پیا یاد آوے
 آج فر اس نہر کنارے تے میرا ٹبیاں لاؤن نوں جی کردا
 ہون گاڑھے بدل بھادوں دے میں راوی کنڈھے جا بیٹھاں
 کھ کر کے سارے یاراں دا مٹھے انب کھواؤن نوں جی کردا
 میرا لاچا ہووے تے دا میں کرتی پاواں ململ دی
 میرا شالا مار دے باگے وچ آج پیلاں پاؤن نوں جی کردا
 کجھ نکیاں نکیاں گلاں سی پر ڈھیر سی کئے خوشیاں دے
 آڑو دیاں گٹکاں گھس گھس کے فر سیٹی بناؤن نوں جی کردا
 فر پاواں شور شرابا میں فر جاواں وچ جلوساں دے
 بن سوچے سمجھے یاراں نال میرا نعرے لاؤن نوں جی کردا
 اوہ راہبر عشق دی منزل دا اوہدا رتہ مست قلندر دا
 میرا بلھے شاہ دے قدماں تے آج پھل چٹھاؤن نوں جی کردا
 میں وچھڑیا ہوپیاں ورھیاں دا اک واری ربا انج کردے
 میرا متھا چمن بلھ ماں دے ٹھنڈ سینے پاؤن نوں جی کردا

غزل

جے دل دے ساد شیشے نوں کوئی نال عشق دے رنگ جاوے
فیر اوہ دل کدی وی نہیں مردا جگ بھاویں سولی ٹنگ جاوے

بدقسمت جگ وچ کتنا اے جنہوں بھید نہ ملیا عشقے دا
اوہ ٹٹ جانا انج ٹٹدا اے جیویں ٹٹ گڑی دی ونگ جاوے

ایہہ مارا ماری ایہہ جھگڑے ایہہ نفسا نفسی دے پھیرے
ایہہ سارے سیاپے چھڈ دے توں تیری جنڈری چنگی لنگھ جاوے

جیہڑا عشق چ رب دے ڈھل جاوے اوہنوں سارے جھنچھے بھل جاندا
اوہنوں چین اے ملدا اداں دا بھاویں جگ توں کتنا تنگ جاوے

کیہ حال سناواں میں جگ نوں اس جگ نے حال ایہہ کیتا اے
جیویں کوئی لیڈا ریشم دا کسے بیری تے کوئی ٹنگ جاوے

جتنے عشق دا امرت چکھیا اے اوہ یار امان امیر بڑا
اوہندے پیراں وچ دکھ سکھ کھیڈے تے کھیڈ کے کولوں لنگھ جاوے



اقبال صلاح الدین

محقق کہانی کار اور شاعر اقبال صلاح الدین 28 اکتوبر 1933ء کو پیدا ہوئے۔ مستقلاً اوکاڑہ میں مقیم رہے۔ ”لحلاں دی پنڈ“ جیسی معروف کتاب کے مرتب ہونے کے علاوہ پنجابی میں 3 جلدوں میں لغت بھی مرتب کی۔ ”باردی وار“ اور ”مکر کنڈیالی“ کے نام سے پنجابی شعری مجموعے شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ بھی کئی کتابیں مرتب اور تصنیف کیں۔

غزل

کسے نے اوندیاں رہناں، کسے نے جانڈیاں رہناں
دلاں تے پھٹ اوئے آوا جائیاں لاندیاں رہناں
سدا ہوکے تے ہاواں بھر دیاں رہناں ایں ڈکھیاں نیں
جیویں کونجاں دیاں ڈاراں سدا کر لاندیاں رہناں
کوئی بھوویں طبیعت دا ولی ہووے پر اوہنوں کیہ
اوہ شکی اے تے اوہنے عمر بھر ازمانڈیاں رہناں
ازل توں ایویں چسکا پے گیا سی ماس کھاون دا
ابد تک ایس دھرتی ہر کسے نوں کھانڈیاں رہناں
ایہہ ٹھیک اے توں بڑا انموڑ تے مونہہ زور ایں، پھر وی
دلا تینوں اسیں ہر موڑ تے سمجھانڈیاں رہناں
جے میرے نال ایہوا کردیاں رہناں حیاتی نیں
تے پھر اقبال ایویں حوصلے کیہ ڈھانڈیاں رہناں

من دے موجی

نہ دھرتی تے پھل پھل رہسن، نہ مکر کنڈیالی

پھیر توں کاہد امالی سچنا!

فیر توں کاہد امالی



افضل احسن رندھاوا

یکم ستمبر 1934ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد کو مستقلاً مستقر بنا لیا۔ سیاست میں حصہ لیا اور اسمبلی کے ممبر / سینیٹر بھی رہے۔ پنجابی میں ناول اور افسانے بھی لکھے جو ایم اے پنجابی کے نصاب کا حصہ ہیں۔ ”شیشہ اک لشکارے دو“ اور ”رُت دے چار سفر“ کے علاوہ کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

غزل

راخھے مُلاں بوچے، سُنجا رہ گیا ٹِلا پیراں دا
بھکھیاں وگ چراوندیاں پھردیاں، مندا حال اے ہیراں دا
صدیاں توں بھائی تے بھوئیں بھانڈہ ونڈدے آئے نیں
کنیاں مانواں مر گئیاں دُکھ سہہ سہہ نکھڑے ویراں دا
میں مندا ہاں پر تینوں تے سینے لائی پھرنا واں
ککر دیاں سولاں دے باہجھوں کیہڑا دردی لیراں دا
کوئی تے ہے جس دُگدی ڈھیندی دنیا تھی ہوئی اے
ایدوں ودھ تے میں وی کوئی نہیں جان دا حال فقیراں دا
پین لگاں تے پانی مینوں رت بن بن کے دِسا اے
نقشہ پھر دا اکھاں اگے کربل دے دلگیراں دا
نیڑے ہوویوں سڑ جائیں گا، دور رہویں مر جائیں گا
ایہو اک خلاصہ جانی! عشق دیاں تفسیراں دا
وج میں مچھی وانگوں پھسیا، تڑفاں، تڑفاں، تڑفاں
میرے متھے اُتے بُنیا اے چنگا جال لکیراں دا
افضل احسن! اک تے چاہن والے ہُن دو ہو گئے نیں
اک میان بچ وڑن توں جھگڑا پے گیا دو شمشیراں دا



عبیر ابو ذری

اصل نام شیخ عبدالرشید۔ نصابی تعلیم نہ ہونے کے برابر۔ مہاجر ہو کے پہلے گوجرانوالہ آئے اور 1958ء کے بعد مستقلاً فیصل آباد کو مستقر بنا لیا۔ آخری عمر میں شیپو کا کاروبار کرتے تھے جو ان کی شاعری کی طرح خوب چلتا تھا۔ تقریباً 95 برس کی عمر میں وفات پائی۔ مزاحیہ شاعری کے حوالے سے ان کا نام 1990ء کے بعد چمکا۔ کئی ملکوں کا ادبی دورہ کیا۔ 1990ء میں ”پانی وچ مدھانی“ کے نام سے پہلا شعری مجموعہ شائع ہوا۔ بعد ازاں ”پاپڑ کرارے“ کے نام سے 1999ء الحمد پہلی کیشنز کی طرف سے ان کی دوسری کتاب شائع ہوئی۔ پنجابی کے مزاح گو شعرا میں آپ ایک نامور اور منفرد انداز کے شاعر تھے۔

مزاحیہ کلام

پلس نوں آکھاں رشوت خور تے فیدہ کیہ پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کیہ
 جھاڑو نال بناون مور تے فیدہ کیہ بو تھی ہو جائے ہور دی ہور تے فیدہ کیہ
 کولوں پان بناون چور تے فیدہ کیہ
 پھڑ کے اندر دین دھسور تے فیدہ کیہ
 اک سو نووچ پھڑدے نیں تے پھڑدے رہن ست اکونجا جڑدے نیں تے جڑدے رہن
 خلق دے پلے جھڑدے نیں تے جھڑدے رہن ویکھن ولے سڑدے نیں تے سڑدے رہن
 میں جے چیکاں پاواں شور تے فیدہ کیہ
 پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کیہ
 بساں لٹیاں جانڈیاں نیں تے صبر شکر سنگھیاں گھٹیاں جانڈیاں نیں تے صبر شکر
 گنتاں پٹیاں جانڈیاں نیں تے صبر شکر عزتاں لٹیاں جانڈیاں نیں تے صبر شکر
 جے میں آکھ دیاں کجھ ہور تے فیدہ کیہ
 پچھوں کردا پھراں ٹکور تے فیدہ کیہ
 کلی پلس دے وچ ای رشوت خوری نہیں کہڑا شعبہ اے جتھے ایہہ کمزوری نہیں
 کہڑے مال گودامے ہندی چوری نہیں کہڑے امبرسر وچ گنج دی موری نہیں
 افسر جے نہ ورتن زور تے فیدہ کیہ
 پلس نوں آکھاں رشوت خور تے فیدہ کیہ

سانوں کیہ

عیداں ہوون یا شب راتاں سانوں کیہ
چھڈو جی ایہہ گلاں باتاں سانوں کیہ
دسو کاہدے نال منایے عیداں نوں
کیہڑی خوشی ج نغے گایے عیداں نوں
کتھوں پاپے کتھوں کھایے عیداں نوں
کاہدے اتے ختم دوائے عیداں نوں
چاہڑن دیگاں بھرن پراتاں سانوں کیہ
چھڈو جی ایہہ گلاں باتاں سانوں کیہ
باہردیاں جے ایڈاں نیں تے وڈیاں لئی
ملک دیاں جے بھیداں نیں تے وڈیاں لئی
پٹھیاں سدھیاں کھیداں نیں تے وڈیاں لئی
لیبر دیاں پریڈاں نیں تے وڈیاں لئی
وڈیاں لئی نیں رُو رعایتاں سانوں کیہ
چھڈو جی ایہہ گلاں باتاں سانوں کیہ
پھردے کاراں تے امپورٹر موجاں نال
جھوٹن چور سمگلر جے کر موجاں نال
کرن اٹینڈ کلباں ہوٹر موجاں نال
ڈھڈل موٹو گنجے ٹوٹر موجاں نال
دنے دوپہرے مانن راتاں سانوں کیہ
چھڈو جی ایہہ گلاں باتاں سانوں کیہ
گلاں باتاں نال عبیرا فیدہ کیہ
وگدے ہوئے ناسور تے چیرا فیدہ کیہ
دسن نال سٹور ذخیرہ فیدہ کیہ
انھیاں اکھاں وچ ممیرہ فیدہ کیہ
مردہ ہندیاں جان حیاتاں سانوں کیہ
چھڈو جی ایہہ گلاں باتاں سانوں کیہ

ماں

اِکو ساک اے ماں دا جہدے اگے انگ ساک تے پیارے وی کوئی شے نہیں
ماں دے پیر بہشت بریں اُتے جنت والے نظارے وی کوئی شے نہیں
عظمت ماں دی ہووے بیان کیوں لفظ سارے دے سارے وی کوئی شے نہیں
وارن واسطے ماں دا سر صدقہ سورج چن تے تارے وی کوئی شے نہیں
ماں دا دل کعبہ و سے رب جتھے اوتھے سیس نو اونا شرک نہیں گا
خدمت ماں دی کرن لئی گھر اونا حج سمجھ کے آونا شرک نہیں گا
لعنت

اک جنے نے دولت خرچی خرچی بے شماراں
مہنگیاں مہنگیاں نل کتاباں لئیاں کئی ہزاراں
کئی رسالے کئی ڈائجسٹاں کئی ڈیلی اخباراں
چارے وید تے چار کتاباں رب دیاں گفتاراں
عالم فاضل ہو کے کسے نوں فیض نہ دتا کوئی
لعنت ایسی دولت تے جے اندر لو نہ ہوئی

اک جنے نے دولت خرچ کے مندر سی بنوایا
جھاڑ فلوس تے بلب ٹیوباں لا کے خوب سجایا
آرتی پوجا سو سو دیپک گھیو دا روز جگایا
کلے کلے بت دے اُتے کئی کئی لکھ لوایا

اپنے اندر دھرم ایمان دی ہوئی نہ رشنائی
لعنت ہے جے لوڑونداندے دولت کم نہ آئی

اک جنے نے دولت خرچی خرچ کے لوک خریدے
کئی مسیتڑ کئی رمضان کئی شہراتی عیدے

جھولی جھک خوشامدی پٹھو کور جنہاں دے دیدے
 حمداں نعتاں ورگے جنہاں اوہدے لکھے قصیدے
 سارے تیچے ثابت ہوئے ہڈی لگے کتے
 خیر خواہ کوئی مل نہ ملیا لعنت دولت اُتے
 اک جنے نے دولت خرچ خریدیاں چیزاں بڑیاں
 دن پئے لنگھن پل پل وانگر مہینے جاپن گھڑیاں
 ڈاننگ میز تے کئی خوراکاں سونے ورقاں جڑیاں
 کھا کھا جٹھ موٹا ہويا موٹیاں چربیاں چڑھیاں
 کھانڈیاں کھانڈیاں شوگر ہو گئی پوہندی نہیں دوائی
 لعنت ایسی دولت تے جس پہلی صحت گوائی
 اک جنے کول دولت آئی لکھ لکھ بھریاں وہیاں
 کئی تجوریاں نوٹاں نال اس بھریاں لا لا تھیاں
 حساب کتاب بچ ہوئیاں اکھاں پچھ مچھیاں جھیاں
 نیجاں لا لا رہندیاں کھونڈیاں نظراں اکیاں رہیاں
 دولت نے بس عینک دتی نک نوں چھٹ چکائی
 لعنت ایسی دولت تے جو دے نہ سسکی بینائی
 اک جنے نے دولت خرچ کے کوٹھی سی بنوائی
 کندھاں اُتے دو دو انچی موٹی چپس چڑھائی
 ڈیکوریشن والی ہر شے یورپ چوں منگوائی
 آل دوالے باغ لوایا جنت دوسے دکھائی
 انگلش بیڈ تے موٹے نوم دی کولی نرم تھائی
 لعنت ہے اس دولت تے جے فروی نیند نہ آئی

غزل

چرسی نال میل شرابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا
کوئی سُئی یار وہابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا
سو صابن بھوویں ورتن پئے کاواں نے بگے نہیں ہونا
تپڑ توں لٹھا چابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا
بُریاں نے کار بھلائی دی نہ کرنی ایں نہ ہونی ایں
بھلیاں توں کم خرابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا
گھڑیاں وچ کوہ مکاندے نیں جو بندے اڈم والے نیں
سُستتاں توں پند شتابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا
اوہ بال عمیرا رُل جاندے جنہاں دیاں ماواں مر جاواں
ماں ورگا سایہ بھابی دا نہیں ہو سکدا نہیں ہو سکدا

قطعہ

چوری چوری چوری کٹن چاک جنہاں دے پیلے
داء لگے تے قیمہ بھر کے بھن لے جان کریلے
سسیاں ہوون شیریاں ہوون سوہنیاں ہوون بھوویں
پَٹ دی بوٹی واسطے رناں کیہ کیہ پا پڑ ویلے

انسانیت

انسان انسان وچ فرق انج اے فرق جس طراں 'ح' تے 'ھ' دا اے
بولن وچ بھوویں اِکو جاپدے نیں گھر 'ز' توں دکھرا 'یے' دا اے
'ریواں' لگھ وی ہون تے اِک جئیاں نقطے نال تفرقہ 'زے' دا اے
اختلاف اے جس طراں وچ 'کافاں' سدھ پُٹھ جیویں 'پ' 'ث' دا اے

بوجھ والی ایہہ جھل دا شان کوئی اے نظر آوندا تھے انسان کوئی اے
 دُکھی بندے ول دیندا دھیان کوئی اے مہر خان ہتے مہربان کوئی اے
 انسانیت اے او سے انسان اندر جیہڑا سڑدیاں دی جگہ سڑی جاوے
 سُکھ دئی جاوے دُکھ کھڑی جاوے جراثیم مصیبت دے پھڑی جاوے
 سونے وانگ کٹھالی وچ کڑھی جاوے سہوے سٹاں سنیا راجے گھڑی جاوے
 کولہو گھان ہو کے تلوں تیل ہووے مونجی باس دیندی جدوں چھڑی جاوے
 ایہہ وی مثل مشہور اے جگ اُتے اودوں جتتی دا اے جدوں ہاری دا اے
 بندہ خدمتاں نال مخدوم ہوندا سیوا نال سمبندھ سرداری دا اے
 نیون وچ پھیلاؤ دے راز پنہاں جھکن شجر تے پھلن انگوریاں نیں
 بندہ رانجھیوں جدوں بن چاک جاوے ہیراں فیر کھواندیاں چوریاں نیں
 بندہ بندے دی سیوا لئی جہا اے سیوا بندے دی کرے تے بڑی گل اے
 جیوندا رہوے عبیر انسان خاطر جے انساناں لئی مرے تے بڑی گل اے

1965ء دی جنگ دے دوران نظم

روز دیہاڑی دیندا سین توں تڑھیاں مینوں جنگ دیاں
 ہن سٹاں ویکھ ملنگ دیاں

کئی ڈویشن سیناں کولوں حملہ توں کروایا
 چک متہراں سائیاں لوکاں اِکو ای رگڑا لایا
 ثابت ہويا ہندی سیناں کولمیاں نیں بھنگ دیاں

ہن سٹاں دیکھ ملنگ دیاں

آریہ جینی جٹ مرہٹے ڈوگرے راجستھانی
 بانئے باہمن چھوت وغیرہ رلوں ہندوستانی
 تیرے نیں بد رنگے پتے میریاں سُرراں نیں رنگ دیاں

ہن سٹاں ویکھ ملنگ دیاں

شیراں وانگ مجاہد گجے بجلی وانگر کڑکے
پوچھل کُنج کے لومڑ گدڑ ہندی پے گتے سڑکے
بھل گتے امریکی گولے توپاں میڈ فرنگ دیاں

ہن سٹاں ویکھ ملنگ دیاں

من لیا کہ اسلحہ تینوں جاسی لہہ اُدھارا
کہڑا تیرے مردہ دل نوں زندہ کرو دوبارا
ہن تے تیری فوج دے سنگھوں برکیاں وی نہیں لنگھ دیاں

ہن سٹاں ویکھ ملنگ دیاں

پاک وطن دیاں اگے نالوں اُچیاں ہونیاں شانان
تیرا ینیا دی منڈی وچ مل نہیں رہ گیا آناں
پاک گھسٹن دے ہیٹھ عمیرا باچیاں نیں جن سنگ دیاں

ہن سٹاں ویکھ ملنگ دیاں

(نوٹ: ڈاکٹر ریاض اے ریاض راوی ہیں کہ 1965ء کی جنگ کے دوران چناب کلب فیصل آباد میں ایک جنگی مشاعرے کا اہتمام کیا گیا جس کی صدارت احمد ندیم قاسمی کر رہے تھے۔ مشاعرے کے دوران کالجوں کے دو چار لڑکے بابا عمیر ابو ذری کو پکڑ کر مشاعرے میں لے آئے اور اسٹیج پر چڑھا دیا۔ سادہ سے لباس اور لمبی سفید لٹوں والے بابا عمیر ابو ذری ابھی اتنے معروف نہیں ہوئے تھے جتنے بعد میں ہوئے اس لیے لوگوں نے کوئی خاص توجہ نہ دی اور خاص طور پر جب نظم پڑھنے سے پہلے بابے نے کہا کہ ”میں ایس نظم وچ اندرا گاندھی نال مخاطب آں“ تو لوگوں نے اسے مجذوب کی بڑ سمجھا لیکن جو نہی بابے نے پہلا بند پڑھا سارے معین نے ہال سر پر اٹھا لیا۔ بس پھر کیا تھا اللہ دے اور بندہ لے۔ پنجابی کی اہم شخصیت نظام دین اس وقت اسٹیج پر موجود تھے جنہوں نے نظم پڑھنے کے بعد ہلکے پھلکے جسم کے بابے کو اپنی طاقتور بانہوں سے اوپر اٹھا لیا اور پورے پنڈال میں گھمایا جس سے ایک بھنگڑے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی اور تادیر یہ منظر جاری اور طاری رہا)۔



ڈاکٹر یونس احقر

1943ء میں تحصیل نارووال ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہونے والے ڈاکٹر یونس احقر جدید غزل کے نمائندہ شاعر ہیں جن کا پہلا شعری مجموعہ ”سوچ داسفر“ 1979ء میں شائع ہوا۔ پنجابی غزل کو جدید بنیادوں پر استوار کرنے والوں میں رؤف شیخ اور منظور وزیر آبادی کے ساتھ آپ کا نام بھی آتا ہے۔ آپ نے حکیم شیر محمد ناصر کی شخصیت اور فن پر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی۔

غزل

نہ کٹھ چڑیاں دا کم آیا نہ کرلاناں کانواں دا
چٹے دن وچ ڈنگ گیا سانوں سپ کلراٹھیاں تھانواں دا
سمجھے سمجھے نینویں پے گئے اُچے طرے عزماں دے
ہولی ہولی جُسیاں دے وچ رَچ گیا زہر ہواواں دا
پیدل راہیاں دا کیہ ہن تے اوٹھ سوار وی کہہ رہے نیں
خورے کیہڑے دن مکے گا مارو پندھ صحراواں دا
مکدیاں جاوَن پل پل ریتاں ازلی رب توں ڈرن دیاں
ودھدا جاوے خوف دلاں وچ نویں نکور خداواں دا
اوپدے کولوں آس فضول اے دھرتی اُتے خوشیاں دی
جریا گیا نہیں جس بندے توں سَنکھ سکون خلاواں دا
ایہدے نل تے بھڑک اٹھدی اے ہور وی اگ پچھتاوے دی
وقت ونجا کے ہتھوں جے کر اگھڑے رنگ وفاواں دا
سُورج سامنے ایہناں دی بے وستی ظاہر کردا اے
کندھاں تے زگھاں دے اوہلے لگ لگ بہنا چھانواں دا

ڈھاندے نیں بس ایہہ وی جھگیں محلاں تو کھب کھاندے نیں
باطن دیکھ لیا اے اتوں شوکدیاں دریاواں دا
پیر پیر تے بھانویں ٹھیڈے لگدے نیں پر احقر میں
دکھاں دی جوہ گاہی جاناں پلہ پھڑ کے چانواں دا
غزل

دل نوں اوہنے جسم نوں اوہدے ویراں زخمی کیتا
میرا تن من اکو گھر دیاں تیراں زخمی کیتا
نیندر ساڈیاں پیڑاں ونڈیاں، مار گئے جگراتے
سفنیاں پاروں سکھ ملے تعبیراں زخمی کیتا
متھے تکے، چہرے ویکھے، بھالیاں ہتھ دیاں لیکاں
بجھے اکھراں، ان پڑھیاں تحریراں زخمی کیتا
چڑھدے دی رشنائی لٹیا تے لہندے دی لالی
ساڈیا جسم پھلاہیاں، جنڈ کریراں زخمی کیتا



ڈاکٹر انعام الحق جاوید

6 جون 1949ء کو فیصل آباد میں چوہدری غلام حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے اردو، ایم اے پنجابی اور پی ایچ ڈی پنجابی کیا۔ 1982 میں اکادمی ادبیات پاکستان اسلام آباد سے منسلک ہوئے۔ 1984ء میں مقتدرہ قومی زبان میں بطور ڈپٹی ڈائریکٹر چلے گئے جہاں ”اخبار اردو“ کے ایڈیٹر اور شعبہ دارالتصنیف کے سربراہ کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ 1997ء سے 2011ء تک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں شعبہ پاکستانی زبانیں کے سربراہ (اور ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) کے طور پر کام کیا۔ بعد ازاں الٹیر یونیورسٹی میں پرووائس چانسلر کے طور پر کام کیا۔ آج کل نیشنل بک فاؤنڈیشن کے مینجنگ ڈائریکٹر ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں سنجیدہ اور مزاحیہ شاعری کرتے ہیں۔ تحقیق، تنقید اور شاعری کے حوالے سے اب تک 40 سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ بطور شاعر دنیا کے کئی ممالک کا ادبی دورہ کر چکے ہیں۔ ساحر ایوارڈ اور دیگر کئی ایوارڈز کے علاوہ 2009ء میں حکومت پاکستان نے صدارتی تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا۔

غزل

کندھاں بھردیاں جاندیاں جھنٹاں چو رہیاں نیں
ساڈے نال ایہو کیہو جہیاں ہو رہیاں نیں
ہاتھیاں ورگے جتے ویہلے پھر دے پئے نیں
رزق ایہناں دے واسطے کیڑیاں ڈھو رہیاں نیں
پوچا پھیرن والیاں دُھپاں کدھر گئیاں
کنیاں ویہڑیاں اندر مٹی گو رہیاں نیں
سانوں دُھپوں کڈھ کھرن دا لارا لا کے
آپوں چھاواں رُکھاں ہیٹھ کھلو رہیاں نیں
اک سلکھنے سنفے دے لئی سوچ ہلاں وچ
سدھراں ساہنوں بلداں وانگر جو رہیاں نیں

○

غزل

سبقِ اِکُو ای مُرشد نے دسیا سی، نالے کیہا سی ایہنوں وسارنا نئیں
 بازی ہاردیاں ہاردیاں ہار جانی، قول دے کے کسے نُوں ہارنا نئیں
 یاری سوچ تے سمجھ کے لاوئی ایں، ایویں نیڑے نئیں کسے نُوں اون دینا
 سر اگھاں تے جنھوں بٹھا لینا ایں وانگ پگ دے سروں اُتارنا نئیں
 لہراں لکھ اُچھال مُنہ زور ہوون ترنائیں آپنیاں باہواں دے زور اُتے
 پار کنڈھے تے بیٹھیاں تازوآں نُوں مدد واسطے کدی پکارنا نئیں
 نال اٹکل دے دشمن نُوں ڈھیر کرنا ایں نال زور دے زبر نُوں زیر کرنا نئیں
 وِچ پرھیا دے ویری نُوں ڈھا کے تے ٹھڈا اُتوں دی کدے وی مارنا نئیں
 عزت انکھ انا دی کھیڈ اندر پچی سوچ دی سیدھ نُوں سانجھنا ایں
 ویلا بھیڑے توں بھیڑا وی آن بوہڑے رنگ بدلنا نئیں روپ دھارنا نئیں
 حق چھڈنا نئیں حق مارنا نئیں، نال عزت دے جینائیں تے جین دینائیں
 قول، عمل دے نال ویاہونا ایں کدے سچ نوں جھوٹھ تے وارنا نئیں
 دیوا بُجھن نئیں دینا اصول والا، سبق بُھلنا نئیں وضع داریاں دا
 ٹکڑ کھل کے تنگڑے دے نال لینے، پینا ویکھ کے کدے ونگارنا نئیں
 دُھپے ساڑنا نئیں، پالے ٹھارنا نئیں، ڈھگا کسے دی پیلی وِچ چارنا نئیں
 جانا کدے نئیں بھیڑ وگاڑ ولے، کم کسے دا جے کر سنوارنا نئیں

○

جتھے وصل وصال دی گل ہووے اوتھے ہجر وچھوڑے وی آوندے نیں
 کنک جدوں وی ہالی دے گھر آوے نال توڑی دے توڑے وی آوندے نیں
 بعضے جوڑے نیں ازلاں توں بنے ہوئے آن گھکھوتے گھوڑے وی آوندے نیں
 بھانویں کئی وی سنبھل سنبھال کریئے بیری ہووے تے روڑے وی آوندے نیں

○

ہتھیں چاہڑھیاں گنڈھاں نوں کدے کدے نال دنداں دے کھولنا پے جاندا اے
 کرے شک جے گاہک اندازیاں تے سودا تکلڑی سچ تولنا پے جاندا اے
 بڑے بھیت پوشیدہ نیں چُپ اندر اک چُپ دے فیدے ہزار لیکن
 جتھے کاں نوں بلبل دا حق مل جائے اوتھے آ کے بولنا پے جاندا اے

بندہ پانی دے وچ پتا سڑا ای

حقے وانگوں

اگ، ہواتے مٹی، پانی

میرے جتھے دے اجزاء

دھرتی اک چوپال اے جس وچ

میرا جتھے

حقے وانگر دُھندار ہندا اے

جبر جفا دکھ، درد، مصیبت

انساناں دا روپ وٹا کے

چار چنیرے واری لاون آہندے نیں

جس ویلے ایہہ اک اک کر کے

نڑی گھما کے، سوٹالا کے

اندر نوں کھچدے نیں ساہ

کڈھ لیندے نیں میرا ساہ

میں کر لاناں، ہولی ہولی رولا پاناں، گر گر گڑ روناں

کوئی نہیں سُن دا، میرے ہو کے، ہاواں، ہاڑے

سارے تنگن سارے ہسّسن، نہ کجھ پچھن نہ کجھ دسّسن

اڈھی راتیں
جیہڑے ویلے اگ سواہ بن جاندی اے
تے نیند گواہ بن جاندی اے
سارے لوکی اک اک کر کے آپو آپنی راہے پین
روز دیہاڑی حُقے وانگر تازہ کر کے
میر آل دو الال کے
نیڑے ہو ہو بہن
آپے سُنن تے آپے ای کہن

ماڈرن ماہیا

ککڑ دے ناں اُتے لے آیاں ایں اِل ماہیا
اج روٹی نئیں لبھنی بھانویں لالے ٹل ماہیا
چل گھر دیاں کماں نوں رل مل کے مُکا لینے
میں میک اپ کرنی آں توں آلو چھل ماہیا

گھریلو ملازم

پینڈو تے نادان ملازم کولوں رب بچائے
کنج نہ کردا گج تے وَج کے رنج کے اوہدی مالش
ایس طراں دا نوکر کسے نے کیتھے تکیا ہونائیں
بُتیاں کر گیا استری میریاں کپڑے کر گیا پالش

استاد شاگرد

ٹیچر نے شاگر توں پُچھیا دیکھیا ای کدی اُو
ایدھر اودھر دیکھ کے اگوں ڈر گیا پتر شیخ

ٹیچر جھٹ کچی وٹ کے غصے اندر گجیا
ایدھر اودھر کیہہ پیا وہنا ایں میرے ولے دیکھ

Eye Specialist

نیا کہ ڈگری وی تُو ان وَن اے
اپروں تجربہ وی بڑی وڈی گن اے
فیر وی ضروری اے جناب نوں ایہہ دسنا
اکھ جنھوں آکھیا جے ایہہ میرا کن اے

دو گواہنڈیاں دام کالمہ

راتیں چر کے گھر اپڑن تے بھابھی نے سُجھ کیہا تے نہیں
اوتنے مینوں کیہہ کہنا سی میں پیا اوہنوں تراہندا ساں
رہ گیا معاملہ سامنے والیاں ایہناں دو تن دنداں دا
تینوں علم اے ایہہ تے میں اگے ای کڈھواناں چاہندا ساں



ریاض احمد شاد

17 اگست 1944ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ ایم اے پنجابی کر کے گورنمنٹ کالج سرگودھا میں لیکچرار ہو گئے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد بھی یہیں پڑھا رہے ہیں۔ ”کلیات لالی“ مرتب کر کے 1972ء میں شائع کرائی۔ شعری مجموعہ ”باتاں“ 1980ء میں اور ”کھلار“ 2010ء میں شائع ہوئے۔

غزل

کوئی پچھانے جا سکتے ہیں دل دے حال سریراں توں
دنیا نہیں دیکھی جا سکتی نقشے دیاں لکیراں توں
مینوں چھڈ کے جاوے بارے اوہنے ایراں پچھیا اے
لوک رہائی منگدے ہوں آ کے جوں ایراں توں
ویلے نے کوتر سو رنگاں، حصیاں دے وچ ونڈ دتا اے
انج لگدائے میں بنیا ہویاں رنگ برنگیاں لیراں توں
ساہ نہیں ایراں آندے جانڈے، ایراں ویلا لنگھدا اے
جوں برادہ ڈگدا ہووے گھن کھاندے شہتیراں توں
ایویں شاد کلاویاں دے وچ وگدی وا نوں پھڑنا ایں
لئیاں گلاں کیہہ پچھنا ایں شہر دیاں راگیراں توں

غزل

سینہ زوری وہندیاں وی چپ رہ گیا واں
جرٹھاں ودھایوں بناں ای قد ودھا لیا سی
ہتھ چھڈا کے جس دا کدی میں نسیاں
شاد میں اج انسان دے زنبیوں لہ گیا واں
ایسے لئی تے کھڑا کھلوتا ڈھیہہ گیا واں
لگدا اے جیوں اوہدی منٹھ بچ رہ گیا واں

غزل

میرے ہون کہ تیرے شہر
ٹٹ گئے رشتے دھرتی نال
جس گڈی توں بیٹھا ایں
پیش پیا اے سفر عجیب
دھوئیں بھرے ہنیرے شہر
ہو گئے بہت اچیرے شہر
رکدی نہیں اوہ میرے شہر
شامیں پنڈ سویرے شہر

اسیر عابد

5- اپریل 1936ء کو گوجرانوالہ میں چودھری مراد بخش کے ہاں پیدا ہوئے۔ اسیر عابد تمام عمر اُردو کے لیکچرر رہے، آخر میں اسلامیہ کالج گوجرانوالہ سے ریٹائر ہو کے وفات پائی۔ آپ نے غالب کے منتخب کلام کا منظوم پنجابی ترجمہ (مطبوعہ 1987ء) اور اس کے بعد علامہ اقبال کے منتخب کلام کا ”جبریل اُڈاری“ (مطبوعہ 1995ء) کے نام سے پنجابی میں اتنی مہارت سے ترجمہ کیا کہ پنجابی ادب میں ایک ترجمہ کار کے طور پر آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

غالب کی غزل کا ترجمہ

ایڈے کتھوں سی نیک نصیب میرے، میری بکلی وی میرا یار ہوندا
ودھ جانڈے جے ہور وی ساہ میرے ہوندا کیہہ؟ ایہو انتظار ہوندا
تیرے وعدیاں تے جیوندے تاں رہ گئے، دلوں کدی یقین نہ کر بیٹھے
نہیں تے چا وچ اسیں نہ مر جانڈے تیرے جیسے دا جے اعتبار ہوندا
میرے دل کولوں کوئی بچھہ ویکھے تیرے ادھ جھک تیر دا مل کیہہ اے
سینے وچ نہ وسدیاں اینج رڑکاں جے ایہہ تیر کلیجیوں پار ہوندا
ایہہ کدھروں ریت ہے یاریاں دی جیہڑا یار آوندا مٹاں دین آوندا
میرے دُکھ دا کوئی اُپا کردا درد مند کوئی غم خوار ہوندا
اینج لہو چٹان دی رگوں بھٹدا کدی مکدا نہ کدی رُکدا نہ
جنھوں پولے جیسے منہ نال غم آکھو جے ایہہ پتھراں وچ چنگیار ہوندا
بھاویں جان دا ویری اے غم ڈاہدا پر ایہہ دل بھیرا غموں بچدا نہیں
ایہہ جے عشق دا پھٹیا نہ ہوندا ایہنوں جگ دا بہت آزار ہوندا
کوئی کیہہ جانے کینھوں کیہہ دساں رات غماں دی کیہہ ہنیر پایا

میںوں جین توں مرن سوڑا سی جے کر مر جانا اِکو وار ہوندا
 ہوئے مرن دے نال بدنام سکے، کڈا چنگا سی شوہ دریا ڈُبدے
 نہ کوئی ساڈے جنازے دی لوڑ پیندی آتا پتا نہ کدھرے مزار ہوندا
 کیہڑا جمیا اے اوہنوں ویکھ لیندا، اوہدا مثل، مثال، شیل ہے نہیں
 جے کر دوج دی مشک وی اڈ پیندی کلا ہو کے کتے دوچار ہوندا
 تیرے ”ہو“ دے ویروے واہ سائیں، اُتوں غالباً کٹک بیان تیرا
 جے کر پین دی تینوں نہ مار ہوندی، ساڈے لئی توں ولی اوتار ہوندا



حکیم تائب رضوی

اصل نام عنایت علی۔ 24 جنوری 1934ء کو شاہ پور ضلع اٹک میں ہدایت شاہ کے گھر پیدا ہوئے
 1957ء میں پنجابی میں شعر کہنے شروع کیے اور خوب کہے۔ حکمت کے پیشے سے وابستہ تھے۔ 5 ستمبر 1982ء
 کو انتقال کیا۔

تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 سر چک کے ڈولا لسی دا
 نی انج نہیں اڑیئے نسی دا
 ذرا ہولی ہولی ٹر کڑیئے
 تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 دنیا توں اوہلے بہہ جانیئے
 آگیت پیار دے رل گانیئے
 تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 میں تان بناں توں سُر کڑیئے
 تیرا کیمبل پور وچ ڈیرا نی
 ساڈا جوگیاں والا پھیرا نی
 تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 نت ملن دا دس کوئی گر کڑیئے
 تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 مڑ ویلا ہتھ نہیں اوناں ایں
 توں رونا ایں پچھتاوناں ایں
 تیرا جیوے کیمبل پور کڑیئے
 جدوں پنچھی کر گئے پھر کڑیئے

اعزاز احمد آذر

پیدائش 25 دسمبر 1942ء، اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں متنوع موضوعات کے حوالے سے عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ مشاعروں اور ٹی وی کی کمپیئرنگ کے حوالے سے بھی معروف ہیں۔ اردو میں کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”موسم سی برساتاں دا“ 1994ء میں شائع ہوا جب کہ پنجابی گیتوں کا مجموعہ 2009ء میں ”اساں کیتیاں یار کمانیاں“ کے نام سے شائع ہوا۔

غزل

ہن تے ہور وی گہرا ہو گیا اے مطلب اہناں باتاں دا
نہ سڑکاں دی بھیڑ گئی اے نہ اکلاپا ذاتاں دا
رُشنائی دے ٹوٹے کر کے آپ ہنیر کمایا اے
تاریاں کولوں ٹٹ نہیں سکدا مان ہنیریاں راتاں دا
ژردے ژردے مل پئے آں تے آمڑ دل دیاں کہہ لیئے
پل دو پل دی سانجھ غنیمت میلہ فیر براتاں دا
ویلے سر بس ایسے دی اک سانجھ سہارا بن دی اے
لہو دے رشتے نالوں پکا رشتہ قلم دواتاں دا
ہن اصلیت کھل گئی اے تے روؤ اپنیاں عقلاں نوں
کندھاں نوں جد پوچیا سا جے موسم سی برساتاں دا
دھرتی نے اک کنبنی لے کے پنڈا اپنا چھنڈیا سی
آذر مڑ کے پتہ نہ لگا فطرت دیاں سوغاتاں دا



افتخار نسیم افقی

فیصل آباد کے معروف صحافی، شاعر اور روزنامہ عوام کے بانی ایڈیٹر خلیق قریشی کے صاحبزادے افتخار نسیم افقی اردو اور پنجابی کے شاعر، کالم نگار اور ریڈیو پریزنٹر تھے۔ آخری عمر تک شکاگو میں مقیم رہے۔ اردو میں ”غزال“ اور ”زمان“ کے نام سے شعری مجموعے جبکہ ”افقی نامہ“ کے نام سے کالموں کے مجموعے چھپ چکے ہیں۔ منفرد انداز کی غزل اور نظم کہتے تھے۔ پنجابی شعری مجموعہ زیر ترتیب تھا۔ آپ کی وفات تقریباً 64 سال کی عمر میں جولائی 2011ء کو شکاگو میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔

غزل

کون سی میرے کمرے دے وچ دس کھال نی خنبوئے
بتی بال کے لہنا واں میں خواب گواچے ہوئے

دے گیا ساری عمر لئی اوہ اتھرو جھولی بھر کے
جھدیاں گلھاں دے وچ پیندے ہسدیاں ویلے ٹوئے

میں آپنیاں راہواں دے وچ گئے گواچے لہ لاں
جے کر سورج میرے سرتے پل دی پل کھلوئے

دور کتے اک ست رنگاں دی بینگھ چڑھی اسمائیں
میں کلاتے ویہڑے دے وچ پھلاں بھرے نیں سوئے



اکرام مجید

اکرام مجید 2 ستمبر 1940ء کو چودھری عبدالمجید کے گھر جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے بھائی ہیں۔ فیصل آباد میں اپنا کاروبار ہے۔ کافی عمر گزار کے شاعری کی طرف آئے اور پنجابی میں بڑی عمدہ غزلیں لکھیں۔ غزلوں کا مجموعہ ”تنے داروگ“ 1984ء میں چھپ کر سامنے آیا۔ اس کے علاوہ ”نویاں زمیناں“ بھی 1990ء میں شائع ہوا۔ آپ ایک رجحان ساز شاعر ہیں۔

غزل

بجلی وانگوں مار چھڑپا دھرتی توں اسماناں تیک
ہن تے بندہ ٹر جاندا اے پل وچ نویں جہاناں تیک

ابنی اکھڑ ربا تیری ہو وی کوئی اے مخلوق؟
لکھاں قاصد گھلنے پے گئے تینوں تے انساناں تیک

قبراں منڈھ محلے بن گئے، موت حیاتی رل گئی اے
شہراں اپنے پیر پسرے، ایداں قبرستاناں تیک

گھر دا پیدا تے گھر دے وچوں، پیر نہ پٹن دیوے، پر
گھر دا ہسٹر لے جاندا اے گھر چوں باہر مداناں تیک

پچھلے سون مہینے جیہڑی ویل توں ہتھیں لائی سی
جا پنہی اے باریاں اتوں ہو کے روشداناں تیک



الطاف قریشی

13 نومبر 1937ء کو مظفر آباد میں احمد دین قریشی کے گھر پیدا ہوئے۔ لاہور ریڈیو میں پروگرام مینیجر تھے۔ 12- اگست 1980ء کو دل کا دورہ پڑنے سے وفات پائی۔ پنجابی میں چھوٹی نظم لکھتے تھے۔ شعری مجموعہ ”اکھیاں دے پرچھانویں“ کے نام سے 1992ء میں شائع ہوا۔ اردو مجموعہ ”داتا ہر پلا“ بھی شائع ہو چکا ہے۔ بہت منفرد انداز کی نظمیں کہتے تھے۔

جگ دی ریت	حیاتی
میں مکر دانگا پوٹا	مٹھ مٹھ موتی اکھ کڑی دی
توں انگوردی کچھویں ویل	گزر گز لمیاں بانہواں
ساہڈا عین یقینی میل	نس کے کتھے جاواں

سہکویں ڈکھ	اوکھی گھاٹی
بیتیا کل تیر اسی منیا	کجھ نظماں میں آپوں لکھیاں
اج وی تیرا، کورٹی گل	اپنے آپ توں کجھ کے، ڈر کے
چک گھڑا تے گھرنوں چل	کجھ نظماں لکھو انیاں لوکاں
	گردن تے تلواراں دھر کے
	میرے دکھ نوں میرے وانگوں
	میںوں دتے کوئی جر کے
	اک واری تے جیوے مر کے



خلیل آتش

تصور کے رہائشی خلیل آتش ایک سیکہ بند شاعر تھے جنہوں نے کلاسیکی شعراء کے کلام کے اردو تراجم میں نام کمایا۔ خود بھی بہت عمدہ شعر کہتے تھے۔ آپ 14 اگست 1938ء کو قصور میں ملک امام دین کے گھر پیدا ہوئے اور 5 دسمبر 1988ء کو وفات پائی

انبرول

میں پھل چڑھائے قبرائے تے، میں گھولے حرف تویتاں دے
میں دیوے گھیو دے کئی واری بالے نیں وچ مسیتاں دے
میں منتاں منیاں پیر دیاں میں نفل ہزاراں نیتے نیں
کئی وار نوچندے ہفتے نوں کھوآں دے پانی پیتے نیں
میں دم کروا کے گوشت وی پایا اے الاں کانواں نوں
میں مونہہ ہنیرے اٹھ اٹھ کے ڈٹھا ان ڈٹھیاں تھانواں نوں
میں ست اناج وی کٹھے کر کے وگدے پانی روہڑے نیں
خورے کیہہ بنی نصیباں نوں کیوں لیکھ مقدر کوہڑے نیں
میں وی باہل دی جائی آں، ویراں دی بھین سدانی آں
پر ڈردی ماری سو تک والے گھر دے وچ نہ جانی آں
ویہڑے وچ آکھے سس میری نہ مردی مگروں لہندی اے
ایہہ جنڈیاں پٹی ہن وی اپنے خصم دے نیڑے بہندی اے
پر سر دا سائیں چنگا اے اوہ پھٹے مونہہ نہ کہندا اے
میرے لئی کتیاں ورھیاں توں پیا ڈاڈے صدمے سہندا اے
میں رُکھ اجاڑ ویرانے دا، نہ پتر اے، نہ ٹہنی اے
ہن چار چوفیرا کہندا اے نی ایہہ ٹیار کلہنی اے
سے وار بہاراں آئیاں نیں سے سے سہانے لنگھے نیں

میں اُچیاں بانہواں کر کر کے تے فضل خدا توں منگے نیں
 میں پالے سرتے جالے نیں، میں دُھپاں سہیاں قہر دیاں
 ہر واری دل دی سدھر نے پھکیاں نیں پڑیاں زہر دیاں
 پُھلاں دا روپ وٹایا اے شرما شرما کے کلیاں نے
 میری وہیلی بکل وہیلی سی جد ڈٹھا مینوں گلیاں نے
 میرے ای ساک شریکاں نے آساں دے قافلے لُٹے نیں
 اکھاں چوں کجل ڈلھا اے اسمائیں تارے تُٹے نیں
 کجھ ہاواں ہنجو ہوکے نیں وچ درد بھری سوغاتاں دے
 کجھ چُچپاں میرے دناں دیاں، کجھ ہاڑے میریاں راتاں دے
 ریجھاں نے پاگل کیتا اے میں کملی آں میں جھلی آں
 میں دیور، جیٹھ، ناناں دے وچ اٹھدی بہندی کلی آں
 میں تے سڑے نصیباں نوں جد اڑیو، جھاتی پائی اے
 دُکھاں دی کالک چاواں دے متھے تے نظریں آئی اے
 لیرے وچ لے کے مونہہ آپنا میں روواں نت نصیباں نوں
 اوہ ڈاہڈا اڑیو، کس گلے نہیں پچھدا اساں غریباں نوں
 متھے دیاں لکھتاں سوں گتیاں، یا میرا مالک سٹا اے
 ہن مینوں تے انج لگدا اے ایہہ میوہ ای بے رُتا اے
 میں ککھوں ہولی جگ اندر، میں اجڑے محل دی رانی آں
 میں بے اولاد نمائی آں، میں بے اولاد نمائی آں



صابر رضا

15 فروری 1960ء کو چیچہ وطنی (ساہیوال) میں پیدا ہوئے۔ کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کافی عرصے سے مانچسٹر میں مستقلًا مقیم ہیں اور ”کاروانِ ادب برطانیہ“ کے چیئرمین ہونے کے ناطے ہر سال برطانیہ میں عالمی پنجابی کانفرنس اور مشاعرہ کرواتے ہیں جس میں دنیا بھر سے شعرا اور اہل قلم مدعو کیے جاتے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں کئی کتابوں کے خالق ہیں۔ ”سلسلے“، ”فاصلے“، ”دائرے“، ”خزاں دریدہ بدن“ ان کے چند اردو مجموعوں کے نام ہیں۔ پنجابی میں ”سجرے مکھ دی لو“ اور ”درد وراثت“ کے نام سے شعری مجموعے شائع ہوئے جبکہ ”دور درازے“ کے نام سے پنجابی ناول 1994ء میں چھپا جو یونیورسٹی کی سطح پر نصاب کا حصہ ہے۔

غزل

ہو جانا ایں دُدھ توں دکھرا پانی وانگنوں
 رڑ کے مینوں ویلا اج مدھانی وانگنوں
 اہیں حیاتی دے وچ اک اوہ پل وی ڈٹھا
 دنیا چنگی لگی اُس مر جانی وانگنوں
 اکھاں دے وچ اتھرو ہین عبارت رنگے
 بلھاں اُتے ہاسہ اے حیرانی وانگنوں
 جیہڑے ضامن ہو سکدے سن میرے نکلھ دے
 اوہ دن رات گوائے آپ جوانی وانگنوں
 نکی جئی دھی وی اے بڑی سیانی صابر
 دادی وانگنوں سوچے، بولے نانی وانگنوں

غزل

جدھر جدھر وی تیری خشبوئی جاوے
 اودھر اودھر جیویں چانن ہوئی جاوے
 برفاں اُتے لکھ کے پیدا دے جھوٹھے وعدے
 شوہ دریا وچ کرناں نال بلوئی جاوے
 تیرے وچھڑن مگروں مینوں ایہہ کیہ ہویا
 ہر اک خواہش جیوندی جانیں موئی جاوے
 خورے جھلیاں وانگر ایویں کیہڑی گلّوں
 ویکھ کے دھرتی ولے سورج روئی جاوے
 اوڑک میں ای کلا پاپی رہ جاواں گا
 ہر اک بندہ اپنے دھونے دھوئی جاوے
 راہواں وچ کیوں بیٹھا ایں جد اُس نہیں آونا
 چھڈ دلا! فر کوئی آوے کوئی جاوے
 صابر سوچ! آساڈا جینا کیہہ جینا ایں!
 ڈھگے جان کے سانوں ویلا جوئی جاوے

غزل

سمندر وچ کدی سورج دا پھیرا ہو ننیں سکدا
مگرچھ دا کدی صحرا چ ڈیرا ہو ننیں سکدا
اسیں تے آکھدے ساں رات اوڑک رات ہندی اے
کدوں ایہہ سوچیا سی ہُن سویرا ہو ننیں سکدا
اسیں جے من وی لئیے تہاڈے کہن تے فر وی
کدی سورج دے ویہڑے وچ ہنیرا ہو ننیں سکدا
نہ دل نوں تاہنگ نہ کوئی اڈیک اے مُتاں ہونیاں
کدی روشن مرے گھر دا بنیرا ہو ننیں سکدا
کدوں منگی سی اوہدے لئی دُعا دل نے کدی صابر
کسے دا وی نہ ہووے اوہ جے میرا ہو ننیں سکدا



نذیر قیصر

پیدائش 5 جنوری 1945ء، اردو اور پنجابی کے شاعر ہیں۔ اردو میں کئی مجموعے جبکہ پنجابی میں ”زیتون دی پتی“ اور ”قسم فجر دے تارے دی“ کے نام سے شعری مجموعے منظر عام پر آچکے ہیں۔

خالی کا سا

میتھوں رب عبادت منگے رب توں رحمت منگاں میں
دوآں دے ہتھاں وچ کا سا کیہڑے پاسیوں لنگھاں میں
ازل توں ہن تک دونویں کا سے خالی ویکھ کے سنگاں میں
آخر اپنا خالی کا سا اپنے لہو وچ رنگاں میں



ڈاکٹر صغرا صدق

4 فروری 1968ء کو کھاریاں میں پیدا ہوئیں۔ اردو، فلسفہ، ایجوکیشن، پولیٹیکل سائنس میں ایم اے کیا۔ میاں محمد بخش کے فلسفہ، عشق پر فلسفے میں پی ایچ ڈی کی۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئیں۔ اردو میں اب تک تین شعری مجموعے ”میں کیوں مانوں ہار“، ”جدا ہیں چاہتیں اپنی“ اور ”وجدان“ شائع ہو چکی ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”مائے نی میں کتھوں آکھاں“ کے نام سے چھپا۔ ”وجدان“ کے نام سے ادبی مجلہ بھی نکالتی ہیں۔ بطور شاعرہ دنیا کے کئی ممالک میں مدعو کی جا چکی ہیں۔ آج کل پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لیٹریچر اینڈ کلچر، لاہور کی ڈائریکٹر ہیں۔

لُک لُک روواں لُک لُک ہساں دل دی گل میں کتھوں دساں
 جیون موتاں سب کجھ تیرا تیرے کولوں کتھے نساں
 ترے وچھائے جالاں کولوں بھجنا چاہواں فیر وی پھساں
 سوچ وی اپنی عمل وی اپنا اپنیاں ڈوراں آپے کساں

غزل

میں کئی رستے وی کھلے نال مرے کوئی چلے
 نیلے ایس آسمان دے تھلے نال مرے کوئی چلے
 تیز ہوا دے شور بچ مینوں منزل واجاں مارے
 کجھ نہیں پیندا میرے پلے نال میرے کوئی چلے
 ڈھلڈے ڈھلڈے ڈھل گئے میریاں سدھراں دے پرچھانویں
 ایس توں پہلے چند وی ڈھلے نال مرے کوئی چلے
 سمجھ نہیں آوندی کلم کئی کنج میں پنڈھ نیڑاں
 دُکھاں سارے پاسے ملے نال میرے کوئی چلے
 بھری پُری وستی چوں میرا کسے وی ساتھ نہ دتا
 میں تاں بڑے سنیے گھلے نال مرے کوئی چلے

ڈگدی ڈھیندی خواب نگر وچ ڈکو ڈولے کھاواں
 کوئی غم دے بھانڈے ٹھلے نال میرے کوئی چلے
 مینوں جھلیاں سمجھن جیہڑے تک کے اوہدے سنگ
 ہو جاوے گے آپے جھلے نال مرے کوئی چلے



انوار فیروز

5 جون 1938ء کو مشرقی پنجاب میں پیدا ہوئے۔ مستقلاً راولپنڈی میں مقیم رہے طویل عرصہ
 نوائے وقت سے منسلک رہے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ ”سمندر مضطرب
 ہیں“ کے نام سے اردو شعری مجموعہ 2009 میں شائع ہوا۔

غزل

توں نہیں کول ہن بس تریاں تصویراں نیں
 کیہ سی سفنا ساڈا کیہ تعبیراں نیں
 سب کجھ ساڈے کے اپنا آپ گویا اے
 ساڈے تن تے ہن تے بس ایہہ لیراں نیں
 رب جانے ایہہ کس دن ویری بن جاوے
 ہتھیاں دے وچ سچاں دے شمشیراں نیں
 دوش کسے نوں کیہہ دیئے تقدیراں دا
 ڈنگ پڑنگیاں ہتھیاں دیاں لکیراں نیں
 اوس کہیا انوار تسیں آزاد او ہن
 کیوں پیراں وچ ساڈے فر زنجیراں نیں



بریکڈ ر (ر) صفدر علی شاہ

ایم اے انگریزی کر کے 1972ء میں فوج میں بھرتی ہوئے اور ڈائریکٹر آرمی ایجوکیشن کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ پنجابی شاعری میں انگریزی الفاظ کے استعمال کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی۔ آج کل NUST میں ڈائریکٹر جنرل اکیڈمکس کے عہدے پر فائز ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”خاں دی ٹیار“ شائع ہو چکا ہے۔

کھینو

جیون میرا کھینو وانگوں کجھ تاراں کجھ لیراں
ظاہر میرا رنگ برنگ باطن پُڑے پُڑے
راہواں دے وچ رلدا جاواں کھاواں ڈھکو ڈولے
سارے ایہتھے کھیڈن والے کوئی نہ مینوں پھولے

ماہیے

پوہ مانگھ داپالا اے
گورے مکھ والی دا دل تھوڑا جیہا کالا اے
○
شالا ایسی پریت ہووے
سبھناں دے گلے وچ میرے دل دا تویت ہووے
○
ہتھ پشتم دادھا گا اے
کو کا تیرے نک دانی سونے تے سہاگہ اے



طفیل خلش

اصلی نام محمد طفیل۔ میاں دین محمد گل کے ہاں 5 فروری 1947ء کو شیخوپورہ میں پیدا ہوئے۔ پنجابی غزل اور نظم کے پختہ فکر شاعر ہیں۔ طویل عرصہ سے فرینکفرٹ جرمنی میں مقیم ہیں۔ ”مٹی دی خوشبو“ 1992ء، ”چیتے دی دیوار“ 2004ء اور ”چپ داموسم“ 1990ء شائع ہو چکے ہیں۔ 1975ء کے بعد جدید غزل لکھنے والے گروہ کے اہم فرد ہیں۔

غزل

ساڈے مگروں ایس دھرتی تے ایسیاں رُتاں آن گیاں
بدل جتے ساڈن گے تے ڈھپاں مینہ ورساں گیاں
آون والے کل نوں ایہتھے عجب قیامت ہووے گی
لہو رُ لے گا سڑکاں اُتے کندھاں بندے کھان گیاں
گھپ ہنیرا ہولی ہولی اسماناں تک پہنچے گا
اُت ہنیریاں راتاں اک دن سورج نوں کھا جان گیاں
میرے ورگا اک وی سنگی ایہناں نوں جے لبھا نہ
ادھی رات نوں کالیاں سڑکاں چیکو رولا پان گیاں
ایس سے دی درد کہانی نویں نسل نوں دسن لئی
کاغذ اُتے خلش جی میریاں تحریراں کرلان گیاں

پچھی پنچھی

کیہڑا کھ سی، کیہڑی چھاں سی، کیہڑا بیوسی، کیہڑی ماں سی
ویہہ ورھیاں دے گڑیاں مُنڈے، بُھل جانڈے نیں، فیر خیراتی ہو ٹلاں دے وچ
بڈھے ماپے، رل جانڈے نیں



منظور وزیر آبادی

اصل نام منظور الہی والد کا نام فضل الہی۔ 1936ء میں وزیر آباد میں پیدا ہوئے۔ آپ کا شمار جدید پنجابی غزل کے سرکردہ شعراء میں ہوتا ہے جنہوں نے عروض اور زبان کی صفائی کا خاص خیال رکھتے ہوئے غزلیں کہیں۔ ”ویلے ہتھ نیاں“، ”توں وی چن اچھال کوئی“ اور ”دکھ دا صدقہ جاری اے“ کے ناموں سے غزلوں کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے۔ 8 ستمبر 1998ء کو لاہور میں وفات پائی۔

غزل

ہتھ جس دے ڈھلے ہون گے اپنی کمان تے
اوہدا تے اک وی تیر نہیں لگنا نشان تے
جھلنا نہیں اک وی ایس نے جھٹکا بچال دا
کاہنوں غرور کرنا ایس پکے مکان تے
وس دے نگر اُجاڑیاں لگ دے نیس پل دو پل
صدیاں دی لوڑ پیندی اے اُجڑے وسان تے

غزل

جو سورج دیاں کرناں کولوں اپنا آپ بچاندے نیس
ساری عمر ہنیرے دے وچ اوہو دھکے کھاندے نیس
ساڈے شہر نوں لوڑ نہیں اکا ایہو جیہے وسنیکاں دی
ساڈے شہر دیاں ریتاں نوں جیہڑے لیکاں لاندے نیس
کیہڑی گلوں نیناں والے بوہے کھول کے بیٹھا ایس
میں سُنیا ایس آون والے بند بوہے کھڑکاندے نیس
کوئی وی مینوں دے نہیں سکدا قیمت اوہناں لمبیاں دی
کدے کدائیں جیہڑے مینوں میرے نال ملاندے نیس



ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد

1956ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ میں پیدا ہوئے۔ اردو اور پنجابی میں ایم اے اور پی ایچ ڈی کیا۔ آج کل اور ٹیٹیل کالج کے پرنسپل ہیں۔ تحقیق و تنقید میں کئی اہم کتابوں کے خالق ہیں۔ ”آکھ نوشہ قادری“، ”پرکھ پراگے“ اور ”ادب سمندر“ کے نام سے تحقیقی و تنقیدی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ عمدہ شعر کہتے ہیں۔

غزل

غرضاں دی دوستی توں میں تن من وی واریا
فر وی میں کھیڈ پیار دی ہر وار ہاریا
جتیا جدوں وی پیار دی بازی اوہ جتیا
جت کے وی خاطر اوس دی بازی میں ہاریا
جندڑی جے اوہدے نام توں ایہہ وارنی پوے
سمجھاں گا اوہدے حسن دا صدقہ اتاریا
میںوں جے آزمانا ای طوفان وچ تے فیر
تھوڑا کو دور ہور وی ہو جا کناریا
مکدا پیا اے ساڈیاں اکلاپیاں دا پندھ
اکھاں نہ مار جان کے سرگی دے تاریا
باہر دے چور اوس توں زاہد نہ کیوں ڈرن
جنھے وی چور بنھ کے اندر دا ماریا



منیر احمد شیخ

منیر احمد شیخ، شیخ بشیر احمد کے گھر گوجرانوالہ میں مئی 1933ء کو پیدا ہوئے۔ تعلق سول سروس سے تھا۔ جرمنی، بھارت اور کئی ممالک میں سفیر / ہائی کمشنر رہے۔ بنیادی طور پر افسانہ نگار تھے۔ موسیقی سمیت مختلف موضوعات پر کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ پنجابی شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے جس کا دیباچہ ڈاکٹر انعام الحق جاوید نے تحریر کیا تھا۔

نظم

وڈے اُچے کرماں والے فیض دے درتوں

داتا دے دربار

آون والے

بہتے لوکی

چور لنگے گنڈھ کپتے بدماش

چرسی بھنگی لوہے تے بیمار

میں نظراں وچ پُچھاں

ایتھے سارے ایہو جے ای او ندے نیں؟

سجے پاسیوں کناں دے وچ واج اک آئی

دھوبی گھاٹ تے

میله ای کپڑے او ندے نیں



ڈاکٹر نعیم کوہلی

ڈاکٹر نعیم کوہلی 1954ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ ایم اے او کالج لاہور کے بعد کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ کچھ عرصہ میو ہسپتال میں رہے اور پھر 1983ء میں مستقلاً امریکہ چلے گئے جہاں آپ ایک معروف نیورولوجسٹ کے طور پر خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ادبی سرگرمیوں سے وابستہ رہے۔ آج کل بھی ”اپنا“ کے مجلے کے اردو سیکشن کے مدیر اعلیٰ ہیں۔ اردو اور پنجابی کے عمدہ شاعر ہیں۔ اردو مجموعہ ”نہ آپ ہوتے نہ خواب ہوتے“ کے نام سے چھپ چکا ہے۔ پنجابی کلام زیر ترتیب ہے۔

راتاں

نہ بھجھیاں نہ پائیاں باتاں
شام توں پہلے آئیاں راتاں
گھر نوں بال کے چانن کیتا
ہور وی گوڑھیاں چھائیاں راتاں
جیہدے ہنیریاں بھید نہ پائے
ہوئیاں اج پرانیاں راتاں
نھیرے دے وچ ٹوہ ٹوہ لہدے
چانن وچ گنوائیاں راتاں
سپنی دی اکھ بن کے تارے
تکدے سانوں، سائیاں راتاں
لوری دین، سلاون بھلیاں
میریاں ایہہ ماں جائیاں راتاں
کیہدیاں نظراں کھا گئیاں یارو
سدھراں نال سجاں راتاں



ڈاکٹر نوید شہزاد

یکم جنوری 1971ء کو بورے والا میں عبدالغفور کے گھر پیدا ہوئے۔ آج کل اورینٹل کالج میں پنجابی کے پروفیسر ہیں۔ پنجابی کے محقق اور نقاد ہونے کے علاوہ عمدہ شاعر بھی ہیں۔ ”گلاں کر دے ہنچو“ (1964ء)، ”جس دن چُپ داسورج چڑھیا“ (1997ء) اور ”ترلوک“ کے علاوہ کئی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

دورِ پ

اسیں تکیاں مٹھے کھنڈ جیسے، اسیں چکھیاں کوڑے تھوہ
اسیں واسے اتھے کھوہ دے، ساڈے اندر اتھا کھوہ

باغی چیتا

نئیں آون والے اپڑے، کنج بوہے لیتے ڈھو
ہر آندا جاندا تکیے، اسیں راہواں وچ کھلو
اک تاہنگھ پئی اے شوکدی، پل جین نہ دیوے جو
اسیں آپے کھڑ کھڑ ہسیے، اسیں آپے پیئے رو

ساہواں دی آخری منزل

میں تے اوہ جذبات دی راہ تے، خواہاں دے سنگ ٹردے ٹردے
پیار تے بے ایتاری دے وچ، اس تھاں تے ہن آجیجے آں
جیہڑی تھاں دے اُتے آکے، درد وچھوڑا سہہ نئیں سکدے
کٹھیاں رل کے رہ نئیں سکدے

دعویٰ

دھرتی دی ہر شے دیوے گی، میرے باہجھ دہائی
میرے نال اے رونق ایتھے، میرے نال خدائی



نسرین انجم بھٹی

آپ 26 جنوری 1948ء کو کوئٹہ میں پیدا ہوئیں کافی عرصہ تک ریڈیو پاکستان لاہور سے وابستہ رہیں۔ پنجابی نظم کی منفرد شاعرہ ہیں۔ شعری مجموعہ ”میں نیل کرائیاں نیلاں“ 1979ء میں شائع ہوا۔ کافیوں کا مجموعہ ”مٹی دی واشنا“ کے نام سے چھپا۔

کافی

اندروں کڈھ کستوری نڈھیں دھم پوے، اکھیاں کر سندھوری ویڑھے دھم پوے
رتیاں پکیاں آساں لاون، گھر لے جاون، تتری کر تندوری کڑیئے دھم پوے
اندر، ہنیرا کڈھ کھڑکے وانج نہ آوے پوری
لگڑے اندر کون پر وہنا، وسدے کوٹھے کال، وسوں ساوی بوری کڑیئے دھم پوے
اکھیں رکھے چاء سد مارن، کت کت ڈلھے، کس کس کارن، وس وس میگھا پھگن چیت چڑھائی
وس وس میگھا، پنکرن، دی رت آئی، پنکرن ساہواں، نوری کڑیئے دھم پوے
شک شکوک تے بھو بھھاکا
نت تراہواں دل نوں ڈاکہ، جیون چوری پئے بناون
پنتاں شینہہ کھلی نوں بنیا، شوہ دال لبھن کاہے اوکھا
او کڑ دس کروٹ، دسے دوری دوری، دوری عین حضور ی نکتے دھم پوے
اندر کن من باہر کن من
نیواں بدل ویہڑا ڈھکے۔ بدل کاگ اڈا، ویہڑا کر سخلڑا
سکھنی بھر پرات، ونڈ ونڈ دے پر بھات، تھالی پوری پوری پیاریئے دھم پوے
کولی تھالی، ہولی بھاری، بھارا پر م دا بھار، بھر بھر پیتی تھوڑ نہ کیتی
تھوڑ پئی تے ہوسی کوئی اندر دی بدیتی
نیتاں کرنت نوری بڑیئے دھم پوے



طارق گوجر

طارق گوجر 12 مارچ 1969ء کو ڈجلوٹ ضلع فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ زکریا یونیورسٹی، ملتان سے ایم۔ اے پنجابی کیا۔ محکمہ تعلیم سے وابستہ ہیں، کچھ عرصہ یونیورسٹی آف گجرات میں بطور ریسرچ آفیسر تعینات رہے آج کل پنجابی کے لیکچرر کے طور پر سمندری میں پڑھا رہے ہیں۔ ان کے پہلے شعری مجموعے ”رت رلے پانی“ کے بارے میں امرتا پریم نے رائے دی کہ ”پیارے طارق“ تیریاں نظماں دے پہلے مجموعے نے پنجابی نظم نوں اک نویں سخر دتی اے۔“

اک دراوڑ دی آتم کتھا توں جم جم جی حیاتے
 اسیں پانیاں گھروی جم کے
 اسیں بوڑھ سدا ایئے دھرتیے تیرے نال اسیں
 ساڈی چھاں نہ کوئی
 اسیں پت سدا ایئے ٹیے توں جس میدان وی لڑنا
 ساڈی ماں نہ کوئی
 اسیں بیٹھ پکائے شجرے توں جدوی بازی کھیڈنی
 ساڈاں ناں نہ کوئی
 اسیں لکھاں بھائیاں والڑے تیری چال اسیں
 ساڈی بانہہ نہ کوئی
 ساڈے چار چنیرے ہتھ نیں تیرا مال اسیں
 پر تانہہ نہ کوئی
 ساڈا کھڑا شریکا کنڈتے اسیں پُت مترے حیاتے
 پر گانہہ نہ کوئی
 ساڈا سایہ سانوں لبھدا دینیں دھودھو اپنے سکیاں
 اسیں ہاں نہ کوئی
 اسیں امبر دھرتی ویکھ لئے اسیں چھن دی منگی ماکی
 سانوں تھان نہ کوئی
 ساڈے گُوٹھے دکھ ساڈے گُوٹھے دکھ

○

نہ مندری نہ تھیوے

نہ ہی کتے شریکا ہسیا

نہ شہنائی روئی

چندا کواری بیوہ ہوئی

نہ بابل ادھیارے وتچے

نہ امڑی نے گھیرے

نہ ہی ملاں وچ پنھیون

گھر چھڈ کے گئے ویرے

نہ ہی بھابھیاں جڑی کمائی

ماپیاں دے گھر ڈھوئی

نہ ہی اندر چیتر کھڑیا

نہ تن رسیساون

روح وچ رُت بسنتی سڑ گئی

تن تو یاں تے کن من

جو بن رُت دے گل لگ لگ کے

پوہ دی چاننی روئی

جین تہناں داشوق ہے چنڈے

جو حالے نہیں جے

ساڈ اندروں پُھٹ پُھٹ آون

کر کر کے ہتھ لے



وامان نمبا لکر

ماں

جویں ای دن ڈبدا تے، ہنیرے دی حکمرانی شروع ہوندی
اسیں نھیری کھی دے بوہے تے بہہ جاندے
اک اک کر کے گھراں چ بتیاں بلدیاں
بھا کری گنھی جاندی۔ اگ بل پیندی
کتوں دال دی خوشبو اوندی۔۔۔ وانگے دی خشبو
ساڈے ڈھڈ نھیریاں نال بھرے ہندے
تے ساڈیاں اکھاں چوں ہنجاں دی جھڑی لگی ہندی
نھیرے نوں چیر دا اک پرچھاواں ساڈے ول اوندا
اوہ ٹردی اوہدے سردا بوجھ کنبدا۔۔۔ ڈھلک پیندا
شاہ کالا کمزور جسم۔۔۔ ایہہ میری ماں سی
اوہ تڑکے توں جنگل چ لکڑیاں چن رہی سی
جے اوہدیاں لکڑیاں نہ وکدیاں تے اسیں بھگھے رہ جاندے

.....

اک وڈے سارے سپ اوس نوں ڈنگ لیا سی

.....

دن گزریا، تے نال ای اوہ وی گزر گئی

.....

ہن جدوں مینوں کوئی کمزور جہی لکڑیاں وپچن والی دسدی اے

تاں میں اوہدیاں لکڑیاں خرید لینداں ہاں



ملک ایم زمر د

15- اکتوبر 1929ء کو قصبہ جاتلی چکوال میں پیدا ہوئے۔ آبائی تعلق خانقاہ سراجیہ میانوالی سے تھا۔ والد چونکہ سرکاری ملازم تھے اس لیے جہاں ان کا تبادلہ ہوتا وہیں آپ بھی ساتھ چلے جاتے۔ ایک طویل عرصہ گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ میں انگریزی پڑھاتے رہے۔ پنجابی زبان و ادب کے فروغ میں تمام عمر جدوجہد کرتے رہے۔ 24- اکتوبر 1975ء کو دل کا دورہ پڑا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ پنجابی مجموعہ کلام ”کیہ لکھاں“ شائع ہو چکا ہے۔

خبریں

ٹی وی دی واج بند ہو گئی اے
خالی اناؤ نسر دامنہ بل رہیا اے
سرتے گردن روز وانگر لہجے دا اتار چڑھاؤ دس رہے ہن
تے اوہ اکھاں چھپکاوندی خبریں سنائی جا رہی اے
پرٹی وی چپ وٹ لئی اے
تے اج پہلی واری مینوں خبریں سمجھ آن لگیاں ہن
اج ایس کڑی دے چہرے توں پتہ لگدا اے کہ اصل سچ ایہہ کیہہ کہہ رہی اے
اج ایہدی بھلاویں آواز نہ ہون کر کے
ایہدیاں اکھاں سچ نوں جھوٹھ تے جھوٹھ نوں سچ بنا کے نہیں دکھاسکدیاں
اج دوست دشمن دی پچھان مک گئی اے
اج اپنے اپنے دھڑے دی گل دار تھ وی کوئی نہیں رہ گیا
اج ایہہ اکھاں ایس کڑی دیاں آپنیاں اکھاں ہن
ایہناں وچ ایہدے اپنے جیون دیاں دلیلاں ہن
ساڈیاں تہاڈیاں، ساڈے ساریاں دیاں دلیلاں
اسیں جہڑے خبریں سن سن اگ گئے ہاں

رنجیت سنگھ رانا

رنجیت سنگھ رانا طویل عرصے سے انگلینڈ (برمنگھم) میں مقیم ہیں۔ طویل آزاد نظمیں لکھتے ہیں جن میں پنجاب کا دکھ بیان کیا گیا ہوتا ہے۔ اُردو رسم الخط میں شعری مجموعہ ”ساڈے سمیاں دا پنجاب“ 2001ء میں لاہور سے شائع ہوا جس کا دیباچہ سبط الحسن ضیغ نے لکھا۔

بوہڑ دی چھاویں

ہاڑھ ڈُپہرے، بوہڑ دی چھاویں

خوب اکھاڑا جہد ایارا

رل مل گبھرو تاش کھیڈ دے، کوئی جتدا، کوئی جاندا ہار

بھابھی دیاں اکھاں، دیور بنھدے، دے بھواٹنیاں دوچار

”کُنڈا کھول بھابو، پنخیری کھانی“، دیور کر دے لاڈ پیارا!

”بھابی بھابی، کردا بھائیے، پڑھدا تیری بانی

نکی جیہی گل بن گئی وڈی، تند دی بن گئی تانی

مردے دیور دے، پادے مونہہ وچ پانی

سوہنی بھابی دیوراں نے، رب دے برور جانی

پتہ رکھ رنگ کھیڈیا، اُلٹا کوٹ پیا او سے نوں

ہانیاں لئی چلا کی تاڑ، دُسر سیپ رَمی گھڑونج

طراں طراں دے کھیل، ایدھ رونج جاں اودھ رونج

دوہیں ہتھیں چوہیں ہتھیں، بہتے ہون تاں اٹھیں ہتھیں

بہندے گھیر امار

بچے کھیڈن باراں ٹہنی، اڈا کھڈا، اڈی ٹپا، چھوہن چھٹاپو

ٹینے ٹینے، ٹہنی توں ٹہنی وار، لیندے ٹہنی مار

مرزے دی سد، کوئی کُوکے، الہڑوریسے، کر کے کُوک پکار
 ”چڑھدے مرزے خان نوں، وںجھل دیند امت
 اوئے بھٹھ رناں دی دوستی، گھریں جنہاں دی مت
 ایہہ ہس ہس لاؤندیاں یاریاں، تے رور و دیندیاں دس
 پٹے پٹاؤندیاں یار دے، دھر کے سینے لت“
 وارث دی ہیر، کوئی گاوے، درداں بھجھی
 بینت دی مٹھی ہیک سناوے
 ”ہیر آکھیا جو گیا جھوٹھ بولیس، کون و چھڑے یار ملاوند ای
 ایسا کوئی نہ ڈٹھامیں بھال تھکی، جیہڑا گیاں نوں موڑ لیاوند ای
 اک باز توں کاں نے کونج کھوہی، ویکھاں چُپ ہے کہ گر لاوند ای
 اک جٹ دے کھیت نوں اگ لگی، ویکھاں آن کے کدوں بھجھاوند ای“

دُنیا دیکھنی ایتھے دیکھ، بوہڑ دی چھاویں، سد ابہار
 ساون بھاویں پیسنگھاں جھوٹن، اک دوجی توں ودھ ٹیاریاں!
 ”آیا ساون دل پرچاون، جھڑی لگ گئی بھاری
 جھوٹے لیندی مریم بھج گئی، نالے رام پیاری
 کڑتی ہرودی بھج گئی پیلی، کشنودی بھلکاری
 ہر نامی دی سٹھن بھج گئی، ہتے گوٹے والی
 بنتو دیاں بھجیاں میڈھیاں، گنتی دیاں پوریاں چالی
 بھج کے کڑیاں پنڈ آوڑیاں، مینہ نے گھیر لئیاں کاہلی
 پیسنگھ جھوٹدی ڈگ پئی نوراں، ہتے ہر کھاں والی
 شاموں کڑی دی ڈگ پئی گانی، آرکھی نے بھالی

سون دیاں بدلاں نے، ہیر بھیسوں دتی مجا جاں والی
 لمی لمی بوہڑ دی داڑھی، ہلاریاں نال، ہجکیاں نال
 لٹکیاں منٹکیاں، جھٹکیاں نال، ہلدی ہلدی، کمبدی کمبدی
 جو بن متے پھٹکیاں نال
 ہوئے ہوئے وِج جورس، او تھے شیداں دی ہے بس
 جھگے جو بن تو ایویں اٹھدے، بدل چند توں جیوں ہٹدے
 دھیاں دے گیت، گدھے داشور
 اڈیاں دی گھکار، گھٹاواں دی گھنگھور
 تلیاں دی کھڑکار، کھڑ پیندی گلزار
 کڈھ لیندیاں، دل دی بھڑاس، سساں نوں مہینے مار
 ”میرے ویرنوں سکی کھنڈ پائی، نی سسے تیری مجھ مر جائے“
 کڑیاں نہیں ایہہ، پریاں نیں ایہہ
 پریاں ورگی بے فکری، پریاں ورگا روپ رنگ
 ”ساؤن مہینہ دن گدھے دے، کڑیاں ماریاں ملاں
 گدھے دے وِج ایویں نچدیاں، جیوں پانی دیاں چھلاں
 حُسن پنجا بن دا، جھال کیویں دس جھلاں“
 نٹ کھٹ ڈاڈھیاں، چنچل بڑیاں
 شوخ اداواں، سر نوں چڑھیاں
 ”رن نھا کے چھپڑو چوں نکلی، سلفے دی لاٹ ورگی“

سُرمہ پاؤندریاں نہیں، مٹکاؤندریاں نہیں ایہہ
جی کردا اے، پُوچھاں پھڑکے، ہو جاواں بھو پار

پوہ ماگھ دیاں راتاں، بوہڑ دی چھاویں دُھونی دُھکھدی
لمیاں راتاں، ٹھنڈیاں راتاں، کالیاں راتاں
گبھرو وواگ سہارے کٹن، سیالیاں راتاں
جیوں جیوں دُھونی گھدی، تیوں تیوں کہانی چھڑدی
بات اُچیری، اگ اُچیری، بات مدھم، اگ دی مدھم
گھدی اگ نہیں گکھے کہانی

ادھی ادھی رات دے تانی، پوری پوری رات دے تانی
پورن تے لونا دی گاتھا، پورن تے لونی، رہ جانی!
”س! سمجھ راجہ بدھ ہارنا ہی، کہندی اچھراں واسطہ پائیکے جی
امب وڈھ کے اک نوں واڑ دیویں، پچھو تاویں گا وقت وہائیکے جی
بُوٹا آپنا آپ پٹان لگوں، جڑھاں مڈھ تائیں اکرائیکے جی
قادر یار جے پورن نوں ماریوای، باپ کون بلاؤ گا آئیکے جی“

کوئی جیونا موڑ، کوئی دلبر چور، کوئی ٹکھ چور، کوئی چور سپاہی
کوئی چت چور کوئی چور سادھ، کوئی اسادھ چور، چوران دی گاتھا
جانی چور دی گاتھا بن جاندی

سوہنی دی گل، صاحبان دی گل، سسی دی گل، زُلیخاں دی گل
 شیریں دی گل، لیلیٰ دی گل
 کولارانی دا، رُوپ وٹاندی، سون پری دی، گل بن جاندی
 پنڈ دیاں گلاں، بہی دیاں گلاں، کھیتاں دیاں گلاں، کھوہ دیاں گلاں
 فصلاں دیاں گلاں، نسلاں دیاں گلاں، بنیاں دیاں گلاں، چنیاں دیاں گلاں
 گھر دیاں گلاں، باہر دیاں گلاں
 مُڑ گھڑکے، بن جانڈیاں پھر، ٹیار دیاں گلاں
 برہمنڈ دیاں گلاں، ہر کھنڈ دیاں گلاں، گرو دیاں گلاں، پر بھ دیاں گلاں
 پیراں دیاں گلاں، رب دیاں گلاں
 میرے پنڈ وچ
 بوہڑ دی چھاویں، سب دیاں گلاں

بچے، بڈھے، گبھر وایتھے، کڑیاں ایتھے، چڑیاں ایتھے
 پریاں تے سُندریاں ایتھے، رانجھے ایتھے، مرزے ایتھے
 فرہاد ایتھے مہینوال ایتھے، پُنوں ایتھے، مجنوں ایتھے، یوسف جیسے، کئی جگنو ایتھے
 مہابھارت دی کہانی ایتھے، نانک دی دُھربانی ایتھے
 وارث دی ونگاروی ایتھے، پیلودی پُکاروی ایتھے
 قادر یار دی ہیک وی ایتھے، احمد یار دی ٹیک وی ایتھے
 دمودر دا کلام وی ایتھے، شاہ حسین دانام وی ایتھے

”سجن دے گل بانہہ اساڈی، کیوں کر آکھاں چھڈوے اڑیا
 پوستیاں دے پوست وانگوں، عشق پیا ساڈے ہڈوے اڑیا“
 فرید دے ربی سلوک وی ایہتھے، وجے وزید دی ٹوک وی ایہتھے
 بلھے دے بلی بول وی ایہتھے، ہند پنجاب دا گھول وی ایہتھے
 ”جنگ ہند پنجاب دا ہون لگا، دوویں پاتشاہی فوجاں بھاریاں نیں
 اج ہووے سرکارتاں نل پاوے، جیہڑیاں خالصے تیغاں ماریاں نیں
 سنے آدمی گولیاں نال اڈن، ہاتھی ڈگدے سنے امباریاں نیں
 شاہ محمد اک سرکار باجھوں، فوجاں جت کے انت نوں ہاریاں نیں“
 انسان ایہتھے، بھگوان ایہتھے، رمیا ایہتھے، رام ایہتھے، شو ایہتھے، شام ایہتھے
 اللہ ایہتھے، خدا ایہتھے، میل ایہتھے، جد ایہتھے
 بھنگڑ ایہتھے، گدھا ایہتھے، بچن ایہتھے، ٹپن ایہتھے
 کتھے؟

”میرے پنڈوچ، بوہڑ دی چھاویں“

لوکی کہندے!، ”پنڈوچ رب وسدا“

سچ مُچ

جے پنڈوچ رب وسدا

”بوہڑ دی چھاں“

لکناہ اوس دا

پرچڑاسی توں، چڑاسی گل پے گئی
 سبھ ہاسیاں دے، پھانسی گل پے گئی
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، بہہ نہیں ہوندا
 ہر مندرتے حملہ، سہہ نہیں ہوندا
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، چھاں نہیں ہے
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، تھاں نہیں ہے
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ ککلی نہ تاشاں
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ پیٹنگھاں نہ ہاسہ
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ کہانی نہ قصے
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ دُھونی کوئی دے
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ لیندا کوئی پنگا
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ جنگ پلنگا
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، ہے دنگا ہی دنگا
 ہُن بوہڑ دی، بوہڑ دی چھاں توں ہے ننگا
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، نہ ساتھی نہ کھیڈاں
 ہُن بوہڑ دی چھاویں، ہن فوجی پریڈاں
 سنکیناں توں سہمیاں ہُن بوہڑ سک رہیا ہے
 اتے بوہڑ چھاویں وسدا، پنجاب تک ریا ہے



فیاض قریشی

منفرد رنگ کے شاعر فیاض قریشی 12 فروری 1943ء کو ڈسکہ میں پیدا ہوئے۔ زیادہ عمر سعودی عرب، دبئی، قطر، اردن اور امریکہ وغیرہ میں گزاری۔ پنجابی شاعری کا پہلا مجموعہ ”کھنڈ بھڑولی“ کے نام سے 2011ء میں شائع ہوا۔

بانگال

ملاں بانگال دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

دین دھرم نوں ونج اُس جاتا ٹھگ ٹھگوریاں دا ان داتا
شر اشنائی اُس دی چھاتا قہر خدائیوں مول نہ ڈریا
ملاں بانگال دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

پڑھے صلواتاں رند تکذیبیاں در دروغیاں شر تجویزاں
لوکاں گھڑ گھڑ دئے تعویذاں آپوں شر دے بوہے وڑیا
ملاں بانگال دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

ونج کلالوں روکڑ پاوے پڑھ پڑھ مسلے دونیاں پاوے
شر کمائیوں ڈوگراں کھاوے غیبت پائیوں ڈھڈ سو بھریا
ملاں بانگال دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

محل چو بارہ ٹھاہراں پائیاں چور شنگاں سو مرشد سائیاں
نیکو کاراں کیڑے پاوے اپنے عملوں سولی چڑھیا
ملاں بانگال دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

آپے شاہ تے آپے پر جا بے گن و نجھلی ورگا واجا
پاپ گناہوں مول نہ ڈردا خیر نوں چھڈ اُس شرتھیں پھڑیا
ملاں بانگاں دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا

آکھے قریشی مہاٹڑ یارو مرشد سانجھیں مول نہ ہریا
ملاں بانگاں دے دے مریا لوکی تر گئے آپ نہ تریا



دیالپورا

شہر

اک دن کسے نے ویہویں صدی دے اک شہر دی کھدائی کیتی
ابھتھے اک دلچسپ لکھت اے
”ایہہ نکاسب ذاتاں تے مذہب والیاں لئی کھلا اے“
ایہہ ا مطلب کیہ ہو سکد اے؟
کہ ایہہ سماج و نڈیا ہو یا سی
جس وچ کجھ وڈے سن تے کجھ چھوٹے
ٹھیک۔۔۔ تے فیر اوس شہر نوں تباہ ای ہونا چاہی داسی
اوہ ایہنوں مشینی دور کیوں کہندے نیں؟
ایہہ تے لگد اے جو یں ویہویں صدی دا پتھر دا زمانہ ہووے



علی احمد قمر

سیاچن (بلتستان) کے دامن میں واقع گاؤں گومہ میں یکم جولائی 1941ء کو علی محمد کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1969ء میں پی ٹی وی سے منسلک ہو کر اسلام آباد میں قیام پذیر ہو گئے۔ 2001ء میں ریٹائر ہو کر پرائیویٹ چینل سے وابستہ ہوئے۔ مادری زبان بلتی ہے اور بلتی کے صاحب کتاب ادیب ہیں مگر چونکہ چھوٹی عمر میں تعلیم کے لیے مری آگئے تھے اس لیے پوٹھوہاری پہاڑی پر بھی مکمل عبور رکھتے ہیں۔ پوٹھوہاری شاعری کا عمدہ مجموعہ ”پچھتاوا“ کے نام سے 2010ء میں اسلام آباد سے شائع ہوا۔

پوٹھوہاری غزل

کج نسین لبنا دُوئے نا حق ماری تے
سودا کہننا چائی نا اپڑی واری تے
ہُن کے دستاں تُو کی گُر میں عمرے نے
مہاڑے کول تُوں آیاں عمر گذاری تے
عشق سمندر کسے کی ترنا ڈٹھا نسین
مہاڑی خواہش ڈباں تُو کی تاری تے
رلی کچھے جیڑا ساڑے شریکاں نال
ماریے اُس کی چوکے وچ کھلیاری تے
کسے روز تے زوئیں اوپر لہسی اوہ
اکھ رکھی اے لوکاں اُس نی اڈاری تے
بنوں سمجھایا جناں ضمیر فروشاں کی
بئی گے ہُن اوہ لوک وی تھکی ہاری تے
جیا سٹلا کم نسین جینا عزت نال
رہنڑا پینڑا اپڑے آپ کی ماری تے



اعجاز حسین بھٹی

ضلع گجرات میں محمد حسین کے گھر 11 جنوری 1973ء کو پیدا ہوئے۔ 1996ء سے نیویارک (امریکہ) میں مقیم ہیں۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں عمدہ شاعری کرتے ہیں، اُردو کے دو مجموعوں کے علاوہ پنجابی شعری مجموعہ ”آساں دادیوا“ 2006ء میں شائع ہو چکا ہے۔

دُکھاری ماں

اک دُکھاری ماں دی سجنو اج میں گل سناواں
راہواں دے وچ روندی ویکھی مار مار کے ڈھانواں
کہندی مینوں سمجھ نہ آوے روواں یا کہ ہساں
مینوں میرے پُتراں لٹیا کس کس نوں میں دستاں
کوئی نہ میرے دُکھڑے پھولے گل سنے نہ کوئی
اٹھواں مہینہ سن سنتالی جد میں پیدا ہوئی
دُھپے سڑ کے کردی سی میں بچیاں تے پرچھانواں
چھاتی ٹھوک کے کہندی سی میں پنچ نہیں میریاں بانہواں
عمر میری نوں چڑھیا نئیں سی ہالے پنچیا سال
میرا سجا بازو لاه کے لے گئے دشمن نال
میں روندی کرلاندی رہ گئی ایسی پے گئی دوری
میرے لگدائے اگے آگئی میری کوئی مغروری
جناں دے لئی منگدی رہی ساں خیراں اٹھے پیری
اوہو پُتر بن گئے ویکھو میری جان دے ویری
کوئی مینوں مسکین بلاوے ٹیرر آکھے کوئی

دس ہاں مینوں سچیا ربا میں کیوں پیدا ہوئی
 پُتر مینوں لٹن دے لئی لہ دے نت بہانے
 آپس دے وچ لڑدے رہندے صبح دوپہری شامے
 گلاں نال مینوں ہر کوئی کہندا میں ہاں ترا قرہی
 اک آکھے میں پہلی ہاں تے دوجا مسلم لیگی
 فوجی چھڈ سرحداں آئے کرسی بن گئی ٹھیہ
 ملاں وی فیر رج لڑائے سٹی، وہابی، شیعہ
 وچ لڑائی پچیاں دی ہن ہر کوئی مینوں گھورے
 ستر سال وی لگدائے مینوں ہو نہیں سکنے پورے
 آپس دے وچ لڑ لڑ مردے کیہہ ہن بنسی میرا
 اینجو حال رہیا تے لگدائے پٹیا جاسی ویہڑا
 جد ویکھاں میں سکھیاں ولے اپنے سچے کھے
 چاننا میتھوں بعدوں جی لنگھ گئی میتھوں اگے
 میں نہ رہی تے کسے نہیں کم دا فیر تہاڈا روناں
 کٹھیاں رہن بچ عزت ہوندی کلیاں کجھ نہیں ہوناں
 پُت اعجاز ایہہ جو وی کر لین میں تے اینجو چاہواں
 شالا میرے پچیاں نوں نہ لگن تنیاں واہواں



منظور عارف

منظور عارف یکم ستمبر 1924ء کو حضور (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے۔ بی اے ایل ایل بی کر کے وکالت کا آغاز کیا۔ 1940ء میں باقاعدہ شاعری شروع کی۔ ”لہر لہر دریا“ کے نام سے اردو شعر مجموعہ شائع ہوا۔ پنجابی کے چھاچھی رنگ میں عمدہ شاعری کی۔ 30 نومبر 1980ء کو دل کا دورہ پڑنے سے وفات پائی۔

امریکہ تے برطانیہ دے نال

درشن دیون غیراں نوں تے یار کہاوں ساڈے
ظلم کماون ڈاہڈے

ساڈے یاراں کولوں ساڈے دشمن منگن چھریاں
ڈاہڈیاں رسماں ٹریاں

سوکھے ویلے نیڑے آون اوکھے ویلے نسن
دور کھلوکے ہسن

وعدے ساڈے نال کرن تے ہوون غیراں نال
سمجھ نہ آوے چال

ساہنوں چوکیدار بناون آپے بے لٹن
ساہنوں کھلے لٹن

ہن جے یاری لانی پئی تے سوچ سمجھ کے لاساں
دھوکے وچ نہ آساں



ممتاز حسین اعوان تاجپوری

20 مئی 1951ء کو میرپور آزاد کشمیر میں منگا خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ 1967ء میں انگلینڈ چلے گئے اور مستقلاً بریڈ فورڈ میں مقیم ہیں۔ میرپوری / پوٹھواری لہجے میں عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ گیت نگار بھی ہیں اور شگفتہ نظمیں بھی کہتے ہیں جن میں قومی حوالے سے طنز کے تیر چلاتے ہیں۔ ترنم سے نظم پڑھتے اور سماں باندھ دیتے ہیں۔ اب تک جو مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان میں ”ساجھے دکھ“ 1995ء، ”لہو کشمیریاں نا“ 2002ء ”ولایتی میلا“، ”دل وچ وسدا توں“ اور ”اوہ پئی جاندا آ“ شامل ہیں۔

غزل

سوہنا مکھڑا تے چن مہتاب مری کمزوری اے
اک حسن تے دو جا شباب مری کمزوری اے
ہر شخص اچ کوئی نہ کوئی کمزوری ہوندا اے
اک کھڑیا پھل گلاب مری کمزوری اے
جدوں دیکھاں چن جے مکھڑے میں نہیں رہ سکدا
ہر سوہنی چیز جناب مری کمزوری اے
اوہنوں دیکھ نشہ ممتاز نوں ایویں چڑھ جاندا
ایناں اکھیاں چوں ڈلھدی شراب مری کمزوری اے

○

اکو کھوہ ناں پانی پیتا اک بھٹی اچ نہاڑیں ساں
کڈیاں مہر محبتاں سن جدوں اک رکاوی کھاڑیں ساں
پیار محبت ناں اوہ ویلا خورے کدھر ٹر گیا اے
کڈے چنگے دھاڑے سن جدوں کھٹیاں سکولے جانڑیں ساں
کدھر گیا اوہ بچپن مہاڑا کدھر گئے اوہ ماسٹر جی
ماراں کھائی ممتاز اسان تے علم نی دولت پانڑیں ساں



مشاق صوفی

1949ء میں ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ ایم اے انگلش کر کے ٹی وی سے وابستہ ہو گئے۔ منفرد رنگ اور آہنگ کی شاعری کرتے ہیں۔ ”ساوی داڈھولا“، ”ہیٹھ وگے دریا“، ”مٹی داماس“ اور ”بار دے لوک گیت“ کے علاوہ شعری مجموعہ ”آن پانی“ کے نام سے 2003 میں شائع ہوا۔

دوسطریاں

ڈر جھوٹے دے جھوٹھ توں، سچیاں دے سچ توں ڈر
اک سکا اے اک ڈوبنا، کسے ہور ندی وچ تر

○

چپ کرے تاں قاتل جاپے، جاں بولے تاں جھلا
کیہہ کرسی، ایہہ شہر رنگیلا، پئی رات مسافر کلا

○

آپے جھگا پھوکدا آپے کردا شور
اگ بجھاوندا آکھدا، وا دگ زور و زور

○

نہ دکھوں دل دکھی ہویتے نہ سکھ توں ہویا سکھی
ان چکھی دی بھال ہمیشاں، رہی کچی چوپڑی رکھی

○

مینوں آپنی ہتک نہیں بھلدی، رکھ آپنی ہتک توں یاد
نگا رکھے ہمیشاں پھٹ نوں، اکھیاں وچ اگ فریاد



ملک مشتاق عاجز

اصل نام مشتاق احمد، یکم اپریل 1944ء کو ملک احمد خان کے گھر جنڈ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے۔
محکمہ تعلیم میں مختلف حیثیتوں (ہیڈ ماسٹر اور DDEO) میں رہے۔ 1998ء میں قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے
لی۔ اُردو شاعری کے دو مجموعے چھپ چکے ہیں۔ چھاچھی لہجے میں لکھے گئے پنجابی کلام کا مجموعہ زیر اشاعت
ہے۔

سنگی داو چھوڑا

ہار نوں لوکی ہار ای کہندے	اک موتی جے گم وی جاوے
ڈار نوں فیروں ڈار ای کہندے	ڈاروں وچھڑے کوچ تے وچھڑے
تاں کیہ تاریاں دا جاندا اے	اسمانوں اک تارا ٹٹے
کیہ ونجاریاں دا جاندا اے	اک نگری جے سڑ وی جاوے
سارا بوٹا سک نہیں جاندا	بوٹے توں اک پتا ڈگ پئے
میلہ رہندا مک نہیں جاندا	میلے چوں ٹر جائے مسافر
اک سنگی جد ٹر جاندا اے	پر سنگیاں دی ٹولی وچوں
دل سنگیاں دا بھر جاندا اے	مٹی دی اک روٹی وانگوں
خشبو دا کوئی مل نہیں رہندا	لکھ سوہنی خشبو پئی ہووے
اوہ پھل کم دا پھل نہیں رہندا	جس پھل دی اک پتی ڈگ پئے

محمد علی ظہوری

لعت

کیڈا سوہنا نام محمد دا اس ناں دیاں ریاں کون کرے
دو جگ تے سایہ رحمت دا اس چھاں دیاں ریاں کون کرے
ہر ذرہ نور خزینہ اے شہراں چوں شہر مدینہ اے
جتھے روضہ کملی والے دا اس تھاں دیاں ریاں کون کرے
دھن بھاگ حلیمہ مائی دا ملیا محبوب خدائی دا
جہدی گود اچ والی کوثر دا اس ماں دیاں ریاں کون کرے
جو سوہنے نے فرمایا اے اوہناں سن کے سیں نوایا اے
بے مثل محمد عربی دے سجاں دیاں ریاں کون کرے

کرنل محمد الیاس

پنجابی کے مقبول شاعر، دانش ور اور صاحب طرز شاعر کرنل محمد الیاس 30 مئی 1947ء کو چیلیانوالہ ضلع گجرات میں چودھری احمد خان کے گھر پیدا ہوئے۔ 1963ء میں میٹرک کیا۔ زمیندارہ کالج سے 1967ء میں بی اے کیا 1969ء میں فوج میں بھرتی ہو گئے عسکری زندگی کے دوران بیرون ممالک جانے کے کئی مواقع ملے 29 مئی 1995ء کو کرنل کا عہدہ پا کر فوج سے ریٹائر ہوئے۔

کرنل الیاس کی شاعری کا موضوع پنجاب کی دھرتی اور اس پر بسنے والے لوگ ہیں۔ سماج کے رسم و رواج، رویے، نفرتیں، پیار، حسد، بغض، مسابقت، منافقت، دکھاوا، دوستی، دشمنی غرض گونا گوں رنگ ان کی شاعری میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

○
جد کسے دے ویڑے ولے واء کرم دی وگے
پھتیسوں فتح محمد بن دیاں دیر ذرا نہ لگے

○
منتر نال نہ کیلی جاوے کہن گیانی باوے
ایہہ دنیا اے زہری سپنی ڈگنوں باز نہ آوے

○
پھپھی اک کمال دا رشتہ خبر دمشقوں آئی
بھین نے وارے پُت بھراتے آپنی توڑ نبھائی

○
اوہناں نال اے ہو کے رہندا دانشمند چوکنناں
دشمن معاف تے کردیندے نیں، معاف نہ کردیاں زناں

○
پھنئیر نوں اے پھنئیر ڈکدا، پا اکھاں وچ اکھاں
جھکھڑ نھیری تیز ہوا نوں کیہہ ڈکنا ایں لکھاں

○
ماڈا جد وی ڈھائے چڑھدا تگڑے سیکن کھئے
بھیڈاں نیاں جان ہمیشہ شیر نہ جانے مئے

○
 گل کسے دی جد وی کیتی، کیتی یارو چنگی
 اساں تے آپنے دشمن دی وی خیر ہمیشہ منگی

بولیاں

○ میں زلفاں سنوار دی رہ گئی سجنان نے داڑھی رکھ لئی
 ○ گیا پھس تبلیغ وچ ابا تے اماں نوں نماز بھل گئی
 ○ اک رن نال بن دی اے سچری نڑھنویں تے جان والیا
 ○ کیدو ہو کے وکٹ دے اوہلے سلپ اُتے کیچ پھڑدا



فرحت عباس شاہ

پیدائش 15 نومبر 1964ء۔ جھنگ کے پیدائشی اور لاہور کے رہائشی فرحت عباس شاہ نئی نسل کے ایک نمایاں شاعر ہیں۔ اردو میں کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”دل دے ہتھ مہار“ کے نام سے 1996ء میں شائع ہوا۔

رُتاں بدلن توں تھوڑا جیہا پہلے

ساڈے شہروں ٹُر گئے چنگے دن ساڈی عمراں لے گئے نال
 اسیں جھلی فکر جوانی دی ساڈے چٹے ہو گئے وال
 سانوں بھل گیا روون دکھاں تے ساڈی اکھیں پے گیا کال
 اسیں کلے رہ گئے جھوٹھیاں وچ ساڈا لکھ کے لے گئے ناں
 اسیں ڈاڈھے اوکھے ساہ لویے ساڈے سینے دے وچ کل
 اتھے دلاں دے وچ زخم ہوون ساڈے زخماں دے وچ دل
 کدی آپے پٹیاں بنھ بہویئے کدیں آپے بہویئے چھل

ساڈے شہروں ٹر گئے چنگے دن ساڈی عمراں لے گئے نال

ڈاکٹر عنایت اللہ

سوشل سائنسٹ کے طور پر معروف ڈاکٹر عنایت اللہ کی سنجیدہ شاعری کی کتاب ”یقین ریزہ ریزہ“ ارتقا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل سائنسز، کراچی سے 2009ء میں شائع ہوئی۔ اس میں پنجابی کی چند نظمیں بھی شامل ہیں اردو کلام بھی۔ نہایت عمدہ ہے۔ 2010ء میں اسلام آباد میں وفات پائی۔

پراسی تے یار آں جھلے

آپنی حمد، ثنا دی خاطر علم سکھایا مینوں
ذرا تھڑکا، زمیں تے سٹیا، ترس نہ آیا تینوں
دتی پھر ابلیس نوں چھٹی وخت چا پایا مینوں
ربا ایس جہان ترے دا سمجھ نہ آیا مینوں

پراسی تے یار آں جھلے

شرک کراں تے رنج ہو جاویں، حمد پڑھاں تے راضی
حور، بہشت دے سو سو وعدے جے میں بنال نمازی
جنت ساڈا گھر ازل دا، توں منصف، توں قاضی

اسی نماز، جھلے

پڑھ پڑھ علم کتاباں تھکے، کجھ وی پیا نہ پلے
دل دا دیوا بال نہ ڈٹھا، پے گئے راہ کولے
درد منداں دا درد نہ ونڈیا، ونڈے لفظ سولے

عمر ساری دے جھلے

مخت میری باغ اگیا پھل نہ ملیا مینوں
پولس تے لمبڑ جرم کراندے پھڑ لے جاوے مینوں

کچھ ایہہ مسئلہ رب آپنے توں، سمجھ ناں اہدی مینوں

مرادارونچ سست کھلے

جے کہناں انسان آں میں وی، لمبڑ مارے کھلے

جے کہنا قانون اے اِکو، پولس لٹاوے تھلے

رہا ایہناں مُنہ زوراں تے زور نہ تیرا چلے

پراسی تے یار آں جھلے

توں سوہنا، تیری دنیا سوہنی، سوہنے چن ستارے

سوہنے پھل، درخت سمندر، سوہنے جھیل کنارے

پر کیہہ کراں اس حسن دا رہا جد بال بھکھا کراوے

ترلے پاواں، لوریاں دیواں، صبر نہ اس نوں آوے

پراسی تے یار آں جھلے



ڈاکٹر محسن گھھیانہ

جھنگ کے رہائشی ڈاکٹر محسن گھھیانہ سرجن ڈاکٹر ہیں۔ نثر میں مزاح کی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

کئی ایوارڈ اور گولڈ میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ اُردو اور پنجابی میں عمدہ شاعری بھی کرتے ہیں۔

غزل

سانوں اپنے در تے رکھ سائیں

چاہے گلیاں دے ہاں لکھ سائیں

کدیں توں وی ایہنوں چکھ سائیں

مینوں ایسی دے کوئی دکھ سائیں

جنہاں بھنیاں نہیں کدے لکھ سائیں

جے ہوواں تیھتوں دکھ سائیں

مُحسن نوں لا دے پکھ سائیں

اسیں مندے ہوساں لکھ سائیں

اسی مٹی نوں کدیں چھڈنا نہیں

بہوں ظالم دُکھ وچھوڑے دا

اودھی اکھ دا تارا ہو جاواں

اوہ وی اُپے بن باہندھے ہن

ہک ساہ وی وادھو ناں آوے

اوہ اڈ کے جاوے سجناں تائیں

عمران سلیم

1958ء میں گوالمنڈی لاہور میں پیدا ہوئے۔ ”پاگل پنچھی سوچاں دے“ کے نام سے شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

تیری ایس ذلت دا کارن کیہہ اے دس تے یارا
کیہہ پچھنا ایس کیہہ میں دساں ویلا بے اعتبارا
ایہدے کولوں جر نہیں ہوندی بندے دی وڈیائی
ایہہ چاہندا اے وڈا منے ایہنوں کل خدائی
ایسے لئی ایہہ پٹھیاں سدھیاں چالاں چلدا رہندا
جتاں ہاراں ہاراں جتاں وچ بدلدا رہندا
آزادی نہیں جچدی ایہنوں چاہوے نت غلامی
جرم مرا سی میں نہیں دتی ایہنوں روز سلامی
تیریاں گلاں میں نہیں مندا ویلا سجن میرا
ایسے نے رشنا یا میرے گھر دا ات ہنیرا
گنما می چوں کڈھ کے مینوں شہرت نال ملایا
ایس بلندی اتے مینوں ویلے نے پہنچایا
سارے جگ وچ ایہنے میرا مان سماں ودھایا
میریاں کیتیاں اتے ایہنے پل پل پردا پایا
پل پل ایہنوں میں ای رویا ایہنے سر نہیں چکیا
میوے بھریاں شاخاں وانگوں میرے اگے جھکیا
چپ کر ایویں مار نہ ڈینگاں اپنے قد توں وڈیاں
تینوں ہوش نہ رہنی جد ویلے نے چھکاں چھڈیاں
جھلا ایس توں ویلے اتے ایویں تہمت لاویں
آپنی تھوڑ دلی تے ایویں جھوٹھ دا پردا پاویں
چنگا بلیا وقت ترا اے خوب منا رنگ رلیاں
پچھاں گا فر تیرے توں میں جد ایہہ چھاواں ڈھلیاں
کھل جاوے گی تیرے تے جد آب حقیقت ساری
ویلے دے کردار دی فیر توں سچھیں گا مکاری



یونس اعجاز

امریکہ (ڈیلس) میں مقیم سینئر شاعر یونس اعجاز 21 جون 1938ء کو کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد ٹوبہ ٹیک سنگھ میں آباد ہوئے۔ 1974ء سے 1977ء تک سعودی عرب میں رہے، بعد میں امریکہ چلے گئے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے سکہ بند شاعر ہیں۔ ”اڑان ٹوٹے پروں کی“ اور ”سورج مٹھی میں“ کے نام سے اردو شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ پنجابی مجموعہ زیرِ ترتیب ہے۔ کبھی کبھی مزاح بھی کہہ لیتے ہیں۔ ”عالمی پنجابی اکٹھ“ امریکہ کے جنرل سیکرٹری ہیں اور ادبی تخلیقات پر کئی ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔

غزل

زلف تے بلیاں دی گل کرینے رنگاں وچ خوشبو حل کرینے
تیرے نال دا ہور نہ کوئی ہور کسے نال سیہہ گل کرینے
چل پگھٹ دے اوہلے بہہ کے شوق دی کھیتی جل تھل کرینے
رانجھے نوں استاد بنا کے آپنا پیار مکمل کرینے
لوکاں ساہنوں پاگل کیتا آ لوکاں نوں پاگل کرینے

اصغر عابد

6 اگست 1952ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ طبعاً شعر و ادب کے فروغ کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ حلقہٴ ارباب ذوق سمیت لاہور اور اسلام آباد کی معروف ادبی تنظیموں کو فعال رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔ اردو، پنجابی اور سرائیکی تینوں زبانوں میں یکساں طور پر لکھتے ہیں۔ دو پنجابی شعروں مجموعے زیرِ اشاعت ہیں۔ پی ٹی وی سے ان کا تحریر کردہ ایوارڈ یافتہ پنجابی ڈرامہ سیریل ”پگ“ ٹیلی کاسٹ ہوا۔ قومی شاعری پر حکومت پاکستان اور حکومت آزاد جموں و کشمیر سے ایوارڈ حاصل کر چکے ہیں۔ پی ٹی وی کے بعد الخیر یونیورسٹی سے وابستہ رہے۔ ان دنوں نیشنل بک فاؤنڈیشن سے منسلک ہیں۔

غزل

غزل

اگ نوں اگ دیاں لیراں لائیاں سارے پنڈ گراں

پانی	نوں	زنجیراں	لائیاں	اپنی	اپنی	تھاں
ہتھاں	وچہ	پئے	جگنو	چمکن	سپاں	راہ
لیکاں	بھاگ	لکیراں	لائیاں	کلھا	ٹردا	جاں
اتھرو	بھریاں	ایہہ	پنچتیاں	چھانگے	ہوئے	رکھاں
ویریاں	وانوں	ویراں	لائیاں	دُھاں	ورگی	چھاں
دل	دے	کاروباری	لوکاں	ٹھگنے	ٹھگنے	لوکی
جوئے	وچہ	تقدیراں	لائیاں	وڈے	وڈے	ناں
وعدے	وچکن	والیاں	عابد	شک	دا	سارا
ہٹیاں	روز	وزیراں	لائیاں	چھجوں	کیر	دی
				عابد	کدی	تے
				ایہہ	مٹی	دے
						کاں



اک نظم

اوہ رانجھاسی اوس ویلے دا
 میں ہاں رانجھا ہُن دا
 اوہنے اکھیں سرمہ لایا
 میں ہاں اتھرو وڈندا
 اوہدی وکھلی جادو کر گئی
 میر اساہ ساہ چیکے
 اوہنوں ہیر نے تاہنگ ان تنیا
 مینوں کون اڈیکے



ڈاکٹر رزاق شاہد

عبدالرزاق شاہد ساہیوال کے ایک گاؤں میں 15- مئی 1957ء کو صوفی برکت حسین کے گھر پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے اردو کے علاوہ پنجابی میں پی ایچ ڈی کی۔ آج کل پنجابی کے پروفیسر ہیں۔ شعری مجموعے ”گوئگیاں چیکاں“ اور ”پھٹڑا کوکاں“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

غزل

اوجھڑ پینڈے مل ٹرے آں اِکو جے سبھ رل ٹرے آں
آکھن سچی گل ٹرے آں فیر لہاون کھل ٹرے آں
ساڈے سنگ جس اونا آئے اسیں وجا کے ٹل ٹرے آں
بھانویں صدیاں ہو گئیاں نیں لگدا اے جیوں گل ٹرے آں
ریت سمندر راہواں ڈکیاں جد وی دریا ول ٹرے آں
منزل اے نہیں لہجی شاہد کنے مارو تھل ٹرے آں

عاطف غفور عاطف

جس طرح ہیر رانجھا کا قصہ کئی شعراء نے لکھا لیکن مشہور وارث شاہ کی ہیر ہوئی اسی طرح سوہنی مہنیوال کے قصے پر بھی کم و بیش چالیس شعراء نے طبع آزمائی کی یہ ایک الگ بات ہے کہ فضل شاہ نواں کوٹی کی سوہنی مشہور ہوئی۔ آج کے دور میں عاطف غفور عاطف نے دیگر کئی قصوں کے علاوہ سوہنی مہنیوال کا قصہ بھی لکھا جو فکری اور فنی خوبیوں کے باعث نقادان ادب کی توجہ کا طالب ہے تاکہ وہ دوسرے قصوں سے اس کا تقابلی مطالعہ کر کے اس کے معیار کو پرکھ سکیں۔ موضع سوہل نزد بڈیانہ تحصیل پسرور (سیالکوٹ) کے رہائشی عاطف غفور عاطف نے یہ قصہ 20 دسمبر 1982ء کو مکمل کیا اور اس میں فنی نقطہ آرائی یہ کی کہ کئی بند منقوط اور کئی غیر منقوط لکھے۔

○

سانوں وقت اجازتاں دیتیاں نہیں، نہیں تے بہت لما چوڑا بیان لکھدا
وقت ویکھ کے لکھے مضمون چھوٹے نہیں تے لمے گیان دیوان لکھدا
رہیا وقت کتاباں نہ پڑھن والا تاہیوں میں چھوٹے عنوان لکھدا

عاطف سخن چنھاں دے ہیٹھ کنڈے دکھی رہیا آپنی داستان لکھدا

○

عزت بیگ رو رو سوہنی سوہنی کوکے پئے غنٹاں اتے غنٹاں آوندے نیں
عزت بیگ دا دیکھ کے حال نوکر ہو کے سخت پریشان گھبراوندے نیں
لیا کے دین کاڑھے عرق شہد شربت مُربہ ہور گلقتند کھواوندے نیں
ماسہ پیا نہ فرق دوائیاں دا سد نیم حکیم لیاوندے نیں
عشق روگ حکیمان دی باہر عقلوں ایویں پئے دوائیاں پلاوندے نیں
اودھی اصل شفا دیدار سوہنی ایویں نبض پھڑ عقل دوڑاوندے نیں

○

متھا چمکدا سورج تے چن وانگوں سارے شہر گجرات چمکار ہویا
ڈھلاکاں مار دا حسن رخسار اتے ہر کوئی وہندیاں سار شکار ہویا

ٹور مور وانگوں بول کونل وانگوں تک عاشقاں دا دل فگار ہویا
پری حور کوئی عرشوں آن لتھی ایسا دلاں اتے عجب وار ہویا

سوہنی:

پکا سمجھ کے چڑھی ساں ڈھاک تیرے نہیں تے سمجھدی ویکھدی بھالدی میں
تینوں ٹھیکری ٹھیکری بھن کردی نہ اج ویکھدی گھڑی زوال دی میں
پکا سمجھ تینوں میں تے بھلی رہی آں کچا پرکھ لیندی شمع بال دی میں
اُنچ رُڑھ گئی صدقوں نہ رُڑھری آں میں عاطف انت سوہنی مہینوال دی میں

گھڑا:

میں کھر جانا تے توں رُڑھ جانا کچے گھڑے نے پار لے جاونا کیہہ
لانو درد دے جنہاں نہ سیک جھلے اوناں کسے دا درد ونڈاوناں کیہہ

پریت کچے دی کچ کماوندی اے نال کچیانڈے نیوں لاونا کیہہ

سوہنی:

توں بے کچا تے میرا اے عشق پکا لے چل پار نہ کر انکار گھڑیا
جھگی والا اڈیکدا ای پار مینوں کرنا اوسدا جا دیدار گھڑیا
بے میں یار ولوں اج مکھ موڑاں بازی عشق دی جاواں گی ہار گھڑیا
نام رب دے پار لنگھا مینوں اڈیکے پار میرا عاطف یار گھڑیا

گھڑا:

کچا کچا نہ پکئے آکھ مینوں طعنے پئی بے دوس نوں مار ناہیں
پکا ہوندا تے کھڑدا پار تینوں کدی گھڑے کچے کھڑدے پار ناہیں
کچا پکا کھڑکا کے پرکھ لئے پچھوتاویئے آ وچکار ناہیں
پلا پکڑیئے پکیاں سچیاں دا ہوئے کچیاں تے اسوار ناہیں
ہوندا پکیاں دا سچا پیار پکا کچے یار ہوندے وفادار ناہیں
عاطف ڈب کے مر کے فیر تریئے مونیوں باجھ ملدا جانی یار ناہیں

○

جہڑیاں بکریاں شیر دی جوہ وڑیاں او پرت گھریں نہ آئیاں نی
نال اچیاں دے جنہاں گوٹھ رکھی سمجھو کھادیاں انہاں خطائیاں نی
جہڑیاں مچھیاں پھسیاں جال اندر سائیاں پھڑکڑاہی بچ پائیاں نی
وچھڑ گتیاں جو اڈدی ڈار وچوں در در اوہ سدا کر لائیاں نی
جہڑیاں مالکاں ردھ کے گھروں کڈھیاں اوہ پیندیاں وس قصائیاں نی
گھر سوہریانڈے او تے وسیاں نہ گلاں پیکے جا جنہاں سنائیاں نی

○

دل لاونا وچ پردیس مندا ہو کے وسناں بے دھیان مندا

کر کے قول زبان توں پھر جاوے اوہنوں آکھدے وچ جہان مندا
 جہڑا چھڈ میدان نوں نس جاوے بزدل ہے اوہ نوجوان مندا
 نیکی کر کے مارنا فیر مہنا کرنا کسے تے انج احسان مندا
 پڑھ کے علم جے کرینے نہ عمل یارو انج علم دا پڑھن پڑھان مندا
 آپ عمل نہ کرے تے پائے رولا انج واعظا وعظ سنان مندا
 جہڑا کسے دے آوے نہ کم یارو اوہ حیوان توں وی انسان مندا

○

سدا نہیں اے موج بہار رہنی سدا کھڑیا نہ چمن گلزار رہنا
 سدا کھولنے ہٹ پنساریاں نہیں سدا لگا نہیں اے بازار رہنا
 سدا باغاں چ بلبلاں بولنا نہیں نہ پھلاں سدا خوشبودار رہنا
 سدا اکھ مستانی نہ ٹور نخرہ سدا جو بن نہیں وچ بہار رہنا
 سدا چیز نہ جگ تے کوئی رہنی سدا بادشاہاں نہیں تاجدار رہنا
 سدا روح نہیں بُت دے وچ رہنا سدا ٹونبے دا نہیں کھڑکار رہنا
 چھڈ جاوے محل مکان کوڑے گل موت والے پا کے ہار رہنا
 پینی شام دکاناں دے بند بو ہے عاطف پھر نہ وچ پیار رہنا

صنعتِ غیر منقوٹ

ماہی آ ماہی ڈاڈا دل رووے کھوواں وال روواں ہو کے مار ماہی
 لکھوں ککھ ہوئی ہو گئی درد ماری لوے آ کھڑا ساڈی سار ماہی
 مار مار کے درداں دی مار مارو ککھا ککھا ماراں گئی آں ہار ماہی
 عاطف کوک رہی آں آ مل واسطہ ای دلدار دلدار دلدار ماہی

صنعتِ منقوط

چن چن چن چن چن چنی بن بن بنی تنی تن شفتت
چھن چھن تیز نین عاطف فن تن جنی چھن چھن شفتت



صائمِ چشتی

اصلی نام محمد ابراہیم۔ پیدائش 1936ء فیصل آباد کے رہائشی۔ نعت کے ایک اہم اور سرکردہ شاعر تھے۔ جھنگ بازار فیصل آباد میں چشتی کتب خانہ کے نام سے قصوں کتابوں کی دکان تھی۔ شعری مجموعوں میں نور دا ظہور، نظارے، جلوے، بھلے تے کڈے وغیرہ شامل ہیں۔ نعتیہ اور دینی مجالس میں اکثر بلائے جاتے تھے جہاں وہ اپنی نعتوں سے سماں باندھ دیتے تھے۔

نعت

محمد مصطفیٰ آئے فضاواں مسکرا پیماں
گھٹاواں نور برساواں ہواواں مسکرا پیماں
ولادت ہوندیاں سوہنے نے جد سجدے سچ سر رکھیا
خطا کاراں نوں چین آیا خطاواں مسکرا پیماں
جھٹوں جھٹوں دی لنگھدی جاوندی ڈاپچی حلیمہ دی
اوہ راہواں بن گیاں جنت اوہ تھاواں مسکرا پیماں
خلیل اللہ دے خواہاں دی ہوئی تعبیر اج پوری
جو رو رو منگیاں سن اوہ دعاواں مسکرا پیماں
دعا دے واسطے صائم جدوں سوہنے نے ہتھ چائے
خدا دیاں رحمتاں بن بن گھٹاواں مسکرا پیماں

○

سائل در محمد دا جو بنیا جگہ جگہ سوالی نہیں ہو سکدا
در احمد تے جھٹھے سوال کیتا پلا اوس دا خالی نہیں ہو سکدا
احمد وچوں جو احد نوں ویکھدا نہیں اوہدا عشق بلالی نہیں ہو سکدا
صائم حال دے دیس وچ رہن والا کسے حال وچ قالی نہیں ہو سکدا

○

اودھدی موت حیات اے بن جانندی جیہڑا مرن کولوں پہلوں مر جاندا
بندے اللہ دے موت توں نئیں ڈردے اوہ ہے امر د جیہڑا ڈر جاندا
فانی ہو کے وجود وچ موت تائیں لوکاں لئی وی زندگی کر جاندا
ولی اللہ دا مردا اے کدوں صائم اک گھر وچوں دو جے گھر جاندا

شہزاد فراموش

غزل

ساڈے مٹی تہاڈے مونہہ وچ کھنڈاں پئیاں نیں
تاہیوں ظالم لوکو تہانوں ٹھنڈاں پئیاں نیں
قدرت نے انساناں دی تقسیم ودھاون لئی
فرق ودھائے تاہیوں کانیاں ونڈاں پئیاں نیں
دکھاں ہاواں ہوکیاں والے چھتراں دے نال یار
سارا جیون اوس غریب نوں پھنڈاں پئیاں نیں
ماں مرگئی تاں شام نوں جاویں، ڈنگر بھکھے نیں
پٹھا تھتھا چار پرالی پنڈاں پئیاں نیں
بکر چٹو، رستا گیرو، قہر نہ انج کماؤ
تہاڈے قہر دے سکے چلدے ڈنڈاں پئیاں نیں
بول شریکاں جردی رہی آں بھکھاں وی میں جریاں
پترا اوس سے دیاں ڈھڈ وچ گنڈھاں پئیاں نیں
کاروبار چ سیری دا ایہہ ویکھ صلہ اوہ سجنہ
وٹے، دھپھے، ڈنڈے، ٹھڈے، چنداں پئیاں نیں



جانباز جتوئی

قلمی نام جانباز جتوئی، سردار نصرت علی خان جتوئی کے ہاں جتوئی شہر ضلع مظفر گڑھ میں 1924ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی دور میں محنت مزدوری اور زمینداری کرتے رہے بعد کے دور میں صرف اور صرف شاعری کی۔ کسی زمانے میں والی بال کے اچھے کھلاڑی تھے مگر شاعری میں فنا ہونے کے بعد ملنگ ہو گئے۔ گھنے گھنگھریالے لمبے بال، گھنی الجھی ہوئی داڑھی اور ہمہ وقت ملنگی لباس۔ ”ارداساں“ کے نام سے پہلا مجموعہ 1985ء میں اور ”ہواڑاں“ کے نام سے دوسرا مجموعہ 2003ء میں شائع ہوا۔ 17 دسمبر 1994ء کو وفات پائی اور اُچ شریف میں دفن ہوئے۔ صاحب طرز شاعر تھے اور پڑھنے کا بھی ان کا اپنا ہی انداز تھا جس کے باعث قومی مشاعروں میں بطور خاص بلائے جاتے تھے۔ دیگر کئی ادبی ایوارڈز کے علاوہ 23 مارچ 1994ء کو حکومت پاکستان کی طرف تمغہ حسن کارکردگی عطا کیا گیا۔ ”جانباز جتوئی۔ حیاتی تے فن“ کے نام سے نظریہ لاشاری نے 1999ء میں آپ پر ایک کتاب بھی لکھی۔

محنت کمال کرتے اپنا مغز کھپاتے
لفظیں دے میں بنائے چن چوڈیا ندے گھنسو
جانباز میڈا ناں اے اُن جان ہاں وپاری
ہیرے وڈا وچینداں مل کوڈیاں دے گھنسو

جھلار چٹ اے

جو بیڑ چٹ اے نِسار چٹ اے
تے لُوٹیں سودھی جھلار چٹ اے

فِضا ہے وِگڑی چمن اُداس اے
تے بُوٹے بُوٹے کوں حُب دی پیاس اے
ہوا محبت نہ آئی راس اے
تے بولیا بلبل سخن شناس اے

خزاں خزاں ہی بہار چٹ اے

مکر دی جھولی پئے پیار پلدن
اندھار غم دے ہزار چلدن
ڈکھیں دی گُکھ وچ پئے باغ جلدن
شجر کما گئے ن ثمر پئے گلدن

انگور سڑ گئے ن انار چٹ اے

بہار دے وچ بہار کینئی
ملہار گو ہے ملہار کینئی
سکون کینئی قرار کینئی
کتھائیں سچا پیار کینئی

جے وستی سُج اے بازار چٹ اے

ایں فانی جگ وچ وفا نئیں لَہدی
تسم خدا دی حیا نئیں لَہدی
حقیقی اصلوں شفا نئیں لَہدی
دوا جے گولوں دوا نئیں لَہدی

حکیم چٹ اے بیمار چٹ اے

خلوص مر گئے خدا گواہ ہے
شرم شرافت دی بند راہ ہے
نگاہ پلید اے تے دل سیاہ ہے
لباس غیرت دا تھیا تباہ ہے

نمائش ڈھیر اے وقار چٹ اے

اے جگ جہاں دے عجیب رنگ ہن
وجود بے حس تے چیتے دنگ ہن
ہے راگ نواں تے نویں انگ ہن
نہ سوز او ہن نہ ساز چنگ ہن
جے و نچھلی گنگ اے ستار چٹ اے

زمین کُوکے جو جٹ نہیں رہ گئے
مزارے ٹُر گئے ن تے گودے ویہہ گئے
جو چٹ تے ظالم ظلم تے بہہ گئے
فلک توں میڈا وقار ڈیہہ گئے
جے رعایا چٹ تے سردار چٹ اے



زاہد فخری

یکم اکتوبر 1954ء کو حافظ محمد حسین کے گھر فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ ایل ایل بی کے بعد ذاتی کاروبار کر رہے ہیں۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں سنجیدہ اور مزاحیہ شاعری کرتے ہیں۔ اردو شعری مجموعے ”اسے میری چُپ نے رُلا دیا“، ”ہجرتوں کے ورثے“، ”ضبط جب ختم ہوا“، ”فخریات“، ”محمد محمد“ (نعتیہ کلام)، ”مرچیں“ (مزاحیہ شاعری کا انتخاب) شائع ہو چکے ہیں۔ اپنی مشہور نظم ”کدی تے پیکے جانی بیگم“ کے نام سے مزاحیہ شاعری کا مجموعہ چھپ چکا ہے۔

ماں

جنہاں گھراں وچ ماں نئیں ہوندی اوہناں دے ویہڑے چھاں نئیں ہوندی
پتر بھانویں جان وی منگن ماواں کولوں نہ نئیں ہوندی
جے کر ماواں ہاں نہ آکھن رب ولوں وی ہاں نئیں ہوندی
تیرے اگے رو لیندے ساں ہُن تے نظر اتانہہ نئیں ہوندی
جے کدھر میں سفرے جاواں اوہدی شکل پرانہہ نئیں ہوندی
واج اوندی اے فخری پتر پر اوہ آپ اگانہہ نئیں ہوندی



شوکت علی ناز

شوکت علی ناز ایک طویل عرصے سے دوحہ قطر میں مقیم ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں ایک متحرک ادبی کارکن ہونے کے باعث پہلے ملک مصیب الرحمن کے اور اب قاضی اصغر کے ساتھیوں میں سے ہیں۔

جنڈی تیرے ناں کیتی اے تیرے دل وچ تھاں کیتی اے
غم دی دُھپ نہ لگے تینوں تائیوں پیار دی چھاں کیتی اے
تیریاں گلاں دل نون لگیاں ہنجوں تے نہیں ہاں کیتی اے
ناز نون راہ وچ چھڈ نہ جاویں عرض، گذارش تاں کیتی اے

شکيب وجدانى

○

آپنے آپنے دُکھ نين آپنے آپنے سُکھ
سبھے طالب سُکھ دے کوئی نہ ونڈے دُکھ
نس دا سٹاں کھاؤندا، قدم قدم انسان
لکھاں ہور ضرورتاں، وڈی سب توں بھکھ
ايہدے بن نہ رونقاں، گھر نہ باغ بہار
شالا کسے وی نار دی خالی رہے نہ گھ
دکھ بندے نوں جاوندا اندرو اندری کھا
چڑھے جے امبر ويل تے سُک جاندے نين رُکھ
بھانویں تیری شان دے پاسنگ نين شکيب
شالا جیویں سوہنیا، پھیر نہ میتھوں گھ



شائق حسين شائق

آج وی ایسے لوک نين جيہڑے کہندے نين

مستھیاں اُتے داغ رہوے بدنامی دا
بندیاں دی گردن وچ طوق غلامی دا
رانجھیاں دے گل زیور پین زنجیراں دے
کھیڑے ای لے لے کے جلاں ڈولے ہیروں دے
ہرا نہ ہووے کوئی رُکھ اُمیداں دا
پانیاں اُتے پہرہ رہوے یزیداں دا
دُنیا اُتے شاہی رہے مردوداں دی
شاداں فرعونیاں تے نموداں دی
مجبوراں دا حصہ ذلت خواری رہے
ظلم جبر دا دور ہمیشہ جاری رہے
آساں دا ہر باغ بغیچہ ساڈ دیو
آوے کوئی مسیحا سُولی چاہڑ دیو

آج وی ایسے لوک نين جيہڑے کہندے نين

محمد سلیم طاہر

سلیم طاہر ایک طویل عرصے تک پی ٹی وی سے منسلک رہے جہاں سے اردو اور پنجابی کے کئی اہم پروگرام کیے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں منفرد انداز کی شاعری کرتے ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”تانگھ تریل“ 1986ء میں شائع ہوا۔ مستقلاً لاہور میں مقیم ہیں۔

نوکر

سارے دن دا تھکيا ٹٹيا
شاہاں ویلے
مل وچوں میں چھٹی کر کے
اپناروٹی والا ڈبہ
اپنی بابے آدم دے ویلے دی سائیکل اگے بنھ کے
کچی سڑک تے آجاناواں
فیر تھکیویں دے وچ ڈبیا
اپنا جٹھ
سائیکل اُتے دھر دیناواں
میرے پیراں تھلے پیڈل آپے گھسن لگ پیندے نیں
اُس ویلے مینوں انج لگدا اے
جیویں پنڈ دے وڈو ڈیریاں
مینوں پھڑکے
کھوہ گیرن لئی جو دتا اے
تے میں بزدل
زندہ رہن دی تانگھ نوں
اپنی ہک نال لاکے
ظلم دے اگے سر نہیں چکدا
مینوں ایہہ سبھ انج لگدا اے
جیویں میں وی اک پہیہ واں
سائیکل دے اک پہیہ وانگر
صدیاں توں اس دھرتی اُتے

اُچیاں، نیویاں، ونگیاں چبیاں راہواں دے وچ
 کھڑ کھڑ کردار رُھدا جاناں
 آپنا آپ دھروئی جاناں
 جسراں سیٹھ دی مل دے اندر
 اک مشین دے
 چکر دین تے نوکرہاں میں
 چناں ورگے پھپے تائیں
 شاماں فچراں
 اوندیاں جاندیاں رُتاں
 خبرے کس دیاں نوکرہ!

فرٹیشن

روز روز دی ایس روٹین توں
 ڈاہڈے اک گئے آں
 واہناں دے وچ
 بھجڈے بھجڈے تھک گئے آں
 تیلّا بھن کے دوہرا کرن نوں جی نہیں کردا
 جے کر بندہ ٹھیک ہووے تے کیہہ نہیں کردا
 ذرا جنی کوئی گل ہووے تے بھڑک پینے آں
 کسے دی چنگی گل وی مندی لگدی اے
 ہر گل جھوٹھی لگدی اے
 پیار خلوص محبت والی
 راہواں گلیاں تنگ ہوئیاں نیں
 انج لگدا اے
 کئے مٹھے ہوندے ساں
 آپے چوڑے ہو گئے آں
 ہن کئے کوڑے ہو گئے آں



اکبر حمیدی

یکم اپریل 1936ء کو ”گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے کر کے ملازمت کے سلسلے میں اسلام آباد آئے۔ اردو اور پنجابی کے انشائیہ نگار، نقاد، محقق اور شاعر ہیں۔ چھوٹی بحر میں انتہائی عمدہ کلام کہتے ہیں۔ اردو میں کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”بکی غزل پنجاب“ 1996ء میں شائع ہوا۔

غزل

کسے بہانے اوس گلی چوں لنگھنا اوہدے بوہے ہولی ہولی کھنگھنا
جے کر دل دی بھونیں ہوئے کلراٹھی دب کے واہنی بی وی پانا سنگھنا
تیری مرضی مئے یا نہ مئے اسان تے منگدیاں رہنا، نئیوں سنگنا
گل وچ پاون والے کوئی ہور نیں سانوں تے اس کھی اُتے ٹنگنا
جیہڑا چن وی چاڑھنا ایں توں چاڑھ اسان وی تینوں تیری رتے رنگنا
نسلاں اپنے اصلاں اُتے جاندیاں سپ دے پتر جد کدی وی ڈنگنا
چٹکا پا دے بھوویں ٹھوٹھا بھن دے اسان تے تیرے بوہے آ کے منگناں
اپنا حصہ پانا نویں جہان اچ اپنے نالوں اکبر آگے لنگھنا



اقبال زخمی

10 ستمبر 1941ء کو فیروز پور (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد لاہور آ گئے۔
”ونجھلی“، ”لوئے لوئے“ اور ”ڈھپ چھاں“ کے نام سے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ لاہور سے
پنجابی رسالہ ”لکھاری“ بھی شائع کرتے رہے۔

غزل

منزل تیکر اسیں وی ہن تک اپڑے ہوئے ہوندے
ساڈی راہ وچ جے نہ اینے ٹبے ٹوئے ہوندے
لوکاں ہن تک گھڑ لینی سی ہور اک نویں کہانی
پلاں تھلے جے نہ اتھرو اسال لکوئے ہوندے
اونے ساہ تے لینے پیندے جنے دھروں کھچھے
مویاں نال جے مریا جاندا ہن تک موئے ہوندے
ہور کسے نوں سار بھلا کیہ رون سواد کیہ دیندا
اوہو جانن کھوہ نیناں دے جنھاں جوئے ہوندے
جیہڑے اس دروازے اگے بہہ گئے مار پتھلا
در در اُتے جا کے اوہ نہیں توئے توئے ہوندے
اوہ جیہڑے کہ راتیں ہسدے ہسدے بس نہ کردے
وڈے ویلے ویکھاں تے اوہ روئے روئے ہوندے
کدھروں خورے سنھاں لا کے آون اوہدیاں یاداں
میں تے زخمی اپنے دل دے بوہے ڈھوئے ہوندے



افضل ساحر

نوجوان شاعر افضل ساحر لاہور میں ریڈیو چینل سے وابستہ ہیں اور منفرد انداز کی پنجابی شاعری

کرتے ہیں۔

وارتا

(پنڈ دے تہاں بابیاں توں بھڑیا ہو یا اک خیال تے کئی وڈیاں توں معذرت نال)
ساڈے باپے لیکاں چھیاں، سانوں مت کیہہ آونی
انگ لمکن ننگی تارتے، وچرت کیہہ آونی
اسیں جھوٹھو جھوٹھی کھیڈ کے، اک سچ بنایا
فراںس نوں دھرمی لہردا، اک تڑکا لایا
اسیں پاک پلپتے پانیاں، وچرت جھدے جانیے
یاں ہسیہ گھوری وٹ کے، یاں کھج دے جانیے
اسیں اکھاں مل مل ویکھیے، کیہہ کھیڈاں ہونیاں
کتے شیراں ورگے سورمے، اج بھیداں ہونیاں
”چنگای سی پترا“ جے دیس وچ رہندے
سانوں چٹی چڑی رولیا، ساڈے باپے کہندے
”سانوں سجاہتھ وکھا کے، ماری اے کھی
اسیں جنت ول نوں ٹھہ پئے، تے دوزخ لہجی“
اسیں جتے وچ پنجالیاں، ہل بن گئے پھاہیاں
اسیں کھیتاں وچ ای بیجیاں، کئی سال چھماہیاں
اسیں ولکے روئے بھکھ توں، ساہ ٹن لگ پئے
فرتاں کڈھیاں چودھری، اسیں گھٹن لگ پئے
نہیں کھان پین نوں لہدا، ساڈے گھر وچ سایا
انے، بوتل چوں نہیں پیونا، ایہہ دم کروایا

اسیں چھٹی چراون لے گئے، کنج بوہانکے
 جیوں بین وجایئے رڈھتے، تاں چوہانکے
 گئے وڈے باہر ولیت چوں، شاہو کارلیائے
 ساڈی کھڑی کپاہ نوں ویچیا، اسیں منگ کے پائے
 جد شیشے موہرے آگئے، بن افلاطونی
 تدشکلاں دسیاں کالیاں، ہتھ خونو خونی
 اسیں کھڑے کھلوتے کنب گئے، پر چھاویں بدلے
 ساڈے اپنیاں پٹواریاں، ساڈے ناویں بدلے
 سانوں سُر ت نہ آئی ہو وندے، کنج گھائے وادھے
 اسیں باندر کلا کھیڈیا، تے چھتر کھادے



مُنیر شاد

نئی نسل کے ایک اہم شاعر ہیں۔ شعری مجموعہ ”سوچ سویر“ 1991ء میں شائع ہوا۔

بختاں دی لیلیٰ دا جُشہ ہویا لیراں لیراں
 سدھراں دی کشکول سنبھالی پھر دی وانگ فقیراں
 فن دے ٹھیکیداراں فن تے جد وی کالکھ لنبی
 ہوکا بھر کے مر گئیاں نیں کیہہ سچیاں تصویراں
 پچھلے دور دا کھوجی دسو کجھ گھرے نوں نپے
 ہن تے سب وی ایسراں ٹردے دس دیاں نہیں لکیراں
 اوسے پھل نے باغ دے اندر کھڑے بھانڈ لائے
 جس دا روپ نکھارن خاطر کردے رہے تدبیراں
 چھاں دی خاطر رکھ اُگائے پتھر سر وچ وجے
 کیہ ویکھے سن سندر سپنے کیہہ ملیاں تعبیراں



افضال فردوس

افضال فردوس نئی نسل کے اردو اور پنجابی کے نمائندہ شاعر ہیں۔ آج کل ہیوسٹن (امریکہ) میں مقیم ہیں۔ اردو میں کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”رستہ بھلے خواب“ 2001ء میں شائع ہوا۔

غزل

مٹھیاں مٹھیاں گلاں کر کے توں چنگا نہیں کیتا
اکھیاں دے وچ سفنے بھر کے توں چنگا نہیں کیتا
بھلئے تیرے گھر دا راہ میں کیکر بھل سکدا ساں
باری دے وچ بتی دھر کے توں چنگا نہیں کیتا
ہمت کر لیندی تے ہن لگ لگ کے انج نہ روندی
اس ظالم سنسار توں ڈر کے توں چنگا نہیں کیتا
جھلئے پیار صرف دو جساماں دا رشتہ ای نہیں
اک نکی جئی گل توں مر کے توں چنگا نہیں کیتا
دیکھ لے ہن تیرے ہونٹاں تے ہو کے رہندے نیں
سارا دکھ ای کلیاں جر کے توں چنگا نہیں کیتا
جیہڑی گل بس تیرے تے میرے وچ رہنی سی
اوہ گل سہیلی دے نال کر کے توں چنگا نہیں کیتا
پہلاں ای افضال زمانے نے تاڑی لائی سی
اوہنوں باہواں دے وچ بھر کے توں چنگا نہیں کیتا

غزل

ساری عمر حیاتی دا دکھ جردے رہے کیہڑے کم آئے ساں کیہڑا کر دے رہے
شوک رہے سن رات ہو ادے کالے ناگ آہنیاں دے اندر پنچھی ڈردے رہے

سکیاں ہوئیاں جیجھاں کڈھدے رہ گئے رکھ بدل دور سمندر اتے ورھدے رہے
 بہہ کے اڈ گیا سی اک پنچھی بوٹے تے ورھیاں تیکر سکے پتر جھڑدے رہے
 رستہ روک لیا سورج دا بدلاں نیں ٹھنڈی لمی رات بچ لوکی ٹھردے رہے



نذیر چودھری

نذیر احمد چودھری دس جنوری 1920ء کو سرگودھا میں پیدا ہوئے۔ آبائی وطن گجرات تھا۔
 زمینداری کے پیشہ سے وابستہ رہے۔ پنجابی اور اردو کے صاحب طرز شاعر تھے۔ پنجابی مجموعہ ”چائن دا
 کھڑکار“ کے نام سے شائع ہوا۔ غیر مطبوعہ کلام میں ساٹھے روگ، ٹٹے سہرے، لوڑاں اور صدائے نور شامل
 ہیں۔ 1987ء میں وفات پائی

غزل

جاماں دے ہنجو پھٹ آئے سازاں دیاں تاراں رو پئیاں
 سن سن کے گل مے خانے دی اج مست بہاراں رو پئیاں
 قاتل دی افراتفری دا جد حال حقیقت پکھیا میں
 پھٹ کھڑ کھڑ کر کے ہسدے رہے ٹٹیاں تلواراں رو پئیاں
 ہر اک نوں اپنے سنگیاں دے وچھڑن دا ساڑا ہوندا اے
 بند پنچھی ویکھ کے پنجرے وچ کونجاں دیاں ڈاراں رو پئیاں
 سُن سُن کے صفتاں لوکاں توں دیدار کرن نوں آئیاں سن
 کن پاٹے ویکھ کے جوگی دے لھڑ ٹیاریاں رو پئیاں
 اس رنگ رنگیلی دنیا دا کیہہ حال نذیر سناواں میں؟
 کدی روندے لوک بہاراں نوں کدی آپ بہاراں رو پئیاں



اعظم چشتی

اعظم چشتی پاکستان کے مانے ہوئے نعت خواں اور نعت گو تھے۔ پنجابی شاعری کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ انہوں نے نعتیہ کلام کے علاوہ اعلیٰ اخلاقی درس پر مبنی دوہڑے اور سسی کا قصہ بھی لکھا۔ شعری مجموعے ”انیندرے“ اور ”کلیات اعظم“ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

○
میں تے ماہی ویکھن نوں دو وچوں اک گل بات اساڈی
اکو تھال دے اکو گھر دے وچوں اکو گھات اساڈی
اکو رمز تے اکو بولی وچوں اکو جھات اساڈی
اعظم اک خمیر اساڈا پچھوں اکو ذات اساڈی

○
سجناں نال پیار نہ کریئے نہیں تے فیر اظہار نہ کریئے
سجن لکھ گناہی ہووے اوہدے عیب شمار نہ کریئے
سجن بھانویں بن جائے دشمن اوہدے اُتے وار نہ کریئے
اعظم یار دے مرنے مریئے نہیں تے پہلوں پیار نہ کریئے

○
اک ملدے پر دلوں نہ ملدے نت پئے ملاون سینے
وکھریاں ہو کے کرن برائیاں جیہڑے ہوون یار کمینے
بعضے کئی کئی سال نہ ملدے پر اندروں ہون گکینے
اعظم اپنا خون بہاون جتھے یار دے وگن پسینے

○
دس دنیا دی ایس دکانوں کیہڑا ہار شنگار نہیں لہدا
کیہڑا موتی کیہڑا ہیرا جیہڑا ایس بازار نہیں لہدا
کیہڑا پھل تے کیہڑا میوہ جیہڑا اس گلزار نہیں لہدا
اعظم ایہتھے جے نہیں لہدا تے بس چنگا یار نہیں لہدا

جد کوئی معبود نہ دوجا کیوں لالہ فرماویں
 جد توں قائم ذات اپنی وچ ساتھوں کسی دی نفی کراویں
 اوہنوں اپنا عین کیوں سمجھیں جنھوں ہتھیں آپ بناویں
 اعظم ورگے ناہماں نوں کیوں توں وہماں دے وچ پاویں

○

نہ محسوساں نہ معلوماں اتے نہ وچ ناپاں تولاں
 نہ وچ حداں نہ وچ سمتاں نہ اوہ وچ گفتاراں بولاں
 نہ وچ رسماں نہ وچ ریتاں دس کتھے جا کے ٹولاں
 اعظم گنڈھاں دے وچ گنڈھاں دس کپھڑی کپھڑی کھولاں



سلیم احمد سلیم

کافی

مائے نی اسیں پنج کلیانی ڈنگے
 اوہو رنگ ہو یا بد رنگا جیہڑے رنگ اسیں رنگے
 باہواں کھول کھلوتی ہونی لہو ساڈا پئی منگے
 شاخاں تے بھل کھڑ دے جاپن جتے سولی ٹنگے
 تاریاں نال ویاہے کدھرے کنڈیاں دے سنگ منگے
 ظاہرا وانگ امیراں اندروں رجے پُجے ننگے
 راتیں جے فجرے موئے اوہ ساڈے تھیں چنگے
 ”شاہ حسینا سچ کر جاتا تخت نہ ملدے منگے“
 مائے نی اسیں پنج کلیانی ڈنگے



اسلم کولسری

یکم اگست 1946ء میں کولسر ضلع اوکاڑہ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے اردو کر کے پہلے اخبار ”مشرق“ اور پھر اردو سائنس بورڈ سے وابستہ ہو گئے اور لاہور ہی میں پنجابی رسالے ”ترنجن“ کے مدیر بھی رہے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے نمائندہ شاعر ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”پنچھی“ 1996ء میں شائع ہوا۔ اردو میں آپ کا یہ شعر آپ کی پہچان بن چکا ہے۔

شہر میں پڑھنے والے بچے بھول گئے
کس کی ماں نے کتنا زیور بیچا تھا

غزل

دیکھو واج دی لیک وے لوکو کیوں نہیں سُن دے چیک وے لوکو
پھلی تے پھل بن جاوے گی میری گل بریک وے لوکو
آخر یاد آباد نگر دے کدھر گئے وسنیک وے لوکو
مفلس دا سُفنا وی مجرم ٹھیک وے لوکو، ٹھیک وے لوکو
اکھاں دے وچ سوں جاندی اے تھکی ہوئی اڈیک وے لوکو
ٹھر جاوے جے مہک سجن دی اڑے اسلم تیک وے لوکو

○
اسلم نت بنیرے تے

کولے نال بناواں کاں

○

ہو کے بھر دے ہجر ہنیرے

اک لشکارا ہور وے ماہیا



سعد اللہ شاہ

28 اگست 1958ء کو چشتیاں میں حسن نصر اللہ شاہ کے گھر پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی کے سینئر لیکچرر ہیں۔ اردو اور پنجابی کے مقبول شاعر ہیں۔ اردو میں کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پنجابی شعری کلیات ”تیرے نال محبتاں کاہدیاں“ کے نام سے 2010ء میں دوسری مرتبہ شائع ہوا۔

غزلاں دے شعر

بندے نوں جے بندہ ڈسے بندہ جوتی نوں کیہہ دسے
ہن تے میں وی ہس پینا واں جے کوئی میرے اُتے مے

○

اودھی یاد رومال دے وانگ جس وچ اے اوہ لعل دے وانگ
جھولیاں بھریاں اکھاں نے جھکھیا اوہ جد ڈال دے وانگ

○

موسم تیرے آون نال موسم تیرے جاون نال
بندہ کلا رہ جاندا اے بہتے یار بناون نال
صدیاں دُور میں ہويا واں اوہنوں کول بلاون نال
پہلی گل وی نئیں رہندی بہتی گل ودھاون نال

○

پٹھی تاری تریا واں جتی بازی ہریا واں
دُکھ نئیں مرنے دا پر میں بزدل ہتھوں مریاں واں

موسم ہووے جس دا گہنا اوہیو بچھل ٹہنی تے رہنا
خوشبو دے وس نئیں ہوندا واء چلے تے بچھل وچ رہنا



سلطان سکون

23 نومبر 1932ء کو داخلی کوٹھیالہ ایبٹ آباد میں پیدا ہوئے۔ اردو کے منفرد انداز کے شاعر اور ہندکو زبان و ادب کے سرخیل ہیں۔ 1999ء میں ہندکو ضرب الامثال اکٹھی کر کے چھاپیں اور 2002ء میں ہندکو اردو لغت مرتب کی۔ ہندکو میں ”کاری دی گل۔ 1994ء“، ”چنوں چودھویں رات۔ 1996ء“، تارا لوئی والا۔ 2002“ کے نام سے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

ہندکو غزل

میں کیوں رہنا خفا اجل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
مری خفگی دا کیہ اے حل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
اُدھر اوہ چپ چنک رہندے ادھر میں چپ چنک رہنا
دلاں بچ پے گئے کیوں ول نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
کدے رو رو کے ہس پینا کدے ہس ہس کے رو پینا
میں کیوں کجھ ہو گیاں پاگل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
جیڑھا ڈکھ مانھ لگے دے ہر کسے آں دسینں جوگا نینھ
گیاں کیوں لونڑاں نالو گل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
چلو میرا قصور ہوسی کجھ اُس دا بھی ضرور ہوسی
کنجو خفگی دی کسے گل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا
سکون اپنے دلا دا حال اُس آں آپ کیہ دسدا
بگے اتھرو نیں کیوں ڈل ڈل نہ اُس پچھیا نہ میں دسیا



ڈاکٹر سعید اقبال سعدی

22 نومبر 1955ء کو گوجرانوالہ میں چوہدری طفیل محمد خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال میڈیکل کالج سے ایم بی بی ایس کیا۔ آج کل گوجرانوالہ میں سکین سینٹر کے انچارج ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں عمدہ شعر کہتے ہیں۔ آج کل مزاح بھی خوب لکھ رہے ہیں۔ اردو میں ”غزش پا“، ”تہی دامن“، ”ایک شعر کی تلاش میں“، ”گلاب اور طرح کے“، ”کشمکش“ اور ”اگر تم لوٹنا چاہو“ کے نام سے شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں، پنجابی مجموعہ زیر ترتیب ہے۔

مزاحیہ قطعات

رخصت ویلے دھیے بالکل رونا نہیں
بہتا ساڈے پیار نوں دل تے ڈھونا نہیں
ساڈے اٹھ ہزار بیج میک اپ ہو یا اے
دو دن اوتھے جا کے وی منہ دھونا نہیں

○

کار میکنک خان دے سروج عقل ذرا جیہی پولی سی
اپنے تم نوں چکن لئی اوس جگہ وی اُچی ٹولی سی
ڈینٹنگ پینٹنگ ٹیوننگ داکم اوتھے کسراں چلنا سی
خان نے اپنی ورکشاپ ای تھرڈ فلور تے کھولی سی

○

بڈھیاں دی خدمت تے جھک جھک کر لینے آں
لوڑ پوے تے موڈھے چک چک کر لینے آں
ماواں دی خدمت جے کرنی پے جاوے تے
کدی کدی بڈھیاں توں لگ لگ کر لینے آں

غزل

کنے وی کوئی ٹالے غم رہن گے آل دوالے غم
چانن ورگے لوکاں نوں راتاں ورگے کالے غم

کون کسے دے ونڈدا اے ہر کوئی اپنے پالے غم
 میں نہیں ڈردا ایہناں توں میرے دیکھے بھالے غم
 دل نوں کولہ کر دیندا اے اگاں وانگوں بالے غم
 چڑی نوں وی کھا جاندا اے ہڈیاں نوں وی گالے غم
 سعدی میرے بلی نیں نالے ہنجو نالے غم

(نوٹ: ارشاد مہدی نے ایہہ غزل ٹی وی تے وی گائی)



سلیم دلاوری

میں تے ایناں ماڑا نہیں ساں میں تے دکھڑے جر لیندا ساں
 دیوا بال کے یاد کسے دا ہنجو ہوکے بھر لیندا ساں
 ظالم کولوں ڈردا نہیں ساں کیتی گل توں ہر دا نہیں ساں
 رُسے یار منا لیندا ساں ہس ہس دھوکھے کھا لیندا ساں
 پیار پریتاں والے در تے سر نوں نیواں کر لیندا ساں
 کھسے حق تے رو لیندا ساں ہنجو ہار پرو لیندا ساں
 اپنے دکھ سناون دے لئی بانہہ وی سر تے دھر لیندا ساں
 پر اج اینا ماڑا ہویا دل کردا اے پر رو نہیں سکدا
 ایسے داغ لگے نیں سینے دھونا واں پر دھو نہیں سکدا
 بوہے بند کھڑکا نہیں سکدا رُسے یار منا نہیں سکدا
 جتھے پیار سلیم نہ ہووے اوتھے میں کھلو نہیں سکدا



سرفراز علی حسین

ساہیوال کے سرفراز علی حسین نے 1970ء کے بعد ایک نئے لہجے میں پنجابی شاعری شروع کی اور غزل کے میدان میں ایک نیا اضافہ کیا۔ ان کا مجموعہ ”ناد“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

غزل

چاندی دے اوہ گہنے پو لے ہتھیں آپ اتارن لگا
جہدے پنڈے دا میں سونا عشق دی آگ وچ مارن لگا
کانی نوں کیوں تئکے وجن مچھی دی بے موت نہ آوے
وید کوئی دُکھاں دا اوہنوں ماس دی بوئی چارن لگا
جہدیاں واجاں دے پنچھی توں بے دھیانی دے تیر پروئے
کچھائی دے بیلے نمو جھانیں منگوں چارن لگا
کسے دے سینے اُتے دھونس مصلّا ڈاہی رکھیا
وقت کسے دے بوہے آگے اپنے ککھ کھلارن لگا
تیرے جگراتے دے روڑ میں اپنیاں اکھاں وچ رڑکائے
تُتے رہن دا روگ وی مینوں بیلیا تیرے کارن لگا

سجاد مرزا

اصل نام عبدالحمید بیگ۔ 8 فروری 1944ء کو ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد مستقلاً گوجرانوالہ میں مقیم ہو گئے۔ اردو ادب کے استاد کی حیثیت سے مختلف کالجوں میں پڑھاتے رہے۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ پنجابی میں قطعات کا مجموعہ ”سوچاں“ 1966ء میں اردو غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ”اکھراں ہتھ زنجیراں“ 1984ء میں شائع ہوا۔

غزل

وک دی پئی حیاتی ایہتھے مار کے ویکھ لے جھاتی ایہتھے
جنڈری سوہل ملوک جہی سی دُکھاں دے وچ پھاتی ایہتھے
اک دوہے دے دشمن سارے کوئی نہ سنگی ساٹھی ایہتھے
اوہ وی اوہتھے رویا ہوناں سڑدی پئی اے جھاتی ایہتھے
اوہتھوں تے سبھ ننگے آئے کسراں ذات پچھاتی ایہتھے

سائیں اختر

”اللہ میاں تھلے آ“ جیسی معروف نظم کے خالق اور درویش صفت شاعر سائیں اختر پنجابی کے مانے ہوئے طنز شاعر تھے۔ ان کے کلام میں بھرپور سیاسی اور سماجی طنز پائی جاتی ہے۔ مجموعہ کلام ”اللہ میاں تھلے آ“ کے نام سے فیروز سنز لاہور کی طرف سے 1999ء میں شائع ہوا۔ بحیثیت شاعر اردو کلام پڑھنے کے منفرد انداز کے باعث کئی ملکوں میں مدعو کیے گئے۔

اللہ میاں تھلے آ

اللہ میاں تھلے آ اپنی دنیا وہندا جا
یا اسمانوں رزق ورھا یا فر کر جا مک مکا
تینوں دھی ویاہنی پیندی نانکی چھک بنانی پیندی
رُسی بھین منانی پیندی لٹھ جاندے سبھ تیرے چا

اللہ میاں تھلے آ

تیرے گھر نہ دانے ہندے پاٹے لیف پرانے ہندے
کملے لوک سیانے ہندے پا دیندے تینوں گھبرا

اللہ میاں تھلے آ

بھکھ ننگ مینوں جیون نہیں دیندی نجر دی کپڑے سیون نہیں دیندی
ووہٹی مینوں کون نہیں دیندی گھر وچ لگ گئی مارشل لاء

اللہ میاں تھلے آ

چوری دا الزام غریبی روندی پھرے عنایت بی بی
پُت چھڈاون لئی گل خاننا لیندا مر گیا اُبھے ساہ

اللہ میاں تھلے آ

تیرے گھر لئی چندہ منگدے ڈر دے لوک نہ کولوں لنگھدے
ساہنوں گھرتے دے نہیں سکیا اپنا گھر تے آپ بنا

اللہ میاں تھلے آ
جابر مرد زبانی کٹن بدے چلھے اُتے سُنن
نک وڈھن تے گنتاں پٹن مگروں لکھتاں دین پھرا

اللہ میاں تھلے آ
ملاں قاضی ڈھڈوں کھوٹے وڈھی کھا کھا ہو گئے موٹے
سچ آکھاں تے مارن سوٹے مگروں دیندے فتویٰ لا

اللہ میاں تھلے آ
دھی کمی دی سوہنی ہووے ووہٹی جے من موہنی ہووے
اودھے لئی تے ہونی ہووے تگڑے لیندے چک چکا

اللہ میاں تھلے آ
پنڈاں دے پنڈ خالی ہو گئے لکھاں ہتھ سوالی ہو گئے
کاں باغاں دے مالی ہو گئے بلبل لئی نیں پنجرے پا

اللہ میاں تھلے آ
ماڑے گھر دی عزت لئی پرچہ درج نہ ہو گئی چھٹی
اوتوں پلس نے لائی جھٹی ”جس بے جا“ بن گیا لاء

اللہ میاں تھلے آ
کیوں کیتے نی ماڑے پیدا کیہ سی تینوں ایہدا فیدا
نہ کوئی کلیہ نہ کوئی قیدا تگڑے لیندے لٹ لٹا

اللہ میاں تھلے آ
○

کار
گورے پیراں ہیٹھ بریکاں کار دیاں گکھن چار چو فیرے نظراں یار دیاں
اودھا ویکھ سوہن روک اشارے تے رنگ برنگیاں بتیاں اکھاں مار دیاں

دھون زنجیری چمکے لاکٹ سینے تے نازک لمیاں انگلاں وال سنوار دیاں
 جھٹکے نال ہٹا کے لٹ نوں مکھڑے توں رکدا پڑھدا سرخیاں نال اخبار دیاں
 شیشے کھولے اڈا ڈنگن عاشق نوں زلفاں ناگن خاص خزانے بار دیاں
 تے غصے نال سپیڈومیٹر نوں نبضوں ڈبن تیز ہوون رفتار دیاں



لیاقت گڈ گور

(1958ء)

لیاقت علی اظہر۔ لیاقت گڈ گور کے قلمی نام سے معروف ہیں۔ 9 فروری 1958ء کو چوہدری
 رحمت خان گڈ گور کے گھر پیدا ہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے پنجابی میں ایم اے کیا۔ پنجابی غزلوں پر مشتمل
 دو مجموعے ”سدھراں“ اور ”سفنے“ کے نام سے چھپ چکے ہیں۔

ایہہ وی ویلا آیا آخر چھڈ گیا مینوں سایہ آخر

اوہ دوپل ہی بہندائے میرے کول آ کے میں دوپل زمانے دا سلطان ہوناں

اوہدی چال، قیامت، توبہ حسن جمال، قیامت، توبہ
 گت پئی شو کے سپنی وانگوں کھلے وال قیامت توبہ
 گلھاں نیں یا سیب بولانی رتے لال قیامت، توبہ



زاہد نواز

16 مارچ 1946ء کو ہوشیار پور (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد لاہور آگئے اور طویل عرصہ تک میں ملازمت کی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چنیوٹ / جھنگ میں مقیم ہیں۔ پنجابی میں منفرد انداز کی شاعری کرتے ہیں۔ ”پارے گنھی مٹی“ کے نام سے شعری مجموعہ 2006ء میں شائع ہوا۔

غزل

ویلے نل ہر موڑتے اسراں اڑدا رہندا ہاں
پنجرہ توڑ کے نکلن لئی میں لڑدا رہندا ہاں
میرے اندروں مار اڈاری، ڈاراں اڈ گئیاں
ہُن خواہاں وچ اڈے پنچھی پھڑدا رہندا ہاں
مڑ مڑ اگناں، پھٹناں، آیناں چنگا لگدا اے
آپ ہنیری سدناں، آپے جھڑدا رہندا ہاں
دنیا نے دکھاں دا دوزخ میری جھولی پایا
میں برفاں تے بیٹھا وی ہن سڑدا رہندا ہاں
جیون دی بے آسی تے مر کے وی مکدی نہیں
اپنی قبرے آپ سپارے پڑھدا رہندا ہاں
اپنا ننگا سر کجدا، دُدھ آپ ملائیاں نال
میں وصفال لئی، اپنی اگ تے کڑھدا رہندا ہاں
○
کیہڑا بھل کھڑان لئی اینے جتن کرے
گملیاں تے خشبو چھڑکا کے بہہ گئے آں



ڈاکٹر ریاض مجید

12 اکتوبر 1942ء کو جالندھر بھارت میں پیدا ہوئے۔ ہجرت کے بعد مستقلاً فیصل آباد میں مقیم ہیں۔ اردو کے پروفیسر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے نمایاں ترین شاعر اور محقق ہیں۔ اردو میں کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ جن میں ”ڈوبتے بدن کا ہاتھ“، ”انتساب“، ”خاک“ وغیرہ شامل ہیں۔ نعتیں بھی بہت عمدہ لکھیں۔ پنجابی میں بھی ”توے دے تارے“ کے نام سے مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ کئی کتابوں پر اعلیٰ سطحی حکومتی ایوارڈ بھی ملے۔ اردو میں آپ کا یہ شعر مقبول عام شعروں میں شامل ہے:

وقت خوش خوش کاٹنے کا مشورہ دیتے ہوئے
رو پڑا وہ خود بھی مجھ کو حوصلہ دیتے ہوئے

غزل

ات چھی سی ریجھ نماریاں نے اکھ راہ فرار دے بھال دی سی
اوہدے عشق دا اودوں ظہور ہو یا جدوں عمر تے گھڑی زوال دی سی
جیہڑے بھیت گھڑ کدے سی روح اندر اوہدی بے پرواہی نہ کدی لبھے
جیہڑا بھل کے وی اوس نہ پچھیا دل نوں تا نگھ وی اوسے سوال دی سی
روحاں اکو خیال وچ ونھیاں سن بھانویں بُتِ قطبین دی وتھ تے سن
انج جا پدا اے روز ازل توں اوہ میرے ہان دی سی میرے نال دی سی
کدی ڈولی نہ دے دے افق اتوں قطبی تارے دی لاٹ سی حُب اوہدی
جیہڑی سوچیں کھلاردی رہی چانن جیہڑی سفنیاں وچ دیوے بال دی سی
دور دور نہ جیس دے وصل ہووے لاگے شاگے نہ جیس دے ہجر ہووے
تریہہ روح نوں اوس جدائی دی سی بھکھ جسم نوں اوس وصال دی سی
اوہدی تتری بتری چھاں نے تے ہسٹر دل دا ہور ودھا دتا
ساڈی روہی تے آکے ورھی جیہڑی بدلی وچھڑی ہوئی کسے کال دی سی
کھچ روح نوں اوس دے عشق اندر کیہ دساں ریاض دؤلڑی سی
نگا سر وی اوس دا کج دی سی ڈھٹھی پگ وی اپنی سنبھال دی سی

اودوں تے ہن

اوہ وی دن سن،

ہفتیاں تیکر

چاء دا اوہ مگ وی نہ دھوتا

جیہدے لبیاں دے اک کھونجے تے

اوس کڑی دی لپ اسٹک دا ہلکا جہیا نشان

مرے دفتر چاء پیندیاں ہویاں لگ گیا سی

ایہہ وی دن نیں

بدوبدی ہر فجرے اٹھ کے

کھرچ کھرچ کے

اپنے دل توں اوہدی یاد دی اک اک لیک مٹاؤندے پئے آں

توے دے تارے

جنجاں چڑھیاں اگ وچکارے

بخت اُلیکن اصلوں ہارے

درد رنجھانے کالک مارے

بلدیاں اگاں جنھاں اُسارے

لُوسے پلے دے وچ سارے

اکھریں کیلین درد پسارے

دُھوں وچ لشکن قلم دے کارے

ہونی ہر سو وال کھلارے

ازلوں پینے دھروں وچارے

کال سمے دی تلی تے پارے

صدق محلے نُون منارے

بننھاں چاہون ریجھ کھلارے

ایہہ فنکار توے تے تارے



رانی ملک

اصلی نام نسیم اختر۔ پیدائش 10 مارچ 1949ء کو وزیر آباد میں ہوئی۔ برطانیہ میں مقیم معروف کہانی کار امین ملک کی بیگم ہیں۔ برطانیہ میں ہی مستقلاً مقیم ہیں۔ پنجابی شاعری کی کتاب ”دسوکنھوں دساں“ 2003ء میں چھپی۔

کھلار

نہ عزت ملدی منگیاں نہ خوشیاں ملن اُدھار
نہ دولت بانڈی کسے دی نہ روپ کسے دا یار
توں بال کے سیکیں آپنی توں آپنے ورتیں پیر
نہ جنجاں ویکھیں منگ کے نہ پگڑی لئیں اُتار
نہ تقوے تکیے بدلے نہ ہمت دیئے ہار
جو پیر دھرے دو بیڑیاں اوہ کدے نہ لنگھے پار
نہ مان جوانی حسن تے نہ دولت تے اعتبار
اوہ یار کسے دا یار نہیں جہدے یار نہیں بہتے یار
ایہہ تتر کھنسی بدلی تے رن ملائیاں کھار
اوہ دسے تے اوہ اُدھلے نہیں خالی جاندا وار
نہ اُدھل گنیاں مڑدیاں تے کونج نہ چھڈے ڈار
ایہہ ہتھوں گئے تے غیر نہیں ایہہ گھوڑا رن تلوار
نہ مار کے موڈھے چلیے نہ کرے کدی حقار
جے رب یاد نہیں آونداتے ہو کے ویکھ بیمار
ایہہ متاں رکھیں سانجھ کے ایہہ مت نہ دسے وسار
نہ پیار کریں ونجاریاں نہ نگڑے نال بیوپار



حکیم راغب مراد آبادی

27 مارچ 1918ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر کراچی میں گزاری۔ اردو کے مانے ہوئے ماہر عروض اور بدیہہ گو شاعر تھے۔ اردو اور فارسی میں 18 سے زیادہ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ پنجابی میں ان کی کتاب ”تاریاں دی لو“ 1992ء میں چھپی جس میں نظموں غزلوں کے علاوہ رباعیاں اور ثلاثیاں بھی موجود ہیں۔

رباعی

کیوں ویکھ کے ساہنوں کوئی کھڑ کھڑ ہستے
رُسیا ہو یا یار میرے دل وچ وستے
کوشش وی کروتے گنڈھ پے جاندی اے
ٹٹے ہوئے ویکھے کدی جُڑ دے رستے

غزل

میرے دل دا حال اوہ اتھرو کہہ جاندا اے کدی کدی
جیہڑا میریاں پلکاں اُتے رہ جاندا اے کدی کدی
پھل دی ٹہنی مارن توں وی جیہڑا تڑفن لگدا اے
وار اوہ وی نظراں دا تیری سہہ جاندا اے کدی کدی
ویکھ کے جیہدا اک لشکارا دُنیا اکھاں ملدی اے
شہرت دا اوہ چڑھدا سورج لہہ جاندا اے کدی کدی

ثلاثی

تقدیر رواندی رہندی اے
الزام نہ دے تقدیر نوں توں
تدبیر نوں پچھ کیہہ کہندی اے

دلپذیر شاد

پیدائش 10 جنوری 1941ء کو کلر سیداں میں ہوئی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول کلر سیداں سے بطور ٹیچر ریٹائر ہوئے۔ ساری عمر پوٹھوہاری زبان و ادب کی خدمت میں گزاری۔ پوٹھوہاری کے نمائندہ شاعر کے طور پر 22 سے زائد ادبی انعامات حاصل کیے۔ 14 کتابوں کے مصنف ہیں۔

چوہنڈیاں

عجز نی نکئی داڑھی آپر لمی مجھ مغروری نی
ایہ بہروپ نشانی علماں عقلاں توں معذوری نی
موہنڈھے آلی چادر پیراں وچ دھرکین ہونی اے
ایسے جیہی ثقافت منڈھ بد امنی آلی چھونی اے
سڑکاں اُتے پلس ٹریفک، زمیاں تے پٹواری اے
جیہڑا اٹھاں نے ڈھا چٹھیا قسمت اُسنی ہاری اے
کوئی مرے جے آخن ماریا اللہ نی تقدیرے نے
بچ جاوے تے کہن بچایا ٹاہلی آلی پیرے نے
دن تے دن راتیں وی جیہڑے ساویاں عینکاں چاھڑنے نی
سمجھو اناں کی چوری چوری شیشیاں وچوں تاڑنے نی
اوہ وی اس صدی نے پکے مسلمان آخوانے نی
جو پنجرے نے قیدی طوطیاں کولوں فال کڈھانے نی
اک محلہ اٹھ مسیتاں جے رہی فرقہ بندی اے
اتھے جینے جی آں موئے اگے دسنی دندی اے
کتنی وار دلے کی کہیا ہر جا سچ نہ بولیا کر
رگڑیا جاسیں شاد گرے توں اپنے آپ کی تولیا کر



خاقان حیدر غازی

28 دسمبر 1965ء کو احمد پور شرقیہ میں پیدا ہوئے۔ ”بندگلی وچ شام“ کے نام سے شعری مجموعہ

شائع ہو چکا ہے۔

دکھانت

خورے کنے ادھ جمے ادھ موئے
اکھراں بن تقصیراں
غم دے بھار نیں ڈھوئے
میرے وچوں نکلن لگے اندر ڈگ ڈگ موئے
کنے ای مصرعے کنیاں نظماں ساہ تھیں پہلاں مونیان
کئی نظماں دی چتا جلاواں کئی نظماں نوں پوراں
کئی نظماں دی لاش تے نچاں کئی نظماں نوں گھوراں
کئی نظماں نوں جمہریاں کھاہدا اندر ڈھکے سوراں
کئی نظماں دیاں ارتھیاں لے کے گنگا جل وچ روڑھاں
مڑ میں سوچاں آخر مینوں ایڈیاں کاہدیاں تھوڑاں
میں جیہڑا ساں اڈی تھلے تخت لکا کے بہندا
اپنے غم دی شاہی اندر شاہاں وانگن رہندا
پر ہن مینوں انج وی جاپے جیوں اک ٹٹا تارا
لبھدا پھرے سہارا دے کے ایہہ لکارا
میں کبی دا اڈی مارو میں رانجھن سپیار
میں دے نوں تھاپی دے کھلاریاں پباں بھار
میں سقراط دا زہر پیالہ میں نانک دا سنکھ
میں گوتم دے محل نہ منے لا کے سوچ دے پنکھ

میں سادھوتے ناتھ سداواں آپ سداواں سنت
 میرے کارن دھرتی نسری میں جیون دا انت
 میں ارجن دا تیر نشانا میں سیتا بن باس
 مینوں اپنی میں دے اندر میں نہ آیا راس
 میں سرمد دے وڈھے سر وچ اک موئی جیہی آس
 میں منصور دی سولی ویلے نکلیا وچلا ہوکا
 میں ہاں لہو وچ رنگیا ہويا اک ماضی دا موقع
 میں گانا نہ مہندی لایا چادر پانی وانگ
 کئی صدیاں میرے اندر آکے لاهندیاں میرے سانگ
 میں رسماں دے ہتھ وچ انج ہاں جیوں شادی دا گون
 جیوں سولی تے ٹنگی ہوئی میں آں بھگت دی دھون
 میں مویا کہ نظماں مویاں لوکی کنھوں رون
 جیون دکھ دا گون



گلگریز شوکت

19 اگست 1959ء کو شوکت علی کے گھر پیدا ہوئے۔ پنجابی اور اُردو میں طبع آزمائی کرتے ہیں۔ اپنے شعروں میں سماجی رویوں کے نشیب و فراز کو ایک منجھے ہوئے فنکار کی طرح بیان کرتے ہیں۔ شعری مجموعہ ”بلدے بجھدے دیوے“ چھپ چکا ہے۔

تیر غماں دے سینیاں اتے ہس ہس کے جو جردے نیں
اوہو اک دن اپنی جھولی خوشیاں دے نال بھر دے نیں
جیہڑے بدلدیاں رتاں نال پیار بدل دے رہندے نیں
اوہ دھوبی دے کتے وانگولوں رہندے گھاٹ نہ گھر دے نیں
رب ای جانے کدّاں دی ایہہ آئی بہار اے گلشن وچ
پنچھی گم سم بیٹھے نیں بس کاں پئے کاں کر دے نیں
ہن تک میری آس دی کھیتی انجے ای سکم سکی اے
خورے کیہڑی دھرتی تے ایہہ بدل جا کے ورھدے نیں
حیلیاں نال تے عشق دی بازی کدے وی جتی جاندی نہیں
ہوئے جے من وچ یار دی گل تے کچے گھڑے وی تردے نیں

○

کردے جاؤ تسی سلاماں ایہتھے چڑھدے سورج نُوں
کوئی اس تُوں ودھ منافعے والا کاروبار نئیں
غرضاًں دا جو بندا نئیں تے مطلب دا جو یار نئیں
اوہ نئیں باسی اس دنیا دا نالے عزت دار نئیں

ڈاکٹر اظہر محمود چودھری

ڈاکٹر اظہر محمود گجرات کے گاؤں ٹھیکریاں والا میں پیدا ہوئے۔ ایم بی بی ایس علامہ اقبال میڈیکل کالج لاہور سے کیا۔ امراض جلد میں تھائی لینڈ اور جاپان سے ڈپلومہ کرنے کے علاوہ ایم۔ سی۔ پی۔ ایس کالج آف فزیشنز اینڈ سرجنری سے بھی ڈگری لی۔ ماں بولی پنجابی کے سچے اور سُچے سیوک ہیں۔ ”سُر“ کی دولت انھیں ورثے میں ملی۔ ان کے والد چودھری حاکم علی، میاں محمد بخش سے حد درجہ عقیدت رکھتے تھے اور ہر اسلامی مہینے کی پہلی جمعرات کو کھڑی شریف میں اُن کے مزار پر حاضری دیتے تھے۔ ان کا سیف الملوک پڑھنے کا اپنا منفرد انداز تھا۔ ”سیف الملوک“ اور ”ہیر“ کی گائیکی میں ڈاکٹر اظہر محمود بھی سند کا درجہ رکھتے ہیں۔ انھوں نے ہیر اور سیف الملوک کے علاوہ بابا فرید، شاہ حسین، موہن سنگھ، سرجیت پاتر، شیوکار بٹالوی، جوگی جہلمی، سائیں اختر اور کرنل الیاس کے گیتوں کو کمپوز کر کے اپنی میٹھی اور سریلی آواز میں سی۔ ڈی کے ذریعے ریلیز بھی کیا۔ ”اپنا“ کی ویب سائٹ پر ڈاکٹر اظہر محمود کو دنیا کے کسی بھی کونے میں بیٹھ کر سنا جاسکتا ہے۔ انھوں نے سیف الملوک کو مختلف راگوں میں کمپوز کر کے گایا ہے۔

ان تمام خوبیوں کے علاوہ ڈاکٹر اظہر محمود پنجابی زبان کے پختہ شاعر بھی ہیں۔ ان کی غزلیں پنجابی زبان کے فروغ میں خوبصورت اضافہ ہیں۔ غزلوں کے علاوہ انھوں نے پنجابی شاعری کی کلاسیکی صنف ”وار“ کو نئے سرے سے زندہ کیا ہے۔ ”پروفیسر فضل حسین دی وار“ لکھ کر نہ صرف ان سے اپنے گہرے اور جذباتی پیار کا اظہار کیا ہے بلکہ اس ختم ہو رہی صنف کو ایک دفعہ پھر زندہ کیا۔ ایک نظم ملاحظہ ہو:

○

دِلاں وچِ وِس پپیں گھنڈیاں کدورتاں

مستھیاں دے اُتے لوکاں ٹنگیاں ضرورتاں

رل مل بہن دیاں

گھٹ گنیاں صورتاں

بندے کو لوں چنگیاں نیں مٹی دیاں مورتاں

لوکی اج طبقے برادری تے فرقے دے

اپنے ای ڈولے ہوئے خول وچ لکی جانڈے

دیدیاں چوں سانجھ تے پیار والا
پانی پیا کئی جاندا اے
بہشتاں دے لوبھ وچ غازی میرے دیس دا
نمازی وی پھنڈ کی جاندا اے
رُکھ سُکھ چین دی گھنیری ٹھنڈ چھاں والا
دنوں دن سُکی جاندا اے
ایہہ رولے ویکھ کے تے کنبناں واں سوچناں واں
خورے اے اکھیاں نے ہو رکیہہ کیہہ تگنا ایں
کنیاں بے وس ہیراں موہراں اے پھکنا ایں
بھیڑ دیاں طاقتاں نوں کیہڑی بانہہ نے ڈکنا ایں
آس دیاں فصلاں نے کیہڑی رُتے پکنا ایں
رب کرے حد تائیں بچنے توں پہلاں پہلاں
دلاں دے نکھیرے والے پینڈے چھیتی تک جان
بے اتفاقیں تے بھنڈیاں خرابیاں دے
کھو بے شالا سُک جان



خادم چشتی

بیری دی چھاں

چنگی چو کھی واہی کیتی لک بنھ خوب کمائی کیتی
کنکاں چھولے منڈی سٹے دانے ویتج کے پیسے وٹے
پنڈوں پیسے شہر اڑائے صابن تیل تے لون لیائے
نکے شہر دے نکے تاجر پیسے وڈے شہر نوں گھلے
وڈے شہر چوں نکے شہر نوں ٹافیاں، بسکٹ، فیڈر چلے
وڈے شہر چوں ٹر کے پیسے گئے جاپان تے کوریا وٹے
اوہناں او تھوں پیچ پلاساں سنھیاں، آریاں، قبضے گھلے
سنگار پور چوں ویڈیو آ گئے لندنوں آ گئے لتھے لیڑے
امریکوں، امریکن سنڈی گولے، بمب، برودتے کیڑے
شہراں والیاں پنڈاں نوں مڑ رنگ برنگے دارو گھلے
کنک گئی مڑ شہراں ولے دارو رہ گئے ساڈے پلے
وتچے بڑے نیں نرمے مونجی اے جے وی ساڈے گھر دی پونجی
اک بلدے تے اک گھڑاپ اے اوہیو کھنگ تے اوہیو تاپ اے
کل منافع محنت دا بس خادم مرلہ تھان بجھدی اے
اک کٹورا لسی دا تے اک بیری دی چھاں بجھدی اے



حنیف ساقی

محمد حنیف ساقی 4 نومبر 1954ء کو حافظ آباد میں قمر الزمان کے گھر پیدا ہوئے۔ وثیقہ نویسی و اشعار فروشی کا کام کرتے ہیں۔ پنجابی کے بہت عمدہ شاعر ہیں۔ نظموں میں بطور خاص ارد گرد کے ماحول کی درد مندانہ عکاسی پائی جاتی ہیں۔ ”سوچ دی سولی“ کے نام سے پنجابی شعری مجموعہ 2009ء میں شائع ہوا۔

دُکھی برکتے

کپڑا میں ویچنی آں باڑیوں لیا کے
گھراں وچ جا کے تے سونہواں چا چا کے
عزتاں بچان لئی قرآن چانے پیندے نیں
باڑے توں پنجاب تائیں کئی تھانے پیندے نیں
راہ وچ تھاول تھائیں وڈھی دینی پیندی اے
ماس خورے مونہاں وچ بڈی دینی پیندی اے
ہر کوئی ویکھدا اے اکھاں پاڑ پاڑ کے
سوچنی آں مر جاواں دھی سرے چاڑھ کے
سائیں میرے سر دا تے انج دا نشئی اے
اوپدیاں فٹیکاں وچ دھی رُل گئی اے
نہ موت اوندی اے تے نہ نشہ چھڈدا اے
دھی جہڑا ویکھن آوے گالھاں اوہنوں کڈھدا اے
توہیوں مولا کٹنی ایں پئی جہڑی پیہہ اے
بندا بندا آکھدا اے پوڈری دی دھی اے
نشے دے وپاریاں نوں بندا بندا جان دائے
ایڈی وڈی گل نہیں قنون وی سنجھان دائے
پوڈری دی یاری تے جہان پڑی ہندی اے

اک ویلے پڑی دا وی مل گڑی ہندی اے
 گڑی دا تے پڑی دا جو فرق نہیں پچھان دا
 کسے وی قنون نوں اوہ ککھ نہیں جے جان دا
 چوچا دتا صدقے بچ معجزہ پڑھایا اے
 گڈو دا پیو دھی تھال وپیج آیا اے
 کالا شاہ چوچا پورے ستران دا آیا سی
 جا کے جہدے لہو دا تویت کروایا سی
 اسان نذرانیاں تے گھر لا چھڈیائے
 لیکھاں سانوں ویکھو کہڑے پینڈے پا چھڈیائے
 گھٹیا اے سوا سو دوپٹیاں دے تھان چوں
 اگے نیڑے لگدا نہیں کوئی خاندان چوں
 رب اگے پانی آں میں اکو ہاڑا سو دا
 تیرے باجھوں آسرا سی گڈو دے پیو دا
 فرضوں ادا ہوندى جج کر لیندی میں
 فیر بھوویں سو واری دُکھ جر لیندی میں
 ربا ہن توہیوں کوئی معجزہ وکھا دے
 سانوں گنہگاراں نوں وی سدھے راہے پا دے
 جج دی پالیسی والا ڈھائی لکھ لیندا اے
 آقا کول جان دا وی جگا دینا پیندا اے



چنچل سنگھ بابک

چنچل سنگھ، بشن سنگھ کے ہاں موضع بابک ضلع ہوشیار پور میں 15 جولائی 1923ء کو پیدا ہوئے۔ کیونسٹ پارٹی کے کل وقتی کارکن رہے۔ 29 اکتوبر 1953ء کو انگلینڈ چلے گئے۔ آج کل نوٹنگھم میں مقیم ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”آزای دیاں برکتاں“ 2002ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ پنجابی کلام میں تیکھاپن اور طنز کا عنصر نمایاں ہے۔

اجمیری بابا

کیہ غم تینوں کھائی جاندا چہرہ جے کملائی جاندا
دن بدن توں سکدا جاویں اندرے اندر نکدا جاویں
کیہڑی گل دا جھورا تینوں کیوں لگا ہے کھورا تینوں
جے کوئی پریشانی ہووے کسے گلوں حیرانی ہووے
بھکھ تے ننگ بھاری ہووے کم نہ ملے بے کاری ہووے
عشق دے وچ ناکامی ہووے لوکاں وچ بدنامی ہووے
ایویں ڈھا نہ ڈھیری بابا جا کے مل اجمیری بابا
منڈا تیرا وگڑیا جائے رات دنے اوہ گھر نہ آئے
نیشا تے اوہ مردا ہووے کُتے کھسی کردا ہووے
نظر کسے دی لگی ہووے الٹی گنگا وگی ہووے
گھر دے وچ نہ برکت ہووے وچ سریر نہ حرکت ہووے
دھی سوہرے نہ وسدی ہووے نونہ نہ گھر وچ رسدی ہووے
شادی کر اولاد نہ ہووے من دا کوئی فریاد نہ ہووے
لگ جاوے کوئی ویل اوّلا لہنے دار نہ چھڈے پلا
بھوت پریت دا سایہ ہووے جادو کسے چلایا ہووے
گل سن لے توں میری بابا جا کے مل اجمیری بابا

پنڈت جی مہاراج دے مارے چٹکی چٹکی کم سوارے
 ساڈے وی تاں آ کے دیکھو سانوں وی ازما کے دیکھو
 عامل اپنے فن وچ کامل اوہ وی آکھے مینوں عامل
 نور کھلارے ہے نورانی سید کاظم تے گیلانی
 ہر کھونجے ہر موڑ تے بیٹھے وگڑی کلا سوارن والے
 ہر فن مولا گنی گیانی غریب نواز دیاو دانی
 گجھے روگ پچھانن والے سبھ دے دل دیاں جانن والے
 سبھ نوں ایہہ ونگار رہے نیں جنتر منتر مار رہے نیں
 پونڈاں دی لا ڈھیری بابا فیر ملو اجمیری بابا
 دولت پچھے توں وی پاگل دنیا بڑی لٹیری بابا



چاچا جگ

پندنامہ

تیرے ہون گے لکھاں جہان اندر پہلے آپ کسے دا ہو کے دیکھ
 انھا کسے انجان نوں کرن والے پہلے آپنی اکھ چھو کے دیکھ
 آپے ہسن دے ہوسن نصیب موقع پہلے کسے دے غم وچ رو کے دیکھ
 پھر کسے دی ہستی نصیب ہوسی پہلے آپنے آپ نوں کھو کے دیکھ

انسان

مسجد دے سائے بیٹھاں خونخوار ہن پوشیدہ شرفا دے بھیس اندر بدکار ہن پوشیدہ
 سادہ لباس اندر مکار ہن پوشیدہ اس مفلسی دے اندر فنکار ہن پوشیدہ
 رشوت عجیب رانی لکھاں دی نازنین اے پاگل نہ بن تماشہ خلقت تماشین اے

حزب قادری

حزب قادری فیصل آباد کے رہنے والے انتہائی شریف النفس، منکسر المزاج اور درویش صفت شاعر تھے۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے تھے۔ شدید ترقی پسند سوچ کے حامل تھے۔ تمام عمر عسرت میں بسر کی۔ آپ کی شخصیت پر گورنمنٹ کالج فیصل آباد سے ایم اے کی سطح پر مقالہ بھی لکھا گیا۔

نظم

اک دن بھرے بازار دے اندر دیکھیاں دو تصویراں
مکھڑے لانبو، زلفاں ناگن، کپڑے لیراں لیراں
سردے گرمے دی اک ریڑھی ول اوہ بٹ بٹ تکن
سوچن بھکھے ننگے رہناں ساڈیاں نیں تقدیراں
سردے گرمے کھاوان والے ہسن پڑھ نہ سکن
ڈونگھے درداں دے وچ ڈُپیاں ہوئیاں دو تحریراں
اک دن بھرے بازار دے اندر دیکھیاں دو تصویراں
چن سورج لشکارے مارن جگ مگ چمکن تارے
اک ہٹی دے اندر وڑیاں وقت دیاں دو ہیراں
ریشم محفل تے اطلس دے تھان خریدے پیارے
ہسڈیاں ہسڈیاں کار پچ بیٹھیاں دولتمند سفیراں
مظلوماں تے ہسن والے تکدے رہ گئے سارے
مر مر دے محلاں وچ کد تک چمکن گے چن تارے
دھرتی تے کد تک برسن گے ظلم بھرے انگیارے



جلیل عالی

12 مئی 1945ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ پاکستان آکر راولپنڈی کو مستقل ٹھکانہ بنایا۔ سرسید کالج سے بطور پروفیسر ریٹائر ہوئے۔ اردو کے صاحب طرز و صاحب اسلوب شاعر ہیں۔ پنجابی میں بھی عمدہ کلام کہا۔

غزل

آپ گھٹاواں قلم دیاں توقیراں کاہنوں
ہتھیں پاواں لوڑ دیاں زنجیراں کاہنوں

ویلے نے مڑ کدے جنہاں نوں نہیں پرتاؤناں
اکھیاں وچ وسائیاں اوہ تصویراں کاہنوں

اپنے گھر دیاں کچیاں کندھاں شرماں رکھن
بوہے بوہے پھرے وانگ فقیراں کاہنوں



جعفر شیرازی

غزل

جگ نوں چھڈ کے پلو تیرا پھڑیا مینوں ویکھ تے سہی
میں تیرے دل ویکھ رہی آں اڑیا مینوں ویکھ تے سہی
ایہہ گل وکھری اک دُوبے نوں ویکھاں یا نہ ویکھاں گے
شوہ دریا وچ ترن توں پہلاں گھڑیا مینوں ویکھ تے سہی
اندرو اندریں کھاوَن مینوں سجاں تیرے ایہہ ورتارے
ایویں پھرنا ایں اڑیا لڑیا لڑیا مینوں ویکھ تے سہی
توں تے اج تک پیبا بھانبر اگ دے بلدے ویکھے نیں
تیرے غم وچ تن من میرا سڑیا مینوں ویکھ تے سہی
تیرے پچھے سنجیاں دسن راہواں کتھے جاواں میں
کیہہ دساں میں کیہہ کجھ میرا کھڑیا مینوں ویکھ تے سہی
جعفر مینوں پیراں تھلے لوکی مڈھ دے جانڈے نیں
میں اک سُکا پتا بیر توں جھڑیا مینوں ویکھ تے سہی



ڈاکٹر بدر منیر الدین

یکم ستمبر 1964ء کو وادی سون ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔ اردو میں پی ایچ ڈی کی۔ آج کل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج جوہر آباد میں اسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ اردو اور پنجابی میں سنجیدہ کے علاوہ مزاحیہ شاعری بھی کرتے ہیں۔ ”مجھے پلکیں جھپکنے دو“ کے نام سے اردو غزلوں اور ”انار دانے“ کے نام سے ظریفانہ کلام کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پنجابی مجموعہ ”روح دی روہی“ زیر اشاعت ہے۔

دو منظر

انار کلی بازار دے وچ
پورے ہار سنگھار دے وچ
کڑیاں ٹردیاں آنڈیاں نیں

آون جاون والیاں دے دل وچ ہردیاں جانڈیاں نیں
دیکھو سانوں رج رج کے خورے ایہو چاہنڈیاں نیں
پچھے اوہناں دی بڈھی ماں ٹوپی والے برقعے وچ
ٹردی کمبڈی آنڈی اے غیر نہ کوئی کھے جاوے
آپنا آپ بچانڈی اے
دو منظر اک منظر وچ
دیکھ کے دل نوں پینڈی کھچ

نچوڑ

ریڑھیاں اُتے آلو چھولے کھان تُولے کے۔ رنگ برنگے ہو ٹلاں دے وی چکھے ذائقے
گھر والی دے ہتھوں دی وی پکی کھاہدی۔ پر میں کراں بیان حقیقت سدھی سادی
آپنی پیاری اتاں دے ہتھوں دا پکیا۔ کسے وی صورت دے وچ مینوں بھل نہیں سکیا



بابا محمد طفیل اختر

غزل

بڑیاں تنیاں دُھپاں دے ساڑ جھلے، ہن تے سرد ہواواں چوں سیک اوندہ
جہڑے ساہواں دے نال سی ساہ لیندے، اوہناں بھیناں بھراواں چوں سیک اوندہ

اللہ کر کے تے فیر اوہ وقت آوے، فیر مانیے موج بہار اوہو
ہن تے جہڑے وی رُکھاں دے ہیٹھ جلیے، اوہناں رُکھاں تے چھاواں چوں سیک اوندہ

جتھے امن کمیٹیاں بہندیاں سی، جتھے ویہندے ساں اسیں اتفاق ہوندے
ہن تے اوتھے وی ظلم نے ات چُکی، اج تے اوہناں وی تھاواں چوں سیک اوندہ

کھادے گھن دے کھوکھلے جٹیاں نے، کدوں تیک کھلوتیاں ہے رہنا
مونہہ زور مہنگائی نے ڈھاہ لیا اے، ہن تے آپنے ساہواں چوں سیک اوندہ

رشتے دار جو ملدے سی نال چاواں، جہناں دے اون دی رہندی اڈیک ہے سی
ویکھو اوہناں وی اکھیاں بدل لئیاں، ہن تے اوہناں دیاں راہواں چوں سیک اوندہ

بیاباناں چوں اگے سی خوف اوندہ، خطرناک ہے سی رستے جنگلاں دے
اج تے گھراں دے وچ نیں قتل ہوندے، ہُن تے شہراں گراواں چوں سیک اوندہ

جہناں نال باہواں اختر پا جیچی، سینے آپنے نوں اسیں ٹھار دے ساں
اج تے نفرتاں بھر گئیاں دلاں اندر، ہن تے اوہناں وی باہواں چوں سیک اوندہ



بابا خوشی محمد نثار

21 جون 1942ء کو کپور تھلہ میں امام دین کے گھر پیدا ہوئے۔ 1947ء میں ہجرت کر کے ساہیوال آگئے۔ قوم آرائیں قصبہ نور شاہ ضلع ساہیوال۔ پنجابی کے ایک سینئر اور مقبول شاعر ہیں۔ بلا کا حافظہ پایا ہے۔ مشاعروں میں کلام پڑھ کر سماں باندھ دیتے ہیں، ذاتی کاروبار کرتے ہیں سیاسی اور عصری مسائل پر بھرپور شاعرانہ طنز کے باعث قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں مگر مشاعروں اور جلسوں میں حق اور صداقت کی بات کو اپنے خاص شاعرانہ اسلوب میں بیان کرنے سے کبھی باز نہ آئے۔ سادہ طبع اور درویش منش انسان ہیں۔ پنجابی میں دو شعری مجموعے ”حوصلیاں دا پنڈھ“، ”میں تارو دریاواں دا“ بالترتیب 1999ء اور 2005ء میں ساہیوال سے شائع ہوئے۔

○

اندر جنگ ہوئی قتل عام ہو یا باہر ذرہ جنا پیا شور وی نہیں
مالک گھر دے گھر نوں سنھ ماری کوئی دور دراڑے دا چور وی نہیں
آپ اپنا رہیا نقصان کردا عقل ایس نوں ذری تے بھور وی نہیں
پھڑیا گیا نثار تے پتا لگا اپنا من پاپی کوئی ہور وی نہیں

○

وٹجھ ہمتاں دے، بیڑی حوصلے دی اسیں دکھ دریاواں وچ تار دتی
گل مال اسباب، گھر بار سارا ہر شے اٹھ انا توں وار دتی
کاسہ لے کے کسے کول گئے وی نہیں، کدے نہیں ضمیر نوں مار دتی
اسیں صبر دے آہلنے وچ بہہ کے ساری عمر نثار گزار دتی

○

جدوں روحاں دے کوہڑ گوا دیوے فیر کسے لقمان دا پتہ لگدا
کردا رہوے پڑچول جو کیتیاں دی اوہنوں نفعے نقصان دا پتہ لگدا
سکھاں وچ تے ہر کوئی شیر ہوندا بھیرٹاں پیہن جوان دا پتہ لگدا
دولت مال نثار معیار کوئی نہیں وسباں نال انسان دا پتہ لگدا

کوئی اج دے لارے لاؤندا اے پھر کل دا بہانہ کر چھڈدا
 ایہہ لوبھ تے لالچ دولت دا سکیاں نُوں بے گانہ کر چھڈدا
 ظاہری لشکارا ویلے دا ہر اک نوں دیوانہ کر چھڈدا
 بے وزن تے بندے نہیں ہوندے بے وزن زمانہ کر چھڈدا

○

عادی ہو کے سردیاں گرمیاں دا رتتاں ساریاں جرن دی جاچ آجائے
 تُلھے بَنھ کے حوصلے ہمتاں دے چھلاں وِچ وی ترن دی جاچ آجائے
 اودھا آپ نثار جی رب راکھا جہنوں سچیاں کرن دی جاچ آجائے
 اوتھوں سفر حیاتی دا شروع ہوندا جدوں بندے نوں عرن دی جاچ آجائے

○

اُتوں رنگ سوہنے سارے انگ سوہنے اندر وار بیماریاں ویکھیاں نیں
 ایتھے اپنے اپنے آہنے لئی وَنوں وَن اُساریاں ویکھیاں نیں
 مارے ڈنگ تریاق دا کم کر گئے سپاں کول غمخواریاں ویکھیاں نیں
 ٹھڈا مار گئے سونے دے پنجرے نُوں جنھّاں عرش اُڈاریاں ویکھیاں نیں

○

جہدی نیت ماڑی نالے سوچ شوہدی اوہ جے بنے سردار تے کیہہ فیدا
 اک تار دی وی جہنوں سار کوئی نہیں چکی پھرے ستار تے کیہہ فیدا
 جہڑے رُکھ نے ٹنڈ دا ٹنڈ رہناں آوے لکھ بہار تے کیہہ فیدا
 اک دی وال قربان نہیں کرن جوگا بنیا پھرے نثار تے کیہہ فیدا

○

تیرے حکم دے اسیں غلام چنناں جتھے دل کردا اوتھے نال لے چل
 ساڈے پیار نوں ول انکار دانئیں ساڈی کدوں اے یارا مجال لے چل
 جتھوں ہر کوئی جھولیاں بھری جاندا توں وی لبناں تے کوئی سوال لے چل
 کعبے جان دا فیر نثار فیدہ کعبہ آپ آکھے مینوں نال لے چل

○
 ٹھگاں ڈاکواں چور لٹیریاں دی دہشت دھونس گل بات نسیں رہن دینی
 ظرلا ساڑ دینا پھوکی چوہدھراں دا اوہدی جھوٹھی اوقات نسیں رہن دینی
 دُکھ سارے غریباں دے مک جاسن اکھاں وچ برسات نسیں رہن دینی
 کوشش جابراں دی دن نسیں چڑھن دینا ساڈا عزم ایہہ رات نسیں رہن دینی

○
 خشبو اپنا آپ وکھا دندی ستاں پردیاں وچ وی لگدی نسیں
 بھیرے خون ہون بھیرے کم کردے بھلا کرن تے اوہناں دی دُھکدی نسیں
 رنج رنج کے بھلاں نال پیار کردی بلبل کدے گلاباں نوں لگدی نسیں
 راٹھ بھگھے وی ہون تے راٹھ رہندے رجاں نال کمیگی لگدی نسیں

○
 چلے نھیر انج بے انصافیاں دے پیر پیر تے سچ نوں چٹیاں نیں
 ایہتے تھانے کچھریاں نال دفتر سبھے ون پونیاں ہٹیاں نیں
 نیندر سکھاں دی رات نوں کون مانے چٹے دن وی چور جھپٹیاں نیں
 دس کیہہ خوشی دے گیت نثار گایے چنچھیاں ستیاں تے جھیبیاں کٹیاں نیں

○
 مُدتاں ہونیاں دیکھی جاناں پیندا ایس طرحاں دا مُل
 اک کپ چاہ تے دو بسکٹ نیں آج کل سخن وراں دا مُل
 کیتی گل خشامدیاں نے نہ ٹنن تے ٹوہر نہیں بندا
 لا چھڈیا اے شاہ جی ہوراں میرے فیر پراں دا مُل

○
 ایڈا یار انھیر نسیں ہوندا
 گئی کدے دلیر نسیں ہوندا
 کیتی ہوئی اے ونڈ بزرگاں
 گدڑ دا پت شیر نسیں ہوندا

غزل

کاغذ دے بھل اصل گلاب نہیں بن سجدے لکھ سُکائیے بیر عناب نہیں بن سجدے
اصل اصیل دی سدا ضرورت رہندی اے ہر ویں پھرویں خون نواب نہیں بن سجدے
جے کر عشق نہ لاوے بازی سر دھڑ دی پٹوں لاه کے ماس کباب نہیں بن سجدے
جد تک مار نہ کھاون گھڑیاں بھٹھیاں دی ویلاں نال انگور شراب نہیں بن سجدے
عملاں نال دلاں نوں جتنا پیندا اے دہشت دے نال لوک جناب نہیں بن سجدے
بھاویں اس وچ پانی آ جائے چار گنا راوی ہوری کدے چناب نہیں بن سجدے
رنگ برنگے بھل کڈھا کے کھنباں تے کاواں دے پتر سُرخاب نہیں بن سجدے

غزل

تھانیاں وچ بگھیاڑ نیں کھاندے اگے نج ذلیل کرے
مجبوری دا لیلیا دسو کیہدے کول اپیل کرے
انجے سمجھو جیوں کوئی بکرا پے جائے وس قصائیاں دے
اگے ای مویا مکیا بندا کنھوں دس وکیل کرے
جتنھے قسم جو کھاہدی ہوئی اے سچ دا ساتھ نہ دیواں گا
ایہو جے بد فطرت اُتے دس کیہہ اثر دلیل کرے
جس جابر دے نال نثار گل کسے وی کرنی نہیں
کیوں لُٹیا تے کتنھے لُٹیا پیش کیہڑی تفصیل کرے

غزل

سارے دن دا تھکیا جد اوہ شماں ویلے گھر جاندا اے
ویہڑے دے وچ نچدی بھکھ نوں ویکھ کے گاماں ڈر جاندا اے

گئے گئے پانی وچ وی بندے ڈب کے مردے دیکھے
 رب دی نظر سوئی دے نال ڈبیا پور وی تر جاندا اے
 ساری عمراں بھیڑے سہندا، طوفاناں نال بھڑدا رہندا
 ساہ دیاں چھلاں دے نال کھہہ کھہہ آخر بندہ مر جاندا اے
 حرص سمندر دے وچ ڈگ کے ڈکو ڈولے کھانے پیندے
 اوہنوں رجیا سمجھو جہدی نیت دا بھانڈا بھر جاندا اے
 توں سدھراں دے ہاسے نہ سہی، اکھ دا اتھرو بن کے آجا
 ایس طراں وی تھوڑا بہتا دل دا ویہڑا ٹھر جاندا اے
 رب تے صدق یقین اے جیہڑا ہر مشکل دامنه بھن چھڈدا
 حوصلیاں دے چپولا کے ٹٹھے ویہن وی تر جاندا اے
 اوہدے گلشن وچ نثارا کیہہ پھل کھڑدے کیہہ پھل لگدے
 بد بختی دا پکھو جیہدی ہری انگوری چر جاندا اے

○

تُوں جھلا تے کلا کرناہیں گلاں جس کردار دیاں
 رزق حرام مُکا چھڈیاں سبھ نسلان اوس معیار دیاں

○

پتھراں دے معبود وچارے نہ روون نہ ہسن جوگے
 نہ کجھ سُنن دی طاقت ہوندی نہ کجھ ہوندے دسن جوگے



مبارک احمد

اردو نثری نظموں کے بانوں میں سے ایک اہم شاعر، صدر پروز پوسٹری فورم پنجاب، کنوینر پاکستان پروز پوسٹری فورم مبارک احمد 24 جولائی 1925ء کو محمد رمضان ڈار کے گھر گجرات میں پیدا ہوئے۔ وفات اپریل، 2001ء کو لاہور میں ہوئی۔ تصانیف میں زمانہ عدالت نہیں (1965ء) اور کلیات مبارک (1999ء) شامل ہیں۔ مبارک احمد نے اردو، پنجابی اور انگریزی تینوں زبانوں میں شاعری کی۔ آپ نثری نظم اور پنجابی نثری نظموں کے بانوں میں سے ہیں۔

جمہوریت

مذہب تے معیشت دے بارے اختلاف ہو سکدے
داخلہ خارجہ پالیسی بارے اختلاف ممکن اے
پر پاکستان بن بعد
مسلسل مسلط ہوندیاں سول تے فوجی آمریتاں دا
ملک تے قوم دشمن کردار ویکھن مگروں
جمہوریت دے قیام، استحکام، دوام بارے اختلاف ممکن نہیں
ایس صدی دی ایس دہائی اندر
پاکستان اچ اک پاسے جمہوریت دیاں علم بردار طاقتاں نیں
دوجے پاسے آمریتاں دی باقیات دا گٹھ جوڑ
تے ملک انتشار، بنیاد پرستی، نفسا نفسی، فرقہ واریت تے دہشت گردی دا شکار
ایس صورت حال اچ
معاشرے دا احساس ترین فرد ہوندیاں ہویاں
دانشور، شاعر تے ادیب دا فرض اے، جے اوہ
تخلیقی، نیم تخلیقی یا غیر تخلیقی سطح تے جمہوریت دے حق اچ کھل کے اظہار کردیاں ہویاں
قوم دی رہنمائی کرے
جے اوہ اپنا ایہہ قومی فریضہ ادا نہیں کردا
تے اوہدے سرتوں

بانجھ صفائے خراب ٹوپی لہن والی اے
پاکستان دے شاعر و ادیبو، دانشورو
چھیتی چھیتی آپنا فرض نبھاؤ
تھاڈے قومی ادبی اعمال نامیاں تے وقت دے فیصلے لکھے جان گے
جیہدا اعمال نامہ جمہوریت لئی تگ و دو دے حوالیوں کور انکلیا
اوہنوں ضمیر تے انسانیت دا قاتل سمجھیا جاوے گا
تُسی جمہوریت تے انسانیت داساتھ دیو، جے آون والیاں صدیاں دی ادبی تاریخ
تہانوں اچھیاں لفظاں نال یاد کرے تے ملک دشمن نہ گردانے



انجم خلیق

26 فروری 1950ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔ اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ معروف شاعر اور روزنامہ ”عوام“ فیصل آباد کے ایڈیٹر خلیق صاحب کے فرزندِ ارجمند اور خرم خلیق اور افتخار انقی کے بھائی ہیں۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کے نمائندہ شاعر ہیں۔ اردو شعری مجموعہ ”سمندر میں اترتا ہوں“ کے نام سے 2004ء میں شائع ہوا۔

غزل

خون پچھان بھلا کے اپنی ویر لڑن ہمیشیراں نال
کیہہ کیہہ روگ زمین تے آگن ورثے دیاں جاگیراں نال

کجھ گلاں کہہ جان دا صدمہ کجھ گلاں رہ جان دا دکھ
یاداں دی پوشاک بناواں پاٹیاں ہوئیاں لیراں نال

آ جا تینوں حال دکھاواں دستک دیاں شنوائیاں دا
آ جا شہر دا پھیرا لئیے اج دی شام فقیراں نال

جو کردے نیں اوہ نہیں لکھدے جو لکھدے نیں کردے نہیں
شاعر مان قلم دا توڑن ظلم کرن تحریراں نال

تیری میری راہ دے کٹدے ایہہ کوئی نواں سیپا نہیں
لوکاں کس دی چنگی کیتی رانجھیاں نال تے ہیراں نال

پنجاں حساں اُتے طاری اک سوہنے دا جلوہ اے
جد توں پیار پیا اے انجم آپنا پنجاں پیراں نال



محمد امین طرب احمد صدیقی

غزل

ساہنوں صبر سکھائی جانڈے آپوں رج کے کھائی جانڈے
ساہنوں آکھن دنیا فانی آپوں مال کمائی جانڈے
ساہنوں جنت دے گھر دسن آپوں محل بنائی جانڈے
ساہنوں کہندے دولت سپاے آپوں بین وجائی جانڈے
ساہنوں دسدے جھکنا مندا آپوں رتے پائی جانڈے
ساہنوں ڈھنگ فقیری دسدے آپوں کھ لشکائی جانڈے
ساہنوں دے کے طرب محرم آپوں عید منائی جانڈے



امجد حمید محسن

حمید احمد کے گھر گوجرانوالہ میں اپریل 1960ء میں پیدا ہوئے، پہلا مجموعہ ”درد سمندر“ کے نام سے چھپا۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتے ہیں۔ پنجابی کے پروفیسر ہیں۔

غزل

جگنو جگنو تارا تارا اپنا ایں جیون اکھ دا ہر لشکارا اپنا ایں
اونٹھاں والیاں نال یرانا لانا کیہہ نیواں بوہا کچا ڈھارا اپنا ایں
کس دے گھر دی بربادی دا جشن مناں سوچ رہیا واں شہر تے سارا اپنا ایں
ایس وچ بھانویں کنا امرت گھول دیو جیون پانی رہنا کھارا اپنا ایں
میں نہیں جگ رشنا یا منگلوں جگنو نال میری سوچ تے فکر دا تارا اپنا ایں
ایسے گل دا دکھ رہوے گا محسن جی مار گیا ساہنوں ورتارا اپنا ایں



امتیاز بخاری

3 مارچ 1954ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ سروس کے سلسلے میں ایئر فورس سے منسلک رہے۔ ریٹائر ہونے کے بعد پی آئی میں کپتان ہیں اور جہاز اڑانے کے ساتھ ساتھ پرواز تھیل سے بھی خوب کام لیتے ہیں۔ پنجابی شاعری کی پہلی کتاب ”ہنجوہا سے“ 2007ء میں اور دوسری کتاب ”ہویا کیہ اے“ 2010ء میں شائع ہوئی۔ کلام میں حسنِ تعزُّل کے علاوہ سماجی طنز کی بھی گہری کاٹ پائی جاتی ہے۔

غزل

زرِ نون زرِ نل ضرباں لا کے کردے ارب اضافے
مرنے تے فر حصے آوے کفنی مول منانے
مٹی دے نل مٹی ہونا مٹی نے مڑ اک دن
آوے گا کیہ فانی لے کے قبراں کرن قیافے
بعد مرن دے مردے نہیں جو نفس امارہ مارن
کرن صفائی دل دی اندروں پھڑ کے سادھو صافے
ٹل دا نہیں ایہہ ویلے وانگوں لیکھ جو لکھیا تیرا
رُکھ وی تھلے لف جانڈے جے قد ناں ہون زرانے
لاوے گا کیہ قیمت کوئی مال جے ہووے کھوٹا
اندر باہر اک ہووے تاپ وکدا ویکھ صرافے
کیہہ کریں گا فیر بخاری کھلن گے جد کھاتے
چلدی اے ناں پرچی اوتھے ناں ای لوبھ لفافے
بن دا کیہہ کرلاون دا کر کیتی اگے آندی اے جی
بندے دی بس آپنی بس ای اندر اوہدا کھاندی اے جی
ریزہ ریزہ ہو کے وی نہ پگھرے ”پتھر“ پتھر کوئی
پتھر توں ودھ پتھر اے جو شے آدم اکھواندی اے جی

استاد اللہ دتہ صابر

استاد اللہ دتہ صابر 1907ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ بعد میں ہجرت کر کے لاہور آگئے اور یہیں وفات پائی۔ استاد مونس کے چہیتے شاگرد تھے۔ ان کی شاعری کے موضوعات وہی نوکلاسیکی دور والے ہیں۔ بیت، چومصرعے، نظمیں اور غزلیں لکھیں۔ پنجابی ادبی بورڈ نے 1981ء میں ان کے منتخب کلام کا مجموعہ ”کھیاں سولاں“ کے نام سے شائع کیا۔

○

آپنے ہتھ اوس ذات نے رکھیا اے، ککھوں لکھ کرنا لکھوں لکھ کرنا
زور اوری دا مقصد ایہہ مول ناہیں، ویر ماڑے نال تگڑے دا پکھ کرنا
جھوٹھے جھوٹھے دی میاں بنیاد دھر کے، ہے فریب بھانویں سوا لکھ کرنا
اوڑک ویلے دی چھانٹی چھان صابر، مٹی وکھ کرنی سونا وکھ کرنا

○

دولت مند میں اوس نوں من دا ہاں جیہدے دل اندر میر تیر ناہیں
جیہڑا آپنی مار کے نہ کھاوے، میری نظر وچ کُتّا ہے شیر ناہیں
ماڑا ماڑے نوں سمجھ نہ دھن وانا، جیہڑا دن جاوے آوے فیر ناہیں
دل عورت دا تے قسمت آدمی دی، صابر بدلدیاں لگدی دیر ناہیں

○

سول بھن کے غیر دے ول جاوے، آوے کدے نہ مجھ دگیر دے ول
وال وال بدھا جیہدے عشق میرا، ول ول دل کچھ اوس تصویر دے ول
ول ول ولیا اے والاں والیاں نے بھل گئے تکبیر تقدیر دے ول
ولے یار صابر جے کر ول میرے، نکل جان سبھ میری تقدیر دے ول



محمد اقبال صبر

غزل

کر کے مکھڑا میرے دل کھلوتی اے غربت گھر دا بوہا مل کھلوتی اے
پگلاں چُنیاں لاہیاں صبر نہ آہو سو ہُن پنڈے توں لاہ کے کھل کھلوتی اے
ڈھڈ دی آگ بُجھا کے راتیں سُٹا ساں دن چڑھیاتے دوئی بل کھلوتی اے
سدھراں دا کھوہ ویریاں اِنج اُجاڑیا اے ڈھٹھاوانا تے اک ڈل کھلوتی اے
عمر گزاری جیہڑی اوہنوں دسن لئی سنگھ دے وچ آڑی اوہ گل کھلوتی اے
بُھلیں پاؤن والیا ہاسا ڈک لویں پہلی بھل ای سینہ سل کھلوتی اے
رُکھ رُکا کے صابر نگھیاں چھاواں دے بے وی سرتے امبر دل کھلوتی اے



ارشاد اقبال ارشد

غزل

اوہ ککر دے چھاپے نکلے سجن ہیر دے ماپے نکلے
ویر ای تخت ہزارہ کھوہندے کدی نہ رانجھے آپے نکلے
دو گھڑیاں دی سنگت وچوں صدیاں دے اکلاپے نکلے
ساریاں سجنان چھڈیا اودوں جد نہ جیبوں پاپے نکلے
کھوہ وچ سٹ کے یوسف تائیں آپے کرن سیاپے نکلے
جد میں پیار دا لیکھا کیتا ارشد لے گھاپے نکلے



ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد سکیم جنوری 1970ء کو تحصیل پنڈی گھیب ضلع اٹک میں افسر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ایم اے اردو، ایم اے پنجابی اور پی ایچ ڈی اردو جامعہ پنجاب لاہور سے کیا۔ محقق اور آرٹسٹ ہونے کے علاوہ اردو پنجابی میں شاعری کرتے ہیں اور ماہر عروض ہیں۔ درجن بھر سے زائد کتب شائع ہو چکی ہیں۔ پنجابی کی چھاچھی بولی کے حوالے سے خاصا تحقیقی کام کیا۔ اردو شعری مجموعہ ”آغوش گل“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ پنجابی مجموعہ زیر ترتیب ہے۔

دل ڈبیا جاوے نی

نہ پنیڈا گھٹیا نی نہ راتاں مکیاں نی
نہ گھنگھر و چھکے نی نہ ٹلیاں وجیاں نی
نہ چانن بھٹے نی نہ گلایاں جگیاں نی
نہ مومن جاگے نی نہ بانگاں ملیاں نی
بندے وی تے نی سُننے وی تے نی
گلشن وی سُنجااے بیلے وی تے نی
دل ڈبیا جاوے نی دل ڈبیا جاوے نی
کُجھ سمجھ نہ آوے نی!!

○

نی اسیں ہوے پیار دے روگی

اساں غم دے چرکھے ڈلہے اساں دُکھ دی کتی پونی
اساں روندیاں عمر لنگھائی اساں سکھنی بیری جھونی
نی اسیں ہوئے پیار دے روگی
اساں بیلے بیلے رُلے اساں در در سسیں نوایا
اساں عمر، جوانی گالی اساں نچ نچ حال ونجایا
نی اسیں ہوئے پیار دے روگی

اساں دُدھ دیاں نہراں کھٹیاں اساں پل پل اوکھت بھوگی
اساں کن وچ مندرے پائے اساں ہوئے دھیدو جوگی
نی اسیں ہوئے پیددے روگی

○

نی میں ہاڑے کر کر تھکی

چیتز رنگیاں رُتاں لکھیاں میں سُفنے تک تک آکی
ماہی لیندا ناہیں ساراں کوئی گل نہیں دسدا پکی
نی میں ہاڑے کر کر تھکی

ہجر وچھوڑے دی مار کے بُلک اتھر و پیندیاں جو بن لکھیا
سکھیاں بھیت پھرو لن سبھے پر کوئی نہ بن دی سکی
نی میں ہاڑے کر کر تھکی

○

کھڑ پینچ

بے دوساں دے عیب پھرو لن گلی گلی وچ دسن
رکتاں کڈھ کڈھ چھیڑن جُجاں کر کر ہسن
اپنے عیب لُکاؤن گلے جہات نہ پاؤن
ڈاہڈے ظلم کماؤن

تقدیر

تُوں سورج دا ڈُلھیا چانن میں تارے دی نمھی لو
تیرا میرا ملنا سُفنا نہ میں روواں نہ توں رو



احمد دین قادری

غزل

ہو جئے انداز نہیں ہوندے سجن سبھ ہمراز نہیں ہوندے
لکھ اُچیرا اڈن بھاویں کاں کبوتر باز نہیں ہوندے
اوکھے ویلے پک گیا اے سبھ دے اُتے ناز نہیں ہوندے
استاداں دے چنڈے جیہڑے اوہ کدی بے ساز نہیں ہوندے
خود نوں جو وڈیاندے قادری اوہ لوکی ممتاز نہیں ہوندے



آغا نثار

لاہور کے رہائشی آغا نثار بنیادی طور پر آرٹسٹ ہیں۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں چھوٹی بحر میں عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ کئی ملکوں میں بطور شاعر پاکستان کی نمائندگی کر چکے ہیں۔ لاہور میں پبلشنگ کا اپنا کاروبار ہے۔

غزل

سُتیاں نوں بیدار کراں میں سوچ رہیاں کوشش فیر اک وار کراں میں سوچ رہیاں
آپنے مگروں آون والی لوکائی لئی رستے نوں ہموار کراں میں سوچ رہیاں
بندیاں تے اِتبار کرن توں چنگا اے سپاں تے اِتبار کراں میں سوچ رہیاں
جنے تارے اوناں پیار اے تیرے نال تارے کنج شمار کراں میں سوچ رہیاں
جندڑی نوں تے نیڑے ہو کے ویکھ لیا موت دا ہن دیدار کراں میں سوچ رہیاں



آصف علی علوی

○
کھوبے دے وچ وڑنا ہوئے تے سستھن ٹنگنی پیندی اے
روڑی چھان لگ پیئے تے متک تے سگھنی پیندی اے

○
پنڈ دے چھڑ اُتے تر دے کنول نے مینوں دسیا اے
گندگی، بھل بن توں پہلاں کنی جرنی پیندی اے
مکھن دا پیڑا وی لسی اُتے تر دا بول پیا
مینوں کھان توں پہلاں لوکو چاٹی بھرنی پیندی اے

آصف شفیع

غزل

کچے دھاگے ٹٹ جاندے نیں ہتھیاں وچوں چھٹ جاندے نیں
بوٹا جیہڑا پیار دا لاواں لوکی آ کے پُٹ جاندے نیں
کٹھے کھاؤں پیوں والے اک دوجے توں پھٹ جاندے نیں
بندے ای بندیاں دیاں لاشاں گلیاں اندر سٹ جاندے نیں

آصف آسی

غزل

روٹی ویکھ پرانی چنگیر اندر دل اپنے نوں للچائی دا نہیں
کلی کسے غریب دی کھو کے تے وچ کوٹھی دے اوہنوں رلائی دا نہیں
مینہ دسدا ہوئے جے روڑیاں تے دے وچ ملال لیائی دا نہیں



خورشید مستانہ

میاں چنوں کے رہائشی سینئر ترین عوامی شاعر خورشید مستانہ ایک خوش مزاج شخصیت اور ضلع کونسل کے کونسلر ہیں۔ تعلیم واجبی مگر شاعری انتہائی عمدہ۔ پڑھنے کا انداز بھی ایسا منفرد ہے کہ وہ کہیں اور سنا کرے کوئی۔ ”سہکدے پھٹ“ کے نام سے شعری مجموعہ 2004ء میں شائع ہوا جس پر افضل احسن رنداوا، ڈاکٹر صغریٰ صدف اور عامر بن علی نے فلیپ لکھے۔

ساڈے ویہڑے بچ سُن سَراں کیتا تیرے جلسے جلوَساں نُوں کیہہ کرنا ایں
دیوا ساڈے پیار دا بُجھ گیا اے تیرے بلدے فانوساں نُوں کیہہ کرنا ایں
سانوں مار کے تار کے بحر اندر کھڑ کے لاش نوں دیکھ کے رون لگا ایں
جدوں اسیں نہ رہے جہان اُتے پچھوں تیرے خلوصاں نُوں کیہہ کرنا ایں

اوہنوں بھولا بھالا جان کے میں اوہدی بانہہ پھڑ لئی اوہنے گانہہ کر لئی
جدوں آیا ویلا مشکل دا اوہنے اوہی بانہہ پچھانہہ کر لئی
میں بھجھ کے اگے ہویا سی اوہنے ایتھوں چک کے تانہہ کر لئی
مستان کھلوتا دُھپاں وچ اوہنے غیر دے سر تے چھاں کر لئی

بڑا چنگا میں تینوں جان دا ساں بھلّیا مانسا ایہہ کیہہ کر چلیوں
تیرے ہتھال نوں بوسے ہزار دتے خنجر ساڈی ای دھون تے دھر چلیوں
جُرم آپنے توں لا کے ناں ساڈے پلا ساڈا گناہواں نال بھر چلیوں
ساڈی وفا دا اودوں اقرار کیتا جدوں کوچ جہان توں کر چلیوں

بُھل سُن نالوں جدوں ٹٹ جاندا بھانویں گل پا لا بھانویں پیراں بچ سٹ
رُوح تن دے وچوں پرواز کر جائے دریاواں بچ سٹ بھانویں نہراں بچ سٹ
تیرے ناں دی مالا میں روز جپ دا مینوں ایویں نال دوستا غیراں بچ سٹ
سٹ دتا مستان نُوں نظر وچوں سُن لہراں بچ سٹ بھانویں بہراں بچ سٹ

○
 جواء کھیڈنا کم اے تکلڑیاں دا ماڑا بندہ تے ہارنئیں سہہ سکدا
 ویلا ایہو جھیا دوستو آ گیا اے ہُن تے یار دی یار نئیں سہہ سکدا
 غیرت مند تاں موت قبول کر لئو بے شرمی دی مار نئیں سہہ سکدا
 مستان جیہڑے شہتیر نوں گھن لگ جائے اوہ کوٹھے دا بھار نئیں سہہ سکدا

○
 کالے سَپ رُکھاں تے ڈیرے جدوں لالین
 اوتھوں فیر چڑیاں نوں اڈ جانا چاہیدا



شبیر اختر

بھکر میں مقیم شبیر اختر ایک عرصے سے اردو اور سرائیکی میں مزاحیہ اور سنجیدہ شاعری کر رہے ہیں۔ ٹی وی کے علاوہ ملکی سطح کے کئی مشاعرے پڑھ چکے ہیں۔ بنیادی طور پر بیکار ہیں۔ مجموعہ کلام ہنوز زیر ترتیب ہے۔

○
 ڈٹھا انج گیاں بزم جاناں دے وچ کراڑ آ وڑائے مسلماناں دے وچ
 میں شاعر ہاں وکھرا مینڈا شوق ہے میں سڑکاں گلینداں مکاناں دے وچ
 جڈن یار رُس ونجے چس آندی ہے نہ نسوار وچ تے نہ پاناں دے وچ
 بیاں کوں تاں ظالم ملیں ونج کے گھر اساں کوں رُلینداں کھتاناں دے وچ



امر جیت چندن

1999ء میں ”گتھلی“ کے نام سے پنجابی شعری مجموعہ شائع ہوا۔ جدید تر حسیت کی نظم نگار ہیں۔
کئی تنقیدی و تحقیقی کتابوں کی بھی خالق ہیں۔ کافی عرصے سے برطانیہ میں مقیم ہیں۔

سو مو ار سویرے

سو مو ار سویرے کم تے جاندا بندہ سوچدا ہے

جے ایہہ سو مو ار نہ ہوندا تاں کنا چنگا ہوندا

اوہ ایہہ نہیں سوچدا

کہ سے دا محل

ستاراں دناں دی بنیاد تے کھڑا ہے

کوئی اک دن وی کڈھیاں

سے دا محل ڈھیہہ جاوے گا پر لو آ جاوے گی

دھرتی سو مو ار تے ٹکی ہوئی ہے

سو مو ار دے ہو رکئی ناں ہن

پل پہر دن باراں ماہ ہن

سال صدیاں سبھ یگ

راتاں تے رُتاں ہن

بندہ سو مو ار توں مکت ہونا چاہوندا ہے

بندہ سو مو ار توں مکت ہو کے کتے چلے جانا چاہوندا ہے

ایہہ سوچدا سوچدا بندہ

سو مو ار سویرے سر سٹ کے کم تے لگ جاندا ہے

(24 اکتوبر 1994ء سو مو ار)



صوفی محمد اسلم

گجرات کے رہنے والے صوفی محمد اسلم 1934ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ایک عوامی شاعر تھے جن کے کلام میں طنز اور ٹپکڑ کا گہرا رنگ پایا جاتا تھا۔ ”سچییاں گلاں“ کے نام سے ان کا ایک چھوٹا سا کتابچہ شائع ہوا۔

ساڈے گھر جے دانے ہوندے

اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
لچ لفنکے ہوندے یار	اک کوٹھی اک ہوندی کار
خریدے فیر میں تھانے ہوندے	بلیک دا ہوندا کاروبار
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
لوکاں تے ہوندا میرا خوف	ہتھ وچ ہوندی کلاشنکوف
بندوقاں راؤنڈ سرہانے ہوندے	میں وی بن دا گوربا چوف
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
فیر دکھاندا آپنے ٹل!	اک دو ہوندی میری ٹل
افسراں نال یارانے ہوندے	کیہہ مجال کوئی جاندا ٹل
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
جھوٹھے سچے دیندا پرچے	افسراں نوں میں لاندیا خرچے
یورپ وچ ٹھکانے ہوندے	جگ تے ہوندے میرے چرچے
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
میںوں ملن پئے اوندے جج	میں وی جاندا ایناں رج
بھاویں اسیں نمانے ہوندے	آ جاندا فیر سارے تیج
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	ساڈے گھر جے دانے ہوندے
چنگے چنگے سب پلاٹ	میرے ناں وی ہوندے الاٹ
اسیں وی فیر چوہدرانے ہوندے	میرے گلوں وی لہندے ٹاٹ
اسیں وی بڑے سیانے ہوندے	اسیں وی بڑے سیانے ہوندے



مسافر لودھی

مسافر لودھی 11 جنوری 1964ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ 55 ملکوں میں رہ چکے ہیں۔ آج کل مستقلاً اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ پنجابی میں سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں طرح کی شاعری کرتے ہیں اور مشاعروں میں ترنم کے ساتھ پڑھ کر ایک سماں باندھ دیتے ہیں۔

گرین کارڈ

شور پائی پائی والا پان والیو اٹلی دی جان زبان والیو
میرے نالوں پہلے اوتھے جان والیو مینوں پردیس لٹ کھان والیو
دنیا توں تسی وی تے جان والے او منہ کیہڑا رب نوں وکھان والے او
دین والیو تے ایمان والیو اوئے میرے سوہنے پاکستان والیو

کوڑی لگے مٹھی لگے گل میں سناواں گا!
دل وچ پیڑاے میں سب نوں وکھاواں گا
اک دو جے دیس چوں ٹرین چ میں بہہ گیا
آکے تے روم دے میں ٹیشن اُتے لہہ گیا
شام دا او ویلا سی تے سردی دا ٹھاریا
آ گیا میں روم وچ مقصداں دا ماریا
اک نوں سلام کیتا پیار نال پچھیا
لگدا سی چہرے اُتوں ازلاں دا رُسیا

آکھیا میں بھائی مینوں سون دا سوال اے
کہن لگا میں کون میری کیہ مجال اے
تیرے وانگوں بُرا ایہتھے سبناں دا حال اے
کم ایہتھے ہوندا سارا ڈالراں دے نال اے

20 ڈالر لوواں گا میں رات نوں سوان دے
 دس ڈالر ہون گے نی ان پانی کھان دے
 5 ڈالر ہوندے گرم پانی نال نہان دے
 پچھیا میں کئے لیناں گھر نوں لے جان دے
 سن کے سوال میرا اُپٹی ساری ہسیا
 پھڑکے اوہ ہتھ میرا گھر وئے نسیا
 بوہا اک کھولیا تے اندر مینوں دھسیا
 گھر دو کمرے تے اک باتھ روم سی
 میرے نالوں پہلے اوتھے تہیاں دا ہجوم سی
 گھر نئیں سی دوستو! بیماریاں دا مڈھ سی
 میرے تے خیال وچ چوہیاں دی رُڈھ سی
 شکر کیتا رب دا زمین اُتے بہہ گیا
 کندھ نال لگ کے میں بندیاں تے ڈھے گیا
 ویکھ مجبوراں نوں میں سوچاں وچ پے گیا
 آن والے کل لئی میں ہر دُکھ سہہ گیا
 نیند والا زور مینوں خواہاں وچ لے گیا
 اکھ جڈوں کھلی میری بندیاں دا پور سی
 گرین کارڈ گرین کارڈ ڈالراں دا شور سی
 اُٹھ کے میں ویکھیا تے رات والا ای چور سی
 ہن اوہنے بدل لیا روپ کوئی ہور سی
 رات نوں شکاری سی تے ہن او دلال اے
 زر دے پجاریاں دا ایہو تے کمال اے
 پاکستانی رانجھیاں نے لٹ لیا ہیر نوں!
 جیویں بھائیاں لٹیا سی یوسفؑ جے ویر نوں

باندراں دی ونڈ سی تے ونڈناں سی کھیر نوں
دل نوں سنبھالو ویکھ گرتے دی لیر نوں
بندیاں چوں اٹھ کے تے میرے کول آن کے
سب کچھ جاندا سی بن انجان کے
مینوں اوہنے لو لے پوپے گلاں وچ پا لیا
گرین کارڈ بنان لئی گاہک وی بنا لیا
بن کے قصائی مینوں پھڑ کے تے ڈھا لیا
چھ ہزار ڈالر اوہنے میرے کولوں لاء لیا
دو تن خرچ کیتا دو تن کھا لیا

سچ پیا کہنا واں گواہی اے حضور دی
اٹلی دی گلی اے کوئی نہیں بڑی دور دی
چھریاں سی کھنڈیاں تے کھل مجبور دی
مشکل مینوں بھلی نہیں حالے مغرور دی
بڑے بڑے حاجیاں دا ایہو کاروبار سی
ڈالراں دی تکرڑی تے بندیاں دا بھار سی
سارا کجھ نقد سی نہ کجھ وی ادھار سی
روم نہیں سی لوکو اوہ تے مصر دا بازار سی
لودھی جیسے شاعراں نوں اوہنے پھڑ کوہ لیا
ہن بڑا سچ دائے اوہنے نہیں سی بولیا



سلیم اختر

راولپنڈی میں مقیم سلیم اختر 1967ء میں نارووال میں صابر علی کے گھر پیدا ہوئے۔ اُردو میں ایم فل کیا۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں مزاحیہ اور سنجیدہ شاعری کرتے ہیں۔ اُردو میں ”ٹاپ ٹین مزاح گو شاعر“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی۔ ”تیرے عشق نچایا“ کے نام سے بُلّھے شاہ کے منتخب کلام کا اُردو ترجمہ کیا۔ کئی مرتبہ برطانیہ کا ادبی دورہ بھی کر چکے ہیں۔

شیداتے فیقا

شیدا کل اک لیلہ لے کے گھر ولے پیا جاندا سی
فیتے بچھیا پھڑ آندا ای ایہہ کھوتا کیہڑے میلے توں
شیدا بولیا مڑ کے ویکھ، ایہہ کھوتا نئیں ایہہ لیلہ اے
فیقا بولیا تیتھوں نئیں اوئے میں تے پچھیا لیلے توں

کھنگنجومی

ماجھے اک دن ہتھ وکھا کے پچھیا کھنگنجومی نوں
کیہہ میں کھوتا بن سکنا واں اگلے جنم دے وچ سرکار
پوٹلی کھولنجومی آکھیا بھلیا لوکا، مشکل اے
اُو روپ کدی وی مڑ کے مل نئیں سکدا دوجی وار

کچاڈاکو

کچے ڈاکو اک راگیر نوں چھری وکھا کے آکھیا
کڈھ کے ایدھر رکھ دے تیری جیب جوجکھ وی اے
جیب اچ پایا ہتھ راگیر تے پستل کڈھ کے گجیا
میرے کول تے ایہو کجھ سی تیری جیب جکھ اے

گواہنڈن

اوہ جیہڑی چڑھ کے بنیرے اُتے کھڑی اے
زُلف اوہدی سَپنی دے وانگ مینوں لڑی اے
ہور تے نیسں دوواں وچ اک گل سانجھی اے
میں وی حالے چھڑاواں تے اوہ وی حالے چھڑی اے

○

گڈی رُک جاوے تے مَیں گیر مار دِٹاں واں
اک واری وچے ناں تے فیر مار دِٹاں واں
کھاڑے دا مقابلہ مشاعرے پچ کرناں
داء دے مقابلے تے شعر مار دِٹاں واں

○

جدوں کدی لیڈراں نوں جیل ہوندى اے
تاں ایں وچاریاں نوں ویہل ہوندى اے
اگے اگے اوہدا بڑا میل ہوندا اے
کچھے کچھے جہدے فی میل ہوندى اے

○

کُڈاں ورگے کاں پیا لبھنائیں
بکرے ورگی گاں پیا لبھنائیں
سے بکر تھلے بہہ کے
بوڑھ دی گُوہڑی چھاں پیا لبھنائیں



خضر حیات محسن

○

میںوں شوق تاں کوئی نہیں روون دا تیرا ہجر ستیندا اے تے تاں رونا
کدی روناں کندھاں نوں گل لا کے کدی گل وچ پا کے بانہہ روناں
کھرے اُس دے ویکھ کے روپ نوں میں ملاقات دی ویکھ کے تھاں روناں
میری روون محسن منّت تاں نہیں میرا اصل اچ دکھدا اے ہاں روناں

○

موئی آس دے ستھرتے ہائے ہائے وے جداں محسن وین الائے گئے
ساری عمر صبر دی قید دے وچ میںوں رہن دے حکم سنائے گئے
میری اُجڑی آس دی بنری دے گھنڈ ساہلو جدن جلائے گئے
اودوں میں مظلوم نوں ہنجواں دے ساری عمر لئی ہار پوائے گئے



مظہر شیراز

لڑی اکھ نال اکھ تے اکھ کھل گئی اکھ بن گئی محرم اکھ دی
جے عشق دی رمز نوں جان دی اکھ ویہڑے عشق دے پیر نہ رکھ دی
اک ہجر فراق دی ہر ویلے نہ جگر علیٰ تے بھکھدی
شیراز سیاپا اکھ دا اے جے نہ لڑدی تاں ہائی لکھ دی

○

لکھ وار سجن نوں پنن گیاں خیرات نصیب نہیں ہوندی
نت دسدی اے کدھ مجبوریاں دی ملاقات نصیب نہیں ہوندی
جتھوں فیض فقیر نوں ڈھیونا ہا اوہ ذات نصیب نہیں ہوندی
اللہ سائیں شیراز نوں خوشیاں دی کائی رات نصیب نہیں ہوندی

عبداللہ شاکر

عبداللہ شاکر کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا۔ ”اسلامی انقلاب داسندیسہ“ کے نام سے طنزیہ شاعری کی کتاب شائع ہوئی۔ اکثر لمبی نظمیں لکھیں جنہیں مشاعروں میں بے حد پسند کیا جاتا تھا۔ طنز تیز اور سیدھی کہتے تھے جس کا رنگ سیاسی اور آہنگ عوامی ہوتا تھا۔ رشوت، سفارش، ہیرا پھیری اور زندگی کے ہر شعبے میں دوغلے پن کا چلن ان کی شاعری کے خاص موضوع رہے۔

ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے

جو اس دی جڑنوں پُٹدا اے، ایہہ اُسدے بُٹے لاندی اے
جو سُٹے اس نوں سر پر نے، ایہہ اُسنوں سرتے چاندی اے
ڈنڈے دے اگے جھکدی اے طاقت توں لرزہ کھاندی اے
بھلیاں نوں دھکے دیندی اے بریاں توں دھکے کھاندی اے
یوسف جیہے سوہنیاں ویراں نوں ایہہ کھوہ دے وچ لکاندی اے
میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
اَنھے نوں اَنھا آہندی نہیں ایہہ سگوں سُجا کھا کہندی اے
ڈاکو تے چور اُچکے نوں پئی گھر دا راکھا کہندی اے
اکاں نوں اَمب پکارے پئی تمیئیں نوں ما کھا کہندی اے
ایہہ کالی رات دے ڈھماں نوں پر نور دو اکھا کہندی اے
چمگڈاں نوں شہباز کہوے گدڑاں نوں شیر بناندی اے
میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
دا جسدا جتھوں لگدا اے پیا کھاوے لپ گڑپی اے
عزت دی او تھے خیر نہیں، جتھے وی بنی بھرپی اے
جے لیا اُدھارتے دینا نہیں جے آئی شے تے نپی اے
ہمسائے دا گھر چُنیا ایں بلی دی پیلی کپی اے

کم اک نہیں مسلماناں دا پر مومن قوم کہاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 بھائی دا بھائی ویری اے بیلی دا بیلی تیلی اے
 غرضاً تے یاری چلدی اے ڈھڈاں نے سنگت میلی اے
 پھوکی سب رشتے داری اے تھو تھی سب ساک سہیلی اے
 چنبے دا ہاسا جھوٹھا اے دھوکے دی باس چنبیلی اے
 جو آٹوں ہیرا دسدا اے اوہ وپوں کھوٹی چاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 ایہہ مال وکاؤ بن بن کے مل اپنا پیسہ منگدی اے
 ہر بندہ ایہتے وکدا اے، جے بولی ملدی ڈھنگدی اے
 لنگ اسدا ایسا لتھا اے لنگ لاہون توں ناں سنگدی اے
 نت ویچ ایمان ضمیراں نوں پئی تن دے جامے رنگدی اے
 فیشن دے پچھے اپنی عزت غیرت سب لٹاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 بھلمانس بندیاں تائیں بھج بھج پیراں ہیٹھ لتاڑے گی
 غنڈیاں دے پیریں پے پے کے کھنڈ آکڑ والے جھاڑے گی
 بدماش توں کھا کے چھتر پو لے اُسدے چھتر جھاڑے گی
 ایہہ راتوں رات امیر بن لئی سکھاں نوں گھر واڑے گی
 ہمسائے ماں پیو جائے دا ایہہ اج کل ورد کماندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 جو اس ویچ ساؤ بندے نیں اوہ ایویں پئے ترہندے نیں
 حق باطل دی جنگ ویچ ہمیشہ کھڑے کنارے رہندے نیں

جے ذرا ڈراوا و جدا اے ڈھے ڈھے کے پیریں پیندے نیں
 اوہ اپنے نازک اونہاں دے ہتھ لایاں بنیرے ڈھیندے نیں
 ایہہ اجڑ بھیداں گاواں دا ہر بھیدا پئی میاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندى اے
 ایہہ قوم نرالی سب جگ توں نت نویں پکھنڈ جگاوے گی
 مسجد ول کدے نہ تئے گی سینمے ول بھج بھج جاوے گی
 ایہہ فلمی چٹاں تاریاں دے شوقاں وچہ ڈھولے گاوے گی
 دھی نچدی ویکھ کے انہڑی دے مکھ اتے لالی آوے گی
 ڈیڈی دی غیرت ویکھ کے سب کجھ ذرانہ دھون نواندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندى اے
 جے بنے مصیبت بھائیاں تے ایہہ پھلی نہیں سماوے گی
 جے ٹکر ہو جائے گڈیاں دی ایہہ بوجھے کتر لجاوے گی
 ہڑ آوے کوٹھے ڈھے جاوے ایہہ کڑیاں وچ کے کھاوے گی
 بھکھیاں دا کھانا کانواں وانگوں جھاٹاں مار اڈاوے گی
 امداد جو باہروں ملدی اے ایہہ اندر پئی لنگھاندى اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندى اے
 سیلاب دے کھاتے نقدا نقدی کئی کروڑ وکھاوے گے
 کجھ حاکم گپھا مارن گے کجھ مددگار اڈاون گے
 سو وچوں پنچ روپے مشکل نال اگاں اڑاون گے
 باقی سب کھا کے وچ اخباراں فوٹو پیے کھچاون گے
 پھر جھوٹھ بیاناں بازی کردیاں جیجھ نہیں تھتھلاندى اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندى اے

اس قوم دے لیڈر اللہ اللہ سچے سوہنے موتی نیں
 بندے نال بندہ رہن نہیں دتا ایسی لڑی پروتی نیں
 دل سٹیا ساری قوم نوں ایسی انھی چکی جھوتی نیں
 منہ سب دا کالا کیتا نیں مل مل کے کالک دھوتی نیں
 اتحاد نوں توڑن والیاں تائیں سرتے قوم چڑھاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 دھرتی دا نمک عزیزو خالی ہو گیا اج نمکینی توں
 کوثر دا شربت پھکا پھوکا ہو گیا اج شیرینی توں
 چن سورج ڈر کے لگ گئے چنگڈاں دی نکتہ چینی توں
 اج دین دے وارث تھر تھر کنبدے پھر دے نیں بے دینی توں
 ایمان دی بجلی باطل دے کھلواڑیاں توں کتراندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے
 ایہہ ربی رنگ وچ جسم اپنی ساری زندگی رنگے گی
 فرعون تائیں ڈوب ڈاب کے ست سمندر لنگھے گی
 جباراں دے درباراں وچ ایہہ کڑکے گی ایہہ کھنگے گی
 اک خطہ اس نے کیہ کرناں ایہہ ساری دھرتی منگے گی
 اج دکھی دنیا ترلے لے لے اس نوں پئی بلاندی اے
 میں ہو حیران کھلوتاواں ایہہ قوم کدھر پئی جاندی اے



انور مسعود

8 نومبر 1935ء کو گجرات میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم لاہور میں حاصل کی۔ زمیندار کالج گجرات سے بی اے کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور سے فارسی میں ایم اے کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اول پوزیشن حاصل کر کے شعبہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ تقریباً 12 برس قبل گورنمنٹ کالج راولپنڈی سے فارسی کے پروفیسر کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔

اردو اور پنجابی میں مزاحیہ اور سنجیدہ شاعری کرنے کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہے۔ پنجابی میں ”میلہ اکھیاں دا“ اور ”ہن کیہہ کریئے“ کے نام سے مزاحیہ شاعری کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ کلام پڑھنے کے ڈرامائی انداز اور سنجیدہ اور مزاحیہ شاعری کے بلند معیار کے باعث مشاعروں کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ بطور شاعر کئی ملکوں کا کئی کئی بار دورہ کر چکے ہیں۔ شعر گوئی کا آغاز طالب علمی کے زمانے سے ہی ہو گیا تھا۔ آج کل پنجابی اور اردو کی مزاحیہ شاعری کے لوگ لیجنڈ ہیں جنہیں حکومتی اور ادارہ جاتی سطح کے کئی انعامات سے نوازا جا چکا ہے۔ احمد ندیم قاسمی ان کے بارے میں کہتے ہیں:

”انور مسعود نے عام بول چال دی پنجابی نوں اپنے سلیقے نال ورتیا اے کہ پرانی گل۔۔۔ جھوٹھی معلوم ہوندی اے کہ شعر تے فن دی زبان عام بول چال دی زبان نالوں اُپتی تے وکھری ہوندی اے۔ اس دیاں نظماں پڑھو تاں ارج معلوم ہوندا اے کہ ایس توں بعد ایس موضوع تے کجھ ہور لکھن دیاں ساریاں گنجائشاں ختم ہو گئیاں نیں“

شریف تنجاہی کا کہنا ہے کہ:

”اجو کی پنجابی شاعری دی کھڑی گلزار وچ انور مسعود اک وکھری ٹاہنی تے بیٹھا بول رہیا اے۔ اوس دی آواز بالکل نویکی اے۔ کجھی رہے نہ ہیر ہزار وچوں۔ جو کجھ اوس نے آکھیاتے جکن آکھیا اے کسے ہور نہیں آکھیاتے جے جتن دی کیتا اے تاں اوہ سواد پیدا نہیں کر سکیا۔“

بنین

بنین لین جاندے او

بنین لے کے اوندے او

پاندے او تے پیدی نسئیں

پے جائے تے لہندی نسئیں

لہہ جائے تے دوجی واری پان جوگی رہندی نہیں

بنین میں دیاں گا

پاؤ گے تے پے جائے

لاہو گے تے لہہ جائے

لہہ جائے تے دوجی واری پان جوگی رہندی نہیں

بنین میری ودھیا

بنین میری ٹاپ دی

وڈیاں نوں پوری آوے نکیاں دے ناپ دی

چیز ہووے اصلی تے مونہوں پئی اے بولدی

دُھپ نالوں گوری لگے رستی اُتے ڈولدی

جنھے ورہے چاہو تسیں ایس نوں ہنڈا لو

فیر بھانویں بچیاں دا جاگیکہ بنا لو

○

انارکلی دیاں شانناں

توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نارکلی دیاں شانناں

وَن سوئے گاہک نی ایٹھے بھلیو بھلی دکاناں

ویکھ نی اڑیے کھبے پاسے وال کسے دے کھلے

راہیاں دے پئے کھیہڑے پیندے خوشبوواں دے بُلے

سجے پاسے کھرلی دے وچ بنگالی رس گلے

پنچ کلیانے موجاں کر کے لٹ لے اڑیے بُلے

ویکھ کسے تھاں مونہہ نہ ماریں مڑ مڑ پیا سمجھاناں

توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نارکلی دیاں شانناں

ویکھ نی جیون جوگئے ایہتھے رنگ برنگ پٹولے
 سیر کریندے نظریں آون پریاں دے کجھ ٹولے
 چھڈ دے کھانے کھل وڑینویں ہن نہ چتیں چھولے
 چھڈ دے پینے گڑے دے شربت پی ہن کوکے کولے
 بوتل دے نال مونہہ نہ لائیں مونہہ وچ پائیں کاناں
 توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نار کلی دیاں شانان
 اٹھڑ شینہہ ٹیاراں والی چڑھتل کیہڑا جھلے
 مونڈے نال پیا مونڈا کھیندائے وجن پے دھر کلے
 اکھیاں وچ ننیں شرم دا کجلا مونہواں تے ننیں پلے
 اچا اچا سارے ویکھن کوئی نہ ویکھے تھلے
 نیویں نظر کیویں کوئی رکھے اچیاں ہن دکاناں
 توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نار کلی دیاں شانان
 چار چوفیرے ٹیڈی پھر دے نویں بہار دے کیڑے
 چاہڑے ہوئے اچھاڑاں وانگوں پاٹن ہاکے لیڑے
 وکھیاں اُتوں کھل کھل جاون ٹچ ٹچ کردے بیڑے
 جیہڑا ویکھے جیہہ اپنی نوں دنداں ہیٹھ دیڑے
 ڈاہڈیاں تنگ پوشاکاں دے وچ پھاتیاں ہونیاں جاناں
 توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نار کلی دیاں شانان
 جیہڑی تھانویں نظریں آون چار مسافر کٹھے
 اچن چیتی پے جاندے نیں پیر ترے کیوں مٹھے
 ہل پو ایہوں بیواقوفے لوگ کرن گے ٹھٹھے
 ایس دکانے پان وکیندے تو سمجھے نیں پٹھے
 ڈٹھا ای ایہہ ساوے پتر سوہیاں کرن زباناں
 توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نار کلی دیاں شانان

آ وڑیاں اپں ڈنگر مالا توں اج کیہڑے پاسے
 پیسے دے نی پتر سارے ایس گلی دے واسے
 مہاڑ ایتھے خالی اوندے خالی کھڑدے کاسے
 پلے جیکر پیسے ہوون ڈلھ ڈلھ پیندے ہاسے
 بہتیاں مینوں اوندیاں کوئی نہیں اگو گل مکاناں
 توں کیہہ جانیں بھولنے مجھے نار کلی دیاں شانناں
 ○
 جہلم دے پل تے

پہلا:

میرے ولوں سارے بھین بھائیاں نوں سلام ہووے
 جاتکاں، بزرگاں تے مائیاں نوں سلام ہووے
 لاری والا اجے کجھ دیر کھلووے گا
 سپاں والا باوا تساں سنیاں تے ہووے گا
 بچہ بچہ اج ایس باوے نوں سیہاندائے
 سرمہ میں ویچناں ہاں جگ سارا جانداے
 کدھرے نہ اج ایس سرے دا جوڑ اے
 ست ویہاں بوٹیاں دا عرق تے نچوڑ اے
 ایہنے کتیاں چشمیاں دا پانی پیتا ہویا اے
 سونف تے گلاب وچ کھرل کیتا ہویا اے
 بھانویں کڈی سُجی ہوئی آئی ہوئی اکھ ہووے
 لالیاں تے چوبھاں دی ستائی ہوئی اکھ ہووے
 دُھند ہووے، جالا ہووے، بھانویں ہون گُگرے
 اکھاں وچوں پانی وگے نالے اکھ رٹکے

چن دا وی چاننا جے اکھیاں ننیں سہندیاں
 اُٹھدیاں بہندیاں تراٹاں ہون پیندیاں
 پیڑ نک جاندی اے تے سوج لہہ جاندی اے
 اکو ای سلائی نال ٹھنڈ پے جاندی اے
 وہیہاں دی نہ دساں دی نہ پنجاں والی بات اے
 لاری دے مسافراں نوں خاص ای رعایت اے
 کھٹ کے چلانے ننیں میں کارخانے مومنو
 چار آنے، چار آنے، چار آنے مومنو
 پائے جیہڑا سرمہ اوہ ناز کر سکدا اے
 لوڑ ہووے جس نوں آواز کر سکدا اے
 ایویں میں قرآن دیاں قسماں ننیں چُکدا
 دلوں جے مکایے نہ تے وہم ننیں جے گدا
 ہور کیہہ اے چپ تہاڈی بھل ننیں جے سجنو
 چار آنے شیشی دا وی مل ننیں جے سجنو
 چیز جیہی ویچناں ہاں بھلا ہووے سب دا
 اکھ جیہا کیمرہ تے لکھ توں ننیں لہدا
 ڈیرے توں منگاؤ گے تے نرخ مال دکھرا
 ڈاک دا کرایہ تے محصول نال دکھرا
 کیہڑی سیٹ والیاں بزرگاں نے بلایا جے
 ہتھ وچ پیسے رکھو آیا جے میں آیا جے

دُوجا:

دوستو، بزرگو، نیانیو، سیانیو
دڏھ نالوں پانی ذرا تسی وی پچھانیو
میرے کول دارو اے جی دندان دی مشین دا
چڱی جے خراب ہووے مزاکیہہ اے پیہن دا
دندان دیاں پیڑاں نوں میں جڑوں کھچ سٹناں
چپچی دی اڑیس نال ہنڑوں کھچ سٹناں
دوستو، عزیزو میری گل ذرا تولناں
کلے دی مار وگے جھوٹ جے میں بولناں
دند ایویں کڈھنے تے پٹنے نسیں چاہی دے
رب جیہڑے موتی دتے سٹنے نسیں چاہی دے
دندان تے مسوڑھیاں دی کوئی وی بیماری ہووے
ٹھنڈا تیا پینے دی وی ڈاھدی جے لچاری ہووے
جیہڑے پاسے میری ایہہ دوائی کھے جاندی اے
میل وانگوں دندان نالوں پیڑ لہہ جاندی اے
پیکٹاں دے وچ میں ایہہ بند کیتی ہوئی اے
وڈے وڈے ڈاکٹراں پسند کیتی ہوئی اے
حکیم کولوں منگو گے دوا اوہنے دینی اے
حیلہ تساں کرنائیں شفا اوہنے دینی اے
روز متھے لگتاں میں ڈاکو نسیں لئیرا نسیں
دھیلی اک دوستو ایہہ نل کوئی ودھیرا نسیں
دندان نالوں ہور یارو چیز کیہڑی چنگی اے

بسم اللہ بیگناں دی جوڑی کنھے منگی اے

تریجا:

سال نواں چڑھیائے تے جنتری وی نویں اے
ایسے گلے وکدی پئی اج رواں رویں اے
ایہدے وچ لکھیا اے جس ویلے لگنائیں
چن نوں گرہن کدوں کس ویلے لگنائیں
لکھیاں نیں ایہتے ہین جدوں جدوں چھٹیاں
سال وچ ہونیاں نیں کدوں کدوں چھٹیاں
روزیاں دے وچ گھگھو کیہڑے ویلے بولنائیں
کنے وچ رکھنائیں تے کنے وچ کھولنائیں
ڈیوڑھا کنا لگدائے، سوایا کنا لگدائے
لہور توں کراچی دا کرایہ کنا لگدائے
مومنوں قرآن دیاں کنیاں نیں سورتاں
دیس دیاں نامی پہلواناں دیاں مورتاں
ریل دے کرائے دا تے سفر دا حساب اے
رمل تے نجوم جادو جفر دا حساب اے
دنیا دے وڈے وڈے ملکاں دے حال نیں
پندراں بیماریاں دے نسخے وی نال نیں
جنتری دے وچ کیہڑی چیز دسو گھٹ اے
جنتری ایہہ پورا پنساریاں دا ہٹ اے
کھل گیا اے پل بھانویں پل پیاں لاریاں
چھڈ کے نہ جان گیاں پلے تے سواریاں

سیٹاں اُتے بہو تسی ہولی ہولی سجنو!
 پنہجھی نویں پیسے تے پرانی پولی سجنو!
 جنتری دا گاہک ایہتھے کوئی وی نہیں دسدا
 چوراں دا جو مٹھا ہووے کسے تے نہیں دسدا
 ہدیہ روپیہ سی نہ مل دھیلی دوستو
 چنگا فیر اللہ راکھا اللہ بیلی دوستو



عاصی واصفی

گجرات کے رہنے والے تھے۔ ساری عمر ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹ لاہور میں بطور آرٹسٹ ملازم رہے۔ نومبر 1973ء وچ وفات پائی اور شاہ کمال کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مشاعروں میں کلام پڑھنے کے منفرد انداز کے باعث اپنے دور میں مشاعروں کی جان سمجھے جاتے تھے۔ احمد حسن حامد (مرحوم) نے ان کا مجموعہ کلام ”پھلکاری“ کے نام سے مرتب کیا تھا جو تاحال چھپ نہیں سکا۔

○

زاہدا رہن دے وعظ نصیحتاں نوں اڈے لان دا مینوں سکوپ کوئی نہیں
 اوتھے آکھنا ایں میں وی جاوساں جتھے اکھ مٹکے دی ہوپ کوئی نہیں
 جتھے گون غرارا فراک ساڑھی ٹائی کوٹ پتلون تے ٹوپ کوئی نہیں
 جتھے لپ اسٹک نہ نیل پالش جتھے لکس تے نم دا سوپ کوئی نہیں
 جتھے لتا مسرت بہار نیلو طالش نذر ظریف تے گوپ کوئی نہیں
 اسیں ایہہ جیہ بہشت توں کیہ لینا جتھے منڈوا تے سینما سکوپ کوئی نہیں



اعجاز احمد اعجاز

اعجاز احمد اعجاز لندن میں مقیم ہیں۔ اُردو اور پنجابی کے سینئر ترین شاعر ہیں۔ اُردو میں دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں جو خاصے مقبول ہوئے۔ برطانیہ میں ”مشاعرہ لٹ شاعر“ کے طور پر مشہور ہیں۔ ان کے کلام میں عصری مسائل اور ریاکاری پر بڑی کاری ضرب لگائی گئی ہوتی ہے۔ پنجابی میں ان کی یہ نظم اور سیز پاکستانیز کے حوالے سے ایک معرکتہ الآراء تخلیق کا درجہ رکھتی ہے۔

جنہاں پیتیاں شراباں اوہ تے پئے نیں
کدی منجیاں دے ہیٹھ کدی اُتے پئے نیں
راتیں شیراں ہار گجے سی ہن ویکھ لو
جیویں رڑے اُتے سانسیاں دے کتے پئے نیں
کدی لبھدے اچار کدی ننبو لبھدے
کدی وجدیاں لتاں کدی گوڈے وجدے
پگ گھل گئی لیڑیاں دی ہوش کوئی نہ
کدی ڈھکدے شریر کدی سر کجے
دھیاں پتاں والے پئے بے پتے پئے نیں
جنہاں پیتیاں شراباں اوہ تے پئے نیں
ساڈے وطن دے رانجھے رُلے انگلینڈ وچ
ہیرے کوڈیاں دے لُل تُلے انگلینڈ وچ
سارے خان سردار اتے ملک چوہدری
جیویں پانی وچ لُون گھلے انگلینڈ وچ
وانگ سٹھیاں دے ہلاں وچ جتے پئے نیں
جنہاں پیتیاں شراباں اوہ تے پئے نیں

ساہنوں وطنوں دی کھٹی مٹھی رُت بھل گئی
مٹھے شہد نالوں دُده وچ وس گھل گئی
بھلی شام ویلے نہر تے سریلی مری
سسی دُھند وچ برفاں بچ ہیر رُل گئی
ساڈی ٹہنی اُتے پھل بے رُتے پئے نیں
جنہاں پیتیاں شراباں اوہ سُتے پئے نیں

کن کھول کے ایہہ گل اعجاز سن لے
جیہڑا کوئی وی نہیں دس دا اوہ راز سن لے
جیہڑا وطنوں نوں چھڈ پردیس آ گیا
اودھی کوئی وی نہیں ہوندی آواز سن لے
اوهنوں پلسیاں دے کتے کدی جتے پئے نیں
جنہاں پیتیاں شراباں اوہ سُتے پئے نیں



ڈاکٹر امجد علی بھٹی

مترجم، نقاد، افسانہ نگار اور محقق امجد علی بھٹی یکم اکتوبر 1967ء کو ضلع نارووال کے گاؤں سائر باجوہ میں محمد لطیف کے گھر پیدا ہوئے۔ والد کی ملازمت کے سلسلے میں راولپنڈی میں بچپن گزارا اور والد کے بیرون ملک چلے جانے کے باعث پسرور شہر (ضلع سیالکوٹ) میں منتقل ہو گئے۔ گورنمنٹ مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کرنے کے بعد مستقلاً راولپنڈی میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ایم۔ اے پنجابی اور پی ایچ ڈی پنجابی کی اسناد بالترتیب بہاولدین زکریا یونیورسٹی ملتان اور پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے حاصل کیں۔ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، انجیر یونیورسٹی اسلام آباد اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں ملازمت کے بعد آج کل نسٹ میں تدریسی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ چالیس کے قریب کتابوں کے مصنف و مترجم ہیں۔ جھریٹاں تے نہوندراں، اکھر اکھر موتی، اعترافات (روسو کی سوانح)، انسان دوستی کا فلسفہ، انسان دوستی تے پنجابی شاعری نمایاں کتابیں ہیں۔ کبھی کبھار پنجابی میں شاعری بھی کرتے ہیں۔ آزاد نظم میں صاحب طرز شاعر ہیں۔ نمونہ کلام:

اپنے خلاف کیس

توں وفاتے جاٹاری دابت بن کے

میرے سامنے کیوں کھلوتی ایس؟

جانناہاں

تیری اس جاٹاری دیاں گنجھلاں

توں اج وی انمول بن دے شوق وچ

روز نیلام ہونی ایس

کدے توں تے کدھرے تیریاں ننگیاں تصویراں

ہتھو ہتھ وکدیاں نیں

یاد اے مینوں کہ توں

پر و ہتاں دے چڑھاوے چڑھدی رہی

مردہ خصماں دے نال سڑدی رہی

کلیساچ آپنی جوانی نوں توں قتل کیتا
 زندہ وی دفنائی جاندی رہی ایس
 کدی کنیز تے لوٹدی داروپ ملیا
 عقلوں ادھی، گواہیوں ادھی
 خورے تاں ای
 نبوت 'امامت تے خلافت وچ حصہ نہ ملیا
 کدے بھراواں قتل کر کے مال غنیمت رل ونڈیا
 کدھرے اقتدار اپنا بچاؤن لئی گن گن کے خراج وچ دتی گئی
 چھوٹی عمرے جوان ہونا وی مینوں نہیں بھلیا
 حیرت اے
 دو چار سو بندہ گھر بلا کے
 اج وی تینوں پکھیا جاند اے
 قبول اے کہ نہیں؟
 تیرے کولوں تیری پارسائی دا ثبوت منگیا جاند اے
 دفتر اں دی زینت تے بہتی وکری کروان والیے
 میرا مطلب! مرضیوں باجھ وکن والیے
 شکر کر گھروں باہر تے نکلی
 زنان خانے دا بوہا باہر ولے تے کھلیا
 تیرے مکھ تے پین والی پہلی نظر نوں حلال تے منیا گیا
 جاند اہاں
 وقت دیاں تیز روشنیاں وی تیری ظلمت نوں ختم نہ کر سکیاں
 مینوں احساس اے

تینوں وپچن تے خریدن دے صرف طریقے بدلے نیں
افسوس انج تک تیرے مقام دا تعین نہ ہو سکيا
تیرے نال ہون والے ظلماں دی تفصیل میرے کول اے
میں اپنے خلاف تیرا کیس تیار کر رہیاں
○

غزل

داناواں نے مانی چُپ
وڈکے چُپ نیں ہانی چُپ

چُپ دیاں دو ای قسماں نیں
بھولی چُپ سیانی چُپ

اوہدی مُچھ دا تک کے تاء
ساری پرھیا مانی چُپ

بولیا جس دم کالا باز
ہو گیا نہر دا پانی چُپ

سانوں لے دے بیٹھی اے
لُوبلی لنگڑی کانی چُپ



طاہر محمود

شیخوپورہ کے طاہر محمود طبقاتی تقسیم اور معاشرتی ناانصافی کے خلاف ساری زندگی جدوجہد کرتے رہے۔ نمونہ کلام:

○

میں کھسہ پایا خاک دا سورج دی بنھی پگ
میرا خون حیاتی ونڈدا میری نیزے تے شاہ رگ
میرے لوں لوں بکھاں رچیاں تے تلیاں تے دو جگ
میرے چار چوہیرے کالٹاں میرے اندر ہے جگ مگ
مینوں جنڈڑی دتی سولیاں تے پانیاں دتے راہ
سو واری عزرائیل دی میں ہک وچ وچا ٹھاہ
میں داداں لیاں خضر توں میں موت نوں دتے پھاہ
میری منزل میری مٹھ وچ میرا بلھے والا راہ
جد میرا جتھ پتھیا تے بنیا رب مزدور
میری مٹھی چابی واسطے پئی سکے ستر حور
میں پتلا سُچی خاک دا میرے قد میں ڈٹھا نور
میں حدوں ودھ مختار ساں اج حدوں ودھ مجبور
میں نائب رب قدیر دا میرے مٹی زل گئے چاء
مینوں خالق نے تخلیقیا تے خلقت دتا ڈھاء



ظفر اقبال

اردو کے معروف شاعر ظفر اقبال بھی 1960ء کی دہائی میں پنجابی لکھنے والوں کی صفِ اول میں شامل تھے۔ ”ہرے ہنیرے“ کے نام سے پنجابی شعری مجموعہ چھپ چکا ہے۔

اُٹھی سی لہر اگ دے بلدے سمندروں کئڈھے تے میں دی ساں کوئی میرے جیہاوی سی
دُھجیاں دُھپاں، تڑک پئی کالے گراں دی جھل چیکاں مار کے کھلر گئی اسمانے اڈ دی ال



امین خیال

گوجرانوالہ کے امین خیال پنجابی کے سینئر ادیب ہیں ”سولاں سر سرداری“ کے نام سے مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

جھوٹھ دا مٹھا زہر جے مینوں پچ گیا تے آکھیں میرے ہڈوں ہڈھوں جے کر سچ گیا تے آکھیں
دے کھاں اک نظارہ تیری دید دے چاوج نچاں قسمے جے کر غیر دے ویہڑے نچ گیا تے آکھیں

ساقی گجراتی

15 نومبر 1945ء کو میاں امان اللہ کے گھر گجرات میں پیدا ہوئے۔ ایم اے پنجابی اور ایم اے اردو کر کے تدریس کے شعبے سے وابستہ ہو گئے۔ شعری مجموعہ ”کن من کن من سوچاں“ 1993 میں شائع ہوا۔

چڑھتل زالی ویکھ کے اوہدے شباب دی دیندے نیں لوک داد مرے انتخاب دی
آیاتے دل نوں ہور نویں زخم دے گیا چرتوں بڑی اڈیک سی جس انقلاب دی

پنجرے وچ صیاد نے جیہڑے پنچھی تاڑے ہوون گے
بجلی نے وی اوہناں دے ای تیلے ساڑے ہوون گے



رانا خالد محمود

12 مئی 1964ء کو وہاڑی میں پیدا ہوئے۔ ایم اے ایل ایل بی اور ایم اے پنجابی کرنے کے بعد سرکاری ملازمت میں آگئے۔ آج کل سینڈ سیکرٹری ایف بی آر ہیں۔ پنجابی اور اردو میں شاعری کرتے ہیں۔

○

ورہیا بعدوں تیری چٹھی آئی کیوں کھولاں دس
ڈردا واں کتے لکھیا نہ ہووے تیری میری بس

○

زمانہ بدل گیا اے

ہر شے اُلٹی دیکھنے آں پر وس نہ ساڈا چلے بھاء جی
عقلاں والے پردہ کر گئے رہ گئے لَلّ وَلّے بھاء جی
سارے تیرے رشتے دار نہیں جے کج تیرے پلے بھاء جی
جیہدا ایہتھے داء لگدائے لُٹ لیندا اے پہلے ہلے بھاء جی
افسر کسے دی کیہہ سننی ایں کلرک وی پیا دَبّے بھاء جی
مک مکا جے باہر نہ کیتا تھانے وچ فر کھلے بھاء جی
فائل ٹورنا جے چاہنا ایں پیہے لا ایہدے تھلے بھاء جی

○

تیری چوڑے والی بانہہ پھڑکے اتے متھے توں وال پچھانہہ کر کے
چک ٹھوڈی نگھ اتانہہ کر کے جے پچھ ای بیٹھاں تیراناں کیہہ اے
تاں کیہہ اے؟

جے غم دیویں تے بھوں جاواں رُکھ ماڑے وانگوں چوں جاواں
میں گلاں کردا سوں جاواں فیر کہنی مار کے توں پچھیں
ہن بول وے اڑیا گانہہ کیہہ اے تاں کیہہ اے؟



بابا نجھی

6 ستمبر 1948ء کو غازی آباد لاہور میں پیدا ہوئے۔ راوی فلمز لاہور میں منبجر رہے۔ عمر کا زیادہ تر حصہ یعنی 35 سال کراچی میں سڑکوں پر مزدوری کرتے گزارے۔ آج کل مستقلاً لاہور میں ہیں۔ ”اکھراں وچ سمندر“، ”سوچاں وچ جہان“، ”میراناں انسان“ اور ”سرکارا“ کے نام سے پنجابی کے چار شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ بھارت سے ان کا منتخب کلام ”ساٹھے پنجاب دالوک کوی“ کے نام سے شائع ہوا۔ کلام میں سیاسی رنگ اور طبقاتی تقسیم کے حوالے زیادہ ہیں۔

غزل

شیشے اتے ڈھوڑاں جمیاں کندھاں جھاڑی جانڈے نیں
جلداں سانجھ رہے نیں جھلے ورقے پاڑی جانڈے نیں
اوہناں داوی توہیوں رب ایں ایہدا اج جواب تے دے
عیداں والے دن وی جیہڑے کرن دیہاڑی جانڈے نیں
جنہاں دے گل لیراں پئیاں اوہناں ولے تكدے نیں
قبراں اُتے تیلے جڑیاں چدراں چاہڑھی جانڈے نیں
رستی کیتھوں تیک کریں گا ڈھلی اوہناں لوکاں دی
جیہڑے اک حویلی بدلے جھگلیاں ساڑی جانڈے نیں
چل اوئے بابا نجھی اپنے پنڈاں نوں منہ کر لئیے
شہراں دے وسنیک تے اپنے شہر اجاڑی جانڈے نیں

جنے کھنے دا اجی ہویا دھیاں لئی دھیاں کولوں لگ لگ رويا دھیاں لئی
اُچا قدسی آپنی جوہ دے لوکاں توں داج بناؤندا کُبا ہویا دھیاں لئی
ہور کسے وی ہٹی اُتوں لبھنا نیں ایہہ میں جیہڑا ہار پرويا دھیاں لئی

لوکی تیل نہیں چوندے بابا شگناتے مزدوراں نے مڑھکا چویا دھیاں لئی
 صدیاں ہونیاں ہن تک لبھدا پھرناواں ہے کوئی بابل جو ننیں رویا دھیاں لئی
 وچ ہوا واں ہوکاں کوکاں چیکاں نیں فیر کوئی میرے ورگا مویا دھیاں لئی

اکو تیرا میرا پیو اکو تیری میری ماں
 اکو ساڈی جمن بھوں توں سردار میں کئی کیوں



اقبال راحت

اقبال راحت شیخوپورہ میں محمد دین کے گھر 25 اگست 1947ء کو پیدا ہوئے۔ شعری مجموعہ ”سجراچن“ کے نام سے 1995ء میں شائع ہوا۔ کتاب کے آخری حصے میں طنزیہ و مزاحیہ شاعری بھی شامل ہے۔

اتھریاں ہونیاں اج سے دیاں ٹوراں نیں اچا ویکھن والیو ہیٹھاں گوراں نیں
 کڈے رئے جگراتا، پہرا دیندے رہے اکھ لگی تے سنھاں لائیاں چوراں نے
 آج وی اوس دا وعدہ جھوٹھا لگدا اے دن گن گن کے ہن تے گھسیاں پوراں نیں
 تیرے ایس غرور دے کوٹھے ڈھے پینا دھوناں چکیاں جدوں کدی کمزوراں نے
 پانی دی تھان رت پیائی جنھاں نوں چھاں اوہناں رکھاں دی مانی ہوراں نے

کدے نہ تڑندے ارمان دل دے جے ہوندے معاملے آسان دل دے
 پوے چڑھناں صلیباں سولیاں تے نبھاؤنے سہل ننیں پیمان دل دے



نجم حسین سید

پیراں پوری بٹالہ میں 27 اکتوبر 1927ء کو پیدا ہوئے۔ ایم اے انگلش کر کے اکاؤنٹس سروس سے منسلک ہو گئے۔ آج کل ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔ پنجابی میں تنقیدی کتابوں اور ڈراموں کی کتابوں کے علاوہ ”چندن رکھتے ویہڑا“، ”باردی وار“، ”رت دے کم“ اور دیگر شعری مجموعے شائع ہوئے۔

محققین علوم شرقیہ

(رومی دے اک شعر نال دھکا)

داڑھی حالی، مچھ اقبالی، سر سیدی ٹوپی
مفلر شبلی دا، ڈھڈ پر انیاں شاہو کاراں دے
اکھ پر انیاں سپاں دی، موڈھے رہن متہراں
بُھکھ مجاؤراں دی، بختاؤراں دی سُنکھ پچھاڑی
پچھلے پیریں تڑ دے نیں
لپٹ جنھاں نوں چڑھ جاوے کستوری دی
اوہ بھاگاں والے کد گھریاں تے اڑ دے نیں

قوالی

اساں ناواں دے ڈر پیتے، ننگے ناں گناہ جیہے ہولے، اسیں کج کج بھارے کیتے
جند اکہری رہوے کہ نکلے، کفن پنہوہرے سیتے
ناں دے بھار چوں بُھل بُھلکے جیکر کر گیا بھورا
روز ازل توں روز قیامت تلکن اک گھورا
گھر ساڈے کوئی سوڑنہ آجائے، کوئی سی آئی ڈی والانہ پھیر اپا جائے
ناواں نوں اسیں چوڑے کر کر آپیں اندروڑنے آں
ناں سانوں کھا کھاوڈے ہو گئے، اسیں باہر کھلوتے ڈرنے آں

قوالی

جنگل وچ چڑی نہ چوہے، نہ کوئی ہرن چھڑپے
وچ وچالے برج اے عرشی، دوال پتال نیں کھے
ورھیاں بدھیں پل کاٹھ دا، کھے اُپر لہندائے
جُسے لوہے بیڑ کے جیہڑے، پیڑھیو پیڑھی تمبوتان کے بیٹھے نیں
وگ تک اندر وڑدے نیں، برجوں باہر کدے نہیں آئی کوئی واج وکھالی
بعضے آکھن برج اے بھریا، بعضے آکھن خالی

فنائی الوجود

پھکارنگ تے سنگھناں مٹھا، ایہا صفت جلیبی دی
سپ سکنج والی کھیڈے کھیڈے، ایہہ لاہوے تاں پاوے کیہہ
آپنے آپ توں بے نکلے تاں نکلے کیہڑے داء
آپنے گل وچ آپ جلیبی پھاہ
○

چنوں چودھویں

رات پئی تے چلھا بوجھ گیا، کھڑکھڑ ہسیا تو
ہسدیاں ہسدیاں کر گئیاں دندیاں، مونہہ تے لوئی لئی
توے تے پائی گلی گلی، ساری رات رہی پئی
بھادریں دی شام

جس ویلے آن کے چڑھیاں کانگاں اسان لہندے ول منہ کر کر دتیاں بانگاں
ہُن ویکھ کے جائیں سکلیاں صفاں وچھائیے تے رات لنگھائیے نیت نقل شکرانے دے



واصف علی واصف

لاہور میں مقیم درویش صفت واصف علی واصف ایم اے انگلش کر کے نابھہ روڈ پر اپنی اکیڈمی چلاتے رہے۔ تصوف کے حوالے سے ان کی شخصیت ملک گیر شہرت رکھتی تھی۔ ہزاروں لوگ ان کے معتقد تھے۔ آپ کے اقوال اور خطبات پر مبنی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں جو عقیدت سے پڑھی جاتی ہیں۔ اُردو کے علاوہ پنجابی کے بھی اچھے شاعر تھے۔ پنجابی شعری مجموعہ ”بھرے بھڑولے“ 1994ء میں چھپا جس کا سرورق حنیف رامے نے بنایا تھا۔

○

اُد دی نئیں اسماناں اُتے اپنے آپ پتنگ جیہدے ہتھنچ ڈورائے تیری اوہدیاں خیراں منگ
میں ہسناں تے یار ہتھیرے، جے روواں تے کلا دُکھاں دے ٹاپو دے اندر کوئی نہ جاوے سنگ
غم جوانی نوں کھا جاوے، ہڈیاں ماس سُکاوے پہلی بوندنچ پھٹ جانڈے نیں چمکن والے رنگ
ایہہ حیاتی آپنی ساری، روح تے بُت دا جھگڑا رانجھارا نچھا کردی مرگئی سیدے یار دی منگ
کوڑی دُنیا دے وِچ وَاصف سچی گل نہ کرے سارے کوڑے کٹھے ہو کے دیندے سُولی ٹنگ



شہار

اصل نام خوشی محمد۔ فضل دین کے ہاں 20 مئی 1937ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ اُردو کے پروفیسر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ ”بال ہڈاں دی آگ“، ”تخت نہ ملدے مگے“، ”بچے محل پنجاب وچ چان“ کے علاوہ اور کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

○

سدھے تے سیانے دی سانجھ

میں تے وچھاہان دے، اک مدت توں، اک دو بے نون جان دے

دُده پندے آئے گاں دا، وچھے یار دی ماں دا

کٹھے تے اج کل وی رہنے آں، پر کم وکھرے وکھرے نہیں

وچھایار چھڑا پسماؤندا اے، دُده میں کلا ای پندیاہاں

○

گو نگیاں بولیاں داسکول

توں گونگائیں، میں ڈوراہاں

دونویں رل کے صلاح بنائیے، گونگیاں بولیاں داسکول کھولن دی

پرچے وچ اشتہار دیے، ضرورت اے اک اٹھے پر نسیل دی

جیہڑا عقل دا انھاوی ہووے

چن

پہلی رات دا، میلی سیج تے کسے بیوہ دی ٹٹی ونگ دا گلڑا

چوہدویں رات دا، وچ چور تے ٹونا کیتی بھل پھٹکڑی ٹکی



احسان باجوہ

15 جنوری 1951ء کو تحصیل پسرور کے قصبہ قلعہ کالروالا میں پیدا ہوئے۔ ایم اے پنجابی اور ایم اے اکنامکس کر کے صحافت کو بطور پیشہ اپنایا۔ ”کوارجنڈل“، ”پیلوں پکیاں“ نی کے نام سے شعری مجموعوں کے علاوہ ”نویں پنجابی نظم دے رتن“ (2004ء) کے نام سے ایک کتاب مرتب بھی کی۔ ان کا ایک کارنامہ پنجابی کہاوتوں پر مشتمل تین جلدوں میں کتاب مرتب کرنا بھی ہے جو پنجاب انسٹیٹیوٹ آف لیٹریچر اینڈ کلچر لاہور سے شائع ہوئیں۔

سندرتا

تیرے ورگا سندر مکھڑا، فیر ننیں ڈٹھا
ہرنی ورگی اکھ، میں مڑ کے فیر ننیں ڈٹھی
ہر جتے وچ تیریاں اکھاں، نظریں آون
تیرے متھے ورگی دکھ، میں فیر ننیں ڈٹھی

سانجھاں دی خوشبو

دُنیا اُتوں مک جاوے جد، سانجھاں دی خوشبو
دیوے پچھدے پھر دے، جگ تے، کتھے ٹرگئی لو

وریام

جیہڑا ٹورن سکھ لیندا اے، وقت دے اتھرے گھوڑے نُوں
جیہڑا پھڑ لیندا اے، اپنے ہتھ وچ واگ ہواواں دی
جیہڑا اپنی مرضی موجب، دریاواں نُوں موڑ سکے
اوہنوں کدی وی لوڑ نہ ہوندی، منگیاں ہونیاں چھاواں دی



سلمان سعید

12 اکتوبر 1951ء کو لاہور میں احمد سعید کے ہاں پیدا ہوئے۔ بی اے کر کے لاہور ٹی وی میں پروڈیوسر ہو گئے۔ شعری مجموعوں سجرے حرف (1981ء) اور چپ کھلوتے پانی (1992ء) کے علاوہ بھی کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔

ایک نویں خواب دادروازہ

ویل دے اُتے کھڑے ہوئے سن، پیلے پیلے بھل
کوٹھے تے اک نار سی جس دے، لال جے سن بُلھ
ویکھ کے اوہنوں اک دوپل لئی، گیا میں سب کُجھ بھل
میرے لئی اک نویں خواب دا، دروازہ گیا کھل
سورج سامنے اک عورت

اکھ دیاں آخری حدّاں تیکر، نیلا نیلا پانی سی
کُھلے ہوئے وال سن اوہدے، اکھاں وچ حیرانی سی
خورے کیہڑی گل اُتے اوہ، اچی اچی ہسی سی
فیر او خورے چیکاں مار کے، سورج ول کیوں نسی سی

دواکھاں

اک اکھ وچ ست سمندروں، ڈونگھی دے سے محبت
دوجی دے وچ سورج دی آگ، تُوں وی ودھ اے نفرت
کیہڑی اکھ نُوں سچ میں مٹاں، کس نُوں جھوٹا سمجھاں
کس تے کراں بھروسہ تے میں، کس تُوں دھوکھا کھاواں



ڈاکٹر احسان اکبر

احسان اکبر 4 جنوری 1938ء کو سیہور میں پیدا ہوئے۔ اُردو میں پی ایچ ڈی کی اور 39 برس تک تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ مستقلاً اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ اُردو شعری مجموعہ ”ہوا سے بات“ 2002ء میں چھپا۔ پنجابی میں بھی عمدہ کلام کہتے ہیں۔

نی کڑیو

نی کڑیو نریو نھیر یو!
تسیں پاروی بیلے آئیاں، تسیں پھلاں دیاں سودائیاں، پھل دیندے رہے ڈہائیاں
پر تسیں نہ پرت کے آئیاں، جو شکلاں میں سن گوائیاں، رب تہاڈے سنگ رلائیاں

کجھ نخرے سن منہ زور جھے، کجھ پیلاں پاندے مور جھے
کجھ چاء سن پہلی سنگ دے، کجھ ہاڑے ہان دے سنگ دے
کجھ روپ جمال نتارویں، کجھ ورہے وی سولھویں ٹھارویں
قد کاٹھیاں جگوں باہریاں، اس سوہنے آپ اُساریاں

نی کڑیو نریو نھیر یو!
تسیں کد تک کھڑ کھڑ ہستاں، اک گھر جے اوڑک وستاں
اوہ گھر آخر اس شہر دا، جیہڑا محرم نت دے قہر دے
پل دوپل و ہنالہر دا، مڑ ویلا پشلے پھر دا
مڑ حُسن دا اوہو حال نئیں، ایہہ دریا بھریا زہر دا
وچ کاہنوں دیوے بالنے
نی کڑیو نریو نھیر یو!

غزل

اگے لکھن والے ٹھنڈے ٹھار راہی ساہنوں تھلاں اندر واجاں مار دے رہے
اسیں خواب خیال دے راہی ہے ساں تتی ریت اُتے بیڑے تار دے رہے
کوئی سُکھ سنیوہڑا جھات پاندا گھریں خیر خبر والی بات لکھدے
کیہڑا دیسے کاج سوار رہے ساں کیہڑا آکھیے محل اُسار دے رہے
کتے دُور دراڈڑے کھڑ دے نیں سوہنے بھل رویل چنیلیاں دے
ساڈی پیلی وچ دُھپ و سار مل گئی بیٹھے بے ای اُچیرے اسار دے رہے
دسں بہہ گئے جس کسے حال بچھیا، کوئی حال سی حال سنان والا
اجے کھلی بہار دے دن نہیں سن ایویں اندر دی باہر کھلار دے رہے
چائیں چائیں جنہاں سریں بھار چائے اوہناں گبھرو جوناں نون واج پے گئی
شوق مہندی جنہاں ہتھوں نہیں لٹھی بازی جتدے گئے سرہار دے رہے

ماہیے

- کھلا پانی وگد اسی۔ کہے چنگے ویلے سن
- کھاہدا پیتا لگد اسی
- تونی اُتے اوہ پروہناسی۔ جہڑا پیڑے کردی نون
- نیت چیتے اونان سی
- پے بدلاں تے تر دے ساں۔ جد باہر کھڑا اک ہو یا
- کوئی گل پے کردے ساں
- چاء کیڈی چھیتی لہہ گئے نیں۔ میرے رانگے خواب ماہے!
- تیری چھتی اُتے رہ گئے نیں



ڈاکٹر راشد حسن رانا

ڈاکٹر راشد حسن رانا قائد اعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے پنجابی کے پروفیسر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ منفرد لہجے کے شاعر ہیں۔ جدید حسیت اور نئے آہنگ کی نظمیں لکھتے ہیں۔ پہلا مجموعہ ”چپ چسپتی شام“ کے نام سے 1980ء میں شائع ہوا۔

حیاتی

شام پوے تے پنچھی سارے نھیرا لے کے گھر نوں آندے
دن چڑھدا تے نھیرا لبھن چار جنیرے کھلر جاندے
ترکش ٹنگے جنڈ

ترکش ٹنگے جنڈ	اسیں گھوڑے بنھ طیلڑے
تے ننگی کر لئی کنڈ	اسیں راوی دامن ویچیا
اسیں کدی نہ پھیری کنڈ	اسیں چھویاں سٹ گوانیاں
چڑھی سی جس دی جنج	اوہ دُلا بنھ کے ماریا
جنھوں ویکھ کے رہندے انگ	بُرج منارے شہر دے
ہُن راٹھوں ہوئے چور	اسیں کھل سدا اکھواوندے
ہُن پُت بنا کوئی ہور	دھرتی مائے ساڈیے

نظم

شہر داہراک واسی جیویں، تھل وچ گلاڑ کھ
آپو آپنی خوشی اے سبھ دی، آپو آپناڈ کھ
پارٹی وچ اک سداھی جیہی گڑی
نہ کوئی ہار سنگھار سی کیتا، نہ سن نین شرابی
فیروی اوہدے ہون نے کیتی، سبھ توں ودھ خرابی



حسین شاہد

15 مارچ 1931ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ 1973ء میں بیرون ملک چلے گئے، آج کل ہالینڈ میں ہیں۔ پنجابی کے منفرد انداز اور مختلف سوچ رکھنے والے شاعر اور ادیب ہیں۔ ”پورنہ“ (1972ء) تنقیدی اور تحقیقی مضامین کی کتاب تھی۔ افسانوں کا مجموعہ ”لاپریت“ (1973ء) اور ناول ”ڈراکل“ کے نام سے چھپا۔ ”عشق تے روٹی“ (1976ء) اور ”جنگل کوکال“ (1990ء) کے نام سے شعری مجموعے چھپے۔

تجارت

کاؤنٹر اُتے وچھ وچھ پیندی، گلی وچ اکھ چراندی
سمجھ نہ آوے کیویں ایڈے لمے رُوپ وٹاندی
دیکھ تجارت بندے کولوں، کیہہ کیہہ کجھ کرواندی

اِف تے بٹ

اِف تے بٹ دیاں چُولاں اُتے جگ دی کھلی چوگاٹھ
دُنیا اتوں بندے مک گئے رہ گئے اِف تے بٹ
اِف تے بٹ دا کھٹیا کھائیے رب وی کدھرے ڈھائے چڑھ جائے
اِف تے بٹ دے نیزے مار کے اوہنوں پار لنگھائیے

اشتہار

لوڑیدا اک حاکم ساہنوں پُٹلی نوں ترجیح دیواں گے
تھوڑی انکھ تے بہتا چانس جے پورس دا ہاتھی ہویا
پہلی پیشی چُنیا وُجھے واشنگٹن منظوری دیسی
تخت حکومت پاکستان! انٹرویو تہران!



ساجن بابو

ساجن بابو منفرد سوچ اور سادہ بحر کے شاعر ہیں جن کا مجموعہ ”گنجھلاں“ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

چنگا

گیت امن دا گاوے جیہڑا کرے نہ جیہڑا دنگا
اوہو سبھ تُوں ودھیا بندہ اوہو سب تُوں چنگا

عقلاں والے شکلاں والے

ونڈ کے پچے موتی مڑ گئے چنگیاں عقلاں والے
مٹی دے وچ مٹی ہو گئے سوہنیاں شکلاں والے

ہر کوئی جھوٹھے رونے روند ا ہر کوئی جھوٹھے ہاسے ہسدا
نہ کوئی ایہتھے کھریاں سُن دا نہ کوئی ایہتھے سپیاں دَسدا

بھریاں مرچاں ورگا سچ کھریاں مرچاں ورگا سچ
مٹھا کسے تُوں لگدا نسیں ہریاں مرچاں ورگا سچ

نہ لوڑ علم دی نہ استاد دی ضرورت نہ عرض دا اے چاء نہ ارشاد دی ضرورت
مولا تُوں بھیج ایہتھے چنگیزیاں ہلاکو ہُن پے گئی اے ڈاڈے جلا دی ضرورت

آدمی دی بے نہ توڑے آس آدمی ایہتھے کوئی دے نہ اداس آدمی
لگ جان خوشیاں دے میلے ہر تھال کھاوے بے نہ آدمی داماس آدمی

اڈگئی بھنورے دے سنگ تتلی مار گئی مٹھا جیہا ڈنگ تتلی
ہتھاں ولے میں تکدا ای رہ گیا کیہو جیسے چھڈ گئی رنگ تتلی

قد کاٹھ نال اُچا ہونا اوکھا اے جناب
زرٹھاٹھ نال سُچا ہونا اوکھا اے جناب
اُچا اوہ وے جس دے خیال اُچے ہوندے نیں
سُچا اوہ وے جس دے خیال سُچے ہوندے نیں

رُتتاں

پاسے پرتے ویلے نیں اوقاتاں بدل گئیاں
جیوں جیوں موسم بدلے ایہتھے ذاتاں بدل گئیاں
نہ اوہ ٹھاٹھ خزاں دے کدھرے نہ اوہ مست بہار
پت جھڑ ہور دی ہور ہوئی برساتاں بدل گئیاں

غزل

پل پل رنگ وٹاوے جیہڑا بن جاندا بدرنگ
عیب کسے دے پھولن والا آپے ہوندا ننگ
گُدی نئیں اصلیت بھانویں سو سو پردے پاپے
بھیڑا صدیاں بعد وی بھیڑا چنگا اوڑک چنگا
سوکھی کسے دی گچی گھٹنی سوکھا گل ہتھ پانا
سمجھ تے اس دم اوندی اے جد گھٹے آپنا سنگھا
سُر وچ سُر ت سنبھال کے جیہڑا گل کرے نہ سُر دی
کیہہ اوہدی سارنگی ساجن کیہہ اوہدا سارنگا



افضال شاہد

افضال شاہد اردو پنجابی کے ایک اہم ادیب، شاعر اور صحافی تھے۔ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کی۔ پنجابی زبان و ادب کے فروغ کی تنظیم ورلڈ پنجابی کانگریس کے جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ چودہ فروری 2012ء کو دل کا جان لیوا دورہ پڑا۔

لکراں نال یارانے

نہ کوئی سنگی، نہ کوئی بیلی

ہتھ وچ کاسہ، کتھیں مندراں، متھے داغ نیں کالے

اسیں آں لیر ولیر

تے ساڈے

لکراں نال یارانے



فضل الہی بہار

فضل الہی بہار پنجابی کے اہم ادیب اور شاعر تھے۔ پہلے لاہور اور پھر راولپنڈی میں قیام پذیر رہے۔ 2011ء میں وفات پائی۔

ایہہ گلہ تارو تار جوانی آگئی اے ہے دھرتی پہاں بہار جوانی آگئی اے
پئی نچے اک ٹیار جوانی آگئی اے کد آوے گا دلدار جوانی آگئی اے
اکھ سرے دی اے دھار جوانی آگئی اے کد سانول لئے گا سار جوانی آگئی اے
ایہہ ڈاہڈا ات خمار جوانی آگئی اے کد لتھے گا ایہہ بہار جوانی آگئی اے
اک دو دھاری تلوار جوانی آگئی اے ایہہ کہندا سدا بہار جوانی آگئی اے



بیراجی

اصل نام کبیر الدین بھٹی۔ یکم مارچ 1946ء کو اکبر بھٹی (معروف رائٹر اور پنجابی کے افسانہ نگار اکبر لاہوری) کے گھر لاہور میں پیدا ہوئے۔ بہت اچھے شاعر ہیں۔ ایک عرصہ تک روزنامہ خبریں لاہور کے پنجابی اخبار ”خبریں“ کے ایڈیٹر رہے اور ادبی صفحے کے ذریعے پنجابی ادب اور شاعری کے فروغ کے لیے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ شعری مجموعے ”تبی اکھ داسفنا“ 1987ء اور ”تریل داسیک“ 1993ء میں شائع ہوئے۔

غزل

یکے دے نال جڑ جڑ بہندے شاہ بیگی تے گولے
ہر اک ککھ دیاں جمیاں وکھو وکھ بنائے ٹولے
آپنیاں صفتاں پاروں صاف پچھانیاں جانڈیاں جنساں
بہتا چر نہیں لگے رہندے کنکاں دے وچ چھولے
اودھا کرے سواگت چن وی کھول کے اپنے بوہے
جیہڑا جدہا آسماناں ول اڈن لئی پر تولے
اوہنوں کس نے اپنے نال ٹرا سلکنا ایں جیہڑا
کندھاں نال سہارا لے کے وی پیراں توں ڈولے

غزل

اودھی منزل کھوٹی ہو جائے اودھا چچین نکھٹے
اوس اسمبلی دے ٹنن داکیبہ افسوس میں کردا
مر جائیے تے اکو جیہیاں نیں دھپاں تے چھاواں
چنگے لئی چنگی تے بھیڑے لئی بھیڑی اے دُنیا
غیراں دے نال رَل کے جیہڑا اپنے گھر نوں لٹے
جیہڑی کچے بھانڈے وانگوں اک ٹھڈے نال ٹٹے
آپنا مارے تے کہندے نیں مار کے چھانویں سٹے
آپے وچ ڈگدا اے جیہڑا دوجے لئی کھوہ پٹے

غزل

ویلے کولوں منگواں جس نے اک دیہاڑ لیا
دُنیا کیہہ اے رنڈی دے کوٹھے دا ڈوجاروپ
اوہناں بلدے آل دوالے کولوں ڈرنا کیہہ
اوہنوں ساری عمراں دے لئی ویلے تاڑ لیا
جیہڑا ایتھے آیا اودھا کھیہہ جھاڑ لیا
جنھاں اپنے ہتھیں اپنا جھگا ساڑ لیا



شہزاد قیصر

ملتان سے تعلق رکھنے والے شہزاد قیصر سول سروس میں انتہائی اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ علم و ادب سے محبت اور شاعری و انشائیہ نگاری سے خصوصی شغف رکھتے ہیں۔ کئی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، سرانیکی میں جدید کافیوں کے بانی تصور کیے جاتے ہیں۔ ”گل وچ پائیم پریت مہار“ کے نام سے شعری مجموعہ 1990ء میں شائع ہوا۔ شاعری میں میراں تخلص کرتے ہیں۔

○
ایس جہان چ من کے ویکھو، سدھی نہ کوئی لکیر
جیہڑا کھچ کے سدھی واہووے، جوگی سنت فقیر

ویلا جاوے ڈھل

تتی ریت اے چار چنیروں، پیر نہ سکدے جھل
سخر دوپہرے لو دے کارن، سڑدی جاوے کھل
رکھاں اُتے ڈاڈھا سایہ، نظرے نہ کوئی پھل
تھل وچ ربا جل تھل ہووے، رحمت داینہ گھل

کافی

ازلاں توں اک چولا پایا، ابدان تیک ہنڈاواں
پیراں وچ پرائڑیں جُتئی، موچیاں تھیں گنڈھواواں
نفس امارہ جے ہتھ آوے، ڈاڈھا سخت پھنڈاواں
ونڈن دا چچ اوندنا ناہیں، ہتھیں جوڑ وندواواں
مرشد ہتھیں چھچ پیا نظرے، میراں چل چھنڈواواں



احمد سلیم

احمد سلیم کا نام اُردو اور پنجابی کے محقق ادیب اور شاعر کے طور پر ایک جانا پہچانا نام ہے۔ اُردو پنجابی میں ناول اور شاعری کے علاوہ متفرق موضوعات پر کئی کتابیں چھپ چکی ہیں۔ آپ کی پیدائش ضلع منڈی بہاء الدین کے گاؤں میانہ گوندل میں ہوئی۔

اسیں حشر دہاڑا مانے

اسیں حشر دہاڑا مانے، مڑ سسے کٹا کے، کائی رنگ مچا کے
اسیں تن دے تنبوتانے، مڑ قبر اں ڈھا کے
مڑ بو ہے بو ہے نچینے، اسیں گھنگھر وپا کے، سنگل چھنکا کے
اسیں نت چنگ بن محیے، ہو ٹھاں تے آ کے
تیرے راہوں کر یے پیاریا، اسیں نین صد قڑے
ساڈ اتن من واری صاحبا!، سکھ چین صد قڑے
کندھڑی تے کاں جو بولدا، اوہنوں کول بلا کے
اسیں کر یے چند حوالے، تیرے نانویں لا کے، سنگل چھنکا کے
ورڈھونڈے مائے بھولے، نہ مرزے، بھٹی
اج تھیون سودے سراں دے، ہر پریم دی ہٹی
اج جنڈوں تیر لہیسی، آپے صاحبان جٹی
اج انت دہاڑا آگیا، ایہہ عشق دی کھٹی
ہن ٹرناراہیں بلدیاں، آگ سرتے چا کے، آگ پیریں پا کے
اساں حشر دہاڑا مانے، مڑ سسے کٹا کے، کائی رنگ مچا کے
سنگل چھنکا کے، سنگل چھنکا کے



ڈاکٹر عادل صدیقی

اصل نام محمد شبیر صدیقی، عبدالعظیم صدیقی کے ہاں 5 دسمبر 1954ء کو پسرور میں پیدا ہوئے۔
پنجابی میں پی ایچ ڈی کی۔ مختلف کالجوں میں پنجابی کے پروفیسر رہے۔ پہلا مجموعہ ”پالے ٹھردے پنچھی“
1985ء میں شائع ہوا۔ اب تک 10 مجموعے چھپ چکے ہیں جن میں آخری مجموعہ ”سولاں نال پریت“
2009ء میں شائع ہوا۔

غزل

اوس گلی وچ میرے کتے سال گواچے ہوئے نیں
میریاں سدھراں میرے خواب خیال گواچے ہوئے نیں
اودھی بھال اچ لھجل ہوندیاں مینوں عمراں بیت گئیاں
سورج، چن، ستارے، میرے نال گواچے ہوئے نیں
اودھی کھوج دی اوکھی راہ تے ٹرنا اپنا سوکھا نہیں
اس رستے وچ غوث، قطب، ابدال گواچے ہوئے نیں
میں کلا نہیں بھلیا ہویا اس رنگاں دی دنیا تے
میتھوں پہلاں غالب، میر، اقبال گواچے ہوئے نیں
وقت دے ساگر دی گہرائی اللہ بہتر جان دا اے
ایہدے کنڈھے لبھدے نہیں پاتال گواچے ہوئے نیں
جنھاں دے سر اوس جہان اچ بخشش ملن دی صورت اے
ساڈے جیون وچوں اوہ اعمال گواچے ہوئے نیں
تیری چنتا تھوڑی یارا میرے دل دیاں درداں توں
توں رونا ایں ماضی نوں ہن حال گواچے ہوئے نیں
اج نیازاں ونڈ دی ماں دی واج وی کوئی سن دا نہیں
جسراں سارے پنڈ دے ایتھے بال گواچے ہوئے نیں



ہمراز احسن

ہمراز احسن 1949ء میں گجرات میں پیدا ہوئے۔ 1967ء میں لاہور چلے گئے۔ مساوات سے اپنے صحافتی کیریئر کا آغاز کیا۔ 1979ء میں لندن چلے گئے جہاں پہلے صحافت سے وابستہ رہے اور آج کل ٹی وی کے لیے دستاویزی فلمیں بنا رہے ہیں۔ ”ٹیمیاں اُتے چھاواں“ کے نام سے پنجابی کا شعری مجموعہ 1998ء میں شائع ہوا۔

ٹیمیاں اُتے چھاواں

ایس ورہے نہ شیشہ تکیا، نہ کوئی کیتی گل سواداں والی
من کٹورا خالی، ٹردے رہے پر سنگ نہ ملیا
نہ ہی لگی کوئی اڈیک

ایس ورہے تے ٹیمیاں اُتے رہیاں چھاواں
سورج بھلیا راہواں، نہ یاداں دیاں گل وچ بانہواں
ایس ورہے داپلا پھڑکے جیہڑا ٹریا، کلا مڑیا
اُنج تے ایس ورہے وی مٹی اُتے واءے نقش بنائے
پچھلے پیریں ڈھائے

ایس ورہے دے گل وچ نہ کٹھانہ گہناں
ایہدھے بھاگاں انجے رہناں
جیکر ایس ورہے کوئی چلھا بالو
جاندی واری ڈھا کے جاناں، اُتے مٹی پا کے جاناں
ایس ورہے نہ دل وچ رہناں
ایس ورہے دایہو گہناں!



اشولال

بہاولپور کے اشولال سرانجکی کے ایک سرکردہ شاعر ہیں جو اپنے منفرد اور بے خوف لہجے کے باعث الگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ شعری مجموعہ ”گوتم نال جھیرا“ 1995ء میں شائع ہوا۔

اُدھل پیاں دے پیریں ڈوہ

دل بے نئیں تاں اوپر اوپر، کھیڑیاں نال بھاء وے بابلا

دل بے نئیں تاں سیجھ سہا گڑی، دوزخ والی بھاء وے بابلا

دل بے نئیں تاں جیون سارا، جھولی پیا گناہ وے بابلا

دل بے نئیں تاں اپنارہ وی، ہیر سیال داراہ وے بابلا

اُدھل پیاں دے پیریں ڈوہ، اُدھل پیاں دے ساہ وے بابلا

لگسن بھل کرینہاں کون

چندر سرینہاں اُتے وٹڈے، خشبوروز سرینہاں کون

نال دے ویہڑے نم تیں بیٹھی، کونل کو کے مینہاں کون

کونء جیڑھا آن جگا وے، آپ کنیں وس پیاں کون

نم دا کوڑتاں آپ ہنڈھا وے، چھاں ورتاں وے بیاں کون

کوئی پتہ نئیں کیہڑی رتء چ، لگسن بھل کرینہاں کون



بشیر باوا

اصل نام بشیر احمد۔ محمد عبداللہ کے گھر 10 اکتوبر 1933ء کو کڑیال کلاں ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ سینئر شاعر ہیں جن کی شاعری میں پنجابی ثقافت اور پنجابیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ شعری مجموعے ”سکھ دے شوہ وچ تارگئی“ اور ”دکھ ساگر نوں لائیاں ڈیکاں“ کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ پیشے کے اعتبار سے ٹھیکیدار ہیں۔ آج کل شیخوپورہ میں مقیم ہیں۔

○

میں پیراں وچ بھنور بنھ کے کنارے بھالدا پھرناں
سمندر کیہہ سمجھدا اے سہارے بھالدا پھرناں
میں اوہدے ناں دے ہیرے پیش کرنا جیہ تے رکھ کے
سخی توں فر وی اپنے ساہ اُدھارے بھالدا پھرناں

غزل

خالق دے نزدیک رہیاں واں جنت دا وسنیک رہیا واں
جد ابلیس بھلایا نہیں سی تد تک تے میں ٹھیک رہیا واں
تیرے متھے دے وٹ تک کے میں حساس آں، چیک رہیا واں

غزل

جو سوہنے ساویں اوں ہوئے دل پہلی نظرے گھوں ہوئے
مینوں بس گگی تن کانے اوہدے ہر واری پوں ہوئے
چھڑا سی کنک وڈانک دا کھیتر وچ چوکھے جوں ہوئے
اس جگ دے گل حساباں وچ بس ہند سے اک توں نوں ہوئے

○

حُسن کتاب دے صفحیاں تے جد عشق دا پنجاں باب چڑھے
کچ دی تنختی شیشہ بن دی بے پارے دی آب چڑھے



انور انیق

اصل نام محمد انور۔ چوہدری نیامت علی کے گھر 14 اپریل 1970ء کو فیصل آباد میں پیدا ہوئے۔
پنجاب پولیس میں سروس کرتے ہیں۔ پنجابی کے بہت عمدہ شاعر ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”بلدا دیواو گدی وا“
2000ء میں شائع ہوا۔ پنجابی میں شعری تراجم بھی کیے۔

غزل

سگ دلیری کر جاندا اے جس دم ڈریا ہویا
فیر چھڈایاں وی ننیں چھڈدا ایہہ چک بھریا ہویا
ٹھاٹھاں ماردا ہویا پانی اٹ بن جاندا اے جم کے
خبرے اس تُوں آکڑ جاندا بندہ مویا ہویا
چھوٹی موٹی نعمت دے کھس جان نوں میں کیہہ جاناں
میں جنت چوں نکلن داوی روگ اے جریا ہویا
رہا تیری قدرت وچ ننیں بھورا دخل کسے تُوں
ڈبے ہوئے تار دویں تے تاریں ڈبیا ہویا
موت حیاتی تُوں انج ہتھاں اُتے چکی پھر دی
وگدی وا وچ جیویں دیوا تلی تے دھریا ہویا

پھل کپاہ دی فصل نوں جد آس دا لگ کے جھڑے
رہجھ دی تھانویں لیکھ دی جلی تے ماں لیراں جڑے
سکتھی اے سونے دے پنجرے تُوں کُلی
دو شالے توں چنگی اے لیراں دی جلی
اس دم ہوکا بدلے جس دم سر دی کھاری بدلے
سوچاں بدلن لہجہ بدلے جدوں وپاری بدلے
مارن کٹن والا ویکھو روون وی ننیں دیندا
ٹٹن بھجن ویلے ہر شے دیندی اے آواز



محمد عالم سوزی

محمد عالم سوزی 10 فروری 1928ء کو میرپور آزاد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ پہلے (1944ء تا 1955ء) فوج میں سروس کرتے رہے پھر 19 جولائی 1957ء کو انگلینڈ (بریڈ فورڈ) چلے گئے۔ پنجابی شعری مجموعہ ”دکھ دیاں چھانواں“ 1993ء میں شائع ہوا۔ کلام میں پختگی، دانائی، سچائی اور کلاسیکی رنگ پایا جاتا ہے۔ سارا کلام چومصرعوں کی صورت میں ہے لیکن ہر مصرعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔

لا کے اکھیں شکاریے نال آپوں آپے دام تھیں ہونا آزاد منگنا ایں
 آپے آکھنا ایں میرا دل نازک آپے شوقیا ضربِ حداد منگنا ایں
 اپنے واسطے چھاواں گلاب دیاں میرے چمن تے خزاں بیداد منگنا ایں
 سوزی نال فقیراندے ویر نہ پا جے توں جوگیاں کولوں مراد منگنا ایں

تیری راہ راہیا منزل تک جیہڑی آخر تک رہی تیرے نال دشمن
 تک کے تیرگی وچ قرار پختہ تھے روشنی وچ کوئی جال دشمن
 صابر ویکھ مصیبت دے وقت تینوں سختی صبر نوں کہسی زوال دشمن
 گئی تھک جے ہمت ملنگ سوزی ہوسی آپنا تیرا خیال دشمن

جے توں سبناں سبناں نال سبناں پہلے جگ دے وچ بنا دشمن
 عزم راہ تے منزل مراد تیری کرسی لذتِ ذوق عطا دشمن
 نہ تے باغ نہ کریں تلاش چھاواں تیرے نال ٹردا تنبو چا دشمن
 رو کے یار مناویں توں فیر سوزی پہلے ہس کے آپنا نبھا دشمن

نظم

عشقتے دے رنگ ویکھو پہلے آپوں رنگدا
 آپے راہواں دسداتے آپے سولی ٹنگدا

عشقے نوں گل لا کے روگ لایا روگیاں
 قابو کر لیندا اے او زہر والے ناگ نوں
 آپے راہواں دسداتے آپے سولی ٹنگندا
 رُخ دیاں لالیاں نوں زلفاں چھپاندیاں
 یاریاں نہ ہوندیاں تے پرکھ ہوندی کسدی
 آپے راہواں دسداتے آپے سولی ٹنگندا
 مندے نیں یار سدا وصل دیاں منتاں
 وگدیاں لوہاں وچ یار پکھی چہولدے
 آپے راہواں دسداتے آپے سولی ٹنگندا

مُندراں دی ”م“ لئی کن پاڑے جوگیاں
 آپے سوز دیوے او محبتاں دے راگ نوں
 گڈھ کے ہزارے وچوں پتہ دے جھنگ دا
 کدے کدے چن اگے گٹھاں وی تے چھاندیاں
 روشنی دی اکھ نوں ہنیری نہیں دسدی
 شافی جے نہ ہونوداتے ناگ وی نہ ڈنگدا
 سکدی زمین مئے فصل دیاں منتاں
 دل والے تپدیاں راہاں توں نسین ڈولدے
 ذرہ ذرہ چمکدا اے ٹٹی ہوئی ونگ دا



ڈاکٹر محمد افضل شاہد

ڈاکٹر محمد افضل شاہد شاہ کوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی فزکس کر کے امریکہ سے پی ایچ ڈی کی اور امریکہ کی ہی ایک لیبارٹری میں سائنس دان کے طور پر کام کر رہے ہیں۔ سائنسی مضامین بھی لکھتے ہیں شاعری بھی کرتے ہیں۔ شروع میں اردو میں بھی شاعری کرتے رہے۔ ”مڑ گھر آ“ اور ”گلاں دے پرچھانویں“ کے نام سے شعری مجموعے 2000ء میں شائع ہوئے۔ منفرد سوچ اور پختہ فکر شاعر ہیں۔ کلام میں ایک خصوصی کشش پائی جاتی ہے۔

نکھیر

ملاں کڈھے مسیت چوں باہر دوویں	بندہ ایس پاسے اللہ اوس پاسے
ایہدے حق نوں کسے وی مننا نہیں	سارے ایس پاسے گلا اوس پاسے
چڑھدے لہندے دی نوں تقسیم ہوئی	کملا ایس پاسے جھلا اوس پاسے
لٹ پائی اے سا جھی حکومتاں نے	دولت ایس پاسے گلا اوس پاسے

○

کالیاں اٹاں کالے روڑ	بہتے ٹونے تھوڑے توڑ
قرضے سوکھے محنت اوکھی	مڑ گڑ ”کھوتی بنک“ تے بوہڑ
حرص کدی وی نکدی ناہیں	منگ پن کر لئو پوری لوڑ
کھٹیاں مٹھیاں گلاں سُن کے	لوکاں کڈھنے نوں نچوڑ

○

پل جڑن تے گھڑی بنا دیندے	دن گھڑیاں توں گھڑیاں توں سال بن دے
بوندناں کھٹیاں بن دریا نالے	شوکاں مار دے ندی نکال بن دے
حرف ڈنگی قطار اے نقطیاں دی	حرف جوڑو تے شعر خیال بن دے
کندھاں سانجھیاں نال گوانڈھ بن دا	پنڈ بستیاں شہر پنڈال بن دے



عبدالقدیر رشک

لاہور کے عبدالقدیر رشک اردو کے صحافی اور اردو اور پنجابی کے سینئر شاعر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد پنجابی شاعری کے حوالے سے ان کا نام ابتدائی شعراء میں آتا ہے۔ چھوٹا سا پنجابی شعری مجموعہ ”من ترنگ“ کے نام سے چھپا جس کا دیباچہ عبدالمجید سالک نے لکھا اور انتساب احمد ندیم قاسمی کے نام تھا۔

○

غم دا روگ نہ لاویں مانجھی روگ سدا دے مندے
نیر نگوں توڑ نہ سکدے دکھ درداں دے پھندے
رویائیاں پٹیاں کدی نہ مکدے جگ دے گورکھ دھندے
پل وچ جیوندے پل وچ مردے بزدل مورکھ بندے

○

ہمت باہجھ نہ ٹریا جاوے مرد نہ ہمت ہارے
مرداں اگے کھیڈ مصیبت حوصلہ منزل مارے
کوئی نہ ساتھی کوئی نہ بیلی کوئی نہ پار اتارے
منزل منزل چلے مسافر دسدے دُور کنارے

○

دکھ درداں دا ساگر ڈوہنگا ڈلھ ڈلھ پین کنارے
غم دی رات نہ مکدی دس دی پلک نہ جھپکن تارے
اکنان نوں سنکھ بہت چنگیرے اک دکھ درداں مارے
دکھ دا پھولن بے میں پھولاں جگ جگ پین کھلارے

○

جھوٹے کوفیاں وانگ بے پیر لوکی اڈیا رنگ وفا دلدار وچوں
زخمی جگر نہ تھم کے ٹرے کوئی طعنے مار دے لوک بزار وچوں



سارا اشگفتہ

گوجرانوالہ کی پیدائشی اور کراچی کی رہائشی سارا اشگفتہ اردو اور پنجابی کی بے خوف لہجے اور منفرد آواز کی حامل شاعرہ تھی۔ پنجابی شعری مجموعہ ”میں ننگی چنگی“ کے نام سے چھپا۔ نوجوانی میں ہی خودکشی کر لی۔

میں ننگی چنگی

دعاواں تہاڈیاں اکھاں توں ڈگ پیاں نیں
میں ننگی چنگی

بول سڑ گئے والاں وانگر
عمر اں دابالن لے کے ہن میرا چن ساڑو
میں تیرے واسطے لہو دے دیوے بالے نیں
تے آپنیاں پوراں دے سارے راز، لوکاں وچ ونڈتے نیں
میں اپنیاں پوراں ونڈ ونڈ کے، تیرے سنگ میل بنائے نیں
فیرومی میرے بدن دی دلالی کرن والے
تینوں میرا ناں نہیں دسدے

اکھ رنگی چنگی

ساڑ دیویاں نال دریاواں نوں
ساڑ چھاں، ساڑ میری گڈی
سڑ جاوے گی میری گڈی دے نال اگ وی
اگ ننگی چنگی
ہن تے پتھراں دے ساہ وی مک چلے نیں
تے کجھ میریاں اکھاں وی چوری ہو گئیاں نیں
میرے بلھاں تے لوکاں دی بھکھ مرن لگ پئی اے
میرے بلھاں توں انکار چوری ہو گئے نیں

میں سچی چنگی

تہاڈے اقراراں وچ ڈبے ہوئے انکاراں نے، میرا سائیں مار دتا اے
تہاڈے چٹے کپڑیاں تے کدی موسم نہیں آؤندا
کجھ چٹے داغ بڈھے ہو جانداں نیں
تیرے کمر من نے دل تو لیا

اکھ رنگی چنگی

راتیں سائیں نے مینوں سلام کیتا
میرے لفظاں نے کدی وضو ای نہیں کیتا
دیکھن والے نوں جدوں وی میں دیکھیا
اودھے لہو وچ دوڑ دا دیو اویکھیا

فیر دکھ رنگی چنگی

بین و جاؤ بین، عورت اپنے بل وچوں نکل آوے گی
ابے عورت نے اینا ای رونا سکھیا اے
ابے درختاں نے بھلاں جیہی مکاری سکھی اے
ابے کناریاں نے سمندر لٹنے سکھے نیں
سمندروں وچھڑی موج میری چاٹھجھ مرگئی
وقت دیاں اکھاں پتھر ہوئیاں، تے میری پتھر دے پتھراں تے سجن لکھ دتا۔۔۔
بین و جاؤ بین، عورت اپنے ہنجواں نال وضو کر لیندی اے
تے ہر راتے جن دی روٹی پکا کے، آپنیاں لکیراں ساڑ چھڈ دی اے۔۔۔
مینوں چکھن والیا بس!! جا! کٹی، کٹی، کٹی
اگ ننگی چنگی، اکھ رنگی چنگی، میں ننگی چنگی



جگتار

بھارت کے رہنے والے ڈاکٹر جگتار سنگھ پنجابی کے ایک سرکردہ شاعر ہیں ان کا کلام ”لہراں“ اور پاکستان کے دیگر پنجابی رسالوں میں اکثر چھپتا رہتا ہے، فارسی رسم الخط میں ایک پنجابی مجموعہ ”کھکشاں“ 1999ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

○

کس طرحاں اپنے گراں آج کل اتردی شام لکھ کیہہ اُجے کچے گھراں وچ ہے محبت عام لکھ
کیہہ اُجے وی لھڑاں پٹواریاں نوں کہندیاں؟ چند ساڈی کاغذاں وچ یار دے توں نام لکھ
میلیاں وچ جا کے باہواں تے بڑی ہی ریجھ نال یار لکھو اوندے نیں یاراں دے اُجے وی نام لکھ؟
کیہہ سنیہے دیندیاں گلیاں سچ حالے جھانجراں پنکھٹاں تے رونقیاں ہندیاں سویرے شام لکھ
سون کھنہی اُس چڑی دے پرتوں آجان تے پنڈ اندر ہن وی مچدا ہے اوہی کہرام لکھ؟
ہن وی چھڑدا ہے کدے قصہ کتے، جگتار دا یاد کر کر ہن وی ہوندا ہے کوئی اُپر ام لکھ؟

○

عمر بھر جے تیریاں اکھاں سچ ہے دریا رہیا تیرے باہجوں زندگی میری سچ وی صحرا رہیا
میں نہ ساگر وچ گوا بیٹھاں کتے اپنا وجود اس ڈروں میں عمر بھر دریا دا ہی دریا رہیا
میں ہمیشہ ہی رہاں گا میں سماں ہاں میں اکال میں کوئی سورج نہیں، جدا رہیا مر دا رہیا

○

رخصتی تیری سی پر ہر اک نظر میرے تے سی ایہہ نہ پیجھ کہ وقت بھارا، کس قدر میرے تے سی
ٹھیک! میں سماں بھار ہر اک یار بیلی دے لئی ایسی حالت وچ وی گھر دا بھار پر میرے تے سی
اُس پرندے دا آخری حشر ایہہ ہونا ای سی جس دا دل تیرے تے سی ایپر جگر میرے تے سی
لیک ہر اک سی پئی تیرے کرم دے ہی طفیل عکس ہر شیشے دا کیونکہ شیشہ گر میرے تے سی
ہو کے پاسے جد میں پرتاوا لیا طوفان دا سی بہانا آلھنا، حملہ مگر میرے تے سی
میں نوطنا، دھج گیا سماں تیرے اُتے اس لئی جو وی سی ہتھیار تیرا کارگر میرے تے سی



مرزا عزیز فیضانی داراپوری

مرزا عزیز فیضانی نے 21 مئی 1990ء کو مرزا غلام شبیر کے گھر جہلم میں جنم لیا۔ علم پرور خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اُردو اور فارسی کے علاوہ پنجابی کے سِکد بند شاعر تھے۔ زیادہ تر اصلاحی شاعری کرتے رہے۔ ان کے پنجابی شعری مجموعے ”گلشن پنجاب“ مطبوعہ 2008ء (جو ان کے بیٹے ڈاکٹر محمود فیضانی نے مرتب کر کے چھپوایا) کا دیباچہ سید ضمیر جعفری نے اور پیش لفظ عبد الجبار شاکر نے لکھا۔

○

ٹلے موت نہ کدی جد آجاوے سارے مان تروڑ کے رکھ جاندی
بھانویں کیہا کوئی چٹا صاف ہووے کپڑے وانگ نچوڑ کے رکھ جاندی
جان کڈھدی خون سُکا دیندی ہڈ تروڑ مروڑ کے رکھ جاندی
عزت مال سب رہن عزیز ایتھے سب کچھ موت وچھوڑ کے رکھ جاندی

○

نال نرمیاں کدے جے کم چلے نال سختیاں دلاں نوں ساڑیئے کیوں
صلح نال جے کم سب راس ہوون بھیڑ گھول دے نال وگاڑیئے کیوں
بستی وسدی تھیں جے کر نفع تھیوے اوہنوں قہر دے نال اجاڑیئے کیوں
پردہ پاٹیا بُکھکھ دے نال جس دا اوہدا ہور عزیز فیر پاڑیئے کیوں
چُپ بیٹھے ہور کجھ لوڑیئے نال

دستی پیر ضمیر تدبیر سانوں جوڑ جوڑ دیاں جوڑیاں توڑیئے نال
ہووے جوڑ تے نال اجوڑ کریئے، پوے ٹٹ اجوڑ تے جوڑیئے نال
سپ راہ بیٹھے تائیں چھیڑنا کیہہ، چھیڑے آپ تے جیوندا چھوڑیئے نال
ہوئے جو سپرد سپیریاں دے اوہنوں روکیے ٹھاکئے ہوڑیئے نال
جیہڑا مت نوں ڈو نگھڑے کھوہ بوڑے اوہنوں کیوں چہنہاں وچ بوڑیئے نال
ہور سب نچوڑ نچوڑ لیئے خون دلاں دا کدی نچوڑیئے نال

رستی وٹ دے نال جے بھری ہووے اوہنوں وٹ کے ہور تروڑیے نال
 تارک مست پہاڑ تھیں سخت ہوندے سر ٹکراں مار کے پھوڑیے نال
 شہزور دی وینی نوں ہتھ لا کے وینی آپنی آپ مروڑیے نال
 ڈنگے راہ دے ول نہ منہ کریئے سدھے راہ توں منہ نوں موڑیئے نال
 کنڈے راہ دے وچ کھلار دیئے اپر کدیں وی دلاں وچ پوڑیئے نال
 رمز سمجھ کے مرزا عزیز والی چُپ بیٹھیے ہور کجھ لوڑیئے نال

پنجابی دے شاعر اں دے نال سنیہوڑا

کوئی اوکھڑا نہیں مضمون میرا پرچہ ایہہ کوئی امتحان دا نہیں
 فتویٰ نہیں ایہہ خشک ٹلوانیاں دا ایہہ فلسفہ کوئی یونان دا نہیں
 نہیں کوئی طلسم کہانیاں دا قصہ ایہہ کوئی پرستان دا نہیں
 ذکر پیچ در پیچ مثال زلفاں ملک حسن دے کسے سلطان دا نہیں
 ایتھے گلہ دل جگر نوں زخم والا اکھاں بھواں تھیں تیر کمان دا نہیں
 کوئی گل باریک نہیں فقر والی گہرا کوئی ایہہ راز عرفان دا نہیں
 سدھی جیہی اے گل جے سنو میری پیچ والیاں گلاں میں جاندا نہیں
 نکلتے عشق والے پھدے عاشقاں نوں میں اصل دے وچ ایس شان دا نہیں
 قوم وچ مصیبتاں آن پیاں موقع ہن کوئی عشق کمان دا نہیں
 جیہڑا اج وی عشق وچ پھس رہیا اوہ رنگ کجھ وقت دا جان دا نہیں
 ساڈے قافلے تھیں اج دور منزل تے ہویاں نوں پتہ سامان دا نہیں



ارشاد چہال

اسلام آباد ٹی وی سے منسلک ارشد چہال اُردو اور پنجابی کے ایک نوجوان اور نامور لکھاری ہیں۔ گجرات میں محمد رفیق کے گھر 3 جون 1960ء کو پیدا ہوئے۔ اصل نام ارشد محمود ہے۔ اُردو میں کئی مقبول ٹی وی ڈراموں کے خالق اور پنجابی میں ”چیرٹھاں دی چھاں“ جیسے ضخیم ناول کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ بہت عمدہ شاعر بھی ہیں۔ ”نکے سنے لکھ“ کے بعد ”وراگ“ کے نام سے شعری مجموعہ 1994ء میں شائع ہوا۔

غزل

ایہہ کیہو جیہیا کارا ہو گیا ہر بندہ سنیا را ہو گیا
دھپ ترہیہ جد لاه بیٹھی تے باقی پانی کھارا ہو گیا
مینگھ جدوں ٹٹن تے آئی اُچا ہور ہلارا ہو گیا
اسیں تے اک دو جے دی ضدساں ساڈا کیویں گزارا ہو گیا
ہر بندے نے ٹر جانا اے جس دا جدوں بلارا ہو گیا

غزل

حالے تے میں کندھاں لپ کے ہتھ وی نہیں سی دھوتے
کالے بدل ڈیناں وانگوں سرتے آن کھلوتے
اک دو جے نوں جھاکا دے کے اگے لنگھدے جاوے
وڈی عمرے کھیڈن لگ پئے لوکی چھین چھوتے
اوہدے عشق سمندر دے وچ پیر دھرن توں پہلاں
ارشاد سنے سانسے سانوں لگن لگ پئے غوطے

کیہڑے موڑ تے آکے وٹھاں رہ گئیاں
جدوں ملن وچ سچ کجھ ای گٹھاں رہ گئیاں
کھاہدی لکڑی وانگوں اندروں بھگتے ساں
چھلڑاں وانگوں باہروں ہٹھاں رہ گئیاں



بشریٰ اعجاز

لاہور میں مقیم بشریٰ اعجاز اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں شاعری کرتی ہیں۔ زیادہ تر آزاد اور نثری نظمیں لکھتی ہیں اُردو میں کئی مجموعے اور پنجابی مجموعہ ”بھلیکھا“ 1999ء میں شائع ہوا۔

ہجر دی رُت انج لئی کیتی

آپے منتر آپ مداری، آپے پیدل آپ سواری
کھیدوی آپ تے آپ کھڈاری، آپ سہاگن آپ کنواری
آپے مال تے آپ وپاری، وکدیاں وکدیاں شاماں پنیاں
شاماں اندر راتاں رہیاں، راتاں بھوگ کے دھمی کیتی، ہجر دی رُت انج لئی کیتی

○

اندروں گھر آباد کراں نہ باہروں رنگ کراں
نہ ای اوہنوں چھڈ سکاں نہ اوہدا سنگ کراں



ڈاکٹر سعیدہ رشم

فیصل آباد میں مقیم سعیدہ رشم پنجابی کی پروفیسر، اسکالر اور شاعرہ ہیں، شعری مجموعہ ”بجر بنیرے“ 1992ء میں شائع ہوا۔ فیمنسٹ تحریک کے حوالے سے ان کی پنجابی شاعری ایک منفرد مقام کی حامل ہے۔

اوپنے مڑ کے تکیا وی نہ جاندی واری
کونجاں دے انداز نرالے ای ہوندے نیں
نچ جانا ایں اوہناں جنہاں نے پچنا ایں
جگ سمندر اوڑک ڈوبیا اے، تارونوں
اچن چیتی گولی میرے سینے ماری
وچھڑی بھانویں کوکی، بھانویں پئی پکاری
جنگل اندر بھانویں پھر دا رہے شکاری
تارو لکھ تتتیاں دتیاں، ماری تاری



کاجل کانپوری

وہاڑی کے رہائشی کاجل کانپوری پنجابی کے منفرد لہجے کے نوجوان شاعر ہیں جن کا شعری مجموعہ ”وارتا“ کے نام سے 1997ء میں شائع ہوا۔

غزل

آپنے گھر توں دوری نے وی ڈھڈ نہ بھریا ورھیاں دی مزدوری نے وی ڈھڈ نہ بھریا
 باہروں رُکھی سکھی نال وی رج جاندا ساں پنجرے دے وچ چوری نے وی ڈھڈ نہ بھریا
 ساہنوں ہراک دور نے بھکھ تے غربت بخشی ساڈا راج عبوری نے وی ڈھڈ نہ بھریا
 راشن کارڈ وکھا کے وی نہ آٹا لبھا حاکم دی منظوری نے وی ڈھڈ نہ بھریا

○

کاواں ہتھوں بھویں لارے ملدے نیں دل نوں کجھ تے آس سہارے ملدے نیں
 میں خوشیاں لئی چندا گھلیا ہویا اے مینوں فر وی درد شمارے ملدے نیں



انجم سلیمی

انجم سلیمی فیصل آباد کے نوجوان شاعر ہیں۔ نظم اور غزل دونوں میں خوب کہتے ہیں۔ ”سنٹاپ“ کے نام سے شعری مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔

جان دے بچھ دے ہر دے رئے آں جو جی آیا کردے رئے آں
 سورج کولوں ڈھپ نہ منگی چھانویں بیٹھے ٹھردے رئے آں
 تیراں نالوں تکھیاں گلاں سُن دے رہے آں جردے رئے آں

شہلی میرا یار

میرا یارا، کجھ نہ پایا توں یاری دا نل مینوں سولی چڑھدیاں ویکھ کے لے آیا توں بھل

رتا سچ وی بھاری ہوندائے ظلم ودھیرے اندر
 اک تیلی دی لاٹ بڑی اے گھپ ہنیرے اندر



تنویر سپہرا

جہلم کے تنویر سپہرا اردو کے مزدور شاعر کے طور پر جانے اور مانے جاتے تھے۔ آپ اپنے تند و تیز مگر ادبی لہجے کے باعث اپنے ہم عصروں میں نہ صرف ممتاز اور منفرد تھے بلکہ آپ کے کئی اردو اشعار زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

غزل

تیرے رنگ انوکھے ملاں تیرے ڈھنگ نیرے آپوں ایتھے بلھے لٹیں سانوں جنّت لارے
پکن توں پہلاں ای سبھے لکھاں زخمی ہونیاں سدھراں دی بیری تے لوکاں اینے وٹے مارے
رڑ مدانے اس مور کھ دے گئے گوڈے بھجے آپنی چادر نالوں بہتے جس وی پیر کھلارے
ساڈی فطرت وانگوں ساڈے شوق وی وکھو وکھرے اوہنے گھر وچ گھھر پالے، میں معصوم چکارے



اختر شیخ

اسلام آباد کے رہائشی اختر شیخ اردو اور پنجابی کے منفرد انداز کے شاعر تھے۔ کئی شعری مجموعے چھپ چکے ہیں۔ برطانیہ میں بھی کئی مشاعرے پڑھے۔ جوانی میں ہی دل کا دورہ پڑنے سے اسلام آباد میں فوت ہو گئے۔

دھرتی لہو منگدی

دھرتی جد وی لہو منگدی اے منگدی ای رہندی اے
بڈھی ٹھیری ہو جاندی اے سکی بیری ہو جاندی اے
رنگ برنگ دی رہندی اے لہو ای منگدی رہندی اے
پر ایس لہو دا بھار اولڑا سیک اولڑا ٹھار اولڑا
چھاتی اتے جھل تے گئی اے بھل تے گئی اے بھل تے گئی اے
شہروں ٹر کے تھل تے گئی اے آج دی گل سی گل تے گئی اے
ہُن وی کھنگدی رہندی اے لہو ای منگدی رہندی اے



ظہور حسین ظہور

پاکستن کے ظہور حسین بنیادی طور پر سنار کا کام کرتے تھے مگر ان کی شاعری بھی نئی تھی۔ تلخ،
تند اور تیز لہجے اور پڑھنے کے خاص انداز کے باعث مشاعروں میں چھا جاتے تھے۔

بَلِّ بَلِّ

کدی کدی دو ٹکٹیاں اتے وک جاندے انسان سولے
بَلِّ بَلِّ بَلِّ بَلِّ

ہویا کٹک وچھوڑے پے گئے رس تے سارا بھونرے لے گئے
بُھل تاں اکھیاں ملدے رہ گئے کھیاں دے نال کنڈے کھیہ گئے
دل تے لگیاں سللاں سہہ گئے بدل بجلیاں دے نال ٹھہر گئے
اُچے ہور وی اُچے بہہ گئے تھلے والے تھلے ای تھلے
بَلِّ بَلِّ بَلِّ بَلِّ

ویلے بھر دے رہ گئے مٹھیاں کھلاں لاہ کے اندر ٹٹیاں
شرماں لٹیاں عزتاں لٹیاں ادھ وچکاروں لگراں ٹٹیاں
ظلم سکولے کھلیاں چھٹیاں ماجھا دودھ اے بُھٹیاں بُھٹیاں
لٹ کے، کھوہ کے، ماد کے جھٹیاں تسبیح پھڑ لئی حج نوں چلے
بَلِّ بَلِّ بَلِّ بَلِّ

انکھاں وچن توں نہیں سنگدے سجرے لہو وچ ہتھ نیں رنگدے
ڈونگھے پھٹ دھریکاں پیآں منگیاں نہ کدے بھیکاں پیآں
لمیاں فیر تریکاں پیآں جھولی وچ اڈیکاں پیآں
پتھراں اُتے لیکاں پیآں گلاں کن شریکاں پیآں
دل دے ویہڑے چیکاں پیآں سجنو! ککھ رہیا نہ پلے

بے بے بے بے
 اپنے بنگلے اپنے ویہڑے اپنے رانجھے اپنے کھیڑے
 اپنے شیشے اپنے چہرے اپنا متھا اپنے سہرے
 بوٹے سڑدے جدھروں لکھے دین ایمان نوں سوئی ٹنگدے
 اپنے ای یاراں نوں ڈنگدے سچے بول ظہور مانگ دے
 جیہڑے گھر دا مندا منگدے اوہ غداراں دے دُم چھلے
 بے بے بے بے



اقبال قیصر

اقبال قیصر پنجابی زبان و ادب کے ایک اہم سیوک ہیں۔ شاعر بھی ہیں، آرگنائزر بھی اور محقق بھی پنجابی زبان و ادب کے فروغ کے لیے ان کی خدمات بہت پہلو ہیں۔

نہ رو کو اسماں رُکنانا ہیں

نہ رو کو اسماں رُکنانا ہیں، ساکوں سد پتتاں توں آئی
 اسماں تاں اوہ مہکاں دے بٹے، جیکوں روک سکے نہ کائی
 نہ رو کو اسماں اڈ ہی جانا، آخر دیس بگانے، کھیڑیاں سنگ نہ چاہڑ وڈولی، کر کر زور دھگانے
 قول دا شکر اُبھکا بھانا، ساڈی جھولی غماں دے دانے

سبھ جگ اوہد اور قادے کے، ٹیس کلیجے لائی، نہ رو کو اسماں رُکنانا ہیں
 رنگ بسنتی میچ نہ تھیندا، لاکھانت سہیڑاں، یاد بلوری سانجھ نہ ہوندی، پیندیاں جان تریڑاں
 کالی رات سو تر دی ائی، تے نیماں نال اٹیراں
 سبھی جگ میتھوں نہر تھیا، ہان ڈسے نہ کائی، نہ رو کو اسماں رُکنانا ہیں۔۔۔۔



حفیظ تائب

حفیظ تائب حاجی چراغ دین قادری کے ہاں احمد نگر ضلع گوجرانوالہ میں فروری 1932ء کو پیدا ہوئے۔ جدید نعت گوئی کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ”سک متراں دی“ کے نام سے پنجابی مجموعے کے علاوہ بھی کئی مجموعے چھپ چکے ہیں۔ 1971ء کے سانحے کے پس منظر میں ان کی نعت کے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

نعت

ہو گئیاں رورو کے اکھیاں لال کملی والیا دسیا جائے نہ دل دا حال کملی والیا
میرا اک بازو تے تُوٹ کے میرے گل وچ آگیا دساں کیہہ بیٹی جو میرے نال کملی والیا

نعت

پھیلیا جد آپ دی سیرت دا رنگ پھر گیا اکھاں دے وچ قدرت دا رنگ
جیہڑے پاسے وی نظر چکنا واں میں دیکھنا واں آپ دی رحمت دا رنگ
مٹ گئی کالے تے گورے دی تمیز اللہ اللہ آپ دی الفت دا رنگ



ڈاکٹر لیتق بابری

ڈاکٹر لیتق بابری پہلے کچھ عرصہ گورنمنٹ کالج لاہور میں پڑھاتے رہے پھر فرانس چلے گئے۔ وہاں سے واپس آکر اسلام آباد میں مستقلاً مقیم رہے اور یہیں وفات پائی۔ فرانسیسی تحریکوں سے متاثر ہونے کے باعث پنجابی میں تجریدی و علامتی شاعری کرتے تھے۔ کتاب ”گھگھو گھوڑے“ 1971ء میں شائع ہوئی جس میں شامل زیادہ تر نظمیں قیام پیرس کے دوران لکھیں۔

گھگھو گھوڑے

شکر دو پہری، چُپ دی نگری، گھگھو گھوڑے، فریاداں دے تابوت
دُکھاں دے پوتر پانی، کاجل دھوتا، خواب دا جادو ٹٹا
باغ بزار، جھوٹھے مکھ، سبھ لفظاں دے ڈھول
جنگلے نال، گونگی جنتا، اکھیاں وچ درداں دے رنگ
مر مر دیاں سلاں نوں سلام، رات دا سلام



سنٺوڪھ سنڪھ سنٺوڪھ

سنٺوڪھ سنڪھ سنٺوڪھ 28 اگست 1938ء کو پيدا هوئے، کئى شعري مجموعے چھپ چڪے ہیں۔ ایک مجموعہ ”پيرس دی پياس“ کے نام سے پاڪستان سے فارسي رسم الخط میں 1998ء میں چھپا۔ یہ ان کی منتخب شاعري ہے جس کا انتخاب جگتار نے کیا۔

دوڑ دا يگ

آپنی چالے دھرتی گھمدی ہے، آپنی چالے ہر کن ہے تر رہا
آپنی چال کسے دی کسے نوں چُجھدی نہیں
دوڑ جدوی کوئی دوڑ دا ہے، دل کسے داسوڑ دا ہے
جس دی وی ہے تیز دوڑ، جگ توں تیز اوہ دوڑ دا ہے
اک آدمی دی اوئی پُچھ نہیں، جنی اوس کُتے دی قدر ہے
جنی اوس گھوڑے دی قیمت ہے، جو دوڑ وچ جتدا ہے
دوڑ دے اس یگ وچ، جت دی ہی قدر ہے
ہار کوئی ہے نہیں، مسکھتا دے کول
ہار جو سکیاں دی ہار ہے، جت وی تے سکیاں دی
اس بھج دوڑ دے اندر، بھٹھی سڑک دے سرے
ڈائیورشن دی جیجھ لال، ہو نکل دے کُتے وانگ ہے چل رہی
ہو نکل دے کُتے دی قدر ہے، ہونک ہونک موئے مرددالہولال
جنگ دے بھٹے سرے، بن نہ سکيا، ڈائیورشن دانشان
گھوڑے تے چڑھنا چا بک دا، چن تے اپڑن دی دوڑ وانگوں
ہو اوچ اک پل ہے، ہو اوچوں جند لوڑ دا
ہو اوچ جس دا کوئی مل نہیں، چنگی ہوادی وی
ہر کسے نوں گھل نہیں، یگ ہے ایہہ دوڑ دا

مشیناں بولدیاں

بندابندے دادارو ہوندا سی، ہن مشیناں بولدیاں
ترقی دے سارے پڑانیں، چھوٹے وڈے بھرانیں
سہانئا سہولت تے شُبھ گناں، نوں چانن دے لئی، سُکھ آسن تے سواد سواد، نوں مانن دے لئی
کدے چھپڑاں تے بوہڑاں داسورگ سہانا، سُلفے دی لاٹ چوں سی دُنیا دِ سدی
اج لاٹ ویہونی میکرو ویونے، چھو منتر دی کھیل بنائی
تتی کردی رنھ پکائی، تھکے ٹئے کر پیراں نوں کٹھے کر کے
جے یاراں دلداراں جاں جانکاراں نوں، فون گھماؤ، سننے لئی بول پیارے
آپنی برتی مون بناؤ، رٹے رٹائے بول نیں سُندے، ہنڈھے ہنڈھائے پل نہیں دُھلدے
اِس زندگی نوں کھور دیاں، جو ابی مشیناں بولدیاں



بشیر حسین ناظم

اسلام آباد میں مقیم بشیر حسین ناظم اردو اور پنجابی کے مانے ہوئے ماہر عروض و لسانیات، محقق اور شاعر تھے۔ وزارت مذہبی امور سے بطور ڈائریکٹر ریٹائر ہوئے۔ کئی کتابوں کے مصنف اور مرتب ہیں۔ پنجابی شعری مجموعہ ”کھ“ کے نام سے 1998ء میں شائع ہوا۔ 2012ء میں دل کا دورہ جان لیوا ثابت ہوا۔

○

عشق دے گھوڑے جیہڑا بندہ بہندا اے مار پلاک
چھڈ دیندا اے اوہ ماپے، بیوی بچے سارے ساک
آپنے گھر دی، وحشت اندر بھلی جاندا اے راہ
ویرانے وچ سوندا اے جا کے پاٹے گلے، چاک
عقلوں کم لوے نہ بھورا، پے کے تھٹھے راہ
لعل سمجھ کے کھا جاندا اے، انگیارے بے باک
اپنیاں رسماں آپ بناندا اے، آگو آپنا آپ
رسم رواجوں والے سارے کردا اے قصے پاک
ان پڑھ جھلے ملاں اوہنوں فتوے لان شتاب
کیوں جے اوہناں تائیں اوہدے سمجھ نہ آون واک
رج رہندا اے اوہ یار دے ذکروں پیندا اے آب ٹھہور
اوہ نہیں کھاندا کدی پروٹھے حلوہ پوری کاک
اک علامت میں وی دستاں عاشق دی او یار
کٹوں کاجوں پھاوا دتے، ہندا جے چالاک
ناظم جھلا، جھلّ ولّا، پاگل عقلوں صاف
آیدھر اُدھر پھر دا رہندا اے کتھے ملسو ڈاک



منجیت ٹوانہ

منجیت ٹوانہ صاحبہ انڈیا کی ایک سرکردہ شاعرہ ہیں۔ ایک شعری مجموعہ پاکستان میں ”نیندراں نہیں آندیاں“ کے نام سے 2006ء میں چھپا جسے گورکھی سے فارسی رسم الخط میں ڈاکٹر دلشاد ٹوانہ صاحبہ نے منتقل کیا۔

گڑیاں

کُجھ گڑیاں لمے روٹ دی بس ہوندیاں نہیں
جو نیڑے تیڑے دی سواری نہیں چکدیاں
کُجھ گڑیاں بنا سسی ساڑھیاں ہوندیاں نہیں
چہناں نُوں اک وار ویکھ کے ہی جی بھر جاندا اے
کُجھ گڑیاں سنہری فریم وچلیاں، رنگ دار فوٹواں ہوندیاں نہیں
جو کسے وی ڈرائنگ روم وچ سجاوٹاں جاسکدیاں نہیں
کُجھ گڑیاں نظماں ہوندیاں نہیں، جتنی وار پڑھو، ہو روی ودھیالگدیاں نہیں
کُجھ گڑیاں بچھوں دی پون ہوندیاں ہن، جو بن بولے، سینے نال لگ ٹر جاندیاں نہیں
کُجھ گڑیاں تتلیاں ہوندیاں ہن، جو بچپن دے کسے شوق بچھے
ساری عمر ورھیاں دے پنیاں وچوں قید ہو کے، رہ جاندیاں نہیں
کُجھ گڑیاں رنگ دار مچھیاں ہوندیاں ہن
جو مگر مچھ دے ہاسے توں گھبرا کے، ساری عمر جاگدیاں کٹ دیندیاں نہیں
کُجھ گڑیاں چندن دا بوٹا ہوندیاں ہن، جو سپاں نُوں آپنی چھاویں پالن دادم رکھدیاں ہن
کُجھ گڑیاں ضمیر ہوندیاں ہن، جو حادثیاں دا حساب منگدیاں، اپنے ای سریر دی سولی لٹک جاندیاں ہن
جسہڑیاں بہت گھٹ لوکاں نُوں پسند آندیاں نہیں
کُجھ گڑیاں ماں دا ہوکا ہوندیاں ہن
جو اسمان وچ گڑیاں داراہ بن کے رہ جاندیاں ہن



نعمانہ کنول شیخ

نعمانہ کنول شیخ گجرات میں پیدا ہوئیں۔ لاہور میں پرورش پائی اور 80 کے دہے میں شادی کے بعد گل ف چلی گئیں۔ 1991ء سے مانچسٹر میں مقیم ہیں۔ اُردو اور پنجابی کی عمدہ شاعرہ، ریڈیو اور ٹی وی پریزنٹر اور سوشل ورکر ہیں۔ اُردو میں 10 سے زیادہ شعری مجموعے چھپے اور گیارہ ایوارڈ حاصل کر چکی ہیں۔ اک تنہا رات جدائی کی، جب بارشوں کا موسم تھا، اداسیاں بے ثمر ہیں، زندگی بھر کا نشہ، لذت آشنائی، شام سے ذرا پہلے ان کے چند شعری مجموعوں کے نام ہیں۔ ان میں سے بعض کے آخر میں پنجابی کلام بھی شامل ہے۔

ساہواں دے بھل پروواں میں سیجاں دے اُتے سج لئیں توں
میں جاگاں گی توں سوں جاویں میں کچھھی راں گی رَج لئیں توں

غزل

دُنیا توں لُک لُک بنگلاں نوں مار دی یار یار کوکدی میں یار نوں پکار دی
دل ایہہ سنیہے تینوں ٹور دانیں تھکدا ملنے دی آس ایہنوں ڈوب ڈوب تار دی
اک واری آکھ دا میں سو واری سن دی پیار دیاں بازیاں نوں جت جت ہار دی
نہ تے میں آں بخت جلی تے نئیں او بے توقیر میرے پلے روگ عشق دا عشق مری تقدیر
میں آں شیریں سسی سوہنی میں رانجھن دی ہیر حرفاں وچ پروکے غم نوں دل کراں تسخیر
ایہہ جند تیرے نانویں یاں جان کراں یارا کر تھکم کوئی سبناں کیہ دان کراں یارا
عشقے دی تاہنگ بھیرٹی جگ توں اولڑی کنڈیاں وچ رولدی تے سولیاں تے چاڑھ دی
تیری تصویر چٹاں مونہوں تے نئیں بولدی سکر دوپہراں وچ ہک میری ساڑھ دی



راقب قصوری

راقب قصوری نوکلاسیکل دور کے ایک اہم نعت گو شاعر تھے جنہوں نے غزل کی ہیئت میں نعتیں لکھ کر اس صنف کو غزل کی ہیئت سے متعارف کرایا۔

دعائیہ نعت

میں مراں تاں تد مراں جد ویکھ لال سرکار نوں
سر مرا قدماں دے وّے منہ میرا دربار نوں
خبرے ہن میں بڈھڑے ویلے ٹرپواں ماہی دے دیس
شام نوں گڑیاں جویں اٹھ بھجیاں گھر بار نوں
واری صدقے ساری صدقے تیرے شاناں توں حضور
آپ سد گھلیا خدا نے عرش تے دیدار نوں
یا نبی مینوں کتے دل توں نہ انج کڈھ چھڈنا دور
جس طرح خاوند کدی واڑے نہ گھر بدکار نوں
یا محمد یا محمد کر دی رہو ویہلی نہ بہو
پکڑ لیندے نیں وگاری ہر کسے بیکار نوں
اوتھے کیہہ پرواہ ہے راقب اوتھے بے پرواہیاں
پکڑن عملاں والیاں نوں چھڈن اوگن ہار نوں



منزہ شاہد

لاہور میں شیخ فضل الہی کے گھر پیدا ہوئیں۔ والد 16 سال کی عمر میں انگریز سے مسلمان ہوئے تھے۔ گریجو ایشن کے بعد معروف شاعر صحافی اور ٹی وی کمپز افضال شاہد سے شادی ہو گئی۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں عمدہ شاعری کرتی ہیں۔

○

ساڈے وس وچ کیہہ، اسیں اٹھاراں اُنی کرے

اوہ کر دیندائے ویہہ

ساڈے وس وچ کیہہ

حیٰ

آکھیا سی ناں کم ننیں اُونے سجنان دے سجناپے
مٹی پا کے مڑ اوندے نیں، کیہہ سجن، کیہہ ماپے
محل منارے چھڈنے پینے، کفن نوں کھیسا کوئی نہ
چار دناں دی کھیڈ ای پیا! نہ کر ایڈ سیاپے
گوچ نقارہ وجنا اے جد سرت کوئی ننیں رہنی
مال پرایا کھس جانا اے! جد پینے نیں چھاپے
من، خالق دا کہنا، کر لے کجھ مخلوق دی سیوا
سامنے آوندا کھٹیا وٹیا، جد اوہ تولے ناپے
چائیں چائیں کراں تیاری سوہرے گھر جاون دی
ملاں ڈر دا جس تھاں، سانوں جھوک سجن دی جاپے
مینوں کاہدی فکر منزہ چھم چھم نچدی جاواں
میرا مُرشد اُچھا، میری فکر کرے گا آپے

اصغر شامی

اصغر حسین شامی گلزار حسین کے گھر بھلوال میں 7 فروری 1952ء کو پیدا ہوئے۔ پنجابی کے بہت اچھے ادیب اور شاعر ہیں۔ اُردو میں بھی لکھتے ہیں۔ پنجابی شعری مجموعے ”ڈوہنگیاں شاماں“ 1978ء اور ”گٹھے روگ“ 2002ء میں شائع ہوئے۔ ”پریت“ کے نام سے پنجابی ناول بھی چھپ چکا ہے۔ ”پیام مشرق“ کا پنجابی ترجمہ ”سوزِ اقبال“ کے نام سے کیا جو ہنوز زیورِ طباعت سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ ”نوراں“ ان کی ایک معرکہ الآراء نظم ہے جو ایک منفرد سوچ اور خیال پر مبنی ہے۔

نُوراں

(ملکہ ہند نور جہاں دے مزار اُتے)

تینوں رُوپ دا مان تران لکھاں یاں حُسن دی خاص بچھان لکھاں
تینوں سوچ دا اک اصول لکھاں یا ملکہ ہندوستان لکھاں
تینوں مرزا غیاث دی دھی لکھاں یا شیخو سلیم دی جان لکھاں
تینوں لکھاں میں راج ہنھیریاں دا یا کہ تینوں میں نورِ جہان لکھاں

دل نُوں غماں دے بھبھ چھچھیر سُنیا، وچ آکھیاں سون دی جھڑی لگی
تیری قبر تے مہر النساء بیگم! آج عقل تے عشق دی آڑی لگی

او وی دن سن جھال نہ جھلدا سی ویلا تیریاں حشر سامیاں دی
تُدھ باج سنوردی مُول نہیں سی زُلف ہند دیاں سلطانیاں دی
ذرا دس خاں کیہڑا تو جُرم کیتا مُورت بنی ایس کیویں پریشانیاں دی
وچ مقبرے دل نُوں چھیک پیندے تک انت اخیر ویرانیاں دی

سچ آکھیاںی قبر تے نہیں دیوا، نہ ہی بھلاں دی کتے مہکار نُوراں
لاناں پھیری وی نہیں پروانیاں دی، نہ ہی بلبلاں دی چہکار نُوراں

کدے سوچیاں تیرے مزار اتے اج پیاریاں دے اوہ پل کیوں نہیں؟
داتا باہو اجمیری، فرید، سچل، بلھے شاہ، دی گل جہی گل کیوں نہیں؟
تیرے بخت دی شاخ لچیلڑی تے اج پریم دا مسٹھرا بھل کیوں نہیں؟
تیرے ہجر وچھوڑے دے وچ نوریاں، اکھ ویلڑے دی جل تھل کیوں نہیں؟

پیا سوچناں میں نموں جھان ہو کے عام جہے ایہہ غماں دا پھاتے نہیں
کر کے دس خاں ذرا گویڑ تینوں لگی کسے مجبور دی آہ تے نہیں؟

کئی ویلے دی ونڈ عجیب نوریاں گئی اے کسے مسکین دی وگ تینوں
دیکھ قبر تے راج ہنھیریاں دا، بڑی بھاوندی سی جگ مگ تینوں
توں سہاگ اجاڑیا دھوبنی دا کیتا آن تقدیر سرگ تینوں
نی توں منوں وساریا آگنے نوں ویلے لائی اکلاپے دی آگ تینوں

کسے کوڑ نہیں آکھیا مول نوریاں! بڑا چتھیائے بول کھور تائیں
رَب سارے گناہیاں نوں بخش دیندا، نہیں بخشا عشق دے چور تائیں
کتھے گیا اوہ لوہڑ دندا سڑے دا، کتھے بوپڑے مکھ دی بھکھ نوریاں
کتھے سپنی زلف دے مست کُنڈل کدھر گئی نشیلڑی اکھ نوریاں
کتھے عدل زنجیر اوہ ٹل کتھے کھوٹے کھرے دی گئی پرکھ نوریاں
کتھے کڑک تے زور خطابتاں دے، کتھے بادشاہانی اوہ دکھ نوریاں

جگ دیکھیائے جگ دے وچ نوریاں! کردار ہیائے سلاماں ایہہ جگ تینوں
ٹھگ باز ایلیے! اج کیہڑے لیائے ٹھگاں دے ٹھگ نے ٹھگ تینوں

کتھے تیر، تفنگ تے اسپ ہاتھی، کتھے فوجاں اوہ شاہ سوار کتھے
کتھے شیر افگن، نورالدین کتھے، تیرے اج اوہ ناز بردار کتھے
کتھے چمبہ، گلاب، رویل، زگس، پائیں باغ ورگے شاہکار کتھے
کتھے جنم تے کتھے پروان چڑھیوں تیرا بنیائیں اوڑک مزار کتھے

دیکھ تیرا اخیر ایہہ جاپیا اے شاہی وچ وی خواریاں ہوندیاں نیں
یا مڑ سچ سیانیاں آکھیا سی سیراں نال سرداریاں ہوندیاں نیں
کتھے نخرے اوہ ناز نزاکتاں نی، تیرے روپ دی اوہ چڑھتل کتھے
کتھے گئے جھروکے اوہ باراں دریاں، کتھے قلعے اوہ شیش محل کتھے
کتھے بانڈیاں اوہ دربان کتھے اوہ سلیم شاہی مورچھل کتھے
کتھے عطر، گلاب سنگ غُسل کرناں، کتھے اطلس کنخواب مخمل کتھے
نُوراں! دس دے اج دے آگواں نُوں جے ہے ایہو انجام شہزادیاں دا
ہوناں خاک وچ مل کے خاک شامی! ایرا رکھن نہ آپ بربادیاں دا



افضل راز

افضل راز، منظور حسین کے گھر سیالکوٹ میں 6 ستمبر 1965ء کو پیدا ہوئے۔ بعد ازاں یہ خاندان گجرات منتقل ہو گیا۔ اُردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں عمدہ شاعری کرتے ہیں۔ ”کانگاں“ کے نام سے مستقل رسالہ نکالتے ہیں جس کے کئی اہم اور ضخیم نمبر شائع ہو چکے ہیں جن میں امرتا پریتم نمبر اور وارث شاہ نمبر خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

غزل

تھاواں وچ او تھاں ننیں ہندا جتھے اُس دا ناں ننیں ہندا
اوتھے کنج پروہنا آوے! جیس بنیرے کاں ننیں ہندا
اوہدا پیٹا ہویا دور! جنہوں گھلیا ماں ننیں ہندا
پیہہ آونی جانی شے وے!! میرے کول وی تاں ننیں ہندا

○

میرے ہتھ وچ وٹا دے کے آپ کھلوتا شیشے پچھے
مینوں دس ہاں کھڑا ٹٹ سی میرا جُتھ شیشے پچھے
کلا کلا وڈیا جاندا، جنگل بن کے ایٹھے رہو!
ایسے گل نوں پکا کر لے پکا پیٹا شیشے پچھے

○

پہاں بھار کھلو کے ویکھیں
کسے ویلے توں رو کے ویکھیں
صدیاں دی تینوں طاقت لبھے
شکر دوپہرے سو کے ویکھیں

○

کدے کدائیں اچن چیتی ایسے ڈھووی ڈھک جاندے نیں
سالاں بدھے پنڈھ لمیرے گھڑیاں دے وچ مک جاندے نیں

جیوں جیوں سنگھڑے عمر دی چادر تینوں تینوں پیر پسا رن خواہشاں
مکن دے ول رون ناں خواہشاں ساہ جیوں دے مک جان دے نیں

بور پئی ہوئی بیری دی ای راز جے راکھی کریئے ناں
لگ لگا کے طوطے آ کے کچے بیر وی ٹک جان دے نیں

غزل

کوڈی کوڈی کردا بندہ وچوں اُتوں ڈر دا بندہ
ایسے گل نوں چیتے رکھ کیتے سارے بھر دا بندہ
آوندے ساہ دا جانو نہیں گلاں بڑیاں کردا بندہ
آ وکھاواں تینوں ایہتھے پیسے پکچھے مر دا بندہ
گٹے گٹے ایہتھے بھیڑ تاری کیویں تر دا بندہ
عشقی نال جے متھا لگے اپنا جیوں ہر دا بندہ
ایہہ گلاں ناں سوچے راز پیر زویں تے دھر دا بندہ

○

اسی کیویں چنگے ہوئے سبھ دے اگے ننگے ہوئے
اک کڑی نوں مارن لئی سارے کیدو لنگے ہوئے
اوہو ایہتھے اوتھے اُچے عشق ہوراں دے ڈنگے ہوئے
اوہناں حرفاں دا کیہہ نل غیراں تھیں جو منگے ہوئے
کنج مکاواں راز نہیں جیہڑے ایدھر اودھر پنگے ہوئے



تجمل کلیم

تجمل حسین ملک محمد شفیع کے ہاں 26 مارچ 1960ء کو کرشن نگر لاہور میں پیدا ہوئے۔ محکمہ تعلیم قصور سے وابستہ ہیں اور چونیاں میں مقیم ہیں۔ چھوٹی بحر میں منفرد انداز کی پنجابی غزل کہتے ہیں جسے سن کر سینئر شاعر بھی تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بطور خاص انور مسعود ان کے خاص مداحوں میں شامل ہیں۔ ”برفاں ہیٹھ تندور“ کے نام سے ایک مجموعہ دوسری مرتبہ 2009ء میں شائع ہو چکا ہے۔

غزل

مرن توں ڈر دے او بادشاہو کمال کردے او بادشاہو
کسے نوں مارن دا سوچدے او کسے تے مردے او بادشاہو
ایہہ میں کھڈاری کمال دا ہاں کہ آپ ہردے او بادشاہو
کلیم کھھاں توں ہولے او ناں تے ای تردے او بادشاہو

غزل

روپ کوئی جاگیر نہیں ہندی ہیروی اک دن ہیر نہیں ہندی
شیشے ساہنویں میں ہی ہٹاں وچ میری تصویر نہیں ہندی
بندے نوں کجھ کر دیندی اے دولت آپ امیر نہیں ہندی
لبھو کون اے لٹن والا جووی اے، تقدیر نہیں ہندی

غزل

ہارتے بس کمزوری دی اے دُنیا زورا زوری دی اے
دل نوں چندرے وچ ای رکھیں اوہنوں عادت چوری دی اے
جیہڑی وا جنوں کن تر سے نیں بانگ دی نہیں اوہ لوری دی اے
ملک جہاز اے ڈکو ڈولے تینوں اپنی بوری دی اے



اسلم ساگر

اسلم ساگر 4 اپریل 1948ء کو غلام رسول کے گھر ساہیوال میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کے بعد 1964ء میں اسلام آباد آکر سیرین ایبسیسی میں ملازم ہو گئے۔ ترقی پسند سوچ اور Activist ہونے کے باعث بے خوف اور درویش صفت اسلم ساگر کو 1980ء میں ضیاء الحق کے دور حکومت میں تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور انہیں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں جس کے نتیجے میں نوکری سے بھی گئے۔ 1994ء میں اسٹیل فیڈرکیشن کا کاروبار شروع کیا۔ ٹیسٹ کرکٹر اظہر محمود آپ کے بڑے صاحبزادے ہیں۔ ان کی پنجابی شاعری میں ایک خاص انفرادیت پائی جاتی ہے جو انہی کا حصہ ہے۔

پر نالے دے پانی نے پتھر و نھ کے رکھ دتا اے
اک چونے دے پتھر نے پانی رنھ کے رکھ دتا اے

پیراں دے وچ پا زنجیراں آیا واں دربارے میں
جان تے اپنی ہار گیا واں قول کدی نہ ہارے میں
میراناں تے عشق جے لوکو میرے کم اولے نیں
پیار دے اک دو بولاں خاطر چھڈے تحت ہزارے میں

رُلدے کھلدے بل گئے آں ڈیگر وانگوں ڈھل گئے آں
ہتے پکے بھل وانگر! اندروں اندریں گل گئے آں
لھ لاں گے بن راہیاں نوں دھدل نوں تے رل گئے آں
خورے سیہہ کر بہنا سی خورے کسراں ٹل گئے آں
دھرتی ماں دے گھڑے تے لہو دی لالی مل گئے آں
ساگر شعر دی بیٹھک وچ ٹونے وانگوں چل گئے آں

مخدوم احسان قریشی

مخدوم احسان قریشی، منظور احمد قریشی کے گھر گاؤں گوٹہ ریالہ (گجرات) میں 3 مارچ 1973ء کو پیدا ہوئے۔ شروع میں وزیر قانون پنجاب کے معاون رہے، 1996ء سے مستقلاً اٹلی میں مقیم ہیں جہاں سے اردو نیوز یورپ اور یورونیوز نکالتے ہیں۔ پنجابی کے منفرد انداز کے شاعر ہیں۔

قلم

اے قلم کوئی پگھلیا لوہا نہیں جہڑا سٹ لوہار دی سہ جاوے
ایہدی نوک دی چھن ڈاہڈی ہے بڑی جہنوں چُجھے اوہ چگھ وانگوں بہہ جاوے
سچے قلم نوں جے کوئی پچھ مارے کالا چھٹا اوس منہ تے پے جاوے
کسے سچ لکھن والے ہتھ دے نال کہدی جرأت اے کوئی کہہ جاوے
میں جان تلے تے رکھی ہوئی اے جہڑا لے سکدا اے اوہ لے جاوے

تارکین وطن داہاڑا

باہروں آون والے سارے سادے تے نہیں ہوندے
نتھو فتو، شیدے، گامے ماجھے تے نہیں ہوندے
ایہہ نہیں تیری چالاکی اوہ ترس تیرے تے کھاندے
لولے، لنگڑے انباں بدلے منہ منگیا دے جاندے
داغی سیب تے کیلے لے جا ڈنگراں نوں اوہ پاندے
توں اوہناں تے وسدا جہڑے تینوں ہتھ پواندے
تیرے کنواں وانگوں بے سوادے تے نہیں ہوندے
انٹرنیشنل تاجرا وڈیاں قسماں کاهنوں کھاویں
الف توں لے کے لے تک لالے موسے توں بنواویں
اپنے کم نال کم رکھیا کر چاہواں کیوں پیاویں



جوگی جہلمی

جوگی جہلمی اپنی طرز کے پنجابی کے منفرد شاعر تھے جنہیں قومی سطح کے مشاعروں میں بالخصوص مدعو کیا جاتا تھا کہ ان کے کلام میں ایک خاص تاثیر تھی۔ ”مندراں“ کے نام سے ایک کتاب ان کی زندگی میں شائع ہوئی مگر اس میں ان کا سارا کلام شامل نہیں تھا بلکہ بعض معروف نظمیں بھی شامل نہیں تھیں جو اب کہیں دستیاب بھی نہیں۔

چاننی

وہناں آں چروکے دا جھروکے وچوں بٹ بٹ چناں مینوں لگدی پیاری تیری چاننی
نچن کنوارے ناچ کرناں کنواریاں، ایہہ چناں توں کنوارا ایں کنواری تیری چاننی
ٹانواں ٹانواں تارا کوئی کتے کتے دسدا اے کتے کتے گوٹا تے کناری تیری چاننی
اچے نیویں بٹے سارے طور مینوں جا پدے نیں دور دور کرناں کھلاری تیری چاننی
کلی کلی روپ رانی بنی ہوئی اے باغ وچ پھل پھل اُتے پھلکاری تیری چاننی
خیال نالوں پتلا پتنگ تیرا چاننا اے پونڑواں ایہہ نور اے نیاری تیری چاننی
سرگ ویلے دن جدوں ابھرنے دے نیڑے ڈھکا پھکی پھکی پیندی جائے واری تیری چاننی
وہندیاں ای وہندیاں جاں نمی نمی پوہ پھٹی اڈ گئی مار کے اڈاری تیری چاننی
جھنہ جھنہ مانگواں سی چاننا ایہہ لیا ہويا دینی پئی موڑ کے تے ساری تیری چاننی
اوس ویلے جوگی دے وی دیدیاں نوں لو لگی ماری جدوں ہجر کٹاری تیری چاننی
جھڑ گئے پتے جدوں اوہدوں مینوں پتہ لگا چناں توں ادھارا سی ادھاری تیری چاننی

بچہ

اوہ ویہڑے وچ نیاڑاں اے پیا کھہہ کھہہ آپی ہسدا اے
لیراں دے رُہڑ دے کھینوں نوں پھڑنے لئی کمر اں کسدا اے
پیا ہانبر ہانبر پیندا اے تے ہتھیاں پر نے نسدا اے
اوہ بے پروا جے سچ پچھو ایس بے پروا وچ وسدا اے

ایہہ کیڈا بھولا بھالا اے ایہہ کیڈا پیارا پیارا اے
اس بانہہ پیو دی بننا اے امبری دی اکھ دا تارا اے
جے امبری ٹور ٹرانڈی سوتے پکھی وانگر ڈولے ایہہ
ایہہ جانڑوں نئیں اس بولی دا کنج بھیت دلاندے کھولے ایہہ
گل کردا اے گل اوندی نئیں بلاں وچ بول پپولے ایہہ
دل مٹھی وچ لے لیندا اے جاں اپنی بولی بولے ایہہ

رونا وی ایہدی بولی اے اتھروں بول کہاندے نیں
بلاں تے ایڑے گلاں دے عقلاں نوں گنجلاں پاندے نیں

ایہہ خوشیوں غمیوں اچا اے ایہہ جیہا بے وسواسا اے
ایہہ اگ دا کولا چکنے توں نہ اگدا رتی ماسا اے
ٹرپیندا اے چک مہاراں نوں ہر پاسے ایہدا پاسا اے
ہاسے وچ ایہدے رونا اے رونے وچ گجھا ہاسا اے

ادھ کھلیاں ایہدیاں بلاں وچ بول ادھورا نڑیں مٹھے نیں
نہ کھنڈ کھڈاؤ نڑیں مٹھے نیں نہ جسے مکھانڑیں مٹھے نیں

اس ساڈے وانگ خیالاں دا نہ پایا ہویا ہنگا اے
ایہہ دیوانہ آزادی دا اوہ پھر دا ننگ منگا اے
ایہہ جگ نوں چنگا لگدا اے ایہہ سارے جگ توں چنگا اے
اس ویلے ایہدیاں نظراں وچ نہ زمزم اے نہ گنگا اے

اک فرق اے ایہدے ساڈے وچ ہور آروں پاروں اکو اے
اسیں اندروں باہروں اکو نہ ایہدا اندروں باہروں اکو اے



ظفر نجمی

ظفر نجمی یکم مئی 1971ء کو کبیر والا میں سرفراز خان کے ہاں پیدا ہوئے۔ یونین کونسل ملتان میں ملازم ہیں۔ ”پلکاں ہیٹھ جھناں“ کے نام سے شعری مجموعہ 1998ء میں چھپ چکا ہے۔ ان کا درج ذیل تازہ کلام ان کی ایک مقبول کمرشل سی ڈی سے حاصل کیا گیا ہے جس میں انہوں نے حسن اور عشق کا مکالمہ پیش کیا ہے۔ اس نظم کی تمثیلی ریکارڈنگ کی نظامت معروف اسٹیج وٹی وی اداکار افتخار ٹھاکر نے اور عشق کی نمائندگی خود شاعر نے جبکہ حسن کی نمائندگی ڈاکٹر عائشہ خان نے کی تھی۔

حسن بمقابلہ عشق

عشق: نہ نکلیا کر گھروں بن ٹھن کے راہندے لوگ ایمان اچ کوئی نہیں
تیرے تیر نگاہیں دے کون پچاوے جند کے انسان اچ کوئی نہیں
جیہڑے نجمی تیرے ناں کر چھوڑے کائی غزل دیوان اچ کوئی نہیں
تیتھوں ودھ کے سوہنا قسم خدا دی پورے ملتان اچ کوئی نہیں
حسن: ملتان شہر اے نواباں دا ایٹھے سوہنے سدے ہور وی ہن
میں ہک نہیں سوہنی دنیا تے کئی میتھوں شہ زور وی ہن
لکھاں عاشق روز لٹی ویندن اتھاں سادھ وی ہن اتھاں چور وی ہن
ہر کتیں داروپ تے رنگ وکھرا اے اتھاں کال وی ہن اتھاں مور وی ہن
عشق: تیرے نال اے دلبراج توڑیں کیتے نجمی لیکھے ای کوئی نہ
جیویں ٹھار دی اجکل نبھدی پی اے شالا پون بھلیکے ای کوئی نہ
دل انج آہدا اے تیرے حسن دی اگ نوں کوئی غیر تے سیکے ای کوئی نہ
اکو میں ہوواں تیرے کول سجن تینوں ہور تے ویکھے ای کوئی نہ
حسن: اللہ یار دیوے تے ایہہ جیہیا ڈیوے جاوے رُس ارمان تے ہووے
میں سسی آں بھنجھور شہر دی اوہ وی کچھ دا کوئی خان تے ہووے
شے ویکھے کے عائشہ ل لویئے لگے زر تے پہچان تے ہووے

عشق: بندہ مرداوی سوہناں تاں لگدا اے نجھی اگوں کوئی انسان تے ہووے
تینوں رب دتائے رنگ توں حسن دی ملکہ اساں تیرے پیار دے قابل نہیں
ساڈے ساہ وی بے اعتبارے ہن اساں کنیں اتبار دے قابل نہیں
اساں ڈٹھے ہوئے بھل کسے بوٹی دے رہے باغ بہار دے قابل نہیں
ساہنوں قبر کسے تے سٹ چھوڑیں اساں نجھی ہار دے قابل نہیں
حُسن: بھاہویں لکھاں دی آں تیرے پیار دے وچ نیلام ہوساں تاں میں ہوساں
کدی پیار لکائیاں لگدا نہیں سر عام ہوساں تاں میں ہوساں
جنہوں پی کے غم بھل ویندے ہن اوہ جام ہوساں تاں میں ہوساں
مینوں نجھی روز توں ملیا کر بدنام ہوساں تاں میں ہوساں
عشق: تاں ای عشق دی بیٹری توڑ نہیں چڑھدی واکنیں پاسے، کھ کنیں پاسے
ایتھے ملدے قول برابر نہیں سو کنیں پاسے، لکھ کنیں پاسے
مُج حسن دا بے اتبارا ہے اگ کنیں پاسے، دکھ کنیں پاسے
ایہناں نجھی سوہنیاں بندیاں دا دل کنیں پاسے، اکھ کنیں پاسے
حسن: مینوں قسم ایہہ میریاں اکھیاں دی تیرا پیار بھلایا ای کوئی نہیں
تینوں چھوڑ و نجن دا میں کملی کدی ذہن بنایا ای کوئی نہیں
جا جاتے سنگتتاں لاون دا کسے ول سمجھایا ای کوئی نہیں
تیری ذات سوا میری زندگی وچ کوئی ہور تاں آیا ای کوئی نہیں
عشق: میں شک کیتا اے مینوں معافیاں دے تیرے پیار نوں یار سلام اے
تیرے ورگے مخلص بلی تے کیویں لا بیٹھاں الزام اے
مینوں غلط رپوٹاں دیندے رئے تیرے شہر دے لوگ تمام اے
تینوں نجھی الف توں ب نہیں کیتی پیندا وڈا صبر دے جام اے
حسن: تیرے عشق کدائیں دارکھیا ای نہیں میرے دل بے تاب اچ توں ایں

ڈینہہ لنگھدا تیریاں سوچاں وچ اکھیں نوٹاں خواب اچ تُوں ایں
 کراں رب نوں سجدہ انج لگدا اے میرے نال ثواب اچ تُوں ایں
 جنہوں پڑھ کے عائمہ دل ٹھردا اے اوہ حرف کتاب اچ تُوں ایں
 جیہڑے رنگ وچ راضی دل نہ ہووے اوس رنگ نوں میں کیہہ کرنا ایں
 ہاں عاشق تیریاں اکھیاں دا انگ انگ نوں میں کیہہ کرنا ایں
 جیہڑا نجی توڑ دا رہوے ای نہ اوس سنگ نوں میں کیہہ کرنا ایں
 جداں، باہیں دے بیٹھائیں ہو رکسے نوں تیری ونگ نوں میں کیہہ کرنا ایں
 تُوں حسن میرے دا ٹھرکی ایں تینوں پیار دا ڈھنگ نہیں آندا
 جیہڑے رنگ اچ لُٹیا ویندا اے تینوں کملیا رنگ نہیں آندا
 کیوں عائمہ خان دے نال بھیسیں تُوں، تینوں کرنا سنگ نہیں آندا
 گھر بیٹھے اوس نوں ہیر نہیں بلدی جیہڑا رانجھا جھنگ نہیں آندا
 رہویں اکھیں دے اگے تُوں ول تاں مینوں لوڑ جہان دی کائی نہیں
 وِس کول میرے لُٹ مرضیاں دا رنج قسم قرآن دی کائی نہیں
 پورے پنج پنج ڈینہہ متھے لگدا ای نہیں تینوں کس مہمان دی کائی نہیں
 کیہڑے موڑ تے نجی مک جاوے زندگی انسان دی کائی نہیں
 اوہ وقت وی ہا اتھے شاہیاں ہن کتھے نگری دے سردار آسے
 ہتھ ہر کوئی عائمہ چُمد ہا سنگتاں دی مگر قطار آسے
 کئی بلبل نغے گاندے ہن باگاں دی مست بہار آسے
 آج مینکا مینکا تھی گئے ہاں کل یار دے گل دا ہار آسے
 تُوں حسن بھری ہک بدلی ہیں تری گرج کدائیں برسات کدائیں
 کئی رل گئے مجنوں راہواں تے تیری دید کدائیں تیری جھات کدائیں
 وانگوں نجی چن اسمانی دے کائی رات کدائیں کائی رات کدائیں

عشق:

حسن:

عشق:

حسن:

عشق:

تیرا پیار وی بے اتارا ہے گل بات کدائیں ملاقات کدائیں
 میں تے روز الزام جو لانا ایں لوں پھیر نگاہیں پتہ لگ ویسی
 جیویں میرا دل تڑپینا ایں تیرا دل تڑپائیں پتہ لگ ویسی
 جنہاں راہواں تے موجود ہوویں اُتھاں جھات نہ پائیں پتہ لگ ویسی
 تیرے سامنے آپنیاں باہواں وچ کوئی غیر سمائیں پتہ لگ ویسی
 میری توبہ اے رن دی ذات کولوں تساں قتل کریندیاں یار او
 ہتھ رکھ کے پاک کلام اُتے دھو کے کردیاں سو سو وار او
 رُل ویندن عاشق گلیاں وچ گھروں جھات نہ پیندیاں باہر او
 تہاڈا اپنا شوق ملن دا ہوئے کچے گھڑے تے ٹھلدیاں پار او
 تساں مرد وفا دے قابل نہیں ایویں عشق دا نعرہ لائی ودے او
 کنیں ہک نوں پیار کریندے نہیں گلی گلی وچ یار بنائی ودے او
 تساں ویتج کے کنگن معشوقاں دے گل کاٹن سوٹ سجائی ودے او
 میری توبہ ایہناں عاشقاں توں نویں لیلیٰ روز پھسائی ودے او
 توں آکھیا پیار کراں بلی میں آکھیا دیکھ زبان اے
 توں آکھیا رُل کے ٹرنا ایں میں آکھیا وکھری شان اے
 توں آکھیا طعنے جگ دیسی میں آکھیا کیہہ نقصان اے
 توں آکھیا غلطی نہ ہووے میں آکھیا ہاں انسان اے
 توں آکھیا مذہب ڈسا اپنا میں آکھیا پیار ایمان اے
 توں آکھیا رُل کے پڑھنا ایں میں آکھیا سچ فرمان اے
 توں آکھیا بستہ چا میرا میں آکھیا حاضر جان اے
 توں آکھیا ہو بدنام ویسیں میں آکھیا سب پروان اے
 توں آکھیا چھوڑتے نہ ویسیں میں آکھیا وہم گمان اے

حسن:

عشق:

حسن:

عشق:

تو آکھیا نجھی ڈے ضامن میں آکھیا پاک قرآن اے
 تیرے میرے کول موبائل جو ہے میرا حال احوال ونڈایا کر
 کدی میج دے کدی مس کالاں میرے دل نوں لالچ لایا کر
 میرا بیلنس گنا نہیں چاہی دا نہ خرچے توں گھبرایا کر
 مینوں لوڑ نہیں کوٹھیاں کاراں دی بس ایزی لوڑ کرایا کر
 تیرا ہیلو کرن وی چند کڈھدائے کریں کال تے شکر کریساں
 تیرے ورگے سجن کوئی سوکھے لبھدن ایزی لوڑ ضرور گھلیساں
 تے کسے ہور دا نمبر ملاویں نہیں میں تاں جیندیاں جی مر ویساں
 بھاویں تَن دے کپڑے وپچنے پئے تیرا بیلنس گن نہ دیساں
 کیوں پھر دا ایں بُلیاں نوں لال کر کے اتے جینا ساڈا محال کر کے
 اوئے جگ دے لئیرے تے اسیں وی ساں پر توں ساہنوں لٹیا اے کمال کر کے
 توں وی وعدے تے قائم کوئی نہیں کوئی ترے جناں بے رحم کوئی نہیں
 غیر سدے تے بھج کے وینا ایں جے نجھی سدے تے ٹائم کوئی نہیں
 مجبور نہ کر مینوں روز ملن تے مخلوق دی ساتھ آکھ اے
 کجھ اپنی عزت بچا دلبر کجھ میرا بھرم بھی رکھ اے
 میں مردے تائیں تاں تیری آں ہوساں کدی نہ جیندیاں وکھ اے
 ایہہ پنہویں ستویں ڈینہہ ملدے ہاں ، ایہو سمجھیا کر تو لگھ اے

حسن:

عشق:

حسن

عشق:

حسن:



ڈاکٹر سید اختر جعفری

20 دسمبر 1934ء کو ریاست کپور تھلہ جالندھر میں پیدا ہوئے۔ ایم۔ اے انگریزی، فارسی، اردو اور پنجابی کے علاوہ میاں محمد بخش پر مقالہ لکھ کر پنجابی میں پی ایچ ڈی کی۔ پنجاب یونیورسٹی میں پروفیسر رہے اور لاہور کے ایک کالج سے بطور پرنسپل ریٹائر ہوئے۔ تحقیق و تنقید کی کئی مستند کتب شائع ہو چکی ہیں۔

جھلی

کل دیہاڑے کم نال میر اپا ساپا سا ڈکھیا
پہلاں تے میں بستر دیاں سجھے چادران دھونیاں
فیر میں
پر چھتی والے سارے بھانڈے مانجھے
گلا پوچا بھونیں پا کے اوہناں لپ چڑھایا
اک شیشہ لشکایا
فیر اک پتیلی وچ میں چھوٹا گوشت پکایا
مٹھے چاول، لُونے چاول
وکھرے وکھرے رکھے
شام ہوئی تے منجی اُتے کھانا لاسجایا
باہر جا کے اپنے گھر دی کنڈی میں کھڑ کائی
کون ایں، فیر پچھیا میں
میں آں، میں آپوں ای دہرایا
دروازے نوں چم کے میں واپس اندر آئی
ہس ہس دوہری ہوئی
فیر ہس ہس چوہری ہوئی
روٹی کھاہدی، چاول کھا دے

بھانڈے فیر سمیٹے
فیر کمرے دے اندر آ کے دیوار روشن کیتا
چٹی چادر جس اُتے سی
منجی خالی ڈھسھی
چن نظر نہ آیا
من میرا گھبرایا
میں رورو جھلی ہوئی
میں ہس ہس جھلی ہوئی



بدی چند

امر تر کے رہنے والے بدی چند کے یہ چند اشعار امریکہ میں ہی مقیم ایک دوست نے سنائے تھے، اسی حوالے سے یہاں درج ہیں۔ یہ 1940ء کے لگ بھگ کے زمانے کے شاعر تھے۔

ساون وچ خریدنی کھنڈ مندی دو جا اوٹھاں تے لدنا بھار مندا
تیجا نال ان داڑھئے نیوں لانا چوتھا گھڑے تے لنگھنا پار مندا
پنجواں مورکھ نوں دیونی مت مندی چھیواں چوہڑے نوں دینا ادھار مندا
ستواں مندیاں دی نناں بدی چندا اٹھواں رن تے کرنا اعتبار مندا



نادر درانی نادر

16 اگست 1953ء کو فیصل آباد میں شہزادہ امین الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ بی اے کے بعد 1973ء میں یونان چلے گئے۔ 1983ء سے امریکہ (ڈیلس) میں مقیم ہیں۔ اُردو اور پنجابی کے اچھے شاعر اور ادبی آرگنائزر ہیں۔

○
جند لنگھدی تے نسین سی لنگھائی یارو
کجھ مینوں وی دیو ودھائی یارو
گنڈھاں والیاں تیلاں تے تڑاں وگی
کئی بنھ بنھ گڈی اڈائی یارو

○
ویلے دی اس گڈی داوی کوئی سر پیر نہ متھا
اٹوں ایہدا سفر وی پاوے سراں بچ مٹی گھٹا
کسے وی اسٹیشن تے نادر ایہہ نہ کدی کھلوتی
ہر کوئی چلدی گڈی چڑھیا چلدی گڈی لتھا

میاں افتخار احمد خاسر

میاں افتخار احمد خاسر اُردو اور پنجابی کے شاعر ہیں اور آج کل طائف (سعودی عرب) میں مقیم

ہیں۔

○
لگ نہ جائے اک اک ہور آؤ وسایئے جگ اک ہور
زور اور دے پیراں تھلے رُل نہ جائے پگ اک ہور
کو تو ال دی اکھ دا تارا وڈھ گیا شہ رگ اک ہور
○
دنیا اتے کم کئی ہور عشقوں وڈے غم کئی ہور
تن چٹے من کالے یارو بندے اتے چم کئی ہور

شیخ مقبول احمد عابد

5 جولائی 1951ء کو لاہور میں محمد علی کے گھر پیدا ہوئے۔ ایم ایس سی فزکس الیکٹرونکس (رول آف آنرز) کرنے کے بعد کچھ عرصہ ریڈیو پاکستان لاہور میں سینئر براڈکاسٹنگ ٹرانسمیٹر انجینئر رہے۔ 1988ء میں امریکہ چلے گئے۔ آج کل سالٹ لیک سٹی میں مقیم ہیں۔ پنجابی کے عمدہ شاعر اور ادبی آرگنائزر ہیں۔

○
ڈوئی

انگ انگ میرا نکراں ورگا ٹاہلیاں میرا نانکہ سی
امب جموں میرے حق ہمسائے سارا پنڈ سیاندا سی
وانگ کونپل میں جھی اگی لے کے چنی پیتیاں دی
ریشم ریشم چندڑی میری تولے ماشے رتیاں دی
نال ہواواں پینگاں جھوٹیاں نال برساتاں چھڑ دی رہی
نال پھلاں دے نویاں رتاں ہاسیاں وانگوں کھڑ دی رہی
طوطا مینا رام کہانی کنیں لا کے سن دی رہی
کاگاں دے نہ نیڑے بیٹھی چیلان ویکھ کے گڑھدی رہی
بلبلاں اندر جان سی میری ہر دم بولیاں بولدیاں سی
سوہنیاں سجریاں مٹھیاں وازاں کنناں وچ رس گھولدیاں سی
پانیوں پتلا جٹا میرا چھمکاں وانگوں پنڈا سی
جسم تے کوئی ماس نہ بوٹی نہ ماسا کو تھندا سی
پچھلا سیال سی چیڑھا ایڈھا جان داناں نہ لیندا سی
ککر پالا گوڈیاں گٹیاں آ کے مڑ مڑ بہندا سی
گرمی آئی تے دھپاں تائیاں ہڈیں پیریں پھرتیاں نیں

فیر وی پنڈے اندر جاپن اوہو سیالی سستیاں نیں
 بیٹھی بیٹھی موٹی ہو گئی نہ ہلاں نہ جلاں میں
 نہ کوئی کم نہ کار سی مینوں ویہلی کھاندی بھٹلاں میں
 ○

مالکاں ایسے بھادروں اندر دھی دا ویاہ رچا دیتا
 ٹالیاں ککراں سب دا سودا آڑھتی ہتھ مکا دیتا
 آڑھتی ساہنوں وڈھ ٹک کے ترکھاناں اگے ڈاء دیتا
 تے ترکھان سلکھناں ایڈا دُھپوں چھاویں پا دیتا
 وکھو وکھ نصیباں وانگوں چن چن نمبر لا دیتا
 اک دن مینوں کٹ کٹا کے جا کھرا دے چا دیتا
 چھل کے میرا پنڈا ایہنے ڈوئی مینوں بنا دیتا
 کھھاں وانگوں رُل دی نوں پھلاں دے نال سجا دیتا
 ساوے رتے پا پراندے رنگے پلنگ بٹھا دیتا
 ڈھکو ڈولے کھاندی سی بیڑی نوں بنے لا دیتا
 ○

وچ کسیرے روپ میرے دی جھال نہ جھلی جاندی سی
 میری قیمت حاری ساری توں نہ دتی جاندی سی
 اک دن ماسی میرا آ کے میرا مل چکا دیتا
 ووہٹیاں وانگ بورچی خانے کنڈی نال لکا دیتا
 سارے مینوں چنگا جانن لیکھاں کھٹیاں کھانی آں
 چنگا چوکھا کھانی آں تے نہا دھو کے سوں جانی آں
 ڈوئی ڈوئی سب ناں لیندے کیہہ مالک کیہہ نوکر اے
 بھکھ لگے تے منتاں کر دے میری من دے چوہدرے

جنھوں چاہواں سبجے کھجے بوٹیاں نال رجاواں میں
یا ان بھاسی دال کھوا کے اپنے گھروں نساواں میں
جسدے نال میں منہ وسوراں اوہنوں کدرے ڈھوئی اے؟
جسدے ہتھ وچ ڈوئی پیارے اسدا ای ہر کوئی اے
○

اپنے کرماں دی میں رانی خوب میں راج کمایا اے
نہ میں سوہنی نہ کجھ پلے لیکھاں بھاگ جگایا اے
ازلاں توں میں سجری والی سوچاں سوچدی رہندی آں
اوپدیاں دیتاں نعمتاں دا میں ویر وا کردی رہندی آں
اک دن مینوں ہانڈی پچھیا سکدی جاویں کیوں گڑے
کھاندی پیندی چنچھ مڑوڑیں ہو یا تینوں کیہہ گڑے
کیہہ دساں میں کھاندی پیندی کیوں پئی سکدی جانی آں
میں تے اپنے حال توں خوش آں ٹھنڈی جان ہنڈانی آں
پر میں جس دم سوہنے سوہنے کھانے پئی پکانی آں
چلھے دے وچ میرے ورگیاں بالن ہو کے بلدیاں نیں
مالک دی مرضی دی خاطر آپنی اگ وچ سڑدیاں نیں
بلدی اگ وچ ہسدیاں ہسدیاں کل حیاتی کردیاں نیں



راحیلہ رباب

راحیلہ رباب 2۔ فروری 1978ء کو سرانے منڈھیالی ضلع شیخوپورہ میں پیدا ہوئیں۔ ایم اے اردو پولیٹیکل سائنس اور بی ایڈ کے بعد شعبہء درس و تدریس سے وابستہ ہو گئیں۔ آج کل الزینب گروپ آف سکولز شیخوپورہ روڈ لاہور کی پرنسپل ہیں۔ اردو شعری مجموعہ ”اداس کرگئے ہو“ چھپ چکا ہے جبکہ پنجابی شعری مجموعہ زیر ترتیب ہے۔

غزل

غیراں نال قرابت داری ٹھیک تے ننیں نال
سجناں اُتے بے اتباری ٹھیک تے ننیں نال
میرے کولوں وی کوئی غلطی ہو گئی ہوسی
جہڑی لوکی کہندے ساری ٹھیک تے ننیں نال
میرے کول اک دل، اک اٹی سوتر دی اے
تیرا سارا شہر پاری ٹھیک تے ننیں نال
گھر دے بوہے ہڈوں نیویں رکھ کے تے
اٹھاں والیاں دے نال یاری ٹھیک تے ننیں نال
سانوں تے نہ لوکاں وانگ رباب اوہ سمجھے
ساڈے نال ایہہ دنیا داری، ٹھیک تے ننیں نال

غزل

دکھ دے سانجھے یار میں تینوں کیہ آکھاں
انھاں سی اتبار میں تینوں کیہ آکھاں
ٹنگے رہے نیں پل پل ساہ دروازے تے
لنگھ گئے کئی اتوار میں تینوں کیہ آکھاں

حالی تیکر بوہے اُتے کھڑیاں نہیں
اکھاں پہاں بھار میں تینوں کیہ آکھاں
میرے کول ربات گھڑا ننیں کچا وی
توں ایں ندیوں پار میں تینوں کیہ آکھاں

غزل

قسمت نال چھوڑے رہ گئے
ہنجو اکھ وچ تھوڑے رہ گئے
پیش اسماں توں ہو نہ سکے
سجرے پھل ترڑے رہ گئے
ونگاں ٹٹیاں ہتھ اج رہیاں
خالی خالی ہتھ مروڑے رہ گئے

غزل

چولا کتھے لیر مکمل کیتی اے
میں کھلری تقدیر مکمل کیتی اے
لوکی کہندے رانجھا جوگی بنیا اے
رانجھے اپنی ہیر مکمل کیتی اے
ڈھیر پرانیاں چٹھیاں لہج کے رکھیاں نہیں
میں اپنی جاگیر مکمل کیتی اے
تینوں اپنی ذات دا حصہ من کے تے
میں اپنی تصویر مکمل کیتی اے



گل بادشاہ نسیم

گل نسیم بادشاہ آزاد کشمیر کے رہنے والے ہیں، پہاڑی، ہندکو، گوجری میں شاعری کرتے ہیں اور اپنے رنگ کے منفرد شاعر ہیں۔ ان کے یہ اشعار آزاد کشمیر کے وزیر جنگلات و وائلڈ لائف سردار جاوید ایوب (جو کہ شاعری کا خاص ذوق رکھتے ہیں اور ہزاروں اچھے اشعار انہیں زبانی یاد ہیں) سے سن کر یہاں نقل کیے گئے ہیں۔

پتہ اس کو بی لگ جُلدا میں آخر کس طراں جینداں
جے اوہ بی رات کھنڈ آ کے مرا مزمان ہو جُلدا
ضروری نہیں کہ اوہ بی آ کے مے خانے پچ پی لیندا
جے کول آ جاندا ساتی دے، ذرا انسان ہو جُلدا
چنگا ہو یا اوہ بن ٹھن کے نہیں آیا سیل کرنے کو
جے آ جُلدا اوہ بانغے وچ تے فر قتلان ہو جُلدا

ریاض حسین ارم

ریاض حسین ارم، محمد امیر کھوکھر کے ہاں 14-مارچ 1940ء کو خانیوال میں پیدا ہوئے۔ ”ارم دے دوہڑے تے گیت“ (1974ء)، ”ہنجواں دی چھل“ (1990ء)، ”حیاتی دے پنڈھ“ (2004ء)، ”قاتل نگاہ“ (2005ء) اور ”درداں دیاں پٹیاں“ (2011ء) کے نام سے پنجابی شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر بیدل حیدری مرحوم کے شاگردوں میں سے ہیں۔ کلاسیکی انداز کی شاعری کرتے ہیں جس میں ایک خاص انفرادیت پائی جاتی ہے۔

ڈوہڑہ

لکھ شکر خداوند اکبر دا ہر حال مبارک ہووے
شالا سورج وانگ چمکدے رہو لچپال مبارک ہووے
مونہہ نکلی پاکستانیاں دی ہر گال مبارک ہووے
میں ارم دی طرفوں سجناں نوں نواں سال مبارک ہووے

ڈوہڑہ

میری طرفوں عید مبارک ہووی میرے واسطے حاتم طائی ڈھولا
شالا خوشیاں وچ آباد رہوویں ہووی جگ اج نہ رسوائی ڈھولا
اس عزت وقارتے شہرت دی رب ہو وی شان ودھائی ڈھولا
منگے روز دعائیں ریاض ارم تکلیف نہ آوی کائی ڈھولا

ڈوہڑہ

توں ایں حاصل میریاں سوچاں دا میرا خاب خیال وی توں ایں
تیرے نانویں گھر دی ہر ہک شے میرا زرتے مال وی توں ایں
تینوں ویکھ لواں دل ٹھر ویندا میرا بخت کمال وی توں ایں
میرا مستقبل توں ریاض ارم ماضی تے حال وی توں ایں

ڈوہڑہ

میرے گلشن گل گلزاراں تے کل پیار دی بجلی کڑکی
تے میرے شجر بقاء دے پتیاں تے اگ ہجر فراق دی بھڑکی
لگے جگر نفیس نوں انج جھٹکے کائنات خدا دی تھڑکی
بھانویں لاش ارم دی تڑپدی رہی نہیں اکھ محبوب دی پھڑکی

ڈوہڑہ

سانوں جو وی ملیاے کھاؤ ملیاے چنگا یار تاں ملیائی کوئی نہیں
ملے دھوکہ باز تے بے قدرے من ٹھار تاں ملیائی کوئی نہیں
تنگ ارم ضمیر فروشاں توں خوددار تاں ملیائی کوئی نہیں
سانوں ملے ہن تاں سب سب کچھرے دلدار تاں ملیائی کوئی نہیں



پھٹکل شاعری

- بچھارتیں
- بولیاں
- ضرب الامثال
- محاورے
- لوک گیت

پھٹکل شاعری

(یہ چند ایک ایسے اشعار ہیں جو میں نے مختلف جگہ پڑھے یا سنے مگر ان کے خالق کون تھے اس کا مجھے علم نہیں سوائے ان کے جن کے ساتھ نام دے دیئے ہیں۔)

○

ملاں اتے مشاپلجی دونہاں اکو چت
لوکاں کردے چاننا آپ انھیرے نت

○

قہر سجن ہر دم تے لطف سجن گاہ گاہ
انج وی سجن واہ واہ تے انج وی سجن واہ واہ

○

میں میں میں میں کردی بکری پٹھی کھل لہائی
مینا میں نہ میں نہ کر دی، شاہاں ہتھ بٹھائی

○

پلے خرچ نہ بنھدے پنچھی تے درویش
جنھاں نون تکیہ رب دا تہاں نون رزق ہمیش

○

چار دیہاڑے اڈی ٹپا دو دن کھانا پینا
ماں موئی تے مک گئے پیکے کیہہ گڑیاں دا جینا

(☆ یہ شعر پیر محمد شاہ کا ہے جو رشتے میں سید ضمیر جعفری کے نانا تھے اور جن کا مزار کھنیاہ شریف میں ہے۔ سید ضمیر جعفری اور ان کی بیگم بھی اسی مزار کے احاطے میں مدفون ہیں۔ پیر محمد شاہ نے دیگر کلام کے علاوہ ہیر کا قصہ بھی لکھا ہے جو میر پور (آزاد کشمیر) میں بے حد مقبول ہے۔ سید ضمیر جعفری نے ان کے منتخب کلام کا اردو ترجمہ بھی کیا تھا۔)

○

غلطی کرن توں پچھوں سب پچھتا ندے نیں
غلطی کرن توں پہلوں بھوتر جان دے نیں
ازلاں توں ایہو فطرت انساناں دی

اول بھوتر آخر سوتر جانڈے نیں
عشق جدوں اگاں گلزار بناندا اے
عقلاں والے اڈ کبوتر جانڈے نیں

○

بندیئے اللہ نی اے، مہاڑا جگرا نہ تڑپا
تھوڑی جیہی رہ گئی آ ذرا ہس کے توڑ نبھا

○

لوکی آکھدے صنم تیرا لک وا
چگھا چک کے وکھا ساہنوں شک وا

○

ٹردی پھردی رن نہ کرو بھانویں جنت دی حور ہووے
بھٹیا ہويا ددھ نہ پیو بھانویں خاص خدا دا نور ہووے
مایاں نوں جھوٹھانہ کرو بھانویں اہناں وچ لکھ قصور ہووے

○

ٹہل کرو ماں باپ دی جے پوری چاہوندے او آس
جیہڑے ٹہل توں نکرے، نرگ اوہناں دی باس

○

جٹی چارے ای تھوک سنوار دی اے
اکو ویلے ایہہ ہتھ ایداں مار دی اے
اُن تمبیدی بال کھڈاوندی اے
چڑیاں موڑدی تے لیلے چار دی اے

○

رناں چنچل ہاریاں چنچل کم کرین
دنے ڈرن ڈرائیوں تے راتیں ندی ترین

○

دیکھ اسمان تے اڈدے پنچھی دیکھ تے سہی کیہہ کردے نیں
وانگ انساناں اک دُوبے توں نہ کدی اوہ سڑدے نیں
نہ آپس وچ لڑدے نیں نہ ای بھکھے مردے نیں
بندے ای رزق ذخیرہ کردے بندے ای بھکھے مردے نیں

○
بارھیں برسیں کھٹن گیتے کھٹ کے لیایا فیتا
نی عشقے نے ڈنگ ماریا، کڑی سپ دا بہانہ کیتا

○
جڈاں رورو کے میں مرویاں دیدار کراون وت آسیں
جڈاں نُور اکھیں دا مک ویسی میکوں شکل ڈکھاون وت آسیں
جڈاں بولن تُوں تھی چُپ ویساں میڈے نال الاون وت آسیں
جڈن شاخ ثمر تھی ختم ویسن مینہ یار وساون وت آسیں

○
یار ہووے دلدار ہووے تے یاری لاون چَس اے
سردے بدلے سرمنگے تاں سر ڈیندے کیا گس اے
کافر ہے جیہڑا یاری لا کے ول آکھے ہُن بس اے
یاری لاون تے توڑ نبھاون ساکوں پیر فرید داؤس اے

○
☆ مسجد ڈھادے مندر ڈھادے ڈھادے جو کجھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہندا

(☆ درج بالا شعر کے اصل خالق کا علم نہیں۔ بہت عرصے تک یہ شعر میاں محمد بخش کے مزار پر بھی لکھا رہا جہاں سے ڈاکٹر انعام الحق جاوید کے ایک تحقیقی مضمون اور اخباری کالم کے نتیجے میں اب ہٹا دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید اختر جعفری، جنہوں نے میاں محمد بخش پر پی ایچ ڈی کی ہے، کا کہنا ہے کہ یہ شعر انھیں میاں محمد بخش کے کسی مجموعے میں نہیں ملا)

○
 بھیکڑاں دی راکھی اساں کدے نہیں کیتی
 مالی بی رئے تے گلاباں دے رئے آں
 چڑیاں نوں پھایا اساں کدے نہیں لایا
 شکاری بی رئے تے عقاباں دے رئے آں
 چنگا سگی سانوں لہیا ای کوئی نہیں
 سگی بی رئے تے خراباں دے رئے آں
 کدے پیتیاں نہیں بھنگاں تے چرساں
 شوقی بی رئے تے شراباں دے رئے آں
 کدے نوکری ہائیں مائیں دی نہیں کیتی
 نوکر بی رئے تے نواباں دے رئے آں

(یہ غزل سردار جاوید ایوب صاحب کو بہت پسند ہے اور ان ہی سے سن کر یہاں نقل
 کی گئی ہے)



بجھارتیں

بادشاہوں کے زمانوں میں بجھارتوں کا بہت رواج ہوا کرتا تھا جب کہ عوامی سطح پر منظوم بجھارتیں اور پہیلیاں مقبول تھیں۔ انیسویں اور بیسویں صدی کے نصف اول تک ان کا بہت رواج رہا۔ اکثر اوقات دو شاعر ایک دوسرے سے بجھارتوں میں سوال جواب کرتے اور فن کا مظاہرہ کرتے۔

سوال: کون لوڑے وسنا کون لوڑے ڈھپ
کون چاہے بولنا کون چاہوے چُپ

جواب: مالی چاہوے وسنا دھوبی لوڑے ڈھپ
بھٹ چاہوے بولنا چور چاہوے چُپ



سوال: پیارے صاحب

الف اسماں دتا تیرے ہتھ پیسا ایہدیاں لیا کھاں چیزاں توں چار میاں
کان پھول تے کھکھڑی پان بیڑا نالے لیاویں کھاں پھلاں دے ہار میاں
پیسا موڑ لیاویں نالے ددھ لیاویں اتے کریں نہ مول اُدھار میاں
پیارے یار نوں دیویں جواب اس دا نہیں تے نکل جاویں پڑوں باہر میاں

جواب: اللہ دین شادی

د۔ دُشمنان نے دتا ہتھ پیسا جا کے لہج لیتی جُوہ وکھری میں
اک عجب عجائب تھیں اک ڈٹھا، اوہدی توڑ لیتی سکی لکڑی میں
پہلے پھل توڑے فیر ددھ چویا نالے توڑ لیتی اوہدی کھکھڑی میں
شادی یار نے تینوں جواب دتا گل کھول دتی وکھو وکھری میں



بولیاں

بولی پنجابی کی ایک ایسی مختصر ترین اور پُر اثر لوک صنف ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اسے ایک سانس میں پڑھی جانے والی مختصر ترین نظم بھی کہا جاسکتا ہے۔ لوک صنف ہونے کے باوصف کئی اہم شعراء نے ماہیے کی طرح بولیاں بھی لکھیں مثلاً درج ذیل بولی احمد راہی کی کتاب ترنجن میں چھپی ہوئی ہے۔

اساں ہونٹھاں نوں لالئے جندرے
پر اکھیاں تے واہ کوئی نہ

اسی طرح درج ذیل بولی کے بارے میں حفیظ جالندھری کا کہنا تھا کہ ان کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ الگ بات کہ ان کی کوئی کتاب پنجابی میں شائع نہیں ہوئی اور نہ ہی اس دور میں پنجابی کے اتنے رسالے تھے جہاں یہ چھپ جاتی۔

گوری نہا کے چھڑ وچوں نکلی
سُلفے دی لاٹ ورگی
انور مسعود کی یہ بولی تو ابرار الحق کے ایک گیت کا حصہ بن چکی ہے۔
تیری نظر بلیڈاں ورگی
ساہنوں وی ٹریٹ کر لے

اب کچھ لوک بولیاں ملاحظہ ہوں:

○	○
تیری میری اک جنڈڑی	تیری ہک تے ملانیاں آئیاں
تینوں تاپ چڑھے میں ہونگاں	نی کچا دُدھ پین والیے
○	○
گوری گلھ اُتے تتلی بہہ گئی	جگا وڈھیا بوڑھ دی چھاویں
تے بھل دا بھلیکھا پے گیا	تے 9 من ریت بھجھ گئی
○	○
نیلی گھوڑی وے وکیلا تیری	کلی یار دی سورگ دا جھوٹا
جے پہلی پیشی یار چھٹ جائے	میں اگ لاواں مندران نوں

○
رناں والیاں دے پگن پروٹھے
تے چھڑیاں دی اگ نہ بلے

○
یاری ہان دے منڈے نال لایئے
تاں اکو جیہا زور لگدا

○
تینوں کجھ نہ لگا ٹیارے
تے ککراں نوں بھل لگ گئے

○
وے میں پتلے وانس دی پوڑی
ہولی ہولی چڑھ منڈیا

○
گوری مینہہ وچ بھجدی آوے
کرتی چوں اگ سمدی

○
ماپے تینوں گھٹ رون گے
بہتے رون گے دلاں دے جانی

○
نانھے دیئے بند بوتلے
تینوں پین گے نصیباں والے

○
جدوں کڈھیا جلوس غریباں
تے شہر چ (44) لگ گئی

○
میری لگدی کسے نہ ویکھی
ٹھڈی نوں جگ جاندا

○
تیرے لونگ دا پیا لشکارا
ہالیاں نے ہل ڈک لئے

○
منڈا موہ لیا توتیاں والا
دمڑی دا سک مل کے

○
میرے یار نوں مندا نہ بولیں
میری بھاویں گت پٹ لئیں

○
منڈے بھل گئے سکولے جانا
نی کڑیئے کتاباں والیے

○
میرا لے چل چرخہ اوتھے
جتھے تیرے ہل وگدے

○
اکھاں وچ ماہی وسدا
میں ڈردی نہ سرمہ پاواں

○
ننگا رکھدی کلپ والا پاسا
انج ساتھوں کنڈھ کڈھدی

<p> بین نہ و جائیں منڈیا میری گت سپنی بن جائے گی ○ میرا دیورا بڑا ٹٹ مرنا ہسدی دے دند گن دا ○ </p>	<p> اوتھے اگدا سرُو دا بوٹا جتھے گوری پیر رکھدی ○ سدو پٹواری نون جند سجنال دے ناویں لاواں ○ میرے جیٹھ دے پیٹھے دن آئے لکراں نون پاوے جپھیاں </p>
---	---



محاورے

زبانوں کا سفر ہمیشہ عوامی سطح سے ادبی سطح کی طرف ہوتا ہے اور کوئی بھی ادب اس وقت تک ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتا جب تک اس کا دامن محاوروں، ضرب الامثال، لوک دانش اور عوامی دانائی کی باتوں سے بھرا ہوا نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ محاورات کو زبان کا زیور کہا جاتا ہے اور کسی اچھی ادبی تخلیق کا با محاورہ ہونا اس کی خوبصورتی تصور کی جاتی ہے۔ جہاں تک پنجابی زبان کا تعلق ہے تو یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ اس زبان کے ہر تیسرے فقرے میں کوئی نہ کوئی محاورہ ضرور استعمال کیا گیا ہوتا ہے۔ شاعری میں بھی یہی صورت حال کار فرما ہے حتیٰ کہ محمد اقبال نجی کا تو باقاعدہ ”محاوراتی غزلاں“ کے نام سے 128 صفحات کا شعری مجموعہ چھپ چکا ہے جس کے ہر شعر میں کوئی نہ کوئی محاورہ استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً:

کرے اشارے نمٹھے نمٹھے، دل میرے نوں ٹھکے¹
اٹ سٹ کے اوہ لوے لڑائی، راہ جانڈے نوں ٹھکے

ماہرین لسانیات کے نزدیک محاورہ دو یا دو سے زائد الفاظ کے ایسے مرکب کو کہتے ہیں جو اپنے لغوی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو وسیع تر مفہوم کے حامل ہوتے ہیں۔ محاورہ کسی ایک فرد یا قبیلے کی پیداوار نہیں ہوتا بلکہ اسے ماضی کا عکس اور خزانہ تصور کرتے ہوئے سماجی زندگی، نفسیاتی عوامل، فلسفیانہ خیالات، پسند و ناصح، لوک کہانیوں، طنز و مزاح، تاریخی واقعات، انسانی تجربات اور مذاہب عالم کو اس کا ماخذ قرار دیا جاتا ہے۔ محاورے اور ضرب المثل میں یہ فرق ہوتا ہے کہ محاورے کا اختتام مصدر پر ہوتا ہے اور یہ مختلف استعمالات کی مناسبت سے اپنی فعلی صورت بدلتا رہتا ہے، یعنی جملے میں استعمال کرنے سے محاورے کی علامت مصدر، جملے کی مناسبت کے ساتھ افعال اور اس کی صورتیں تبدیل کرتی رہتی ہے جب کہ ضرب المثل یا کہاوٹ یا اکھان بعینہ استعمال کیے جاتے ہیں اور ان میں لفظی تغیر و تبدل روا نہیں ہوتا یعنی محاورہ کلام کا جزو بن کر اس میں جذب ہو جاتا ہے جب کہ کہاوٹ اپنی الگ حیثیت برقرار رکھتی ہے۔ اسی طرح روزمرہ اور محاورہ میں یہ فرق ہے کہ روزمرہ حقیقی معنوں میں جب کہ محاورہ مجازی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں مستعمل محاورات کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جدید شاعری کے علاوہ ہمارے کلاسیکی شعراء نے بھی ان کا برمحل اور باموقع استعمال کیا ہے اور نثری ادب میں بھی اس سے عبارت کو

¹ - اٹ سٹ کے لڑائی لیٹا۔ جان بوجھ کر لڑائی لینا دل ٹھکانا: دل موہ لینا

سنوارنے اور نکھارنے کا کام بھرپور انداز میں لیا گیا ہے نیز یہ کہ یہ محاورات پیدائش، موت، خوشی، غمی، غرضیکہ ہر شعبہ حیات پر محیط ہیں۔ نمونے کے طور پر چند منتخب پنجابی محاورے اور ان کے اردو تراجم ملاحظہ ہوں:

اردو ترجمہ	محاورہ
کسی کا دکھ درد بانٹنا	● بھار و نڈانا
غمگین ہونا۔ زار و قطار رونا	● ہنجواں دے ہار پرونا
عزیزوں کے دکھ سے دکھی ہونا	● آندراں نوں کھچ پینی
گہرے تعلقات ہونا	● گھیو کھچڑی ہونا
اتفاق ہونا	● اک مٹھ ہونا
بھائی بنالینا	● پگ وٹانا
شادی شدہ ہونا	● پیریں بیٹیریاں پینا
اولادِ نرینہ ہونا	● جڑھ ہری رہنا
گود خالی ہونی	● جھولی سکھنی ہونی
گھر ویران ہو جانا	● گھر وچ بھوتے نچنا
گھر برباد ہو جانا	● گھر کھان نوں پیناں
کبھی کبھار نظر آنا	● عید دا چن ہونا
تعلقات بڑھانا	● پچالانا
تعلقات نکالنے کی کوشش کرنا	● ڈانخانہ ملانا
کچھ حاصل نہ ہونا	● خاک نہ لبھنا
بڑا خطرہ مول لینا	● جان تلی دے دھرنا
شدت سے انتظار کرنا	● اڈیاں چک ویکھنا

بہت زیادہ ہجوم ہونا	• ہڑمس پینا
حسد پیدا ہونا	• کلیجے ساڑ پینا
بے کار کام کرنا	• کھدو پھولنا
محنت ضائع ہونا	• پینڈا کھوٹا ہونا
بے مقصد ہونا	• بھمبل بھوسے پینا
عیب چھپانا	• پردہ پانا
بے یقینی کی صورت حال ہونا	• ڈانواں ڈول ہونا
لاٹھیوں سے لڑنا	• ڈانگو ڈانگی ہونا
بری صحبت میں بیٹھنا	• بھیڑی بہنی بہنا
افواہ پھیلانا	• شوشا چھڈنا
خوف طاری ہونا	• دھڑ کو لگنا
بے وقعت ہونا	• کلٹھاں وانگ ہولا ہونا
جھگڑا کرنا	• بھانڈے بھنناں
لڑائی جھگڑا ہونا	• اٹ کھڑ کا ہونا
عزت خاک میں ملانا	• سروچ سواہ پانا
بیٹی کی شادی کرنا	• ہتھ پیلے کرنا
کسی کو بہت زیادہ احترام دینا	• تیل چونا
دولہا دلہن کی آمد پر دہلیز پر تیل پھینکا جاتا ہے	
مفت کا مال ہونا	• داچ وچ آنا
خوش ہونا	• لڈی پانا
طنز کرنا	• بولیاں مارنا
خیالی پلاؤ لگانا	• ہواچ قلعے اسارنا

- ہوا بھناں
- ہوا ہونا
- ہوا دے گھوڑے تے سوار ہونا
- ہنسیر پینا
- اکاں نوں انب لگنا
- اکھپٹ کے نہ تکنا
- بخششی روح ہونا
- گواچی گاں ہونا
- ٹھنڈ پینا
- انگ انگ چھڑکنا
- بھاگ لگنا
- بھکھ لہہ جانا
- پیر زمین تے نہ لگنا
- پٹھیاں چھالاں مارنا
- رانجھارا ضی کرنا
- گھیو دے دیوے بالنا
- وارے نیارے ہونا
- بھٹاں تے لون چھڑکنا
- چن چڑھنا
- پراں تے پانی نہ پین دینا
- منجی تھلے ڈنگوری پھیرنا
- کھمب لاہنا
- مشہوری کرنا
- غائب ہو جانا۔ گم ہو جانا
- ہر وقت جلدی میں ہونا
- نا انصافی ہونا
- انہونی بات ہونا
- حیا کرنا، نیک صفت ہونا
- بہت نیک ہونا
- بے سمت بے مقصد گھومنا
- کسی کو دیکھ کر مسرور ہونا
- بہت زیادہ خوش ہونا
- خوش بختی آنا
- تسلی ہو جانا
- بہت خوش ہونا
- بہت خوش ہونا
- اپنی خوشی پوری کرنا
- انتہا کی خوشی کا اظہار کرنا
- مزے ہونا۔ خوشحال ہونا
- زخموں پر نمک چھڑکنا
- انوکھا کام کرنا
- اپنے ذمے کوئی بات نہ آنے دینا
- اپنے گریبان میں جھانکنا
- بے عزتی کرنا

شہ دینا	• اُچکل دینا
اپنے دھوکے میں لانا	• اڈے چاڑھنا
مذت سماجت کرنا	• اڈیاں گوڈے رگڑنا
بلاوجہ تنگ کرنا۔ بے سبب چھیڑنا	• پوشل تے پیر رکھنا
غصے میں آنا	• دندیاں کر پچنا
مصیبت میں ہونا۔ مشکل میں پھنسنا	• بانہہ ویلنے بچ آونا
دل کی بھڑاس نکالنا	• دل دی ہواڑ کڈھنا
شرم و حیا ختم ہو جانا	• جھکا لٹھنا
نام و نشان مٹ جانا	• بی بوٹا چکیا جانا
راز دارانہ گفتگو کرنا	• گٹ مٹ کرنا
للچائی ہوئی نظروں سے دیکھنا	• بلٹھاں تے جیبھ پھیرنا
بولنے کے قابل نہ رہنا	• سب سگھنا
حوصلہ یا ہمت ہار جانا	• ڈھیری ڈھا کے بہہ جانا
غصے سے دیکھنا	• اکھاں کڈھ کے دیکھنا
کسی کو پکڑائی نہ دینا	• تلکنی مچھی ہونا
مسلسل خاموش رہنا	• چپ دا جنڈراو جانا
بھاگ جانا	• شوٹ وٹنا

کلاسیکی شعراء کے کلام میں محاورات کے استعمال کے چند نمونے

معنی	محاورہ
اپنا مقدر سیاہ کرنا	کالے لیکھ لکھنا
فریدا جے توں عقل لطیف کالے لیکھ نہ لیکھ	
آپنے گریوان میں سر نیواں کر کے ویکھ	

(بابا فرید)	داڑھی بھور ہونا	داڑھی سفید ہونا	دیکھ فریدا جو تھیا داڑھی ہوئی بھور
	اگا نیڑے آونا	بڑھاپا آنا، موت	اگا نیڑے آگیا بچھا رہیا دور
(بابا فرید)	سوئی دانگا ہونا	بہت مشکل ہونا	راہ عشق دا سوئی دا نکا، دھاگہ ہوویں تاں جاویں
(شاہ حسین)	پُرزے پُرزے ہونا	ٹکڑے ٹکڑے ہونا	تن من میرا پرزے پرزے جیوں درزی دیاں لیراں ہو
(سلطان باہو)	دھوبی وانگوں جھٹنا	صاف شفاف کر	کامل مرشد ایسا ہووے جیہڑا دھوبی وانگوں جھٹے ہو
(سلطان باہو)	پُھل کرنا	دینا اندازِ گفتگو	اوہدے بولیاں گھ تھیں پُھل کر دے لاکھ لاکھ داسدا لاوند
(وارث شاہ)	گھول گھمانا	خوبصورت ہونا	ہیر جا کے آکھدی بابلاوے تیرے ناؤں توں گھول گھمایاں میں
(وارث شاہ)	شیر دی جوہ چوں پانی پینا	طافور کی چیز استعمال کرنے کی کوشش کرنا	اوہناں ہر نیاں دی عمر ہو چکی پانی شیر دی جوہ جو پیندیاں نی
(وارث شاہ)	نہوں جھانا ہونا	شرمسار ہونا	گوہڑیوں نہ توں کتی پونی ہن کیوں پھرنی ایں نہوں جھانی (بلھے شاہ)
(میاں محمد بخش)	انگل دھرنا	عیب ڈھونڈنا	ہرگز کیتی اُس دی اُتے انگل کوئی نہ دھر دا
(ہاشم شاہ)	سُتی کلا جگانا	فراموش کردہ زخم تازہ کرنا۔ ختم ہو چکی لڑائی کو پھر سے شروع کرنا	ایہہ اکھیں بن فوج حُسن دی سُتی کلا جگان (ہاشم شاہ)



ضرب الامثال

ضرب المثل کو پنجابی میں ”کہاوت“ یا ”اکھان“، انگریزی میں Proverb اور لاطینی میں Proverbium کہا جاتا ہے۔ دیگر زبانوں کی طرح پنجابی میں بھی ضرب الامثال کا ایک وسیع ذخیرہ پایا جاتا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ”اکھان“ کسی زبان کی ملکیت نہیں ہوتے۔ ان میں عالمی اور دائمی سچائیاں بیان کی گئی ہوتی ہیں جو ہر معاشرے اور ہر فرد کی ضرورت ہوتی ہیں چنانچہ یہ ایک زبان سے دوسری زبان میں Travel کرتی رہتی ہیں۔ پھر بھی ہر ضرب المثل کا کوئی نہ کوئی Origin یا گھر ضرور ہوتا ہے جہاں وہ جنم لیتی ہے، پختی ہے اور مشہور ہوتی ہے۔ پنجابی کی اکثر ضرب الامثال اُس ماحول سے تعلق رکھتی ہیں جو دیہاتوں میں پایا جاتا ہے۔ مختصر الفاظ میں اگر اس کی تعریف بیان کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ضرب المثل ایک ایسی عالمگیر سچائی پر مبنی ہوتی ہے جسے انسانی زندگی کے تجربات کا نچوڑ اور زبان کی کنجی تصور کیا جاتا ہے۔ ہر ضرب المثل انتہائی مختصر الفاظ پر مبنی ہوتی ہے اور اس کا مدلل اور فلسفیانہ انداز ہی اسے دوام بخشتا ہے۔ پنجابی میں ضرب الامثال کے موجود ذخیرے کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اس ادبی خزانے میں انسانی زندگی کے ہر رنگ اور ہر ڈھنگ کے حوالے سے خوبصورت مرتعے موجود ہیں جنہیں ادباء اور شعراء زبان کے زیور کے طور پر استعمال کر رہے ہیں۔ دوسری طرف بعض شعراء کے کلام میں بھی ایسے نکلڑے پائے جاتے ہیں جو زبانِ زخاں و عام ہو کر اب ضرب الامثال کا درجہ اختیار کر چکے ہیں۔ خاص طور پر میاں محمد بخش اور وارث شاہ کے اشعار، مصرعے اور نصف مصرعے تو اب عام گفتگو اور تقاریر میں بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ بعض کہاوتوں کے پیچھے کوئی کہانی بھی ہوتی ہے تاہم یہ اصول تمام ضرب الامثال پر منطبق نہیں ہوتا ہاں اتنا ضرور ہے کہ ہر ضرب المثل میں کہانی کو سمیٹنے کی طاقت ضرور موجود ہوتی ہے اور یہی طاقت عوام و خواص میں اسے مقبول بناتی ہے۔ پنجابی میں ڈاکٹر شہباز ملک نے اس موضوع پر بھرپور کام کیا اور ”ساڈے اکھان“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس کا پہلا ایڈیشن 1978ء اور دوسرا ایڈیشن (اضافوں کے ساتھ) 2004ء میں شائع ہوا۔ اس کتاب میں ضرب الامثال کے ساتھ ان کے مطالب بھی دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح کی ایک اور کتاب بشیر حسین ناظم نے ”پنجابی اکھان“ کے نام سے مرتب کی جس میں ساڈھے نو ہزار کہاوتیں جمع کر کے شائع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب 1992ء میں شائع ہوئی اور اس میں ردیف وار ضرب الامثال جمع کی گئی ہیں۔ اس مختصر سے جائزے کے بعد اب ملاحظہ ہوں چند ضرب الامثال۔

- آپ بابا منگلتا باہر کھڑے درویش
- آپنی کٹڑی چنگی ہووے تے پر ائے گھر آندے کیوں دیوے
- آپنی کنڈ کسے نوں نظر نہیں آوندی
- اپنے ڈھڈوچ سلانی تاں ہائے قیامت آئی، پر ائے ڈھڈوچ مولھاتاں کپاہ نالوں کولا
- اج میری منگنی تے کل میراویاہ
- اک چُپ تے سو سکھ
- اک بچہ پالیا ادھا حُسن گالیا
- اکھ ٹڈی رہ گئی تے کجل لے گیا کاں
- ہاتھی لنگھ گیا تے پوشل رہ گئی
- اگوں اک پچھوں کندھ، انھا ونجے کیہڑے پندھ
- میں سس توں چوری آئی آں لے جو آں توں کنک وٹادے
- 32 دن تے 33 میلے، تاجا وے کیہڑے ویلے
- بہہ کے کھا ہدیاں کھوہ وی مک جاندے نیں
- بھکھے جٹ کٹورا لبھاپانی پی آپھریا
- پروٹھا آکھیاں ڈھڈ نہیں بھر دا
- پئے رزق نہ بنھدے پنچھی تے درویش
- بال دا تچ تے ماں دارج
- جن تے راج گھر وڑے ہوئے مشکل ای نکلدے نیں
- دند ٹٹے، گھر بھٹے یا بچھا نکلے بلد نوں گھر بنھ کے کوئی نہیں کھواندا
- دو گھراں دا پروہنا بھگھار ہندا اے
- ڈاہڈے دا بھائیوال اٹھدیاں بہندیاں گاہل
- سادھواں نوں کیہہ سواداں نال سنے ملائی آن دیو

- سرتے ہوون چھتے تے پر اے والاں نون کیوں ہتھ گھتے
- سخی نالوں شوم چنگا جیہڑا تر ت دیوے جواب
- جیہدی سس چاچی اوہ لونگاں گواچی، جیہدی سس بھو آ اوہ مل بہسی پیکا بوا
- بڈھی گھوڑی لال لگام
- بدل وی نیویں ہو کے وسدے نیں
- دشمنناں دے وچ انج رہو جیویں دنداں دے وچ جیہڑا
- ماں مولی تے پیو گنڈھا وچوں جیہڑا مولی جھنڈا
- لہور داراہ سبھ دسدے نیں پلے خرچ کوئی نہیں بنھدا
- ننگا پت بے شک چوراں وچ کھیلے
- آپ بھانویں تھلے آ کے مرے، پر شریکاں دی کندھ ضرور ڈگنی چاہی دی اے
- آپ نون تھان نہ پنچ پیر نال
- آپ نہ وستی سوہرے ہو راں متیں دے
- آپ ہووے تکرے تے کیوں لگے پھکڑی
- آری نون اک پاسے دندے دنیا نون دونوں پاسے
- آنی لڑائیے میرے ویہڑے وچوں لنگھدی جا
- آہلنیوں ڈگا بوٹ، فیر نہیں ٹکدا
- آیاماں دا جنڑ مین، گھر جانڈے نون چھتر پین
- آئی تاں روزی نہ آئی تاں روزا
- اتوں بابا تسبی، وچوں بابا کسبی
- اج میری منگنی تے کل میراویاہ
- اُجڑے باگاں دے گالھڑ پٹواری
- سوں کتک ماہ نرالے، دے دھپاں راتیں پالے

- اِک اُنچ سوہنی، اُتوں سُتی اُٹھی
- اِک کچھڑا ک ڈھا کے، تیجا آگیا آپے
- اِک مرانی اُتوں فارسی جانے
- اکھوں انھا، ناں نین سکھ
- اگ لگی ہووے تاں مشکاں دا بھاء نہیں پچھی دا
- اگ لین آئی گھر والی بن بیٹھی
- اِلاں دے آہنے چوں ماس نسیں ہوندا
- اندر ہووے سچ تاں باہر کھلو کے نچ
- انھا انھے نوں راہ کوں دے
- انھا مارے انھی نوں گھسن و بے تھی نوں
- اُوٹھاں والیاں نال یاری لا کے بوہے نیویں نہیں رکھی دے
- اولاد اپنی تے رن بگانی سوہنی لگ دی اے
- اوہ دن ڈُبا جد گھوڑی چڑھی اُکبا
- اوہدے تاں بچھے ہوئے دانے وی اگ دے آ
- ایاناں گل کرے، سیاناں قیاس کرے
- ایہہ جہان مٹھا، اگلا کنھے ڈٹھا
- ایہدے چٹے تاں رکھ وی ہرے نہیں ہوندے
- بات لکھ دی، کرنی لکھ دی
- بارھیں ورھیں مکانے آئی، ہسدیاں نوں روانے آئی
- باندر تے بال تندرست ہون تے ٹک کے نہیں بہندے
- باندر کیہ جانے ادرک داسواد
- باندر ہتھ اُسترا

- باہر میاں لکھ ہزاری، گھر بی بی کرماں دی ماری
- بچھو دادم یاد نہیں، سپ دی کھڈ وچ ہتھ
- بنھے بھار مسافراں مُٹا کوہ لہور
- بدل وی نیویں ہو کے وسدے نیں
- بوہتے گھراں دا پر و ہناں بھگھار ہندا اے
- بوہے آئی جج و نھوں گڑی دے کن
- بھید جتھے وی جائے گی اُن لہا کے آئے گی
- بھیڑی اولاد نالوں بند او نتر اچنگا
- پانی پیو پُن کے مرشد پھڑ و چُن کے
- پانی وچ سوٹا ماریاں پانی کدے دو نہیں ہوندا
- پتھر نوں جوک نہیں لگدی
- پلے نہ دھیلا، کر دی پھرے میلا میلا
- پنڈ نوں اگ لگی، کتار وڑی تے
- پنڈ و سیا نہیں، اُچکے پہلاں ای آپہنچے نیں
- تئا پانی وی اگ بچھا دیندا اے
- تریل چٹیاں تر بہہ نہیں لتھدی
- تیرے لارے تے مُنڈے رہن کو ارے
- جا دھیے راوی نہ کوئی آوی نہ کوئی جاوی
- جاگدیاں دیاں کٹیاں تے سُتیاں دے گئے
- جاناں نہیں جیس گراں، اوہدا کیہ لیناناں
- جتھے دیکھاں تو اپرات او تھے کٹاں ساری رات
- جم دیاں سولاں دے مونہہ نکھے

- جنہاں دے گھر دانے اوہناں دے کملے وی سیانے
- جنہاں کھاہدیاں گاجراں ڈھڈا اوہناں دے پیڑ
- جنی گوڈی اوئی ڈوڈی
- جو سکھ اپنے چبارے اوہ نہ بلخ نہ بخارے
- جے خیالی پلاء پکایے، گھیوتاں کھلا پاپیے
- کلا مضبوط ہووے تاں مجھ نہیں نسدی
- گوانڈھی دامونہہ لال ہووے تاں اپنا چیرٹاں مار مار کے کر لینا چاہیداے
- جیہدے گھر بیری اوہدے گھر وٹے
- جیہدے ہتھ سوٹی، اوہدے آگے جھوٹی
- چوراں دے کپڑے تے ڈانگاں دے گز
- چھڈیا مجھ تھلے جاپیا کٹے ہیٹھ
- دیگ دی تاں گھر وڑی ای نہیں مان
- دھوبی دے گھر پے گئے چور، اوہدا کیہ گیا لٹے گئے ہور
- دھیان رکھیں کُتے داوساہ نہ کھائیں سُنے دا
- ڈُلھیاں بیراں دا کجھ نہیں وگڑیا
- رسی جل گئی پروٹ نہیں گیا
- رویاں بغیر تے ماں وی ددھ نہیں دیندی
- سخی نالوں شوم چنگا جیہڑا دیوے تڑت جواب
- سوسیانے اکومت
- سیانیاں دا کہہاتے اولیاں دا کھاہدا مگروں سواد دینداے
- صرفا کر کے سُنی، آٹا کھا گئی کتی
- عید مگروں تمبا پھوکنا

-
-
- غرض مند دیوانہ ہوندا اے
 - کانواں دے آکھے ڈھگے نہیں مردے
 - کاہلیاں آگے ٹوئے
 - کما دوچ وڑیاں گنا پسند نہیں اوندا
 - گرو جنھاں دے ٹپنے، چیلے جان چھڑپ
 - گھوڑا گھاہ نال پیار کرے گاتے کھائے گاکیہ



لوک کہانی

لوک داستان یا لوک کہانی کسی بھی زبان کے ایسے ادبی ورثے کا درجہ رکھتی ہے جس پر اس زبان کے جدید ادب کی بنیادیں استوار ہوتی ہیں۔ قصے کہانیاں سننا اور کہنا ابتدا سے ہی انسان کی بنیادی ضرورت رہی ہے یعنی جب سے انسان نے بولنا شروع کیا تب سے داستان سننے اور سننے کا عمل جاری ہے۔ بقول ایک محقق کے ”قصہ گوئی کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا نطقِ انسانی“۔ لوک کہانیوں کے بارے میں عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ محض خیالی، بے مقصد، انہونے اور بعید از قیاس واقعات پر مبنی ہوتی ہیں حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ جس وقت یہ کہانیاں لکھی گئیں وہ انسانی تہذیب کا ابتدائی زمانہ تھا جب سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی اور آج کی طرح انسان نے بحر و بر اور فطرت کو مسخر نہیں کیا تھا لیکن اس کے اندر سمندروں کو پار کرنے، ہوا میں اڑنے، سینکڑوں میل دور بیٹھے انسانوں سے باتیں کرنے کی خواہش تب بھی موجود تھی چنانچہ زورِ تخیل سے اس نے جنوں، پریوں، دیویوں اور اڑن کھٹولوں کے ایسے کردار تخلیق کیے جو پل بھر میں یہ سب کام کر سکتے تھے۔ پھر جیسے جیسے سائنسی ترقی کے ذریعے انسان فطرت پر قدرت حاصل کرتا گیا یہ کردار حقیقت پسندانہ روپ اختیار کرتے چلے گئے۔ دیگر زبانوں کی طرح پنجابی زبان بھی اس معاملے میں یعنی لوک کہانیوں کے حوالے سے ایک ثروت مند زبان ہے جس کی لوک کہانیاں اپنے اندر کئی پہلو رکھتی ہیں۔ پنجابی میں ہمیں دیومالائی کہانیاں بھی ملتی ہیں۔ نیم تاریخی کہانیاں بھی۔ تفریحی کہانیاں بھی اور سماجی روایات کی امین داستانیں بھی۔ سر رچرڈ ٹمپل نے ”لیجنڈز آف پنجاب“ کے نام سے ایک کتاب مرتب کی جس کا اردو ترجمہ میاں عبدالرشید نے ”حکایات پنجاب“ کے نام سے 1962ء میں مجلس ترقی ادب لاہور کی طرف سے شائع کرایا۔ پروفیسر و نجار سنگھ بیدی نے ”پنجابی دیاں لوک کہانیاں“ کے نام سے 1954ء میں کتاب شائع کی۔ اسی طرح دیگر کتابوں کے علاوہ شفیق عقیل نے ”پنجابی لوک کہانیاں“ اور ”پنجابی لوک داستانیں“ کے نام سے الگ الگ کتابیں مرتب کر کے چھپوائیں۔ ان میں سے ہر کہانی کسی نہ کسی مقصد کی حامل ہے۔ یہاں پنجابی کی ایک معروف لوک کہانی ”چڑیا اور کوا“ پیش کی جا رہی ہے جو انہی کی کتاب سے لی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جسے ٹیلی وژن کی آمد سے قبل پنجاب کے ہر بچے نے رات کو سوتے وقت اپنی نانی یا دادی سے سنا ہو گا اور سنتے سنتے سو گیا ہو گا لیکن اگر سینکڑوں برس قبل کی اس کہانی کا آج کے تناظر میں جائزہ لیا جائے تو بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے اور انصاف کے حصول کے لیے معاشرے کے کمزور طبقے کو کتنے پاؤں بیلنے پڑتے ہیں اور کس کس طرح سے اس کے راستے میں رکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ کیکر،

گڈا، سانپ، ماشکی، رانی، راجہ، چوہے اور بلی کو اگر علامتی حوالے سے دیکھا جائے اور آج کے ادارہ جاتی نظام میں قانون کی حفاظت کرنے والے اور انصاف مہیا کرنے والے اداروں کے کردار کو سامنے رکھا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے اور یہ کل کی نہیں بلکہ آج کی کہانی لگتی ہے جس میں چڑیا مظلوم و مجبور طبقے کی اور کوٹا عالم و جابر طبقے کی نمائندگی کرتا دکھائی دیتا ہے۔

چڑیا اور کوا

ایک تھی چڑیا اور ایک تھا کوا۔ دونوں ایک دوسرے کے دوست تھے اور قریب قریب رہتے تھے۔ ایک روز چڑیا کہیں سے چاول کا دانہ لائی اور کوا کہیں سے مونگ کی دال کا دانہ ڈھونڈ لایا۔ پھر دونوں نے آپس میں طے کیا کہ اب کھچڑی پکائی جائے۔ ایک عرصہ سے دونوں بیچارے کھچڑی کو ترس گئے تھے لہذا چڑیا نے آگ جلائی اور کوا اڑ کر نہر سے پانی لایا۔ اس کے بعد دونوں نے مل کر کھچڑی پکائی اور جب کھچڑی تیار ہو گئی تو چڑیا کوے سے کہنے لگی۔

”تم کھچڑی کی نگرانی کرو، میں ابھی نہر پر اپنی چونچ دھو کر آتی ہوں۔“

جب چڑیا نہر پر منہ دھونے چلی گئی تو کوے کا دل بے ایمان ہو گیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ میں اکیلا ہی ساری کھچڑی کھا جاؤں؟ یہ سوچ کر اس نے ساری کھچڑی کا ایک گولا سا بنا لیا۔ اسے اپنی چونچ میں پکڑا اور اڑ کر قریب ہی کیکر کے ایک بڑے درخت پر جا بیٹھا۔ ادھر چڑیا اپنی چونچ دھو کر خوشی خوشی واپس آئی تاکہ چل کے مزے سے کھچڑی کھائے لیکن واپس آئی تو سٹپٹا کر رہ گئی۔ اس نے دیکھا، ساری کھچڑی کو الے اڑا تھا۔ اس نے پریشان ہو کر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تو دیکھا، کوا کیکر کے بڑے درخت پر بیٹھا ہوا تھا اور ساری کھچڑی کا گولا اس کی چونچ میں تھا۔ چڑیا بڑی بچھتا کی کہ کوا اس کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا گیا ہے۔ اس نے کوے سے کہا۔

”اے کوے! نیچے آ کر کھچڑی میں سے میرا حصہ مجھے دو۔“

جواب میں کوا بولا۔

”اگر میں مونگ کا دانہ نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بن سکتی تھی؟ اس لیے اس پر میرا حق ہے۔“

چڑیا نے کہا۔

”میں بھی تو چاول کا دانہ لائی تھی۔“

مگر کوا تو بے ایمانی پر تلا بیٹھا تھا۔ کہنے لگا۔

”اگر میں پانی نہ لاتا تو کھچڑی کیسے بنتی؟ میں تو اس میں سے تجھے کچھ بھی نہیں دوں گا۔ ساری کھچڑی اکیلا کھاؤں گا۔“

چڑیانے اس کی بہت منت سماجت کی لیکن کو انہ مانا اور یہی کہتا رہا کہ
”ساری کھچڑی پر میرا حق ہے۔“

جب چڑیانے دیکھا کہ اب کو کسی طرح نہیں مانے گا، وہ ساری کھچڑی اکیلا ہی کھانے کا ارادہ کیے ہوئے ہے تو اس نے کیکر کے درخت سے درخواست کی۔
”اے کیکر کے درخت! تو کوئے کو اڑادے۔“
مگر کیکر کا درخت جواب میں کہنے لگا۔

”کوئے نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے اڑا دوں؟ میں اسے نہیں اڑاؤں گا۔“
چڑیا بے چاری کیا کر سکتی تھی؟ وہ مایوس ہو کر گانے لگی۔

کِکَر کاں اُڈاوے ناں
کاں گولہ سٹے ناں
چڑی وچاری کیہہ کرے
تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کو کھچڑی کا گولہ نیچے نہیں پھینکتا اب چڑیا بچاری کیا کرے بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)
جب وہ کیکر کے درخت سے مایوس ہو گئی تو وہاں سے اڑ کر ایک بڑھئی کے پاس گئی اور اس کی منت کر کے کہنے لگی۔

”اے بڑھئی! تو چل کے کیکر کے درخت کو کاٹ دے۔“

جواب میں بڑھئی بولا۔

”کیکر کے درخت نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ دوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتا۔“

چڑیا بڑھئی کا یہ جواب سن کر بڑی مایوس ہوئی اور گانے لگی۔

ترکھان ککر وڈھے ناں
 ککر کاں اڈاوے ناں
 کاں گلولہ سٹے ناں
 چڑی وچاری کیہہ کرے
 تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کو اچھڑی کا گولانچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بچاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)
 جب چڑیا نے یہ دیکھا کہ بڑھئی کسی طرح کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا تو وہ وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی سیدھی راجہ کے پاس پہنچی۔ اس نے راجہ کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا۔
 ”اے راجہ! تو بڑھئی کو قید کر دے۔“

لیکن راجہ نے جواب دیا۔

”بڑھئی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے قید کر دوں۔ میں کسی کو بے قصور نہیں پکڑ سکتا۔“
 یہاں بھی چڑیا کی منت سماجت بے کار گئی اور راجہ بڑھئی کو گرفتار کرنے پر تیار نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر چڑیا پھر مایوس ہو کر گانے لگی۔

راجہ ترکھان بنھے ناں
 ترکھان ککر وڈھے ناں
 ککر کاں اڈاوے ناں
 کاں گلولہ سٹے ناں
 چڑی وچاری کیہہ کرے
 تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا۔ بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کو اچھڑی کا گولانچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بچاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب چڑیا راجہ سے بھی مایوس ہو گئی تو وہ اڑ کر سیدھی رانی کے پاس گئی اور اس سے منت کرتے ہوئے کہنے لگی۔

”اے رانی! تو اپنے راجہ سے ناراض ہو جا۔“

رانی نے جواب دیا۔

”مجھے راجہ نے کیا کہا ہے جو میں اس سے ناراض ہو جاؤں؟ میں بغیر کسی وجہ کے اس سے نہیں

روٹھ سکتی۔“

رانی کا یہ جواب سن کر چڑیا کی مایوسی میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور وہ پھر گانے لگی۔

رانی راجہ سے نا

راجہ ترکھان بنھے نا

ترکھان ککر وڈھے نا

ککر کاں اڈاوے نا

کاں گلولہ سٹے نا

چڑی وچاری کیہہ کرے

تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ راجہ بڑھی کو قید میں نہیں ڈالتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کوآ کچھڑی کا گولائیچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بے چاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

اس کے بعد چڑیا وہاں سے اڑی اور اڑتی ہوئی ایک سانپ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے سانپ کی

خوشامد کرتے ہوئے اس سے کہا۔

”اے سانپ۔ تو رانی کو کاٹ لے۔“

جواب میں سانپ بولا۔

”مگر رانی نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے کاٹ کھاؤں؟ میں اسے نہیں کاٹوں گا۔“

چڑیا کو یہاں بھی مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے سانپ کی بہتیری منت سماجت کی، ہاتھ پاؤں

جوڑے لیکن سانپ نے رانی کو ڈسنے سے انکار کر دیا۔ اب چڑیا نے مایوس ہو کر پھر گانا شروع کر دیا۔

سپ رانی نوں ڈنگے ناں
 رانی راجا رے ناں
 راجہ ترکھان بنھے ناں
 ترکھان ککر وڈھے ناں
 ککر کاں اڈاوی ناں
 کاں گلولہ سٹے ناں
 چڑی وچاری کیہہ کرے
 تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے۔ رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ راجہ بڑھی کو قید میں نہیں ڈالتا۔
 بڑھی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کو اچھڑی کا
 گولائیچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بے چاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)
 جب چڑیا سانپ سے بھی مایوس ہو گئی تو وہاں سے اڑ کر ایک نیل گاڑی کے پاس گئی اور اس سے
 بڑی خوشامد سے کہنے لگی۔

”اے نیل گاڑی! تو سانپ کو اپنے پہیوں تلے لے کر پھیل دے۔“

نیل گاڑی نے جواب دیا۔

”میں سانپ کو کیوں کچلوں؟ اس نے میرا کیا بگاڑا ہے؟ میں نہیں کچلوں گی۔“

چڑیا کو یہاں بھی ٹکاسا جواب ملا اور وہ پھر گانے لگی۔

گڈا سپ لتاڑے ناں
 سپ رانی نوں ڈنگے ناں
 رانی راجا رے ناں
 راجہ ترکھان بنھے ناں
 ترکھان ککر وڈھے ناں
 ککر کاں اڈاوی ناں

کاں گلولہ سٹے ناں
 چڑی وچاری کیہہ کرے
 تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی۔ سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے۔ رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا۔ بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کو اکھڑی کا گولائیچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بے چاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

چڑیا کو یہاں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب وہ وہاں سے اڑ کر آگ کے پاس گئی اور اس کی منت کر کے بولی۔

”اے آگ! تو بیل گاڑی کو جلادے۔“

آگ نے جواب دیا۔

”بھلا بیل گاڑی نے میرا کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے جلادوں؟ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“
 آگ کا جواب سن کر چڑیا مایوس ہو کر پھر گانے لگی۔

اگ گڈے نوں ساڑے ناں
 گڈا سپ لتاڑے ناں
 سپ رانی نوں ڈنگے ناں
 رانی راجا رُستے ناں
 راجہ ترکھان بنھے ناں
 ترکھان ککر وڈھے ناں
 ککر کاں اڈاوی ناں
 کاں گلولہ سٹے ناں
 چڑی وچاری کیہہ کرے
 تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی۔ بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی۔ سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے۔ رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ راجہ بڑھئی کو قید میں نہیں ڈالتا۔ بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔ کوا کھچڑی کا گولا نیچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بے چاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)

جب آگ نے بھی چڑیا کا کہنا نہ مانا تو وہ بے انتہا مایوس ہو گئی۔ آخر وہ وہاں سے بھی اڑی اور اڑ کر ایک سقے کے پاس گئی۔ اس نے خوشامد اندہ لہجہ میں سقے سے کہا۔

”اسے سقے! تو پانی سے آگ کو بجھا دے۔“

لیکن سقے نے بھی اسے یہی جواب دیا۔

”آگ نے میرا کیا بگاڑا ہے جو میں اسے بجھا دوں؟ میں اسے نہیں بجھا سکتا۔“

چڑیا نے سقے کا یہ جواب سنا تو پھر مایوس ہو کر گانا شروع کر دیا۔

ماشکی آگ بجھاوے ناں

آگ گڈے نوں ساڑے ناں

گڈا سپ لتاڑے ناں

سپ رانی نوں ڈنگے ناں

رانی راجا رُتے ناں

راجہ ترکھان بنھے ناں

ترکھان ککر وڈھے ناں

ککر کاں اڈاوے ناں

کاں گلولہ سٹے ناں

چڑی وچاری کیہہ کرے

تے ٹھنڈا پانی پی مرے

(سقہ پانی سے آگ نہیں بجھاتا۔ آگ بیل گاڑی کو جلانے پر راضی نہیں ہوتی۔ بیل گاڑی سانپ کو کچلنے پر تیار نہیں ہوتی۔ سانپ رانی کو کاٹتا نہیں ہے۔ رانی راجہ سے روٹھنے کے لیے تیار نہیں ہوتی۔ راجہ بڑھئی کو قید میں

نہیں ڈالتا۔ بڑھی کیکر کا درخت کاٹنے پر راضی نہیں ہوتا۔ کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوئے کو نہیں اڑاتا۔
 کو اکھچڑی کا گولانچے نہیں پھینکتا۔ اب چڑیا بے چاری کیا کرے۔ بس ٹھنڈا پانی پی کر مر جائے)
 اب چڑیا بے چاری ہر طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔ وہ جس کے پاس بھی گئی اس نے اس کی مدد
 کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے؟ کس کے پاس جائے؟ کس سے مدد
 چاہے؟ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ آخر اس کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ اس نے دل میں سوچا یہ آخری
 کوشش بھی کر دیکھوں۔ ہو سکتا ہے کامیاب ہو جاؤں۔ یہ سوچ کر وہ وہاں سے اڑی اور سیدھی ایک چوہے
 کے پاس جا پہنچی۔

اس نے چوہے سے کہا۔
 ”اے چوہے! تو سقے کی مشک کتر دے۔“
 چوہا کہنے لگا۔

”میرا اس نے کیا نقصان کیا ہے جو میں اسے کتروں؟ میں اسے نہیں کتر سکتا۔“
 چڑیا اب تک تو اپنی مدد کے لیے صرف درخواست ہی کر رہی تھی اور اس نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ
 اس میں اسے ہر جگہ ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا، چنانچہ اس نے قدرے چالاکی سے کام لیتے ہوئے چوہے سے
 کہا۔

”یاد رکھ! اگر تو نے سقے کی مشک نہ کتری تو میں ہلی کو تیرے بل کا پتہ بتا دوں گی اور وہ جلد ہی داؤ
 لگا کر تجھے کھا جائے گی۔“

چوہے نے جب ہلی کا نام سنا تو واقعی گھبر ا گیا۔ اس نے جلدی سے کہا۔
 ”تو ہلی کو میرے بل کا پتہ نہ بتا۔ میں ابھی سقے کی مشک کتر دیتا ہوں۔“
 اور پھر جب وہ سقے کی مشک کترنے لگا تو سقہ منت کرتے ہوئے بولا۔
 ”اے چوہے! تو میری مشک نہ کتر، میں ابھی آگ بجھا دیتا ہوں۔“
 جب سقہ پانی سے آگ بجھانے لگا تو آگ اس کی خوشامد کرتے ہوئے کہنے لگی۔
 ”اے سقے! تو مجھے نہ بجھا، میں ابھی نیل گاڑی کو جلا دیتی ہوں۔“
 آگ نیل گاڑی کو جلانے لگی تو نیل گاڑی منت سماجت سے بولی۔
 ”اے آگ! تو مجھے نہ جلا، میں ابھی سانپ کو کچل دیتی ہوں۔“
 نیل گاڑی سانپ کو کچلنے لگی تو سانپ ہاتھ جوڑ کر بولا۔

”اے بیل گاڑی! تو مجھے نہ کچل، میں ابھی رانی کو کاٹ لیتا ہوں۔“
 جب سانپ رانی کو کاٹنے لگا تو رانی گڑ گڑا کر کہنے لگی۔
 ”اے سانپ! تو مجھے نہ کاٹ، میں ابھی راجہ سے روٹھ جاتی ہوں۔“
 جو نہی رانی راجہ سے روٹھنے لگی، راجہ اس کی خوشامد کرتے ہوئے بولا۔
 ”اے رانی! تو مجھ سے نہ روٹھ، میں ابھی بڑھئی کو قید میں ڈال دیتا ہوں۔“
 راجہ بڑھئی کو قید میں بند کرنے لگا تو بڑھئی بڑی عاجزی سے عرض کرنے لگا۔
 ”اے راجہ! مجھے قید میں مت ڈال، میں ابھی کیکر کے درخت کو کاٹ دیتا ہوں۔“
 پھر بڑھئی کیکر کا درخت کاٹنے لگا تو درخت منت کرتے ہوئے بولا۔
 ”اے بڑھئی! تو مجھے نہ کاٹ، میں ابھی کوئے کو اڑا دیتا ہوں۔“
 اور جب کیکر کا درخت ہل ہل کر اور جھوم جھوم کر کوئے کو اڑانے لگا تو کوئے اس کی منت سماجت کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اے کیکر کے درخت! مجھے نہ اڑا، میں ابھی چڑیا کو کچھڑی میں سے آدھا حصہ دیئے دیتا ہوں۔“
 اور کوئے کی یہ بات سن کر چڑیا خوش ہو کر گانے اور ناچنے لگی۔

چوہا مشک کترے گا
 ماشکی اگ بجھاوے گا
 اگ گڈے نوں ساڑے گی
 گڈا سپ لتاڑے گا
 سپ رانی نوں ڈنگے گا
 رانی راجا رُسے گا
 راجہ ترکھان بنھے گا
 ترکھان کیکر وڈھے گا
 کیکر کاں اڈاوے گا
 کاں گلولہ سٹے گا

چڑی و چاری جیوے گی
آپنی کھچڑی کھاوے گی

(اب چوہا اپنے دانتوں سے سٹے کی مشک کتر دے گا۔ اب سٹہ آگ بجھا دے گا۔ آگ بیل گاڑی کو جلا دے گی۔ اب بیل گاڑی سانپ کو کچل دے گی۔ اب سانپ رانی کو کاٹ لے گا۔ اب رانی راجہ سے روٹھ جائے گی۔ اب راجہ بڑھئی کو قید میں ڈال دے گا۔ اب بڑھئی کیکر کا درخت کاٹ دے گا۔ اب کیکر کا درخت اپنی شاخ سے کوے کو اڑا دے گا۔ اب کوہ کھچڑی کا گولہ نیچے پھینک دے گا۔ اب چڑیا بے چاری خوشی خوشی زندگی گزارے گی اور اپنی کھچڑی کھائے گی)

اس کے بعد کوہ درخت سے اڑ کر نیچے آیا اور اس نے کھچڑی میں سے آدھا حصہ چڑیا کو دے دیا اور پھر دونوں نے مزے لے لے کر کھچڑی کھائی۔ اس وقت کوے کو واقعی اس بات کا احساس ہوا کہ کسی کا حق مار کے کھانے میں وہ لطف حاصل نہیں ہوتا جو کسی کا حق دے کر، صرف اپنی چیز سے حاصل ہوتا ہے لیکن پھر بھی کہا جاتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد کبھی کسی چڑیا نے کسی کوے کے ساتھ سا جھا نہیں کیا کیوں کہ سا جھے کی ہنڈیا مشکل ہی سے پکتی ہے۔



لوک گیت

(دیگر زبانوں کی طرح پنجابی بھی لوک ادب سے مالا مال ہے اور اس میں لوک گیتوں کا ایک اپنا مقام ہے۔ زیادہ تر لوک گیت اس دور میں کہے گئے جب پنجابی معاشرہ دیہی معاشرہ تھا چنانچہ ان گیتوں میں ہمیں خوشی اور غم کے گیتوں کے علاوہ فصلوں، موسموں اور معاشرتی رسوم و رواج کے حوالے سے ہر موضوع پر لکھے گئے گیت ملتے ہیں۔ ایک معروف لوک گیت ملاحظہ ہو۔)

تیرے باجرے دی راکھی

تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں تاڑی مار اڈاواں میری مہندی لہندی وے
تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں سیٹی مار اڈاواں میری سرنخی لہندی وے
تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں اڈی مار اڈاواں میری جھانجھر کھیہندی وے
تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں ہاکاں مار اڈاواں میری واج نہ سہندی وے
تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں پچھے پچھے دوڑاں اتوں گرمی پیندی وے
تیرے باجرے دی راکھی دیورا میں نہ بہندی وے
جے میں ڈھیماں مار اڈاواں سر توں چنی لہندی وے



لوک گیت

جُتی قصوری پیریں نہ پوری ہائے ربا سنانوں ٹرنا پیا
جنھاں واٹاں دی میں سار نہ جانا اوہنیں واٹیں مینوں ٹرنا پیا
باغ لوانی آں بچی لوانی آں وچ لوانی آں تورییاں وے
نکا جیہا مُنڈا ساہنوں اکھیاں مارے نیونہ نہ لگدا اے زوریاں وے
جُتی قصوری پیریں نہ پوری ہائے ربا ساہنوں ٹرنا پیا
باغ لوانی آں بچی لوانی آں وچ لوانی آں بیریاں وے
کونتیاں والیاں سمیس گنداون کھلیاں زلفاں میریاں وے
جُتی قصوری پیریں نہ پوری ہائے ربا سنانوں ٹرنا پیا

لوری

الھڑ بلھڑ باوے دا، باوا کنک لیاوے گا
باوی بہہ کے چھٹے گی، موٹا من پکاوے گی
گوڈے ہیٹھ ٹکاوے گی، گوڈے بیٹھوں لے گیا کاں
چپ کر ویر وے، تیری جیوے ماں
الھڑ بلھڑ باوے دا، باوا کنک لیاوے گا
باوی بہہ کے چھٹے گی، چھٹ بھڑولے پاوے گی
بچیاں نوں کھواوے گی، بچے وڈے ہون گے
مائی دا جھاٹا کھون گے



داستانیں

یوں تو منظوم پنجابی داستانوں میں چھوٹی بڑی کئی کہانیاں اور قصے شامل ہیں مگر جن پانچ بڑی داستانوں کو شہرت عام اور قبولیتِ دوام کا درجہ حاصل ہے ان میں ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، سسی پنوں، مرزا صاحبان اور سیف الملوک شامل ہیں۔ یہ پانچوں عشقیہ داستانیں ہیں اور پنجابی کے پانچ بڑے شعراء وارث شاہ، فضل شاہ نواں کوٹی، ہاشم شاہ، حافظ برخوردار اور میاں محمد بخش نے بالترتیب اپنے فن سے ان داستانوں کو ہمیشہ کے لیے امر کر دیا ہے۔ ان داستانوں کو بے شمار شعراء نے لکھا اور اپنے اپنے انداز سے ہر قصے میں جزوی تبدیلیاں بھی روا رکھیں مگر یہاں ہم مجموعی طور پر ہر داستان کا ایک ایسا مبسوط خلاصہ پیش کر رہے ہیں جس سے قارئین ہر داستان کے مرکزی خیال اس کے بنیادی ڈھانچے اور اہم کرداروں سے کماحقہ آگاہ ہو سکتے ہیں۔ اسے محض اتفاق ہی کہنا چاہیے کہ مرزا صاحبان اور سوہنی مہینوال کی داستانوں کا تعلق مغل بادشاہ شاہجہاں کے زمانے سے ہے اور صاحبان بھی ہیر کی طرح سیالوں کے خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

ان داستانوں کی ایک اور مشترک بات جس کی طرف اشارہ یہاں ضروری ہے یہ ہے کہ جب عشق کا راز فاش ہو جاتا ہے تو رواجِ زمانہ کے مطابق لڑکی کے والدین فوراً اپنی بیٹی کا بیاہ کسی اور سے کر دیتے ہیں تاکہ معاملے کو جڑ سے ہی ختم کر دیا جائے مگر ایسا ہوتا نہیں ہے اور عشق کا منی پلانٹ بغیر جڑوں کے ہی بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگتا ہے مثلاً مرزا صاحبان کے قصے میں معاملے کو بگڑتا دیکھ کر مرزا کے والدین فوراً اس کی شادی کسی اور لڑکی سے کر دیتے ہیں اور کاغذوں میں وہ ایک شادی شدہ شخص بن جاتا ہے جب کہ صاحبان کے والدین بھی کسی اور مرد سے اس کی شادی کی تاریخ طے کر دیتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ شادی سے قبل مرزا، صاحبان کو بھگالے جاتا ہے۔ ہیر رانجھا کے قصے میں رانجھے کا تو اس سلسلے میں والی وارث ہی کوئی نہیں تھا لیکن ہیر کو سیدے کھیڑے کے ساتھ بیاہ دیا جاتا ہے یہ الگ بات کہ وہ بیوی ہوتے ہوئے بھی اپنی موت تک سیدے کھیڑے کو قریب نہیں پھٹکنے دیتی۔ سوہنی مہینوال کا بھی یہی حال ہوا۔ مہینوال (عزت بیگ) کا بھی اس معاملے میں کوئی والی وارث نہ تھا مگر سوہنی کو اس کے ماں باپ اپنی برادری کے ایک لڑکے سے بیاہ دیتے ہیں یہ الگ بات کہ شبِ عروسی سوہنی کی دعائیں رنگ لاتی ہیں اور اس کا شوہر نہ صرف قوتِ مردی سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اسے ”سو کے“ کی بیماری لگ جاتی ہے اور وہ سوکھ کر کاٹھا ہو جاتا ہے۔ سسی کا معاملہ ذرا شہانہ انداز کا تھا اور ان دونوں کے وارث خاصے طاقت ور تھے۔

ویسے تو یہ سب المیہ داستانیں ہیں مگر مرزا صاحبان کی داستان کورزمیہ کہہ لیا جائے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ اس کی بحر بھی جنگی بحر ہے اور اس کا ہیر و بھی ایک بہادر تیر انداز ہے جو بے بسی (اور میرے خیال میں ہٹ دھرمی یا بے وقوفی) کی وجہ سے مخالفین کے تیروں سے چھلنی ہو جاتا ہے لیکن اگر اس کا ترکش جنڈ کے درخت پر نہ لٹکا دیا جاتا تو مخالفین کے حوالے سے اس کے دعوے خاصے خطرناک تھے۔

ان داستانوں میں سے چار داستانیں تو حقیقت پسندانہ واقعات اور گوشت پوست کے کرداروں پر مبنی ہیں مگر سیف الملوک مافوق الفطرت واقعات سے تعلق رکھتی ہے۔ یعنی شہزادہ سیف الملوک ایک پری کی تصویر دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور جب اس کی تلاش میں نکلتا ہے تو اسے مافوق الفطرت واقعات اور حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح پنجابی میں ایک اور اہم داستان ”پورن بھگت“ بھی خاصی معروف ہے۔ یہ واحد داستان ہے جو ہندو اناہتھیوں سے تعلق رکھتی ہے اور جو قادر یار کی قادر الکلامی کی وجہ سے امر ہو گئی ہے۔ یہ بھی محیر العقول واقعات پر مبنی ہے۔

ہیر رانجھا

یہ مغلوں کے دور سے کچھ عرصہ قبل کی کہانی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اس داستان کا تعلق بہلول لودھی کے دور سے ہے۔

دریائے چناب کے کنارے آباد جھنگ اس وقت ایک قصبہ تھا جس میں سیال قوم آباد تھی اور میر چوچک ان کا سردار یا چوہدری تھا۔ ہیر اسی کی لاڈلی بیٹی تھی۔ ضلع سرگودھا واقع تخت ہزارہ کا سردار موجو چوہدری تھا جو زمیندار اور ذات کار رانجھا جاٹ تھا۔ رانجھا جس کا اصل نام دھیدو تھا اس کا سب سے چھوٹا بیٹا تھا جسے لاڈ پیار کی وجہ سے اور ذات کی نسبت سے رانجھا کہا جاتا ہے۔

رانجھا سب سے چھوٹا بھی تھا اور انتہائی خوبصورت بھی۔ اس لیے سب اسے بے حد پیار کرتے تھے اور اس لاڈ پیار کی وجہ سے وہ اس قدر آرام طلب ہو گیا تھا کہ سارا دن بانسری بجاتا رہتا تھا اور اس فن میں اسے اس قدر ملکہ حاصل تھا کہ جو سنتا مسحور ہو کر رہ جاتا لیکن موجو کی وفات کے بعد صورت حال بدل گئی اور بھائیوں بھائیوں نے اسے نکما اور نکھٹو ہونے کا طعنہ دینا شروع کر دیا۔ پھر ایک روز سب بھائیوں نے زمین آپس میں بانٹ لی اور رانجھے کو بنجر اور سیم و تھور والی زمین دے دی۔

ایک روز بھائیوں نے اسے طعنہ دیا کہ اگر تم اتنے ہی لائق فائق ہو تو سیالوں کی ہیر بیاہ کر لے آؤ۔ رانجھا پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا چنانچہ اس نے بانسری پکڑی اور تخت ہزارہ چھوڑ کر نکل گیا۔ چلتے چلتے جب

تھک گیا اور رات ہونے کو آئی تو وہ راہ میں آنے والے گاؤں کی مسجد میں چلا گیا تاکہ ایک دو دن یہاں گزار سکے مگر پہلی رات ہی مسجد کے مولوی سے اس کا جھگڑا ہو گیا۔ اوپر سے اگلے روز مسجد کے کنوئیں سے گاؤں کی لڑکیاں پانی بھرنے آئیں تو رانجھے کا حُسن اور جوانی دیکھ کر سشدر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک تو ایسی فریفتہ ہوئی کہ اس نے ماں کو جا کر کہا کہ میں شادی کروں گی تو اسی لڑکے سے کروں گی۔ اپنی بیٹی کی حالتِ زار سے مجبور ہو کر ماں رانجھے کے پاس پیغام لے کر پہنچ گئی جسے رانجھے نے مسترد کر دیا لیکن ساتھ ہی وہ خوفزدہ ہو کر اس گاؤں سے نکل گیا۔ ویسے بھی یہ گاؤں اس کا پڑاؤ تھا منزل نہیں تھی۔ بالآخر وہ دریائے چناب کے کنارے ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں گھاٹ تھا اور لوگ کشتی کے ذریعے دریا پار کرتے تھے۔

اس دریا کے دوسری جانب جھنگ تھا۔ ہیر کا جھنگ۔ تھوڑی دیر میں ایک کشتی کنارے آگئی اور اس میں سے اترنے والے مسافر رانجھے کی بانسری کی لے سے مسحور ہو کر رانجھے کے ارد گرد اکٹھے ہو گئے۔ اس کشتی میں سے ”پنچ پیر“ بھی اترے جنہوں نے شعراء کے بقول ہیر، رانجھے کو بخش دی۔ جب ادھر کی سواریاں کشتی میں سوار ہونے لگیں تو رانجھا بھی اس میں بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا مگر لڈن ملاح نے جو کشتی چلا رہا تھا کہ یہ طلب کر لیا رانجھے کے پاس تو کچھ نہیں تھا سوائے و کجھلی کے۔ رانجھے نے منت سماجت کی، خدا کا واسطہ دیا مگر لڈن ملاح کہنے لگا، خدا کو بیچ میں نہ لاؤ پیسے نکالو ورنہ نیچے اتر جاؤ۔ یہ صورت حال دیکھ کر اور رانجھے کی جوانی پر ترس کھا کر سب سواریوں نے رانجھے کا ساتھ دیا اور لڈن کو سمجھا بچھا کر رانجھے کو بغیر کرائے کے کشتی میں بٹھانے پر آمادہ کر لیا۔ کشتی میں ایک رنگین پلنگ بھی بچھا ہوا تھا جو خالی پڑا تھا۔

جب سب سواریاں نیچے اتر گئیں تو رانجھے نے لڈن سے پوچھا کہ یہ پلنگ کس کا ہے۔ اصل میں یہ کشتی ہیر کی ملکیت تھی اور یہ پلنگ بھی اسی کا تھا جس میں وہ کبھی کبھی سیر کرنے کے لیے نکلتی تھی۔ لڈن اس کا ملازم تھا جو کشتی کھیتا تھا۔ رانجھا تھا کہ ہوا تھا چنانچہ اس نے لڈن ملاح سے درخواست کی کہ وہ اسے اس پلنگ پر تھوڑی دیر کے لیے سستانے کی اجازت دے دے۔ لڈن ہیر سے خوفزدہ تو تھا کہ وہ کسی وقت بھی ادھر آ سکتی ہے مگر ترس کھا کر اس نے رانجھے کو تھوڑی دیر کے لیے لینے کی اجازت دے دی۔۔۔ اور پھر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ ہیر اپنی سہیلیوں سمیت آدھمکی اور یہ سوچ کر کہ اس کے پلنگ پر کسی اور کو لینے کی جرأت کیسے ہوئی، اپنی سہیلیوں سمیت شیشم کی چھڑیوں سے اس اجنبی کو پیٹنا شروع کر دیا۔ جو نہی اجنبی گھبرا کر اٹھا اور ہیر کی نظر اس کے چہرے پر پڑی وہ وہیں فدا ہو گئی۔ دوسری طرف رانجھا بھی اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

ہیر نے آہستہ سے پوچھا ”تم کون ہو اور کہاں جانا ہے“ رانجھے نے کہاں جانا تھا۔ چنانچہ ہیر نے اپنے والد سے کہہ کر رانجھے کو بھینسیں چرانے کے لیے اپنے گھر ملازم رکھوا دیا۔ روزانہ رانجھا بھینسیں لے کر جنگل چلا جاتا اور دوپہر کو ہیر اپنی سہیلیوں سمیت سیر کے بہانے نکل کر بیلے میں اس سے راز و نیاز کرتی۔ رفتہ رفتہ ہیر گھر سے چوری بنا کر لانے لگی جس کی بھنک چوچک کے لنگڑے بھائی کیدو کو بھی پڑ گئی۔ جب قصبے میں بھی دونوں کے عشق کا چرچا عام ہونے لگا تو کیدو نے جو کہ فطرتاً بد طینت تھا، ساری کہانی چوچک کو سننا دی اور ایک روز فقیر کا روپ دھار کر عین اس وقت رانجھے کے پاس جا پہنچا جب وہ ہیر کی لائی ہوئی چوری کھا رہا تھا اور ہیر ندی پر اس کے لیے پانی لینے گئی ہوئی تھی۔ رانجھے نے فقیر کی آہ و زاری سنی تو تھوڑی سی چوری اس کی چادر میں ڈال دی جسے لے کر کیدو لنگڑا فوراً وہاں سے رنو چکر ہو گیا۔ جو نہی ہیر ندی سے پانی لے کر واپس آئی اور رانجھے نے اسے فقیر کے بارے میں بتایا اور لنگڑے ہونے کے علاوہ کچھ اور نشانیاں بھی بتائیں تو ہیر کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ وہ بھاگی بھاگی گئی اور راستے میں ہی کیدو لنگڑے کو جالیا اور اس کی ساری چوری گرا دی جو وہ ثبوت کے طور پر چوچک کے پاس لے جا رہا تھا۔ پھر بھی کیدو کے پلڑے سے چوری کے کچھ ٹکڑے اٹکے رہ گئے جو اس نے چوچک کو پیش کر دیئے۔ پورے قصبے میں شور مچ گیا اور چوچک نے رانجھے کو نوکری سے نکال دیا۔

اب ایک طرف ہیر اداس اور پریشان رہنے لگی اور دوسری طرف رانجھا۔ بالآخر ہیر کی ماں نے بیٹی کی حالت دیکھ کر چوچک کو قائل کیا کہ رانجھے کو دوبارہ رکھ لیا جائے اور بہانہ یہ بنایا کہ بھینسیں چارہ نہیں کھا رہیں کیونکہ وہ رانجھے کی بانسری کی لے کی عادی ہو گئی تھیں۔ ادھر چوچک کو بھی ایسا مفت کا ملازم کہاں ملنا تھا نیز اسے عشق کی اس کہانی پر ابھی تک شک تھا لہذا اس نے رانجھے کو دوبارہ ملازم رکھ لیا مگر اب والدین ان دونوں پر کڑی نظر رکھنے لگے۔ ایک روز ان دونوں کی بد قسمتی کہ خود چوچک نے جنگل میں ہیر اور رانجھے کو راز و نیاز کرتے دیکھ لیا۔ اب معاملہ اس کی برداشت سے باہر ہو چکا تھا چنانچہ اس نے خاندان کے بڑوں کو بلایا اور کھیڑوں کی طرف سے آئے ہوئے رشتے کو منظور کر کے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ سید اکھیڑا ضلع مظفر گڑھ کے ایک قصبے رنگ پور میں آباد سیال راجپوتوں کے سربراہ چوہدری اجو کا بیٹا تھا۔ اس خاندان کے لیے یہ بہت بڑی بات تھی کہ وہ ہیر کو بیاہ کر لے جا رہے تھے۔ شادی کی تیاریاں دھوم دھام سے ہوئیں اور ہیر کے انکار کے باوجود قاضی نے مہر چوچک کا حکم بجالاتے ہوئے نکاح پڑھوا دیا۔ رانجھے کو ایک آزاد پچھی کی طرح اب سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ کیا کرے چنانچہ وہاں سے نکل کر جہلم کے علاقے میں آ گیا اور ٹلا جو گیاں پہنچ کر بالنا تھ کا چیلابن گیا۔ بالنا تھ نے اس کے بال مونڈ کر کان چھید دیئے اور مندرے پہنا کر اور

رنگ بھصوت رما کر جوگ دے دیا۔ کچھ روز گورو کے استھان پر رہنے کے بعد رانجھا اجازت لے کر رنگ پور روانہ ہو گیا۔

رنگ پور کے قریب ایک باغ تھا جسے کالا باغ کہتے تھے، رانجھے نے وہاں ڈیرہ جما لیا اور اس کے جوگ کے چرچے ہونے لگے۔ ادھر ہیر نے اپنے شوہر سیدے کھیڑے کو اپنے قریب تک نہ پھٹکنے دیا اور اس کے ساتھ ہی سیدے کھیڑے کی بہن سہتی کو راز دار بنا لیا جو مراد کے عشق میں دیوانی ہو چکی تھی۔ یہ دونوں عشق زدہ عورتیں آپس میں منصوبے بناتی رہتیں کہ کس طرح اپنے اپنے محبوب کو پایا جاسکتا ہے۔ ان دنوں دن کے وقت رانجھا کشتول پکڑ کر گلی گلی مانگتا تھا تا کہ اسے پتہ چل سکے کہ ہیر کس گھر میں ہے۔ ایک روز اس کی صدا سن کر سہتی باہر نکلی اور اس کے کشتول میں آٹا ڈال دیا۔ اچانک صحن میں ہیر بھی آنکلی جسے رانجھے نے ادھ کھلے دروازے سے دیکھ لیا اور مبہوت ہو گیا۔ اس موقع پر سہتی اُسے جھاڑتی ہے کہ دوسروں کے گھروں میں کیوں جھانک رہے ہو۔ اُسے کیا خبر تھی کہ یہ فقیر نہیں بلکہ رانجھا ہے۔ دونوں میں تکرار ہو جاتی ہے اور سہتی کے جھپٹانے کی وجہ سے رانجھے کا کاسہ گر کر ٹوٹ جاتا ہے۔ تو تکرار کی آواز اندر ہیر تک پہنچتی ہے تو وہ فوراً رانجھے کی آواز پہچان کر باہر آ جاتی ہے اور پھر طے شدہ منصوبے کے مطابق ہیر بیماری کا بہانہ کر کے لا علاج بیماری میں مبتلا ہو جاتی ہے اور کھانا پینا چھوڑ دیتی ہے۔ دراصل باہر جاتے ہوئے ہیر کے پاؤں میں ایک کانٹا چبھ گیا تھا جس سے تھوڑا سا خون نکل آیا تھا۔ سہتی نے آکر مشہور کر دیا کہ اسے سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر سہتی گھر والوں کو قائل کرتی ہے کہ جوگی کو بلایا جائے۔ جوگی آکر ہیر کو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اسے بہت ہی زہریلے سانپ نے کاٹا ہے۔ لہذا میں چند دن تک ایک بند کمرے میں منتر پڑھوں گا۔ اس بند کمرے میں صرف ہیر ہوگی یا ایک غیر شادی شدہ لڑکی۔ اس کے علاوہ سب لوگ اس کمرے سے دور رہیں۔ اس تجویز کے مطابق سہتی، ہیر اور رانجھا کو آپس میں تسلی سے مل بیٹھنے اور منصوبہ بنانے کا موقع مل گیا اور پھر ایک رات مراد بلوچ بھی اونٹ لے کر وہاں پہنچ گیا۔ ہیر اور رانجھا ایک طرف کو فرار ہو کر بھاگ گئے اور سہتی اور مراد بلوچ نے اپنی راہ لی۔ صبح جب گھر والوں نے کمرہ خالی دیکھا تو ہے ہے کارمچ گئی۔

اسی وقت تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کھیڑے ان کے پیچھے چڑھ دوڑے۔ تعاقب دو ٹولیوں کی صورت میں ہوا۔ سہتی اور مراد بلوچ چونکہ اونٹ پر تھے اس لیے وہ اپنے بلوچ قبیلے کے قریب پہنچ چکے تھے چنانچہ بلوچوں نے مل کر کھیڑوں کی ٹولی پر حملہ کر دیا اور مار بھگایا مگر ہیر رانجھا پیدل تھے چنانچہ جنگل میں ایک جگہ سوتے ہوئے دھر لیے گئے۔ کھیڑوں نے رانجھے کو خوب مارا پیٹا اور ہیر کو ساتھ لے کر چلے گئے۔

رانجھارو تا بیٹا راجہ عدلی کے دربار میں پہنچا اور بتایا کہ کھیڑے اس کی عورت چھین کر لے گئے ہیں۔ راجے کے حکم پر اسی وقت کھیڑوں کو دربار میں حاضر کیا گیا مگر انہوں نے اصل حقیقت بیان کر دی اور بتایا کہ یہ جوگی نہیں فریبی ہے۔ یہ سانپ کے کاٹے کا علاج کرنے کے بہانے ہماری بہو کو اغوا کر کے لے گیا تھا۔

راجہ عدلی کو اصل حقیقت کی سمجھ نہیں آرہی تھی اور وہ رانجھے کے حلیے اور فقیری سے خوفزدہ بھی تھا چنانچہ اس نے قاضی سے رجوع کیا جس نے پورا مقدمہ سن کر فیصلہ سنا دیا کہ کھیڑے ٹھیک کہتے ہیں۔ رانجھے نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بدعادی کہ راجہ عدلی نے اس کے ساتھ ناانصافی کی ہے اس پر اللہ کا عذاب نازل ہو۔ کہتے ہیں کہ اسی وقت شہر کے چاروں طرف آگ کے شعلے بھڑکنے لگے اور شہر میں کھرام مچ گیا۔ راجے کو جب علم ہوا کہ فقیر کی بددعا لگ گئی ہے تو اس نے فوراً کھیڑوں کو ہیر سمیت گرفتار کر کے دربار میں بلایا اور ہیر رانجھے کے سپرد کر دی۔

اب دونوں کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کہاں جائیں۔ ہیر کہنے لگی کہ اب تو راجہ عدلی نے پکا فیصلہ دے دیا ہے اس لیے تخت ہزارہ جانے کی بجائے جھنگ سیال چلتے ہیں۔

دونوں جھنگ سیال آگئے تو ہیر کے گھر والوں نے دونوں کا بھرپور استقبال کیا اور رانجھے کو کہا کہ تم تخت ہزارہ جاؤ اور باقاعدہ بارات لے کر آؤ تا کہ دھوم دھام سے تم دونوں کی شادی کر دی جائے۔

رانجھے نے اپنے گاؤں واپس آکر سب کو یہ قصہ بتایا اور دھوم دھام سے بارات لے کر جانے ہی والا تھا کہ سیالوں کا بھیجا ہوا قاصد پہنچ گیا جس نے آکر ہیر کے مرنے کی خبر سنا ڈالی۔ رانجھے پر یہ خبر بجلی بن کر گری اور ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ بعض شعراء نے اختتام اس سے مختلف بھی کیا ہے۔ یعنی یہ کہ رانجھے کو ہیر کے مرنے کی خبر پر یقین نہ آیا اور وہ خود جھنگ پہنچ گیا لیکن جب وہاں ہیر کی قبر پر پہنچ کر قبر پر گرا تو قبر شق ہو گئی اور وہ بھی اس میں سما گیا۔ ایک اختتام یہ بھی ہے کہ ہیر اور رانجھے کا انتقال نہیں ہوتا بلکہ آخر میں وہ حج پر چلے جاتے ہیں۔

سوہنی مہینوال

یہ مغل بادشاہ شاہجہان کے دور کی بات ہے کہ بلخ بخارا میں مرزا عالی نامی ایک بہت بڑا سوداگر رہتا تھا جس کے کاروبار کا دائرہ ملکوں ملکوں پھیلا ہوا تھا۔ اس کے کارندے سامان تجارت لے کر ہندوستان آتے اور واپسی پر یہاں سے ہیرے جواہر اور دیگر اشیائے ضروریہ خرید کر اپنے وطن لے جاتے۔ گویا راج زمانہ کے مطابق دوہری تجارت سے مستفید ہوتے جس کے باعث مرزا عالی کی دولت شمار سے باہر ہوتی چلی گئی

لیکن اس قدر دولت و عزت کے ہوتے ہوئے وہ ایک کمی سے دوچار تھا یعنی اولاد کی نعمت سے محروم تھا اور یہ ایک ایسا قلق تھا جس کے لیے اس نے اکبر بادشاہ کی طرح ہزاروں دعائیں مانگیں اور ہر پیر فقیر کے در پر حاضری دی۔ ایک روز کسی سے یہ سن کر کہ قریبی پہاڑی میں ایک درویش آیا ہوا ہے جس کی مقبولیت اور قبولیت کا بہت چرچا ہے وہ سیدھا اس درویش کے پاس پہنچا اور بعد از نذر نیاز عرض گزاری کہ وہ کسی بچے کے منہ سے اپنے لیے ابا کا لفظ سننے کو ترس رہا ہے۔ درویش نے دعا گزاری اور بعد از چلہ کشی و عباداتِ شبینہ ایک روز مرزا عالی کے روبرو سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا کہ خدائے مہربان و برتر آپ کو اس ادھیڑ عمری میں بھی ایک حسین و جمیل فرزند عطا کرے گا لیکن وہ جوان ہوتے ہی کیو پڈ کے تیر سے گھائل ہو کر مصائب کا سامنا کرتے ہوئے آگے نکل جائے گا اور پیچھے صرف اپنا نام چھوڑ جائے گا۔

ٹھیک 9 ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے مرزا عالی کو اولادِ نرینہ سے نوازا جس کا نام عزت بیگ رکھا گیا۔ عزت بیگ چونکہ اکلوتا تھا اور گھر میں دولت کی فراوانی تھی چنانچہ نیک دل سوداگر نے اپنے بچے کی تربیت میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ لاڈ پیار کے علاوہ اُسے مروجہ علوم و فنون اور نیزہ بازی، گھڑ سواری، تلوار بازی اور سپہ گری کی بھی بھرپور تربیت دی گئی۔ عزت بیگ بے حد خوبصورت اور انتہائی ذہین اور عقلمند ہونے کے ساتھ ساتھ ایک سادہ لوح اور والدین کا فرماں بردار بیٹا تھا لیکن مسیس بھگتے ہی ہر لڑکے کی طرح اس کے دل میں بھی دنیا دیکھنے اور اپنے آپ کو کچھ بنانے کے خواب انگڑائیاں لینے لگے۔ اس نے بارہا والد اور والدہ سے کہا کہ اسے بھی کسی قافلے میں شریک کر کے بیرون ملک بھیجا جائے تاکہ وہ دنیا داری کے معاملات جان سکے مگر ہر بار والد اور والدہ کوئی بہانہ کر کے اسے ٹال دیتے کہ وہ بڑھاپے کی واحد اولاد تھی جسے دیکھ دیکھ کر وہ زندہ تھے مگر ایک روز عزت بیگ کے پُر زور اصرار پر انہیں یہ کام کرنا پڑا۔ دلی میں شاہجہان کی سالگرہ کا جشن ہونے والا تھا جب مرزا عالی نے ایک بہت بڑا تجارتی قافلہ تیار کر کے عزت بیگ کو ان کے ہمراہ صرف اس شرط پر بھیجا کہ وہ اس قافلے کو لے کر جلد واپس آجائے گا۔

تجارتی قافلہ روانہ ہوا تو عزت بیگ کی خواہش پر جسے گھومنے پھرنے اور نئے نئے شہر دیکھنے کا بے حد شوق تھا، یہ طے پایا کہ پہلے سیدھے دلی چلا جائے کیونکہ وہاں بادشاہ کی سالگرہ کے جشن کی وجہ سے سامان تجارت کے فوراً بک جانے کا امکان ہے۔ اس طرح انھیں ہلکے پھلکے ہو کر واپسی پر لاہور، گجرات اور دیگر شہروں میں پڑاؤ کرتے ہوئے واپس بخارا پہنچنا آسان ہو گا۔ یہ تجویز انتہائی معقول ٹھہری کیونکہ قافلے نے دلی میں قیام کے دوران سامان تجارت بھی جلد فروخت کر لیا اور دلی کی خوب سیر بھی کر لی جو اس وقت پورے ہندوستان کا دار الحکومت تھا۔ بلخ بخارا سے آئے ہوئے قافلے اور بالخصوص عزت بیگ کے لیے تو یہ

نادر و نایاب عجوبہ تھا۔ یہاں عزت بیگ کو دربارِ شاہی میں پیش ہو کر شاہجہان کی خدمت میں بلخ بخارا سے لائے ہوئے قیمتی تحائف پیش کرنے کا موقع بھی ملا جس کے جواب میں بادشاہ نے اُسے رواجِ شاہی کے مطابق خلعت، گھوڑا اور ایک لاکھ کے قریب سکہ رائج الوقت کی مہریں بھی بطور انعام پیش کیں جو قافلے اور بالخصوص عزت بیگ کے لیے ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔

واپسی پر مالدار قافلے کے بڑوں نے سوچا کہ کچھ سامان یہیں سے خرید کر لے چلتے ہیں اور کچھ راستے میں لاہور اور گجرات سے لے لیا جائے گا۔ دو چار دن لاہور میں رکنے، سیر سپانا کرنے اور مال تجارت خریدنے کے بعد قافلے کا اگلا پڑاؤ گجرات تھا جہاں سے دریائے چناب کی خونئی لہروں کی روانی اور عزت بیگ کے مہینوال بننے کی کہانی آغاز ہوتی ہے۔ جب یہ قافلہ گجرات پہنچا تو شام بھیگ رہی تھی۔ قافلے نے شہر کے باہر پڑاؤ کیا۔ سامان خورد و نوش سے نبرد آزما ہونے کے بعد گپ شپ اور کہانی بازی کا دور شروع ہوا تو عزت بیگ کو پتہ چلا کہ یہ شہر مٹی کے برتنوں اور منقش ظروف سازی میں اپنی مثال آپ ہے اور اکثر قافلے واپسی پر یہاں سے کچی مٹی کے پکے برتن لے کر لوٹتے ہیں۔ اس گفتگو کے دران قافلے میں سے ایک واقف حال نے عزت بیگ کو بتایا کہ بلاشبہ مٹی کے منقش اور غیر منقش برتن پورے گجرات کے مشہور ہیں مگر تٹلا کھار (جس کا اصل نام عبداللہ تھا) یہاں کا خاص کارِ گیر ہے جس کی صنّاعی کا دور دور تک چرچا ہے۔ اس کے بعد شخص مذکور نے نئے کھار کے کمال فن میں زمین آسمان کے ایسے قلابے ملائے جن کی تصدیق دوسرے ساتھیوں نے بھی بھرپور انداز میں کی۔ اگلی صبح عزت بیگ کی فرمائش پر یہ شخص نئے کھار کی دوکان پر چند برتن خریدنے گیا تاکہ عزت بیگ کو عین یقین ہو جائے۔ جب عزت بیگ نے یہ برتن دیکھے تو ان کی نزاکت اور صنّاع کی چابکدستی کا اسیر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے ساتھ ہی اس شخص نے وہاں جو منظر دیکھا تھا وہ بھی بیان کر دیا۔ یہ منظر تھا سوہنی کے حسن و جمال کا۔ اس شخص نے عزت بیگ کو بتایا کہ نئے کھار کے پاس صرف مٹی کے برتن ہی نہیں ہیں بلکہ مٹی کا ایک ایسا جیتا جاگتا بُت بھی ہے جس کے حُسن کے آگے کسی آنکھ کا ٹھہرنا محال ہے۔ عزت بیگ اس بُت کے حُسن و جمال اور اس کے پیکر کے بارے میں جوں جوں سنتا جاتا تھا توں اس کا اشتیاق بڑھتا جاتا تھا۔ بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خود موقع پر جا کر اس بات کی تصدیق کرے گا۔

نئے کھار کے گھر لیلیۃ القدر کی رات پیدا ہونے والی اس بیٹی کا نام سوہنی رکھا گیا تھا کہ وہ واقعی اسمِ بامسمیٰ تھی (سوہنی مہینوال کا قصہ لکھنے والے ہر شاعر نے سوہنی کے سراپا کے حوالے سے کئی کئی صفحات لکھے ہیں) اور گھر گھر اس کا چرچا تھا۔ عزت بیگ برتن خریدنے کے بہانے وہاں پہنچا تو تھوڑی دیر کے بعد سوہنی

بھی دکان پر آگئی۔ عزت بیگ نے اس کو دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ وہ وہاں سے کچھ برتن تو خرید لایا مگر دل وہیں چھوڑ آیا۔ اس کے بعد یہ روزانہ کا معمول بن گیا کہ عزت بیگ نئے کمہار کی دکان پر آتا مختلف ظروف دیکھتا، بھاؤ تاؤ کرتا اور سوہنی کے دیدار کے بہانے کچھ برتن خرید لاتا۔ چند روز بعد قافلہ روانگی کے لیے تیار ہوا تو عزت بیگ ساتھ جانے سے انکاری ہو گیا۔ قافلے کے ہر بزرگ اور سمجھدار فرد نے بہت سمجھایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور کہنے لگا آپ جائیں میں جلد ہی کسی دوسرے قافلے کے ساتھ وطن واپس پہنچ جاؤں گا۔ قافلے نے تو واپس جانا تھا سو قافلہ سالار نے مجبوراً قافلے کو کوچ کا حکم دیا اور عزت بیگ کی خدمت کے لیے ایک ملازم وہیں چھوڑ دیا۔

عزت بیگ سوہنی کی زلفوں کا ایسا اسیر ہو چکا تھا کہ اسے کچھ سجھائی ہی نہ دیتا تھا۔ روزانہ برتن خرید لاتا اور سوہنی کا دیدار کر آتا۔ بالآخر خیمے میں برتن رکھنے کی جگہ نہ بچی تو ملازم نے مشورہ دیا کہ ہم خود ایک دکان کھول لیتے ہیں جہاں پر وہاں سے برتن لاکر بیچتے رہا کریں گے۔ اس طرح بھرم بھی رہ جائے گا اور نان نفقہ بھی چلتا رہے گا۔ یہ سلسلہ یوں چلتا رہا کہ عزت بیگ منہ مانگے داموں نئے کمہار سے برتن لے آتا اور اس کا ملازم اپنی دکان چلانے کے لیے اسے سستے داموں بیچتا رہتا۔ خسارے کا یہ کاروبار آخر کب تک چلنا تھا۔ ایک روز عزت بیگ کنگال ہو گیا تو ملازم بھی غائب ہو گیا۔ ناچار عزت بیگ عشق میں ڈوب کر نئے کمہار کے پاس جا پہنچا اور اسے بتایا کہ اس کا سارا مال چوری ہو گیا ہے اور اب وہ اس قدر کنگال ہو گیا ہے کہ اگر اسے گھر پر ملازم رکھ لیا جائے تو وہ صرف کھانے کے عوض تمام خدمت سرانجام دے دیا کرے گا۔

تلا کمہار صرف کمہار نہیں تھا بلکہ اپنے خاص فن کی وجہ سے اس کا شمار کھاتے پیتے گھرانوں میں ہوتا تھا چنانچہ اس نے اس قدر سستا نوکر دیکھ کر اس کی پیشکش فوراً قبول کر لی اور اپنی بھینسوں کو چرانے کے لیے اسے ملازم رکھ لیا۔ یہیں سے عزت بیگ کا نام مہینوال پڑ گیا کیونکہ وہ بھینسوں کو چراتا تھا۔

عزت بیگ اب سوہنی کے عشق میں مہینوال بن چکا تھا اور سوہنی کو بھی اس کا اندازہ ہو چکا تھا چنانچہ دن بھر میں انہیں دو چار باتیں کرنے کا موقع ضرور مل جاتا تھا اور مہینوال کے لیے یہی کافی تھا۔ بالآخر اس عشق کا چرچا ہونا شروع ہو گیا اور جب پورے علاقے میں بات پھیل گئی تو ایک روز نئے کمہار نے بیٹی کی سرزنش کی اور عزت بیگ کو نوکری سے نکال دیا۔ اس کے ساتھ ہی گھر والوں نے کمہاروں کا ایک لڑکا پسند کر کے چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق سوہنی کی اس سے شادی کر دی۔ کہتے ہیں کہ شبِ عروسی کو سوہنی نے دعا مانگی کہ میں تو مہینوال کی امانت ہوں یہ میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ اس کی دعا قبول ہوئی اور اس کے شوہر کو چند لمحوں میں کسی ایسی بیماری نے گھیر لیا کہ وہ نہ صرف مردانہ قوت سے محروم ہو گیا بلکہ چند ہی دنوں

میں سوکھ کر کاٹنا ہو گیا اور راہی ملکِ عدم ہوا۔

ادھر عزت بیگ کو بھی سوہنی کی شادی کی خبر مل چکی تھی چنانچہ وہ بھی مارا مارا پھر رہا تھا۔ ایک روز سوہنی کی سہیلی کے توسط سے ان دونوں کا رابطہ ہوا اور صورتِ حال واضح ہونے پر سوہنی نے عزت بیگ سے کہا کہ وہ دریا کے دوسرے کنارے پر ڈیرے ڈال لے تاکہ یہاں کے لوگوں کو کچھ خبر نہ ہو اور رات کو تیر کے اس کنارے پر فلاں جگہ آجایا کرے جہاں وہ اس کی منتظر ہوا کرے گی۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ مہینوں نے دریا کے دوسرے کنارے فقیرانہ جھگی ڈال لی اور رات کو دریا پار کر کے آنے سے قبل سوہنی کے لیے ایک مچھلی بھون کر ساتھ لانا اس کا معمول بن گیا۔ ایک روز دریا سے کوئی مچھلی نہ پکڑی گئی تو وہ روایت گزیدہ اپنی ران کا گوشت کاٹ کر بھون کر لے آیا، سوہنی نے اسے کھاتے ہوئے ایک عجیب بد ذائقگی محسوس کی تو استفسار پر اسے بتانا پڑا کہ آج مچھلی نہیں ملی تھی چنانچہ روزانہ کے معمول کو برقرار رکھنے کے لیے وہ اپنی ٹانگ سے ایک بوٹی کاٹ کر اس کے لیے بھون لایا ہے۔ سوہنی نے ٹانگ پر پٹی بندھی ہوئی دیکھی تو اسے کہا کہ آج کے بعد تم تیر کر ادھر مت آنا کہ ٹانگ پر اتنے بڑے زخم کے بعد یہ خطرناک فعل ہو گا۔ میں خود آیا کروں گی۔ اس کے بعد سوہنی نے ایک گھڑا لیا اور روزانہ رات کو اس پر تیر کر مہینوں سے ملنے دوسرے کنارے جانے لگی۔

ایک روز اس کی نند کو کچھ شبہ ہوا اور وہ رات کو اس کے پیچھے پیچھے ہوئی۔ اس نے سوہنی کے جانے اور آنے کا سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خطرناک منصوبہ سازی کر کے اگلے روز اس گھڑے کی جگہ ایک کچا گھڑا رکھ دیا۔

حسبِ معمول اگلی رات جب سوہنی دریا کے کنارے پہنچی تو وہ طوفانی رات تھی، موسلا دھار بارش کا سماں تھا، بادل چمک رہے تھے، تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور رات بھی خطرناک حد تک اندھیری تھی سوہنی کا دل تو بہت گھبرا رہا تھا مگر تقاضائے عشق کے مطابق اُس پار منتظر مہینوں کا دیدار لازمی تھا۔ اوپر سے جب اس نے گھڑے کو سینے سے لگا کر پانی میں اتارا تو اسے یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ یہ گھڑا وہ نہیں ہے جو اسے روزانہ پار لے جاتا ہے مگر عشق کے اپنے اصول اور تقاضے ہوتے ہیں۔ خطرات اور خوف اس کا راستہ نہیں روک سکتے۔ سوہنی اللہ کا نام لے کر دریا میں اتر گئی مگر طوفانی لہروں نے اسے آلیا اور کچا گھڑا بھی پانی کی نذر ہو گیا۔ دوسری جانب مہینوں کے کنارے پر بے تابی سے منتظر کھڑا تھا۔ اچانک بجلی چمکی تو اسے سوہنی طوفانی لہروں میں لوٹ پوٹ ہوتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے فوراً پانی میں چھلانگ لگائی اور سوہنی کی لاش کو اپنی باہوں میں جکڑ لیا مگر طغیانی میں آئی ہوئی موجوں اور تیز ہوانے اس کی ایک نہ چلنے دی۔ نتیجتاً دونوں لہروں کے سپرد ہو

سسّی پتوں

[یوں تو پنجابی کی ساری داستانیں کئی کئی شعراء نے منظوم کیں مگر سسّی پتوں کی داستان سب سے زیادہ شعراء نے منظوم کی۔ ایک تحقیق کے مطابق صرف پنجابی میں سسّی پتوں کی 100 سے زیادہ داستانیں لکھی گئیں۔ اس کے علاوہ سندھی میں شاہ لطیف بھٹائی کے علاوہ بھی کئی شعراء نے یہ داستان منظوم کی۔ بلوچی میں بھی یہ داستان ایک معقول تعداد میں منظوم ہوئی۔ فارسی میں بھی شعراء نے مثنوی کے انداز میں یہ قصہ لکھا اور غالباً یہی وجہ ہے اس داستان میں واقعات اور کرداروں کے حوالے سے خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے سسّی کے باپ کے نام اور کام کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے۔ معروف مورخ و مصنف اور شاعر میر علی شہر قانع ٹھٹھوی نے جو داستان تحریر کی ہے اس میں اس نے سسّی کے باپ کا نام تانیہ برہمن اور ماں کا نام مندھر لکھا ہے۔ دوسرے شاعروں میں سے کسی نے آدم جام کسی نے آدم خان کسی نے نون برہمن کسی نے چندر بنی راجہ کسی نے راجہ برہمت اور کسی نے کچھ اور لکھا ہے۔ جس دھوبی نے سسّی کو دریا سے نکالا اس کا نام کہیں اتا ہے کہیں محمد اور کہیں لار۔

پتوں کے باپ کے نام بھی مختلف ملتے ہیں مثلاً جام آری، ہوت علی، علی خان، اکبر علی وغیرہ اسی طرح اس کے تاریخی زمانے کے بارے میں بھی مختلف داستانوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی اسے کسی دور کی کہانی بتاتا ہے اور کوئی کسی دور کی۔ دریا کے نام کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ کسی نے دریائے سندھ کسی نے راوی، کسی نے دریائے سندھ کا کوئی معاون دریا، کسی نے پنجند کسی نے ترمونہی اور کسی نے سوہاں لکھا ہے۔ پروفیسر سریندر سنگھ نے اسے یونانی کہانیوں سے ملاتے ہوئے بتایا ہے کہ ”جس طرح سسّی کو صندوق میں ڈال کر دریا برد کیا جاتا ہے دراصل اسی طرح قدیم یونان میں لوگ دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لیے فصل کٹنے پر قربانی کی رسم ادا کیا کرتے تھے اور فصل پکنے پر کسی لڑکی کو اس طرح دریا برد کرتے تھے۔ قدیم ہندوستان میں بھی لوگ اسی طرح کیا کرتے تھے“ ڈاکٹر ہر نام سنگھ شان جنہوں نے سسّی کی داستان پر پی ایچ ڈی کی تھی بتاتے ہیں کہ بہاولپور گزیٹر کے مطابق سسّی کو جہاں سے صندوق میں بند کر کے بہایا گیا تھا اس جگہ کو بھٹاواہن کہتے ہیں۔ یہ ایک پرانا شہر ہے جو رحیم یار خان اسٹیشن سے دس میل شمال کی طرف ہے۔ اس زمانے میں دریائے سندھ اس سے ایک میل کی دوری پر بہتا تھا۔ اس جگہ کو اب ترمونہی کہتے ہیں کیونکہ یہاں سندھ دریا کی دونوں شاخیں مل جاتی ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے داستانوی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس ساری صورت حال کے پیش نظر میں نے مختلف داستانوں سے قابل قبول اور مقبول روایات کو سامنے رکھ کر اس قصے کا خلاصہ تیار کیا ہے۔ پنجابی میں یہ داستان ہاشم شاہ سے پہلے دو شعرا حافظ برخوردار اور سندر داس آرام نے لکھی۔ ہاشم شاہ کی سسّی بہت مختصر ہے، تمام واقعات کا احاطہ نہیں کرتی اور

تقریباً 124 قطعات پر مشتمل ہے لیکن اس میں زبان و بیان کی خوبیاں اور تخلیقی جوہر اس قدر زیادہ ہے کہ ہاشم شاہ کی سسی ہی اب تک معروف و مقبول ہے۔ [مرتب]

○

یہ کہانی پاکستان کے دو صوبوں (سندھ اور بلوچستان) اور راجہ دلورائے کے دور سے تعلق رکھتی ہے جس کا عہد آٹھویں صدی عیسوی کے نصف اوّل میں آتا ہے۔ اس راجہ کے زیر نگیں علاقے برہمن آباد میں بھانیر نہر کے کنارے تانیہ نام کا ایک نابینا برہمن رہتا تھا جس کی بیوی کا نام مندھرتھا۔ دونوں بے اولاد تھے اور بیٹے کی تمنا میں سادھوؤں، جوگیوں، فقیروں، ————— کی خدمت کے علاوہ مندروں میں پوجا پاٹ کر کے بھگوان سے مندھرتھی گودھری ہونے کی دعائیں مانگتے رہتے تھے۔ بالآخر ایک روز ان کی دعا قبول ہوئی اور ان کے ہاں ایک انتہائی خوبصورت بیٹی پیدا ہوئی لیکن دیگر معاشروں کی طرح ہندو سماج میں بھی لڑکی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا اور ہر کوئی لڑکے کی تمنا کرتا ہے چنانچہ تانیہ نے اپنے اعتقاد کے مطابق ایک معروف جوتشی کو بلا کر بچی کی جنم پتری کھلو کر حساب لگوا یا تو دونوں میاں بیوی یہ جان کر حیران رہ گئے کہ جب سسی بڑی ہوگی تو یہ عشق میں غلطاں ہو کر خاندان کی ناک کٹوائے گی۔ ظاہر ہے مذہبی رہنما ہونے کے ناطے یہ صورت حال انہیں کسی طور گوارا نہ ہو سکتی تھی چنانچہ بدنامی سے بچنے کے لیے انہوں نے بچی کو ایک صندوق میں بند کر کے دریا برد کر دیا۔ صندوق دریا میں تیرتا ہوا بھنبھور شہر کے قریب ایک گھاٹ پر پہنچ گیا۔ بھنبھور تب ایک مشہور شہر تھا جہاں محمد نام کا ایک دھوبی رہتا تھا۔ کہنے کو تو یہ دھوبی تھا مگر امیر کبیر دھوبی کیونکہ یہ امراء اور صاحب حیثیت اور متمول لوگوں کے کپڑے دھوتا تھا اور اپنے فن میں اس قدر مشاق تھا کہ اس نے پانچ سو ملازم رکھے ہوئے تھے جو اس کی زیر نگرانی کام کرتے تھے۔ اتفاق سے محمد دھوبی بھی بے اولاد تھا اور اولاد کے غم میں دن رات گھلتا رہتا تھا۔ یہ بھی پیروں فقیروں کے دروں پر دستکیں اور مزارات پر حاضریاں دیتا تھا مگر تاحال اس کے من کی مراد پوری نہ ہوئی تھی۔

جب مذکورہ صندوق بھنبھور کے گھاٹ پر پہنچا تو اس وقت محمد دھوبی کے ملازم کپڑے دھورے تھے چنانچہ انہوں نے صندوق باہر نکال لیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں ایک انتہائی خوبصورت اور پھول کی طرح نرم و نازک بچی لیٹی ہوئی ہے۔ انہوں نے فوراً محمد کو خبر کی اور محمد اس بچی کو گود میں اٹھا کر سر بسجود ہو گیا کہ خدا نے اسے بغیر کسی تکلیف کے ایک بچی عطا کر دی ہے۔ میاں بیوی نے مل کر اس کا نام سسی رکھا جس کے معنی ہیں چاند۔ دولت کی کمی نہ تھی چنانچہ سسی ناز و نعم میں پلنے لگی اور حسین سے حسین تر ہوتی گئی۔ جوان ہوئی تو اس کے حسن کے چرچے دور دور تک پھیل گئے۔ محمد دھوبی نے اس کے لیے ایک

عالمشان محل تعمیر کرایا اور باغ بنوایا جس میں قسم قسم کے پھل دار درخت اور پھولوں کے پودے تھے۔ سسی ان حالات میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ انتہائی خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی۔

اس دور میں باہر سے تجارت کے لیے آنے والے قافلے بھنبھور اور ٹھٹھ سے گزر کر آگے جاتے تھے۔ کچھ مکران سے اکثر قافلوں کا ادھر آنا جاننا ہوتا تھا اور واپسی پر قافلے والے اپنے علاقے میں سسی کے حُسن اور محمد دھوبی کی مہمان نوازی کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ اسی طرح کے ایک قافلے کے کچھ لوگوں نے کچھ مکران کے ایک سردار آری جام کے سب سے چھوٹے بیٹے پنوں سے سسی کے حسن کا ذکر کر دیا اور اس انداز میں کیا کہ پنوں سسی کو دیکھنے کے لیے بے تاب ہو گیا۔ پنوں کا اصل نام بھی پونم تھا جس کا مطلب ہے چاند۔ طے پایا کہ ایک ایسا قافلہ تیار کیا جائے جو مشک و عنبر لے کر بھنبھور جائے۔ پنوں کو یہ تجویز پسند آئی اور جب شہزادہ پنوں ایک بیوپاری کی حیثیت سے بھنبھور پہنچا تو سارا شہر معطر ہو گیا۔ خبر پھلتی ہی سسی بھی وہاں جا پہنچی جہاں قافلہ ٹھہرا تھا۔ پنوں نے جب سسی کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ادھر سسی کا بھی یہی حال ہو گیا۔ دونوں گھائل ہوئے اور ایک دوسرے کے بغیر ان کا جینا مشکل ہو گیا۔ سسی نے سہیلیوں سے مل کر منصوبے بنانے شروع کر دیئے اور اپنی ماں کو قائل کر لیا۔ ذات پات کا سلسلہ اڑے آنے لگا تو سسی کے ماں باپ کو بتایا گیا کہ پنوں کا روبرو عطر و عنبر کا کرتا ہے مگر ذات کا دھوبی ہے۔ محمد دھوبی نے امتحان لینے کے لیے کپڑوں کا ایک گٹھڑ پنوں کو دیا اور کہا اسے گھاٹ سے دھولاؤ۔ پنوں نے یہ کام کہاں کیا تھا مگر عشق کے ہاتھوں مجبور ہو کر گھاٹ پر چلا گیا۔ کپڑے دھوتے ہوئے اس کے ہاتھ پاؤں تھک گئے اور کپڑے بھی پھٹ گئے۔ سسی کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس نے کہا فکر نہ کرو۔ کپڑے تہ کرتے ہوئے ہر کپڑے کی ایک تہ میں سونے کی ایک اشرفی رکھ دو تا کہ جن لوگوں کے کپڑے پھٹ گئے ہیں انہیں کوئی اعتراض نہ ہو۔

پنوں نے ایسا ہی کیا اور کپڑے مالکوں تک پہنچا دیئے گئے۔ ظاہر ہے کسی نے بھی اعتراض نہ کیا بلکہ الٹا خوش ہوئے کہ انہیں نئے کپڑوں کے پیسے مل گئے ہیں۔ ادھر محمد دھوبی کو بھی پنوں کی ذات کے بارے میں یقین ہو گیا کہ یہ واقعی دھوبی ہے چنانچہ اس نے یہ رشتہ قبول کر لیا۔ اسی اثنا میں ایک اڑچن آپڑی۔ ایک سنارن پنوں کو دل دے بیٹھی اور عشق میں پاگل ہو کر اس نے یہ سازش بنائی کہ پنوں کو جا کر شکایت لگا دی کہ سسی کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے اور وہ تیرے لائق نہیں ہے۔ اس زمانے کا رواج تھا کہ جب کسی پر الزام لگا دیا جاتا تھا تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے اسے دہکتے کوئلوں پر سے گزرنا پڑتا تھا۔ سسی کو بھی دہکتے کوئلوں پر سے گزرنا پڑا اور جب وہ صحیح سلامت گزر گئی تو اس کے باپ نے دھوم دھام سے شادی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

اس شادی میں پنوں کے ساتھ آئے ہوئے اس کے ساتھیوں نے بھی شریک ہو کر خوشیاں منائیں۔ ان کا خیال تھا شادی کرنے کے بعد پنوں سسی کو ساتھ لے کر کچھ مکران چلا جائے گا مگر اس نے وطن جانے کا خیال سرے ہی سے ترک کر دیا اور بھنجور میں مستقل قیام کر کے بیٹھ گیا۔

قافلے میں پنوں کا ایک بھائی چنزو بھی شامل تھا، اس نے بھی بھائی کو بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر مجبور ہو کر قافلے والے واپس مکران چلے گئے اور وہاں جا کر چنزو نے اپنے باپ آری جام کو صورتحال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ پنوں نے وہاں سسی سے شادی کر لی ہے اور وہیں رہ گیا ہے، باپ نے یہ سنا تو بہت پریشان ہوا۔ اس کی جدائی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔ اس نے اسی وقت ایک قاصد بھنجور کی طرف روانہ کیا اور پنوں کو پیغام بھیجا کہ فوراً واپس وطن آجائے۔ قاصد جب یہ پیغام لے کر بھنجور پہنچا تو اس نے دیکھا پنوں وہاں ایک گھاٹ پر دوسرے دھویوں کے ساتھ کپڑے دھو رہا ہے۔ اس نے اسے باپ کا پیغام پہنچایا لیکن پنوں نے واپس جانے سے صاف انکار کر دیا۔ قاصد بیچارہ کیا کر سکتا تھا؟ اس نے جب واپس آ کر آری جام کو حالات سے آگاہ کیا تو اس کے ہوش جاتے رہے۔ بڑھاپے میں اسے پیارے بیٹے کی جدائی برداشت کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ اس کے غم میں اس طرح نظر آنے لگا تھا جیسے برسوں کا بیمار ہو۔ وہ دن رات پنوں کی یاد میں آنسو بہاتا رہتا تھا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر پنوں کے تینوں بھائی چنزو، ہوتی اور نوتی نے آپس میں مشورہ کیا اور پھر ایک روز انتہائی تیز رفتار اونٹوں پر سوار ہو کر بھنجور کی طرف چل دیئے۔ جب وہ بھنجور پہنچے تو پنوں اور سسی نے ان کا بڑی گرم جوشی سے استقبال کیا۔

تینوں بھائیوں کی خوب آؤ بھگت ہوئی اور ان کی آمد کی خوشی میں جشن منایا گیا۔ ان کی مہمان نوازی کے لیے روزانہ نئے سے نئے پکوان تیار ہوتے اور ہر رات محفل سجتی تاہم وہ جب بھی موقع پاتے تینوں پنوں کو سمجھاتے اور باپ کی حالت بتاتے کہ وہ تمہارے غم میں سوکھ کر کاٹا ہوا اجارہا ہے اور اگر تم واپس نہ گئے تو باپ کا زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا مگر ان کی یہ ساری کوششیں بیکار ثابت ہوئیں۔ پنوں نے بھائیوں سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی امید چھوڑ دیں اور باپ سے بھی کہہ دیں وہ مجھے بھول جائے۔

ایک رات معمول کے مطابق محفل جھی ہوئی تھی اور تینوں بھائی پنوں کے ساتھ ناؤ نوش میں مصروف تھے۔ وہ آپس میں باتیں کرتے ہوئے رات دیر تک مست رہے۔ اس وقت پنوں کے بھائیوں نے یہ ہوشیاری کی کہ خود تو بہت کم پی رہے تھے مگر پنوں کو پیالے بھر بھر کر دے رہے تھے۔ اس طرح پیتے پلاتے بہت رات گزر گئی۔ دوسری جانب سسی پنوں کا انتظار کرتے کرتے تھک کر سو گئی۔ اس وقت تک پنوں کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسے ہوش تک نہ تھا۔

بنوں کے بھائیوں نے اپنے تیز رفتار اونٹوں کو بالکل تیار رکھا ہوا تھا اور ان پر پالان وغیرہ پہلے ہی سے کسے ہوئے تھے لہذا بڑی تیزی سے تینوں نے بنوں کو اٹھایا اور ایک اونٹ پر سوار کر کے خود بھی اونٹوں پر سوار ہو کر مکران کی طرف دوڑ پڑے۔

ادھر جب صبح سسی کی آنکھ کھلی اور اس نے دیکھا کہ بنوں وہاں نہیں ہے تو یکایک اسے خیال آیا کہ بنوں کو اس کے بھائی انگو کر کے لے گئے ہیں۔

یہ خیال آتے ہی وہ پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی ادھر ادھر بھاگنے لگی اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر دیوانوں کی طرح مکران کی طرف دوڑنے لگی۔ اسے نہ یہ پتا تھا کہ کہاں جا رہی ہے اور نہ یہ جانتی تھی کہ اسے کہاں جانا ہے؟ وہ پاگلوں کی طرح بنوں بنوں پکار رہی تھی حتیٰ کہ صحرا کی تپتی ریت دوپہر کو آگ برسانے لگی پھر بھی وہ ہانپتی کانپتی دوڑتی جا رہی تھی۔ تقریباً چالیس کوس تک بھاگنے کے بعد وہ پب کی پہاڑیوں میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ پیاس کی شدت سے وہ چلتے چلتے غش کھا کر گر پڑی اور پانی پانی پکارنے لگی۔ اس موقع پر قدرت کو اس پر رحم آگیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس نے جلدی سے پانی پی کر اپنی پیاس بجھائی اور تازہ دم ہو کر پھر سے اپنے ان جانے سفر پر روانہ ہو گئی۔ روایت بیان کی جاتی ہے کہ وہ چشمہ چھوٹے تالاب کی صورت میں آج تک وہاں موجود ہے جو ہمیشہ پانی سے بھر رہا ہے اور کبھی خشک نہیں ہوتا۔

سسی ابھی چھ سات کوس پہاڑی راستہ مزید چلی تھی کہ اس کے پاؤں بری طرح زخمی ہو گئے۔ وہ اس پہاڑی راستے میں ماری ماری پھر رہی تھی کہ ایک چرواہا دور سے اسے دیکھ کر اس کے قریب آگیا۔ سسی نے اسے دیکھتے ہی بے تابی سے پوچھا۔

”تم نے میرا بنوں تو نہیں دیکھا؟“

چرواہا اسے دیکھتے ہی بدنیت ہو چکا تھا۔ وہ جواب میں مسکراتے ہوئے بولا۔

”تم ایک بنوں کو ڈھونڈ رہی ہو۔ اس دنیا میں تو ہر شخص بنوں ہے۔“

اس نے سسی کو بری نیت سے اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن سسی اس کا ارادہ بھانپ گئی تھی۔ اس نے چرواہے سے کہا اے بے درد انسان! میں پیاس سے مری جا رہی ہوں اور تو مجھ پر فریفتہ ہو رہا ہے۔ تجھے خدا کا خوف کرنا چاہیے اور پہلے میری پیاس بجھانی چاہیے!

چرواہا سسی کی یہ بات سن کر بھاگ بھاگ اپنے گلے کے پاس گیا تاکہ اس کے لیے کچھ دودھ لائے۔ اس نے سوچا تھا، اگر میں نے اس کی پیاس بجھانے کا بندوبست کر دیا تو یہ میری پیاس بجھانے پر راضی ہو جائے

گی۔ جو نہی وہ اپنے گلے کی طرف گیا تو بد قسمت سسی نے بے بسی کے عالم میں اللہ کو یاد کر کے دعا کی کہ میں پنوں کی امانت ہوں، میری پاک دامنی پر حرف نہ آئے۔ اس ویرانے میں تو ہی میری فریاد سننے والا ہے۔“

بے بس اور بے کس سسی کی دعا اللہ نے قبول کر لی، اسی وقت ایک چٹان میں شکاف پیدا ہو گیا، سسی اس میں سما گئی اور شکاف پھر سے بند ہو گیا۔ اتفاق سے اس کے پلو کا کچھ حصہ باہر رہ گیا تھا۔ جب چرواہا دودھ لے کر واپس آیا تو وہاں سسی کو نہ پا کر بڑا پریشان ہوا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا اور جب اس کی نظر اس پتھر پر پڑی جس میں وہ سمائی تھی تو یہ عبرتناک منظر دیکھ کر وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو گیا۔ اس نے سسی کی آخری آرام گاہ کی نشاندہی کے لیے اس کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے پتھروں کا حصار سا بنا دیا تاکہ دیکھنے والوں کو پتہ چل جائے کہ یہاں کسی کی قبر ہے۔

دوسری طرف بھائی پنوں کو اپنے باپ کے پاس لے جا چکے تھے مگر ہوش آنے پر پنوں سسی سسی پکارنے لگا اور دیوانہ وار بھاگنے کی کوششیں کرنے لگا۔ باپ نے یہ دیکھا تو ڈر گیا کہ کہیں سسی کی جدائی میں یہ جان سے ہی ہاتھ نہ دھو بیٹھے چنانچہ اس نے بھائیوں کے ہمراہ اسے بھنبھور بھیج دیا تاکہ یہ جا کر سسی کو بھی ساتھ ہی لے آئیں۔

جب یہ لوگ اس جگہ کے قریب پہنچے جہاں سسی سمائی تھی تو پنوں کو کسی غیبی آواز نے روک لیا۔ اس نے اونٹ کی مہار کھینچ لی اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اچانک اس کی نظر اس تازہ قبر پر پڑی جس میں سے پلو باہر نکلا ہوا تھا۔ اتفاق سے عین اس وقت وہ چرواہا بھی وہاں آ نکلا جس نے سسی کی قبر بنائی تھی۔

پنوں کے پوچھنے پر جواب میں چرواہے نے روتے ہوئے اسے ساری کہانی سنا ڈالی اور بتایا کہ اس طرح ایک خوبصورت عورت پنوں پنوں پکارتی ہوئی یہاں آئی تھی، اس بد نصیب کی بہت بری حالت تھی اور یہ قبر اسی کی ہے جس کے دوپٹے کا پلو باہر رہ گیا ہے۔ مرتے وقت بھی اس کے لبوں پر پنوں کا نام تھا اور وہ اسی کو ڈھونڈتی ہوئی موت کے منہ میں چلی گئی۔ پنوں نے جب چرواہے سے یہ سنا تو بے اختیار رونے لگا۔ پھر اس نے بھائیوں کے پاس جا کر ان سے کہا۔

”تم لوگ تھوڑی دیر ٹھہرو، میں اس قبر پر فاتحہ پڑھ لوں۔“

اس کے بعد وہ قبر پر آیا اور آسمان کی طرف نظریں اٹھا کر دعا مانگی کہ اے خدا مجھے میری سسی سے ملا دے!“

دعا کا مانگنا تھا کہ اچانک چٹان میں پھر سے شکاف پڑ گیا اور وہ سسی سسی پکارتا ہوا اس میں سما گیا۔ چٹان کا شکاف پھر سے بند ہو گیا اور اس طرح دو سچے پیار کرنے والے ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لیے مل

گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر پنوں کے تینوں بھائی حیرت میں ڈوب گئے۔ وہ کچھ دیر تک وہاں کھڑے آنسو بہاتے رہے، پھر واپس مکران کی جانب چل دیے۔

روایت ہے کہ ملتان کا ایک اسماعیل نامی درویش ان دونوں سچے عاشقوں کی زیارت کے لیے آیا اور اپنے اونٹ کو دور چھوڑ کر ان کے دیدار کی آرزو میں تین دن بھوکا پیاسا بیٹھا رہا۔ تین روز کے بعد ایک بوڑھی عورت چند روٹیاں اور تھوڑا پانی لے کر ظاہر ہوئی۔ درویش نے اس سے کہا۔

”جب تک میں سسی اور پنوں کو نہ دیکھوں گا، تب تک ہر گز کچھ نہ کھاؤں پیوں گا۔“

جواب میں بوڑھی بولی۔

”سسی تو میں ہوں لیکن تم پنوں کو دیکھنے کا خیال چھوڑ دو کیونکہ زمانے کا کوئی بھروسا نہیں ہے۔ میں تو دیوروں کی ستائی ہوئی ہوں۔“

درویش کہنے لگا۔

”مجھے یہ کیسے یقین ہو کہ تم ہی سسی ہو۔؟ سسی تو حسین اور نوجوان تھی اور تم بوڑھی عورت

ہو۔؟“

جیسے ہی درویش نے یہ کہا تو بوڑھی عورت نے فوراً اپنے آپ کو اصلی اور جوان روپ میں ظاہر کیا اور درویش سے بولی۔

”اب تو تم کچھ کھا لو۔!؟“

لیکن درویش نے پھر کہا۔

”جب تک میں تم دونوں کو نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک ہر گز کچھ نہ کھاؤں پیوں گا، خواہ میں بھوکا

پیاسا ہی کیوں نہ مر جاؤں۔“

آخر بڑے رد و کد کے بعد سسی نے لحد میں جا کر پنوں کو کمر تک باہر نکالا مگر اس نے اسے دونوں ہاتھوں سے اپنی گرفت میں لیے رکھا تا کہ پہلے کی طرح پھر کوئی اسے نہ لے جائے۔

مرزا صاحبان

یہ مغل بادشاہ شاجہان کے عہد کا قصہ ہے۔ جھنگ کے شمال میں تقریباً بارہ میل کے فاصلے پر کھیوا کے نام سے چدھڑ سیالوں کا ایک قصبہ آباد تھا جن کا سربراہ سردار کھیوا خان ایک بڑا زمیندار تھا۔ اس کی بیٹی صاحبان کے دو بڑے بھائی شمیر خان اور میر خان اپنے علاقے میں دلیری اور بہادری کے حوالے سے مشہور

تھے۔ کھیوا سے ساٹھ پینٹھ میل کے فاصلے پر دریائے راوی کے کنارے ایک اور قصبہ دانا آباد کے نام سے معروف تھا جہاں پر مقیم کھل جاٹوں کے سردار کا نام و کجھل تھا۔ مرزا خان اسی کا بیٹا تھا جو اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ بہادری اور خوبصورتی کے حوالے سے مرزا کا بھی پورے علاقے میں چرچا تھا۔ سردار کھیوا خان کی سگی بہن و کجھل سے بیاہی ہوئی تھی اس طرح مرزا خان، صاحبان کی پھوپھی کا بیٹا تھا اور صاحبان، مرزا کے ماموں کی بیٹی۔ مرزا سب میں چھوٹا اور انتہائی خوبصورت ہونے کی وجہ سے ہر ایک کا چہیتا تھا چنانچہ اس لاڈ پیار نے بچپن میں ہی اسے خاصا خود سر کر دیا تھا۔ ایک روز مرزے کے والد نے اپنی بیوی سے مشورہ کے بعد اسے سردار کھیوا خان کے پاس بھیج دیا۔ میاں بیوی کا خیال تھا کہ وہاں رہ کر یہ پڑھ لکھ بھی جائے گا اور کینڈے میں بھی آجائے گا۔ سردار کھیوا بھی اس کی آمد پر خوش تھا چنانچہ اس نے دونوں بچوں یعنی مرزا اور صاحبان کو مسجد میں پڑھنے کے لیے ڈال دیا۔ دونوں ایک ساتھ پڑھ اور بڑھ رہے تھے کہ رفتہ رفتہ ان میں پیار محبت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور جوان ہونے تک دونوں ایک ساتھ جینے مرنے کا اقرار کر چکے تھے۔ یہ بات زیادہ دیر تک چھپی نہ رہی چنانچہ کھیوا خان نے بیوی سے مشورہ کر کے مرزا کو واپس دانا آباد بھجوا دیا اور جلدی سے اپنے قبیلہ کے ایک نوجوان طاہر خان سے صاحبان کی سگائی کر دی۔ ہر چند کہ مرزا اور صاحبان کی بچپن میں ہی آپس میں منگنی کر دی گئی تھی مگر عشق کو زمانہ کب برداشت کرتا ہے۔ مرزا دانا آباد جا چکا تھا تاہم دونوں کے دل سے ایک دوسرے کا خیال نکلا نہیں تھا اور اب بھی وہ ایک دوسرے کے لیے زندہ تھے۔

بالآخر صاحبان کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تو اسے شدید پریشانی لاحق ہوئی اور اس نے ایک بوڑھے دکاندار کر موبر ہمن کے ہاتھ مرزا کو پیغام بھیجا کہ فوراً پہنچو ورنہ دیر ہو چکی ہوگی۔ مرزے نے جب صاحبان کی شادی کی بات سنی تو اسی وقت اپنی گھوڑی جو بکی اور نیلی کے نام سے مشہور تھی، پر زین کسی اور عازم سفر ہونے لگا، حالانکہ ایک روز بعد اس کی سگی بہن چھتی کی شادی تھی۔ اس کی ماں، بہن اور باپ نے بہت سمجھایا مگر وہ نہ مانا۔ اس نے کہا کہ صاحبان میری منگیتر ہے لہذا میری غیرت کسی صورت گوارا نہیں کر سکتی کہ وہ کسی اور کی ہو جائے۔ اس موقع پر ناچار ہو کر اس کے باپ نے کہا کہ ٹھیک ہے اب اگر تم اکیلے جا رہے تو کھولوں کی لاج رکھتے ہوئے اکیلے مت آنا صاحبان کو ہر صورت ساتھ لے کر آنا۔

مرزا اپنی برق رفتار بگی پر سوار ہو کر صاحبان کے گاؤں پہنچتے ہی سب سے پہلے سیدھا اپنی خالہ بیبے کے گھر گیا اور اسے سارا قصہ سنا کر اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔ بیبے پہلے ہی یہی چاہتی تھی چنانچہ وہ سیدھی

صاحبان کے پاس گئی اور صاحبان بھیس بدل کر اس کے ہمراہ اس کے گھر آگئی جہاں مرزا اور صاحبان کی تفصیلی ملاقات ہوئی اور آدھی رات کو بھاگ نکلنے کا پروگرام بن گیا۔

رات کو طے شدہ وقت پر مرزا اپنی گھوڑی لے کر کھیواخان کی حویلی کے پچھوڑے جا پہنچا جہاں سے صاحبان وقتی طور پر لگائی گئی سیڑھی کے ذریعے آہستہ آہستہ نیچے اُتری اور مرزے کی بگی پر بیٹھ کر ہوا ہو گئی۔ یہاں پر کہانی میں ذرا سا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک Version یہ ہے جو زیادہ قرین قیاس ہے کہ مرزا وقتی طور پر لگائی گئی اس سیڑھی کے راستے خود اوپر کی منزل میں صاحبان کے کمرے میں جا پہنچا اور وہاں تادیر راز و نیاز ہوتا رہا۔ اس موقع پر صاحبان بار بار یہ کہتی رہی کہ وقت بہت کم ہے فوراً نکل چلو تا کہ ہم پو پھٹنے سے پہلے پہلے دانا آباد یعنی اپنے محفوظ قلعے میں پہنچ جائیں کیونکہ میرے بھائی اور خاندان والے ہمارا پیچھا ضرور کریں گے اور اگر ہم لیٹ ہو گئے تو راستے میں ہی دھر لیے جائیں گے مگر مرزا، شانزو فریز یا کاشکار تھا یا کوئی اور مقصد اس کے پیش نظر تھا، ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا گویا اس پر سستی اور غنودگی طاری تھی۔ بالآخر جب یہ دونوں اس کمرے سے نیچے اتر کر بھاگے تو رات کافی بیت چکی تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد پھر مرزے کو سونے کا خیال آ گیا اور اس نے صاحبان کی منت سماجت اور مدلل حجت کے باوجود راستے میں ہی جنڈ کے درخت کے نیچے سونے کو ترجیح دی اور بصد منت وہ ہزار اصرار اور ایک طرح سے بالجبر بعد از تکرار در تکرار گھوڑی سے اتر کر درخت کے نیچے صاحبان کے زانو پر سر رکھ کر سو گیا۔ اس موقع پر مرزا چند لمحوں کے لیے گہری نیند سونے کو ترجیح دیتا ہے جبکہ صاحبان جاگ رہی ہے اور اس کا دل دھک دھک دھڑک رہا ہے کیونکہ اس کے وسوسے حقیقت پسندانہ ہیں اور بالآخر صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ مرزا جو اتنا بہادر، دلیر اور انتھک تھا اس موقع پر تھک کیوں گیا یہ ایک سوال ہے جس کے صرف دو جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ دانا آباد سے روانگی سے لے کر صاحبان کو بھگا لانے تک 48 گھنٹوں سے زیادہ وقت بنتا ہے جس میں غالباً مرزے نے ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ نہیں لگائی اور دوسرا جواب وہی ہو سکتا ہے جو ایک عام آدمی بھی بہ آسانی سمجھ سکتا ہے۔

اس موقع پر صاحبان کو اپنے بھائیوں کا خیال بھی آتا ہے جو اتنے ہی بہادر تھے جتنا مرزا۔ اب ایک طرف مرزے سے اس کا عشق تھا اور دوسری طرف بھائیوں سے محبت۔ نتیجتاً اس نے مرزے کا ترکش جنڈ کی اوپر کی شاخ پر پھینک کر لٹکا دیا۔ بالآخر وہی ہوا جو صاحبان سوچ رہی تھی۔ سیالوں کا قافلہ اور صاحبان کے بھائی گھوڑے دوڑاتے ہوئے سر پر آ پینچے۔ مرزا نیند سے اٹھا مگر اس کے پاس ترکش ندارد۔ بہر حال اس نے ہمت کر کے تیر اندازی کے ذریعے مقابلے کی کوشش کی مگر مخالفین کے تیروں کی بارش نے دونوں کو وہیں

پر سلا دیا۔

یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر صاحبان مرزے کے ترکش جنڈ پر نہ پھینک دیتی تو کیا وہ اکیلا اتنے بڑے غنیم کا مقابلہ کر سکتا تھا جن میں سے ہر فرد کے پاس ترکش تھا اور بالخصوص صاحبان کے دونوں بھائی اس کے برابر کے تیر انداز تھے۔ حقیقت بیانی اس کی تصدیق نہیں کرتی اور اس موقع پر مرزا کا صاحبان کو گلے کے انداز میں یہ کہنا کہ ”برا کیتو ای صاحبان میرا ترکش ٹنگیا ای جنڈ“ — اس لیے بے معنی سا لگتا ہے کہ اگر ترکش جنڈ پر نہ بھی ٹنگا ہوتا پھر بھی مرزے اور صاحبان کی موت یقینی تھی۔ فرق صرف اتنا پڑتا کہ مرزے کے تیر سے اب تو صرف شمیر ہلاک ہوا تھا دوسری صورت میں شاید سیالوں کے دس بیس افراد مارے جاتے۔

کہا جاتا ہے کہ جب مرزے کی موت کی خبر دانا آباد پہنچی تو اس کے چچا ابراہیم نے انتقام کی غرض سے کھڑوں کو جمع کیا اور چدھڑوں اور سیالوں پر پوری قوت سے حملہ کر کے کھیو اور جھنگ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور بعد میں مرزا خان اور صاحبان کی لاشیں لا کر کھڑوں کے علاقے میں دفن کیں۔

سیف الملوک

[سیف الملوک ایک انتہائی پُر پیچ عشقیہ داستان ہے جو مافوق الفطرت فضا میں مکمل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند کی تحقیق کے مطابق (اردو کی نثری کتابیں) جب الف لیلیٰ میں اردو کہانیوں کا اضافہ ہے تو یہ کہانی بھی اس میں شامل کر لی گئی۔ سب سے پہلے یہ کہانی ترکی میں لکھی گئی۔ فارسی میں پہلی مرتبہ محمد عمر نے اسے مثنوی کے انداز میں پیش کیا جسے بعد ازاں منصور علی نے بحر عشق کے نام سے 1803ء میں نثر میں پیش کیا۔ 1625ء میں دکنی شاعر ملا غواصی نے دکنی زبان میں اسے نظم کیا۔ اسی طرح دیگر کئی زبانوں میں یہ کہانی نثر اور نظم میں پیش کی گئی۔ پنجابی میں احمد یار گجراتی کے علاوہ دیگر بے شمار شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی تاہم میاں محمد بخش نے اسے بام عروج پر پہنچایا۔

میاں محمد بخش ”سفر العشق“ یعنی شہزادہ سیف الملوک اور پری بدیع الجہال کی داستان کے آغاز میں بتاتے ہیں کہ غزنی شہر میں ایک بادشاہوں کا بادشاہ رہتا تھا جو پرہیزگار، منصف مزاج اور سخی طبیعت تھا۔ اُس کا نام محمود (غالباً سلطان محمود) تھا۔ اسے داستانیں سننے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن اسے معلوم ہوا کہ ملک شارتان میں ایک باغ ارم ہے جہاں پری زادر رہتے ہیں۔ وہاں کے بادشاہ شاہ پال کی بیٹی بدیع الجہال پر مصر کے سلطان عاصم بن صفوان کا بیٹا سیف الملوک عاشق ہو گیا ہے اور وہ بادشاہی اور گھر بار چھوڑ کر دیوانہ وار اسے پانے کی تمنائے کر چل نکلا ہے۔ شہزادہ چونکہ مقصد میں کامیاب ٹھہرا تھا اس لیے محمود کو اس قصہ کی تفصیلات جاننے کا شوق پیدا ہوا۔ بادشاہ کی قصہ جاننے کی شدید خواہش کو دیکھ کر وزیر اعظم حسن میندی نے اس سے قصے کی تلاش کے لیے وقت مانگا اور خراسان کی طرف روانہ ہوا اور پھر تا پھر اتاجب ملک روم پہنچا تو وہاں کے بادشاہ نے اسے ایک حضور صورت بوڑھے کا پتہ دیا۔ بزرگ نے وزیر کو بتایا کہ وہ ایک بار دمشق گیا تھا تو وہاں شاہی

دربار میں سیف الملوک اور بدیع الجمال کا قصہ پڑھا جا رہا تھا چنانچہ حسن میمندی بھی دمشق جا پہنچا۔ بادشاہ سے ملنے کی راہ نکالی اور یہ جان کر مطمئن ہوا کہ یہ قصہ بادشاہ کے پاس ہے مگر یہ سن کر افسوس بھی ہوا کہ بادشاہ یہ قصہ کسی کو نہیں دکھاتا اور جس کتاب میں یہ قصہ درج ہے اس کا نام زبدۃ الجواب ہے جو ”مجمع الحکایات“ نامی ضخیم کتاب کا حصہ ہے اور وہ صرف رمضان کے مہینے میں کھولی جاتی ہے اور چند خاص لوگوں کے علاوہ اس قصے کو اور کوئی نہیں سن سکتا۔

حسن میمندی نے قصہ سننے کا اظہار کیا تو شاہ دمشق نے جواب دیا کہ زبدۃ الجواب رمضان میں کھلے گی اور تب ہی وہ یہ قصہ سن سکتا ہے۔ ساتھ ہی اس کا شوق بڑھانے کے لیے کہنے لگا کہ قصہ سننے کے بعد تیری رگ رگ میں خوشی سما جائے گی اور تیری ہر مشکل آسان ہو جائے گی چنانچہ میمندی کو رمضان مبارک تک وہیں رکنا پڑا۔ اس دوران اس نے دو تیز لکھنے والوں کو انعام و اکرام کا لالچ دے کر قصہ پڑھے جانے پر اسے لکھنے کا کہا چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور تمام قصہ نقل کر لیا۔ میاں محمد بخش قصہ کے بارے میں اتنا بتانے کے بعد پھر اس قصے کو الف سے ی تک جس طرح بیان کرتے ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے۔ مُرتَّب [

○

عاصم بن صفوان مصر کا بادشاہ تھا۔ چالیس ریاستوں پر اس کی حکمرانی تھی اور وہ باسٹھ سال تک بے اولاد رہا۔ آخر ایک دن بادشاہ عاصم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خلوت نشینی اختیار کر گیا۔ اسے اپنی بے اولادی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ بادشاہ کے گوشہ نشینی اختیار کرنے پر ایک دن اس کے قریبی وزیر صالح ابن حمید نے دوسرے وزیروں کو اکٹھا کیا اور ان کے مشورے سے بادشاہ کے پاس جا کر غمگین ہونے کی وجہ پوچھی۔ بادشاہ نے حال دل سنایا تو وزیر نے تمام نجومیوں کو بلا لیا اور ان سے تدبیر کرنے کو کہا جنہوں نے حساب لگا کر بتایا کہ اگر بادشاہ سلامت شاہ بدخشاں کی بیٹی سے شادی کر لیں تو اس کے بطن سے ایک طویل العمر نیک شہزادہ پیدا ہوگا۔

یہ خوشخبری ملتے ہی بادشاہ تخت پر آ بیٹھا اور اپنے وزیر صالح ابن حمید کو تحفے تحائف دے کر رشتہ لینے کے لیے بھیج دیا۔ شاہ بدخشاں نے سات دن ان کو وہاں ٹھہرایا اور خوب خاطر مدارت کرنے کے بعد شہزادی کا رشتہ بادشاہ عاصم کو دے دیا اور بہت سی قیمتی چیزوں اور ایک خوبصورت سہیلی کے ساتھ شہزادی کو مصر بھیج دیا جہاں بادشاہ نے دھوم دھام سے شادی کی۔ وزیر صالح ابن حمید نے شہزادی کی سہیلی دیکھی تو اس کا دل اس پر فریفتہ ہو گیا چنانچہ اس کی شادی اس کی سہیلی سے کر دی گئی۔ اگلے سال بادشاہ اور وزیر کے ہاں ایک ہی روز دو خوبصورت فرزند پیدا ہوئے۔

اس موقع پر دوسرے ملکوں کے بادشاہوں نے بادشاہ عاصم کو بیش قیمت تحفے بھیجے جن میں یمن کے بادشاہ نے سیف جمشیدی کا تحفہ بھیجا۔ عاصم شاہ کو سیف جمشیدی کا تحفہ اتنا پسند آیا کہ اس نے شہزادے

کانام ”سیف الملوک“ رکھ دیا یعنی ”بادشاہوں کی تلوار“ اور وزیر نے اپنے بیٹے کا نام پیدا انش کی نیک ساعت کی مناسبت سے صاعد رکھ دیا۔

دونوں کی پرورش کے لیے شہر سے باہر کھلی فضا میں ایک خوبصورت باغ مختص کیا گیا جہاں شہزادے اور وزیر زادے کی پرورش کی گئی اور انہیں ہر طرح کا علم و فن سکھایا گیا۔ یہ سلسلہ چودہ سال تک جاری رہا۔ شہزادہ سیف الملوک وزیر زادے صاعد سے قابلیت میں کچھ زیادہ تھا۔ جب شہزادہ چودہ سال کا ہوا تو اس نے اس باغ میں اپنے باپ اور اس کے تمام امراء و وزراء کی دعوت کا اہتمام کیا اور طرح طرح کے عمدہ کھانوں کا انتظام کیا۔ بادشاہ عاصم شاہ اپنے بیٹے کی عقل و ذہانت سے بہت خوش ہوا اور اسے بہت سے قیمتی تحائف دیے۔ ان تحائف میں ایک خوشنما سنہری ڈبہ بھی تھا جو حضرت سلیمانؑ نے صفوان بادشاہ جو کہ سیف الملوک کا دادا تھا، کو تحفے میں دیا تھا اور ساتھ تاکید کی تھی کہ یہ تم اپنے پوتے کو دینا۔ بادشاہ صفوان نے تاج پوشی کے وقت وہ ڈبہ اپنے بیٹے عاصم کو دیا اور عاصم نے یہ امانت اپنے بیٹے سیف الملوک کو دے دی۔ رات کو سیف الملوک اٹھا اور اس نے وہ ڈبہ کھول کر دیکھا تو اس میں بہت سے قیمتی تحائف تہ در تہ رکھے ہوئے تھے۔ اس میں دو خوبصورت رومال بھی تھے جن میں ایک پر نسوانی تصویر تھی اور دوسرے پر مردانہ تصویر تھی۔ نسوانی تصویر کو دیکھتے ہی شہزادہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا۔ وہ تصویر ایک خوبصورت پری نما شہزادی کی تھی۔ شہزادہ غش کھا کر بے ہوش ہو گیا اور جب ہوش آیا تو اس نے دوسری تصویر دیکھی جو اس کی اپنی تھی۔ شہزادے نے جب دوبارہ اس نسوانی تصویر کو دیکھا تو بے حال ہو گیا۔ اسے یوں لگا جیسے کسی پچھلے جنم میں یہ لڑکی اس کی محبوبہ تھی اور کسی مصور نے ان کی اکٹھی تصویر بنائی ہے۔ صبح جب صاعد اٹھا تو اس نے شہزادے کو ہر جگہ تلاش کیا لیکن شہزادہ نہ ملا۔ آخر وہ باغ میں گیا تو دیکھا کہ شہزادہ بے ہوش پڑا تھا۔ اس نے اسے دیکھا، ہلایا جھلایا لیکن شہزادے کو ہوش نہ آیا۔ وہ رونے دھونے لگا اور بات بادشاہ تک جا پہنچی۔ بادشاہ نے جب شہزادے کی یہ حالت دیکھی تو تمام طبیب حکیم، جادوگر بلا لیے۔ سب نے اپنا اپنا زور لگایا لیکن شہزادے کو ہوش نہ آیا۔ ایک نجومی نے حساب لگا کر بتایا کہ اسے عشق ہو گیا ہے اور اب یہ اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کے لیے سفر کرے گا۔ تین دن اور تین رات شہزادہ بے ہوش رہا۔ چوتھے دن صاعد آیا اور اس نے کہا کہ تمام لوگ یہاں سے چلے جائیں۔ مجھے رات ایک خواب آیا ہے چنانچہ وہ شہزادے کے پاس آیا اور اس نے اسے ایک کہانی سنائی شروع کی۔

صاعد نے سات دفعہ یہ کہانی سنائی۔ آخر کار شہزادہ ہوش میں آ گیا اور اس نے صاعد کو پوری بات سے آگاہ کیا۔ صاعد نے کہا کہ میں بادشاہ سلامت سے شاہ مہرے پر بنی تصویر کی بات کرتا ہوں۔ بادشاہ کو پتہ

چلا تو اس نے بیٹے کو تسلیاں دیں اور کہا کہ میں پوری دنیا میں ایسی نسوانی صورت تلاش کر اؤں گا لیکن تم ہوش کرو۔ ہو سکتا ہے یہ صرف تصویر ہی ہو۔ دشمن طعنے دیں گے۔ شہزادہ باپ کی نصیحتیں سن کر بولا کہ ابا حضور آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میرے بھلے کے لیے کہہ رہے ہیں لیکن جو کچھ ہونا ہو، ہو کے رہتا ہے۔

شہزادے نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے ان تحفوں کی کہانی سنائیں تو شاید مجھے کچھ سکون ملے۔ بادشاہ نے بتایا کہ ایک دن حضرت سلیمانؑ کے دربار میں حضرت یوسفؑ کی خوبصورتی کا قصہ چل پڑا۔ حضرت سلیمانؑ نے دریافت کیا کہ حضرت یوسفؑ جتنا کوئی خوبصورت ہو گا؟ عجائز نامی پری جو ایک عالمہ تھی اس نے بتایا کہ آپ کی نسل سے بدلیج الجمال نام کی ایک شہزادی پیدا ہوگی جو شاہ پال بن شاہ رخ کی بیٹی ہوگی وہ خوبصورتی میں حضرت یوسفؑ سے قریب تر ہوگی اور اس پری زاد کے حسن کا چرچا دور دور تک ہو گا اور وہ بارغ ارم میں ہوگی۔ مصر کا ایک شہزادہ سیف الملوک جو صفوان کا پوتا ہو گا اس پر عاشق ہو جائے گا اور اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جائے گا۔ حضرت سلیمانؑ نے مصوروں کو اس کی ہو بہو تصویریں بنانے کا حکم دیا اور تصویریں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہوں نے یہ تصویریں اور کچھ اور تحائف صفوان بادشاہ کو بھیجے اور ساتھ ہی کہا کہ یہ اپنے پوتے تک پہنچا دینا۔ بادشاہ عاصم نے کہا کہ جب میں نے تحت سنبھالا تو میرے باپ نے مجھے یہ تحفے دیئے اور میں نے خوشی کے موقع پر تمہیں دے دیئے مجھے کیا معلوم تھا کہ مجھے یہ دن دیکھنا پڑے گا۔

سیف الملوک کو اس کہانی سے بہت سکون ملا۔ بادشاہ نے تمام ملکوں میں اپنے جوان بھیجے تاکہ اس پری صورت کو تلاش کر کے لائیں اور ساتھ ہی بارغ ارم کا پتہ لگائیں لیکن سب ایسے ہی لوٹ آئے تو بادشاہ نے شہزادے سے کہا کہ تم جس ملک کی شہزادی سے کہو گے میں تمہاری شادی کر دوں گا۔ شہزادہ نہ مانا اور دیوانہ وار پھرنے لگا۔ بادشاہ اس کی یہ حالت دیکھ کر گریہ وزاری کرنے لگا اور خدا سے دعائیں مانگنے لگا۔ تمام وزرا اور عقلمندوں نے مشورہ دیا کہ شہزادے کو قید کر دیں تاکہ یہ گلیوں میں ذلیل و خوار نہ ہو۔ باپ نے بیٹے کو قید کروا دیا لیکن وہ خود بھی بہت کرب میں رہا۔

قید تنہائی کے دوران ایک رات خواب میں شہزادہ سیف الملوک کو اپنی محبوبہ بدلیج الجمال دکھائی دی۔ اس نے خواب میں اس کا دامن پکڑ کر روتے ہوئے کہا تم کہاں رہتی ہو میں تمہارے فراق میں پاگل ہو گیا ہوں اور قید میں پڑا ہوں۔ شہزادی نے جواب دیا کہ ملک شارتان میں ارم نامی ایک خوبصورت باغ ہے میں اس باغ میں رہتی ہوں۔ میرا نام بدلیج الجمال ہے اور جس طرح تم میرے فراق میں گھل رہے ہو اسی طرح میں بھی تمہاری محبت میں تڑپ رہی ہوں۔ میں پریوں کی شہزادی ہوں۔ ماں کا نام حسن جمال اور دادی کا نام مہر افروز ہے۔ اگر تم میرے سچے عاشق ہو تو میری تلاش کو نکلو۔ خشکی کے راستے مجھ تک آنا مشکل ہے،

سمندری سفر اختیار کرو۔ دورانِ سفر تمہیں بے پناہ تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا مگر بالآخر تم مجھ تک پہنچ جاؤ گے اور مجھے پالو گے۔

اس خواب کے بعد شہزادہ سیف الملوک کی دیوانگی جاتی رہی۔ اسے ایک موہوم سی امید بندھ گئی اور وہ ٹھیک ہو گیا۔ جب بادشاہ نے شہزادے کو قید تنہائی سے رہا کیا تو شہزادے نے خواب کی ساری کیفیت بادشاہ سے بیان کی اور سمندری سفر کے ذریعہ پری بدلیج الجمال کو خود تلاش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بادشاہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا اس سے جدا ہو کر اتنے خطرناک اور جان لیوا سفر پر نکلے مگر شہزادہ بدلیج الجمال کی تلاش کا پکا ارادہ کر چکا تھا۔ جب بادشاہ نے سیف الملوک کی بے قراری دیکھی تو اس نے اس سفر کے لیے شہزادے کے ساتھ فوج کا ایک جہاز بھیجنے کا فیصلہ کیا چنانچہ شہزادہ سیف الملوک اپنے خاص دوست صاعد کی معیت میں سمندری بیڑا لے کر بدلیج الجمال کی تلاش میں روانہ ہو گیا اور اس کا جہاز چین کی بندر گاہ پر جانگرا انداز ہوا۔ چین کے بادشاہ کے درباریوں کی پوچھ گچھ پر جب شہزادہ سیف الملوک نے انہیں اپنے سفر کا مقصد بتایا تو چین کے بادشاہ نے انہیں چین کی سیاحت کی دعوت دی اور اس طرح شہزادہ سیف الملوک چین کی سیر کرنے کے بعد اگلے سفر پر روانہ ہو گیا۔

چین سے شہزادہ سیف الملوک استنبول کی طرف روانہ ہوا مگر راستے میں اسے بے شمار مصائب کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ وہ جس جزیرے میں دم لینے کے لیے اترا وہاں اس قدر خونخوار درندے تھے جو شہزادے کے گھوڑوں کو منہ میں پکڑ کر بھاگ جاتے تھے چنانچہ شہزادے کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ جب شہزادے نے یہاں سے کوچ کیا تو سمندر میں اس قدر طوفان تھا کہ اس کا بحری بیڑا منتشر ہو کر تباہ ہو گیا۔ اس کا دوست صاعد بھی اس سے جدا ہو گیا اور سپاہی بھی سمندری طوفان کی نذر ہو گئے صرف ایک کشتی رہ گئی جس پر شہزادہ سیف الملوک چند ساتھیوں کو لے کر آگے سفر پر روانہ ہوا۔ کئی دن تک سمندری موجوں سے کھیلنے کے بعد شہزادے کو ایک جزیرہ نظر آیا۔ جب ساحل پر پہنچ کر یہ لوگ نیچے اترے تو یہاں ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ یہاں اتنے بڑے بڑے پرندے آئے کہ شہزادے کے چند ساتھیوں کو چونچوں میں لے کر اڑ گئے۔ شہزادے نے اس جزیرے سے کچھ سامان خورد و نوش حاصل کیا اور آگے روانہ ہو گیا۔

اگلے سفر میں کئی ماہ بعد اسے ایک اور جزیرہ نظر آیا۔ یہاں قیام کرنے کے لیے شہزادہ اترا مگر یہاں بھی اس کے چند ساتھی ختم ہو گئے کیونکہ سمندری جانوروں نے سمندر سے نکل کر حملہ کر دیا تھا۔ یہاں سے نکل کر کئی ماہ بعد شہزادہ ایک اور جزیرے پر پہنچا مگر یہاں سمندری کتوں نے حملہ کر دیا۔ اس کے بعد شہزادے کی شکستہ کشتی تبت کے قریب کسی ساحل سے جا لگی۔ تبت پہنچ کر شہزادے نے دیکھا کہ یہاں کے

بازار بھرے پڑے ہیں مگر دکانوں پر کوئی آدمی نہیں ہے۔ جب شہزادے کے ساتھیوں نے دکانوں سے کھانے کی چیزیں اٹھائیں تو کسی طرف سے فوج آئی اور سب کو گرفتار کر کے لے گئی لیکن جب انہیں بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو بادشاہ نے سیف الملوک کے سفر کی داستان سن کر اسے اس کے ساتھیوں کو باعزت رخصت کر دیا۔ یہاں سے آگے سگ ساروں کی حکومت کی سرحد پڑتی تھی۔ یہاں شہزادے پر سگ ساروں نے حملہ کیا مگر شہزادہ ان کے چند سپاہیوں کو ختم کر کے آگے بڑھ گیا اور آگے ایک خطرناک ندی کو لکڑی کی کشتی بنا کر عبور کیا۔ اس سے اگلی منزل پر شہزادے کا مقابلہ زنگیوں کی فوج سے ہوا جس میں شہزادے کو زنگیوں نے گرفتار کر لیا۔ جب زنگیوں نے شہزادے کو اپنے بادشاہ کے حضور پیش کیا تو بادشاہ نے اس کی جوانی اور خوبصورتی دیکھ کر نہ صرف اس کو معاف کر دیا بلکہ اسے اپنے دربار میں رکھ کر اس کے ساتھیوں کو اپنی فوج میں تقسیم کر لیا۔ اس کے ساتھیوں میں سے ایک آدمی کو بادشاہ کی لڑکی کا دربان مقرر کیا گیا۔ اس آدمی کی زبانی بادشاہ کی لڑکی نے سیف الملوک کو اپنے پاس بلا کر محبت کا اظہار کیا مگر جب سیف الملوک نے اسے محبت کا جواب محبت سے نہ دیا تو اس نے سیف الملوک کو قید خانے میں ڈلوادیا۔

اس نئی مصیبت نے سیف الملوک کو بے حد پریشان کر دیا۔ آخر اس نے شہزادی سے وعدہ کیا کہ اسے رہا کر دیا جائے تو وہ اس کی محبت کو نہیں ٹھکرائے گا۔ رہا ہو کر اس نے اپنے ساتھیوں سمیت جنگل میں شکار کھیلنے کے لیے اجازت لی اور پھر جان بچا کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس سے آگے کا سفر بے حد خطرناک تھا۔ اس نے محدود سے ساتھیوں کو لے کر ایک شکستہ کشتی کے ذریعہ سمندری سفر اختیار کیا مگر عین موجوں کے درمیان کشتی ٹوٹ گئی اور شہزادہ ایک تختے پر تیرتا ہوا ایک درخت کا تنک پکڑ کر کنارے تک پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ پہاڑ سے اتر کر ایک بہت بڑا اژدھا دریا کے کنارے آیا ہے۔ جب اژدھا پانی پی کر واپس جانے لگا تو شہزادے نے اس کی دم پکڑ لی اور اس طرح وہ ایک بلند پہاڑ پر پہنچ گیا جہاں گھنا جنگل تھا۔ اس جنگل میں بے شمار کیڑے تھے۔ ان کے خوف سے شہزادہ ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اسی دوران ایک بہت بڑا پرندہ اڑتا ہوا کہیں سے آ پہنچا اور وہ کیڑوں کو چن چن کر کھانے لگا۔ کیڑے کھانے کے بعد جب پرندہ اڑنے لگا تو شہزادے نے اس کے پر پکڑ لیے اور اس طرح وہ پرندہ کئی پہاڑ، ندیاں اور جنگل عبور کرتا ہوا ایک اور پہاڑ پر جا بیٹھا جہاں شہزادہ اس کے پر چھوڑ کر چھپ گیا۔

کافی دیر بعد جب شہزادہ اس پہاڑ سے اترتا تو اسے جان لیوا مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ کافی دور جانے کے بعد اسے ایک بستی نظر آئی۔ قریب جا کر دیکھا تو وہ ایک اچھا خاصا شہر تھا۔ جب شہزادہ شہر میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ وہاں سب عورتیں ہی عورتیں ہیں مرد ناپید ہیں۔ جب شہزادے نے ان

عورتوں سے اپنے سفر کی کہانی بیان کی اور بتایا کہ وہ مصر کا شہزادہ ہے تو عورتیں اسے اپنی شہزادی کے پاس لے گئیں۔ شہزادی نے سیف الملوک کو دیکھا تو وہ اس پر ہزار جان سے فریفتہ ہو گئی مگر سیف الملوک نے اس کے سامنے اپنی دردناک کہانی بیان کرتے ہوئے کہا کہ اسے صرف اور صرف بدلیع الجمال کی تلاش ہے۔ اگر اسے کچھ علم ہے تو بتائے مگر شہزادی نے بدلیع الجمال کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر شہزادہ ایک مدت تک پیدل سفر کرتا رہا۔ جب وہ ایک خطرناک ریگستان میں پہنچا تو بھوک اور پیاس کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ خواب میں اسے ایک بزرگ ملا جس نے اسے پانی پلایا اور فرمایا کہ تمہاری مصیبت کے دن اب تھوڑے رہ گئے ہیں۔ تم جلد ہی ایسی جگہ پہنچ جاؤ گے جہاں سے تمہیں بدلیع الجمال کا پتہ مل جائے گا۔ خواب میں بزرگ نے شہزادے کو اسم اعظم بھی بتایا اور کہا کہ تم دائیں بائیں مت جانا بلکہ ناک کی سیدھ میں سفر کرتے جاؤ۔ خواب سے بیدار ہو کر ہوش میں آنے کے بعد شہزادے نے سیدھا آگے بڑھنا شروع کیا اور اس طرح شہزادہ ایک خوبصورت بستی میں پہنچ گیا۔

اس بستی میں ایک خوبصورت محل تھا جسے تالا لگا ہوا تھا۔ شہزادے نے اسم اعظم کے ذریعے تالا کھول کر قدم اندر رکھا تو یہاں جادو کے ذریعے بنائے ہوئے دو شیر کھڑے تھے۔ شہزادے نے اسم اعظم پڑھ کر انہیں ڈھیر کر دیا۔ مزید آگے بڑھا تو اس نے دیکھا کہ ایک خوبصورت مسہری پر ایک شہزادی گہری نیند سو رہی ہے جب شہزادے نے اسم اعظم پڑھا تو شہزادی فوراً انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی اور حیرت سے شہزادے کی طرف دیکھنے لگی۔

سیف الملوک کے پوچھنے پر شہزادی نے بتایا کہ یہ دیووں کا ملک ہے اور میں سراندیپ کی شہزادی ہوں۔ مجھے دیووں کا سردار جادو کے ذریعے اغوا کر کے یہاں لایا ہے۔ وہ مجھ پر عاشق ہے مگر میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔ وہ ایک ماہ کے بعد آ کر مجھ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے اور جب میں انکار کرتی ہوں تو وہ خفا ہو کر پھر جادو کے ذریعے مجھے سلا کر چلا جاتا ہے۔ میرا نام ملکہ خاتون ہے اور اب دیووں کا سردار ایک ماہ بعد آئے گا۔ جب شہزادے نے ملکہ خاتون کو اپنے سفر کے مصائب سے آگاہ کیا تو ملکہ خاتون نے کہا کہ اگر میں اپنے وطن سراندیپ میں ہوتی تو ضرور تمہاری مدد کرتی کیونکہ ایک دفعہ بدلیع الجمال کی ماں ہمارے باغ میں آئی تھی اور اس نے میری چھوٹی بہن بدرہ خاتون کو دودھ پلایا تھا۔ اس طرح بدلیع الجمال اور بدرہ خاتون دودھ بدل بہنیں ہیں مگر افسوس کہ میں یہاں دیو کی قید میں پڑی ہوں۔ شہزادے نے ملکہ خاتون کو بہن بنا لیا اور حکمت عملی سے دیو کی قید سے چھڑا کر اپنے ساتھ لے کر باغِ ارم کی طرف چل پڑا۔ رستے میں اس نے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر کشتی بنائی اور دونوں اس کشتی کے ذریعے روانہ ہو گئے۔ پانچ ماہ بعد وہ جس جزیرے

پر اترے اس کا حکمران تاج الملوک تھا مگر وہ بادشاہ سراندیپ کے ماتحت تھا۔ جب شہزادے نے یہاں کے لوگوں کو ملکہ خاتون کی رہائی کا واقعہ سنایا تو لوگ شہزادے سے بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ نے شہزادے اور ملکہ خاتون کی بے حد عزت کی اور سیف الملوک کو اپنے محل میں رکھا مگر سیف الملوک کو اپنے دوست صاعد کی یاد ستانے لگی کہ خدا جانے وہ زندہ بھی ہو گا یا نہیں۔ جب بادشاہ تاج الملوک نے سیف الملوک کی دردناک داستان سنی تو اس نے سیف الملک سے وعدہ کیا کہ وہ بدیع الجمال کو اپنے ملک میں بلائے گا اور اس سے ضرور ملائے گا۔ اس دوران ایک دن شہزادے کو اپنا جگری دوست صاعد بھی نہایت خستہ حالت میں مل گیا چنانچہ سیف الملوک اب یہاں خوشی خوشی رہنے لگا۔ سراندیپ سے ملکہ خاتون کی بہن بدرہ خاتون جب اس جزیرے میں آئی اور صاعد کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس پر عاشق ہو کر اپنا صبر و قرار کھو بیٹھا۔ یہ قافلہ جب سراندیپ پہنچا تو بدیع الجمال پری بھی سراندیپ آگئی۔

ملکہ خاتون نے بدیع الجمال پری کو بتایا کہ جس شہزادے نے مجھے دیو کی قید سے نجات دلائی وہ مصر کا شہزادہ ہے اور تمہاری محبت میں ہزاروں مصائب اٹھانے کے بعد یہاں تک آیا ہے۔ اس کے جواب میں بدیع الجمال نے کہا ہم پریاں ہیں آدم زادے ہمارا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ ملکہ خاتون کی ماں چونکہ سیف الملوک کی ممنون احسان تھی اس لیے اس نے بھی بدیع الجمال سے منت سماجت کی اور صرف اتنا کہا کہ تم ایک دفعہ اس کے ساتھ ملاقات کر لو آخر ایک آدمی تمہارے لیے اتنی مصیبت اٹھا کر یہاں آیا ہے تو مل لینے میں کیا حرج ہے۔ اس پر بدیع الجمال نے حامی بھری۔

ایک دن بدیع الجمال اور ملکہ خاتون باغ میں سیر کر رہی تھیں۔ اسی باغ کے ایک کونے میں سیف الملوک بھی بیٹھا تھا۔ جب بدیع الجمال کی نظر اس پر پڑی تو وہ ہزار جان سے شہزادے پر فریفتہ ہو گئی۔ اس موقع پر وہ تصویر بھی سیف الملوک کے پاس تھی۔ جب بدیع الجمال نے اپنی تصویر سیف الملوک کے ساتھ دیکھی تو اس کی حیرت کی کوئی حد نہ رہی۔ سیف الملوک بدیع الجمال کو دیکھ کر دونوں جہان سے بے نیاز ہو گیا اور اس کے بعد دونوں میں راز و نیاز کی باتیں ہونے لگیں۔

بدیع الجمال نے سیف الملوک سے کہا کہ میرا باپ بہت سخت مزاج کا آدمی ہے شاید وہ میری شادی تمہارے ساتھ کرنے پر رضامند نہ ہو کیونکہ پری کی آدم زادے سے شادی ناممکن ہے البتہ اگر اس معاملہ میں میری دادی ملکہ افروز میرے باپ سے کہے تو وہ رضامند ہو سکتا ہے۔

بدیع الجمال نے سراندیپ سے رخصت ہوتے وقت سیف الملوک کو مہر افروز کے نام ایک خط دیا اور کہا کہ وہ یہ خط لے کر شارتستان پہنچے۔ جب بدیع الجمال کا خط لے کر سیف الملوک شارتستان پہنچا اور

بدلیج الجمال کا خط مہر افروز کو دیا تو ملکہ مہر افروز نے شفقت سے شہزادے کو اپنے پاس بٹھایا، پسند کیا اور پھر ایک دیو کو حکم دیا کہ وہ سیف الملوک کو ساتھ لے کر باغِ ارم پہنچے۔ دیو نے سیف الملوک کو باغِ ارم پہنچایا اور ملکہ افروز بھی باغِ ارم پہنچ گئی۔ اب شہزادہ بڑے عیش و آرام سے باغِ ارم میں رہنے لگا۔ سیف الملوک نے جس دیو کو مار کر ملکہ خاتون کو اس کی قید سے رہا کرایا تھا اس کے باپ نے دیووں اور پریوں کو حکم دے رکھا تھا کہ اس آدم زاد کو تلاش کیا جائے جس نے اس کا بیٹا مارا ہے۔ ایک دن اچانک ان دیووں اور پریوں کا باغِ ارم کے اوپر سے گزر ہوا تو انہوں نے وہاں شہزادے کو دیکھ لیا اور دھوکے سے گرفتار کر کے فوراً اس دیو کے پاس پہنچا دیا۔ دیو نے شہزادے کی جوانی اور خوبصورتی سے متاثر ہو کر اسے قید کر لیا۔ ادھر ملکہ مہر افروز نے اپنے بیٹے شاہ پال سے ساری داستان بیان کر کے بدلیج الجمال کا عندیہ بھی بتا دیا اور رشتے کی بات پکی ہو گئی مگر جب شاہ پال نے شہزادہ سیف الملوک کو دیکھنا چاہا تو اسے پتہ چلا کہ شہزادے کو اس کے دشمنوں نے باغِ ارم سے اغوا کر کے قید میں ڈال رکھا ہے۔

یہ بات شاہ پال کے لیے توہین کے مترادف تھی۔ ادھر بدلیج الجمال بھی شہزادے کے ہجر میں نڈھال ہو رہی تھی چنانچہ مجبوراً شاہ پال نے مذکورہ دیو پر چڑھائی کرنے کا حکم دے دیا۔ جب شاہ پال کی فوجیں آگے بڑھیں تو دیو نے خوفزدہ ہو کر شہزادے کو رہا کر دیا۔ شاہ پال نے جب سیف الملوک کو دیکھا تو اپنی بیٹی کے لیے بے حد پسند کیا اور بدلیج الجمال کی شادی سیف الملوک سے ہو گئی۔ یہ خوشخبری صاعد نے سیف الملوک کے باپ عاصم بن صفوان کو دی اور مصر میں ایک بڑا جشن منعقد کیا۔ جب صاعد دوبارہ باغِ ارم میں آیا تو اس کی شادی بھی بدرہ خاتون سے کر دی گئی کیونکہ یہ دونوں بھی ایک دوسرے کو دل دے بیٹھے تھے۔ اس طرح یہ دونوں دوست اپنی مراد کو پہنچے اور جب یہ دونوں اپنی اپنی دلہنوں کو لے کر مصر پہنچے تو مصر میں کئی دن تک جشن ہوتا رہا۔

پورن بھگت

پنجابی کی مشہور داستانوں میں یہ واحد داستان ہے جو ہندوانہ پس منظر کی حامل ہے۔ اس کا عہد گیارہویں صدی عیسوی بتایا جاتا ہے لیکن رچرڈ ٹمپل نے ساتویں صدی عیسوی لکھا ہے۔ سیالکوٹ کا راجہ سالباہن جب تخت پر بیٹھا تو اس کی شادی نہیں ہوئی تھی۔ انہی دنوں شہر کے باہر باغ میں ایک جوگی اپنے بہت سے چیلوں کے ہمراہ ٹھہرا جس کا چرچا پورے شہر میں پھیل گیا۔ راجہ سالباہن بھی اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے۔ جوگی نے اسے کہا کہ تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ اودے نگر

کے راجا چوڑھال کی بیٹی اچھراں کو بیاہ لاؤ جس کے بطن سے خدا تمہیں ایک بیٹا عطا کرے گا۔ رانی اچھراں نہ صرف بہت خوبصورت تھی بلکہ اس نے اپنی شادی کے لیے بہت کڑی شرطیں مقرر کر رکھی تھیں اور کئی نوجوان اور شہزادے ان شرطوں کو پورا کرتے ہوئے جان ہار چکے تھے۔ بہر حال راجہ سالباہن نے وہ تمام شرطیں پوری کیں اور اچھراں کو بیاہ لایا۔ کچھ عرصے کے بعد جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہونے والا تھا تو راجہ نے جو تیشیوں اور پنڈتوں کو بلا کر زائچہ بنوایا۔

حساب کتاب لگا کر سب نے بتایا کہ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہو گا جو دھرم اور ایمان کو قائم رکھے گا مگر آپ کو ایک احتیاط برتنی ہوگی کہ دونوں میاں بیوی 12 سال اپنے بیٹے کی شکل نہ دیکھیں ورنہ وہ مر جائے گا۔ راجا نے یہ سن کر محل کے نیچے تہ خانہ بنوایا اور بچے کو پیدا ہوتے ہی بغیر دیکھے تمام سہولتوں کے ساتھ تہ خانے میں بھیج دیا۔

اس کے بعد راجا کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی اور 12 برس کا عرصہ بہت ہوتا ہے چنانچہ راجا ایک روز ایک نوخیز حسینہ لونال کو دیکھ کر دل ہار بیٹھا۔ لونال، چمارن تھی لیکن عشق نہ چُکھے ذات۔ لونال کو جب اس نے دیکھا، اس وقت وہ باغ کے کنوئیں سے پانی بھرنے آئی تھی۔ راجا اس کے پاس گیا اور بولا۔۔۔۔۔

”ہم پیاسے ہیں۔۔۔ ہمیں ایک کٹور پانی پلا دو!“

لڑکی نے پلٹ کر دیکھا تو کوئی عام آدمی اس سے بات نہیں کر رہا تھا بلکہ خود راجا تھا۔ اس نے جواب میں کہا۔

”اے نیلے گھوڑے کے سوار، تمہارے ترکش پر موتی ٹنکے ہوئے ہیں اور تمہاری کمان میں ہیرے جڑے ہیں۔ میں چماروں کی لڑکی ہوں، ہم نیچ ذات کے لوگ ہیں۔ میرے ہاتھ سے پانی پی کر اپنا دھرم خراب مت کرو!“

اس پر دل کے ہاتھوں ہار اُٹھا، راجا بولا۔

”اے حسینہ! شاید تمہیں معلوم نہیں کہ مٹی میں سے سونا مل جاتا ہے، زہر امرت بن جاتا ہے اور نیچ ذات کی عورت میں عقل مل جاتی ہے۔ یہ تینوں باتیں ممکن ہیں۔“

اس پر لڑکی نے شوخی سے جواب دیا۔

”تم نے کپاس کے سرخ پھول کو پسند کیا اور اپنی سمجھ گنوا دی ہے۔ تم صرف پھول کو دیکھ کر فریفتہ ہو گئے ہو اور پتھل کے بارے میں کچھ نہیں سوچا۔“

راجانے کہا۔

”پھل تو مقدروں کی بات ہوتی ہے۔۔۔۔ یہ بعد کی بات ہے۔۔۔۔ میں راجا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میری رانی بن جاؤ۔۔۔ تم مخلوں میں راج کرو گی۔“

لونان پچارن تھی لیکن وہ انتہائی حسین تھی۔ جب ہار سنگھار کر کے بیٹھتی تو اڑتے پنچھی اسے ایک نظر دیکھنے کے لیے رک جاتے۔ راجانے اپنے خاص مصاحبوں سے مشورہ کیا اور فوراً لونان کو اپنی رانی بنا لیا۔ اس کے لیے ایک الگ محل تعمیر کرا دیا گیا جس میں وہ باندیوں اور نوکروں چاکروں کے ساتھ رہنے لگی جو، ہر وقت اس کی خدمت کے لیے تیار ہوتے تھے۔

اس نے لونان سے شادی تو کر لی تھی مگر اس سے کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اس طرح اس کا ایک ہی بیٹا تھا اور وہ پورن تھا، اس لیے جب اسے بتایا گیا کہ پورن کو تہ خانے میں بند ہوئے بارہ برس کا عرصہ پورا ہو چکا ہے تو وہ بہت خوش ہوا اس نے جشن منانے کا اعلان کر دیا اور پھر مقررہ دن راجا سالباہن خود گیا اور بیٹے کو تہ خانے سے باہر نکالا۔ جیسے ہی اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا وہ دنگ رہ گیا۔ یہ تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پورن اس قدر خوبصورت ہو گا۔ اس نے دیوانہ وار اپنے بیٹے کو گلے سے لپٹا لیا۔ ادھر اچھراں بڑی بے تابی سے بیٹے کا انتظار کر رہی تھی اور پھر جیسے ہی پورن اسے ملنے کے لیے آیا تو وہ پاگلوں کی طرح اس کی جانب لپکی اور اسے اپنی بانہوں میں لے لیا۔ اس نے اپنے بیٹے کو پہلی بار دیکھا تھا اور نو عمری میں دیکھا تھا۔ وہ اسے دیکھ دیکھ کر نہال ہوئی جا رہی تھی۔ کسی کے خواب و خیال میں نہ تھا کہ پورن اس قدر خوبصورت ہو گا۔ آتے ہی اس کی خوبصورتی کے چرچے ہونے لگے تھے۔ جو بھی اسے ایک نظر دیکھتا اس کے حسن کی تعریف کرنے لگتا۔

ایک روز رانی لونان اپنے محل میں بیٹھی تھی کہ اس کی خاص باندی ہیر آئی اور کہنے لگی۔

رانی، آج میں نے ایک ایسا نوجوان دیکھا ہے جو تم سے بھی کئی گنا خوبصورت ہے۔

”اس کا نام پورن ہے اور اس کا چہرہ چاند سے بھی زیادہ روشن ہے مگر وہ تمہاری سوت کا بیٹا ہے!“

لونان نے یہ سنا تو وہ اپنے دل ہی دل میں تجویزیں سوچنے لگی کہ کس طرح پورن کو محل میں بلایا

جائے۔

ایک روز راجہ محل میں آیا تو لونان نے ناراضی کے لہجے میں کہا۔

”میں بھی آپ کی بیوی ہوں۔ یہ ٹھیک ہے، میں اچھراں کی طرح پورن کی سگی ماں نہیں ہوں لیکن اس کی سوتیلی ماں تو ہوں۔ وہ آج تک مجھے ملنے نہیں آیا!“

دوسرے روز راجے نے پورن کو طلب کیا اور اسے کہا وہ اپنی دھرم کی ماں کو سلام کر آئے۔ بھلا پورن کو اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا؟ لیکن جب اچھراں کو اس بات کا علم ہوا کہ پورن لوناں کو ملنے جا رہا ہے تو وہ پریشان ہو گئی۔ وہ جانتی تھی، لوناں اس سے جلتی ہے اور چونکہ اس کے ہاں اولاد نہیں ہے اس لیے وہ میرے پورن سے بھی جلے گی اور اس کا یہ اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ جب پورن اپنی سوتیلی ماں لوناں کو ملنے اس کے محل میں گیا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کو خوش آمدید کہا۔ پورن دونوں ہاتھ باندھ کر دھرم کی ماں کی تعظیم بجالایا لیکن لوناں اسے دیکھتے ہی یہ بھول گئی تھی کہ وہ اس کی دھرم کی ماں ہے۔ اس کا سارا جسم ہوس کی آگ میں تپنے لگا۔ وہ اس پر دل و جان سے فریفتہ ہو کر کہنے لگی ”راجمار، میں تمہاری ماتا نہیں ہوں۔ مجھے ماتا مت پکارو۔ ادھر میری بیج پر میرے ساتھ بیٹھو۔!“

اس پر پورن نے جواب دیا۔

”ماتا! ایسی باتیں مت کرو۔ تم سگی نہ سہی میری سوتیلی ماں تو ہو۔ مجھے ماں کی طرح اشیر باد دو!“

مگر لوناں تو جیسے جذبات میں ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

کہنے لگی ”میری اور تمہاری عمر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ تم میرے راجا ہو اور میں تمہاری رانی

ہوں۔ اپنی محبت میری جھولی میں ڈال دو۔

پورن کی حالت یہ تھی کہ وہ پاپ کے تصور ہی سے کانپ رہا تھا۔

اس نے کہا کہ ”میں ہاتھ باندھ کر درخواست کرتا ہوں کہ میری نیک زندگی میں پاپ مت ملاؤ۔

نیکوں کو نیک رہنے دو۔ اگر ایسی باتیں ہونے لگیں تو یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔“

لوناں نے جب اپنا ہر حربہ استعمال کر لیا اور اسے ہر حربے میں ناکامی ہوئی تو وہ غصے میں تلملا اٹھی۔

اس نے پورن کے انکار کو اپنی توہین سمجھا اور اس سے انتقام لینے کی ٹھان لی۔

دوسرے روز جب راجا لوناں کے محل میں آیا تو محل میں ہر طرف ویرانی اور اندھیرا تھا اور لوناں

اپنے کپڑے پھاڑے اور بال بکھیرے پڑی تھی۔ سالباہن بڑا پریشان ہوا۔ اس نے جب اس کا سبب دریافت

کیا تو وہ پاپن کہنے لگی۔

”یہ بات اپنے لاڈلے بیٹے سے پوچھو۔ اس نے یہ خیال نہیں کیا کہ میں اس کی دھرم کی ماں ہوں۔ میں اسے بیٹا ہی کہتی رہی اور اس نے میری عزت پر ہاتھ ڈال دیا۔“

اس کے ساتھ ہی وہ اپنی کلانی سامنے کرتے ہوئے بولی۔

”یہ دیکھیں میری کلانی جس میں ابھی تک درد ہو رہا ہے۔ اس نے میری کلانی اس طرح مروڑی کہ ساری چوڑیاں ٹوٹ گئیں اور پھر محل سے بھاگ گیا۔“

راجا نے جب یہ سب کچھ سنا تو غصے میں آگ بگولا ہو گیا اور اگلے روز پورن بھگت کو دربار میں بلا کر

کہنے لگا۔

”اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تمہارے ایسے کر توت ہوں گے تو تمہیں پیدا ہوتے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ کل تم نے اپنی دھرم کی ماں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے، اس کی نشانیاں میں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔“

جواب میں پورن حیران و پریشان ہو کر اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے بولا۔

”پتا جی! میں بالکل بے گناہ ہوں۔ یہ مجھ پر سراسر تہمت ہے۔ میں ایسے پاپ کا سوچ بھی نہیں

سکتا!“

لیکن اس کا باپ تو جیسے غصے میں پاگل ہو رہا تھا۔ وہ اس کی کوئی بات سننے کے لیے تیار ہی نہ تھا۔

پورن نے کہا: ”پتا جی! میری سچائی اور بے گناہی ثابت کرنے کے لیے تیل کا کڑھاؤ گرم کیجیے اور جب تیل گرم ہو کر جلنے لگے تو اس میں میرا ہاتھ ڈال دیجیے۔ اگر میرے ہاتھ کی انگلی پر داغ بھی پڑ جائے تو جو سزا چاہیں مجھے دیں۔ میں بالکل بے گناہ ہوں۔“

اس نے راجا کے سامنے بہتیری صفائی پیش کرنے کی کوشش کی مگر سب بے سود۔ راجا نے اس کی

ایک نہ سنی اور اسی وقت جلادوں کو طلب کیا۔ دربار میں ہر شخص کانپنے لگا اور جب خبر اچھراں تک پہنچی تو اس کی تو جیسے جان ہی نکل گئی۔ اس نے اپنی چوڑیاں توڑ دیں، سر میں خاک ڈال لی اور آہ وزاری کرتے ہوئے راجا سے فریاد کی لیکن راجا کو اس پر بھی رحم نہ آیا اور کہنے لگا۔

”جس اولاد میں شرم و حیا نہیں، اس کا زندہ رہنا بے کار ہے۔“

راجا کے قریبی مصاحبوں نے بھی اسے بہت سمجھایا مگر وہ اپنی ضد پر اڑا رہا اور جلا دوں نے پورن کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر اسے شہر سے دور ایک ویران اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تاکہ یہ اپنی موت آپ مر جائے۔

اس واقعہ کو بارہ برس کا عرصہ بیت گیا۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ پورن ہلاک نہیں ہوا تھا بلکہ اب تک زندہ تھا اور اسی کنوئیں میں تھا۔ ایک روز اتفاق سے گورو گورکھ ناتھ کا ادھر سے گزر ہوا۔ اس کے ساتھ اس کے بہت سے چیلے اور بالکے بھی تھے۔ وہ ٹلہ گورکھ ناتھ سے سفر کرتے آرہے تھے اور تھکے ہوئے تھے چنانچہ انھوں نے کنوئیں کے پاس پڑاؤ کیا اور جب اس میں سے پانی نکالنے لگے تو وہاں پورن کی آواز سن کر اسے باہر نکال لیا۔

گورو نے اس سے دریافت کیا۔

”تم کون ہو اور تمہاری یہ حالت کیسے ہوئی؟“

جواب میں پورن نے سر جھکا کر گورو گورکھ ناتھ کو سلام کیا اور ساری روداد سنادی۔

گورو گورکھ ناتھ نے اس کی کہانی سنی تو اسے پورن پر بہت ترس آیا۔ اس نے اللہ کے حضور اس کے لیے دعا کی اور اس کے ساتھ ہی پورن کے ہاتھ پاؤں اس طرح صحیح سلامت ہو گئے جیسے کبھی کٹے ہی نہ تھے۔ یہ دیکھ کر پورن گورو گورکھ ناتھ کے قدموں میں گر پڑا اور جب وہ اسے ساتھ لے کر اپنے ڈیرے پر پہنچے تو اس نے دونوں ہاتھ باندھ کر گورو سے جوگ عطا کرنے کی عرض کی۔

گورو نے اسے بہتیرا سمجھایا مگر وہ جوں جوں سمجھاتا، توں توں پورن کا اصرار اور بڑھتا جاتا۔ آخر مجبور ہو کر اس نے پورن کے سر کے بال کاٹے، اس کے کان چھید کر ان میں مندریں ڈالیں اور جوگیوں کا لباس پہنا کر اسے اپنے چیلوں میں شامل کر لیا۔ اس طرح پورن کو جوگ مل گیا اور اب وہ پورن بھگت بن گیا۔ گورو نے پورن بھگت کو پہلی گدائی کے لیے بھیجا تو وہ رانی سندرراں کے شہر میں پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے محل کے باہر نعرہ لگایا اور بلند آواز میں بھکشمانگی۔ رانی نے جوگی کی آواز سنی تو ایک باندی کے ہاتھ خیرات بھیجی مگر پورن بھگت نے خیرات لینے سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

”ہم رانی کے ہاتھ سے خیرات لیں گے۔ ہم باندیوں کے پاس نہیں آئے۔“

یہ سن کر باندی اٹھے پاؤں رانی سندرراں کے پاس گئی اور اسے بتایا کہ جوگی صرف آپ کے ہاتھ سے خیرات پر اصرار کر رہا ہے۔ پھر آہستہ سے بولی۔

”رانی جی! عجیب جوگی ہے۔ وہ اس قدر حسین و جوان ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔“

باندی کی باتیں سن کر رانی سندرراں نے محل کے جھروکے سے جھانک کر دیکھا تو واقعی یہ جوگی انوکھا تھا۔ اس نے باندی سے کہا کہ جاؤ جوگی کو محل کے اندر لے آؤ مگر پورن بھگت نے یہ کہہ کر محل کے اندر جانے سے انکار کر دیا کہ

”مخلوں میں جانا فقیروں کا کام نہیں ہے۔ رانی خود باہر آ کر بھکشا دے۔“

جب باندی نے رانی سندرراں کو جوگی کا یہ پیغام دیا تو وہ محل کے کمرے میں گئی اور ایک تھالی میں ہیرے، موتی اور جواہر لے کر محل کے دروازے پر آئی اور تھالی جوگی کے قدموں میں رکھ دی۔

پورن بھگت نے رانی کو دعادی اور ہیرے موتی لے کر گروکے پاس آگیا۔ اس نے وہ موتی جواہر لا کر گورو کے آگے رکھ دیئے اور مؤدب ہو کر بیٹھ گیا۔ گورو نے قیمتی ہیرے دیکھے تو کہنے لگا۔ ”بیٹا! یہ دولت، یہ ہیرے موتی ہمارے کس کام کے۔ فقیر دولت نہیں لیا کرتے، ان کی دولت تو فقیری ہوتی ہے۔ جاؤ یہ واپس رانی کو دے آؤ، اس سے خیرات کا پکا ہوا بھوجن لاؤ۔“

پورن بھگت نے وہ ہیرے موتی اٹھائے اور واپس رانی سندرراں کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے وہ زرد جواہر واپس کرتے ہوئے کہا۔

”میرا گوروناراض ہوا ہے۔ ہمیں صرف پکا ہوا بھوجن خیرات میں دیا جائے۔“

سندرراں تو اسے پہلی نظر دیکھتے ہی گھائل ہو چکی تھی، اس لیے وہ دوبارہ جوگی کو اپنے محل کے دروازے پر دیکھ کر بہت خوش تھی۔ اس نے اسی وقت اچھے اچھے کئی کھانے تیار کرائے اور اپنی باندیوں اور نوکروں کے سروں پر اٹھوا کے کہنے لگی۔

”میں بھی آپ کے گورو کو سلام کرنے کے لیے ساتھ چلتی ہوں۔“

اس طرح رانی سندرراں طرح طرح کے بوجھن لے کر پورن بھگت کے ساتھ گوروناتھ کے پاس پہنچ گئی۔ اس نے جاتے ہی ہاتھ باندھ کر سلام کیا اور پکے ہوئے کھانوں کے تھال آگے رکھ دیئے۔ گورو، رانی

کی اس خدمت سے بہت خوش ہو اور اس سے پوچھنے لگا۔

”رانی! ہم تم پر بہت خوش ہوئے ہیں۔ مانگو کیا مانگتی ہو؟“

”اس پر رانی نے بدستور ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔“

”آپ کی دعا سے میرے پاس سب کچھ ہے۔ مجھے مال و دولت کی حاجت نہیں۔ اللہ نے مجھے سب

کچھ دیا ہے۔“

گورو نے پھر اس سے پوچھا اور اس نے پھر وہی جواب دیا۔ جب گورو نے تیسری اور آخری بار اس

سے دریافت کیا تو رانی نے ڈرتے ڈرتے عرض کی۔

”گوروجی! اگر آپ کو کچھ دینا ہی ہے تو مجھے اپنا چیل پورن بھگت عنایت کر دیں!“

”گورو گورکھ ناتھ چونکہ رانی کو بچن دے چکا تھا اس لیے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پورن بھگت

کو حکم دیا کہ وہ رانی سندرا کے ساتھ چلا جائے چنانچہ وہ گورو کو سلام کر کے خاموشی سے رانی سندرا کے

ساتھ چل دیا جو اس وقت خوشی سے پھولے نہ سمار ہی تھی۔ اس کے دل کی مراد پوری ہو رہی تھی، وہ اپنے

دل میں خود سے کہہ رہی تھی میں تو آج رانی بنی ہوں، ایک نہ ایک دن پورن کو اپنے دام میں لے ہی آؤں

گی۔ اس کے برعکس پورن بھگت پریشان تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ وہ پہلے ہی اپنی سوتیلی ماں رانی لونا کی

وجہ سے کیا کیا مصائب جھیل چکا تھا اور اب یہ نئی مصیبت آرہی تھی۔ اس کا حسن اس کے لیے عذاب بن رہا

تھا۔ وہ رانی سندرا کے ساتھ اس کے محل میں تو آگیا لیکن اس محل میں رہنا اس کے لیے ایسے تھا جیسے پھر

سے اندھے کنوئیں میں آگیا ہو۔ وہ پاپ سے بھاگ رہا تھا لیکن رانی سندرا پاپ کا جال بچھا کر اسے پھنسانے

کی کوشش کر رہی تھی۔ یہی کچھ دیکھ کر پورن بھگت باندیوں اور نوکروں چاکروں سے نظریں بچا کر وہاں سے

بھاگ نکلا۔ جیسے ہی سندرا کو اس کے چلے جانے کا علم ہوا وہ پاگل ہو گئی۔ اس نے اسی وقت نوکر چاکر اس

کے پیچھے دوڑائے مگر پورن بھگت کہیں نہ مل سکا۔ رانی سندرا اس قدر دل برداشتہ ہوئی کہ اس نے اپنے محل

سے کود کر جان دے دی۔

”ادھر پورن بھگت سیدھا اپنے گورو کے پاس پہنچا اور اسے بتایا کہ رانی نے اس کے لیے پاپ کا جال

بچھایا تھا جہاں سے وہ اپنا دھرم اور شریر بچا لایا ہے۔ گورو نے اس کا حال سنا تو کہا ”بیٹا! اب تم اپنے ماں باپ

سے مل آؤ تاکہ ان کے دل کو ٹھنڈک پہنچے۔“

پورن بھگت نے گورو کا حکم تسلیم کیا، اس سے اجازت لی اور سیالکوٹ کی طرف چل دیا۔ جب وہ سیالکوٹ کے باہر اپنے باغ میں پہنچا تو دیکھا، وہ ویران نظر آ رہا تھا۔ درخت سوکھ گئے تھے اور پھولوں کا نام و نشان نہ تھا۔ باغ کی حالت اس قدر ابتر دیکھ کر اس نے پانی کا ایک برتن لیا اور اپنے ہاتھ سے پودوں اور درختوں پر پانی چھڑکا۔ پانی چھڑکنے کی دیر تھی کہ سوکھا باغ دیکھتے ہی دیکھتے ہر ابھر اہو گیا۔ خشک تالاب پانی سے بھر گئے اور پھلوں والے درخت پھلوں سے لد گئے۔ ہر طرف سرسبز گھاس کا فرش بچھ گیا اور پودوں پر پھول لہرانے لگے۔ جیسے ہی شہر کے لوگوں کو اس بات کی خبر ہوئی کہ شہر سے باہر باغ میں ایک کرنی والا جوگی آکر ٹھہرا ہے تو وہ اپنی مرادیں پوری کرنے کے لیے اس کے پاس آنا شروع ہو گئے۔ کرنا خدا کا ایسا ہوا کہ پورن بھگت جس کے حق میں اللہ سے دعا کرتا اس کی تمنا پوری ہو جاتی۔ بیماروں کو شفا ملنے لگی اور حاجت مندوں کی حاجتیں پوری ہونے لگیں۔ ہوتے ہوتے اس جوگی کی خبر راجا سالباہن تک بھی پہنچی اور وہ رانی لوناں کو ساتھ لے کر پورن بھگت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پورن بھگت نے دونوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا مگر وہ اسے نہیں پہچان سکے تھے۔ دونوں نے جھک کر جوگی کو سلام کیا اور راجا نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی کہ میرے گھر میں اولاد نہیں ہے جس کی وجہ سے میرے محل ویرانی کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ میرے حق میں دعا کریں تاکہ میرے گھر بچے ہو!“

جواب میں پورن نے کہا۔

”جہاں تک مجھ فقیر کے علم میں ہے، تمہارے ہاں ایک بیٹا ہوا تھا مگر تم لوگوں نے اسے ہلاک کر کے شہر سے باہر اندھے کنوئیں میں پھینک دیا تھا۔ مجھے کچھ اس کا حال سناؤ؟“

جو نہی پورن بھگت نے یہ کہا، انہیں اپنا بیٹا یاد آ گیا۔ ”جی ہاں! میری دوسری رانی اچھراں سے ایک بچہ پیدا ہوا تھا مگر جب وہ بڑا ہوا تو اپنی سوتیلی ماں کو دیکھ کر اس کی نیت خراب ہو گئی اور اس نے پاپ کرنے کی کوشش کی جس کی وجہ سے اس کا یہ حشر ہوا۔“

راجا کی یہ بات سن کر پورن بھگت نے سامنے کھڑی لوناں پر نظر ڈالی اور بولا

”اے راجہ! تمہارے بیٹے کا کوئی دوش نہیں تھا۔ تمہاری رانی کی نیت خراب ہوئی تھی۔ جب وہ

اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے انتقام لینے کی خاطر اس پر تہمت لگا دی تھی۔“

پھر وہ لوناں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

”اے ماتا! اگر تم سچ سچ ساری بات بتا دو تو اللہ تمہارا گناہ معاف کر کے تمہاری گود ہری کر دے

گا۔“

اب لوناں کے لیے جھوٹ بولنا ممکن نہ تھا۔ اس نے سارا بھید کھول دیا اور اپنے جرم کا اعتراف

کرتے ہوئے بولی۔

”واقعی پورن کا کوئی قصور نہ تھا۔ مجھے جسمانی ہوس نے اندھا کر دیا تھا۔ میں نے اس پر تہمت لگا

کے بہت بڑا پاپ کیا تھا۔“

جو نہی اس نے یہ کہا، راجا سالباہن نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور غصے میں کہا۔

”اے مکار اور ظالم عورت۔ تم نے میرے بیٹے پر تہمت لگا کر مجھے بھی پاپی بنا دیا۔ اگر مجھے اس

وقت پتا چل جاتا تو میں پورن کی جگہ تجھے مروادیتا۔“

پورن نے جب اپنے باپ راجا کو غصے میں دیکھا تو بولا۔

”اے راجا! اب افسوس سے کیا فائدہ؟۔ پورن کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس کے مقدر کا لکھا تھا۔

لیکن کیا کوئی باپ اپنے بیٹے سے ایسا سلوک کرتا ہے جو تم نے اپنے بیٹے کے ساتھ کیا؟۔ جس طرح تمہاری

بیوی مجرم ہے اسی طرح تم بھی اس پاپ میں برابر کے شریک ہو۔“

پورن کی یہ بات سن کر راجا شرمندگی اور جرم کے احساس سے پانی پانی ہوا جا رہا تھا۔ ان کی کیفیت

دیکھتے ہوئے پورن نے رانی لوناں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”ماتا! پریشان نہ ہو۔ گزری باتوں کو بھول جاؤ۔“

پھر اس نے اسے چاولوں کا ایک دانہ دیا اور کہا۔

”یہ چاول کا دانہ کھا لینا۔ اللہ تمہیں ایک بیٹا دے گا۔“

دوسری طرف رانی اچھراں کو خبر ہو گئی تھی کہ ایک پہنچا ہوا جوگی آیا ہے جس کی دعا سے لوگوں

کی مرادیں پوری ہو جاتی ہیں۔ وہ بچاری بھی گرتی پڑتی باغ میں پہنچ گئی تھی۔ بیٹے کی طویل جدائی کے دوران

رورو کر اس کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی اور پھر نئی بیوی کی وجہ سے راجا نے اس کی خبر گیری بھی چھوڑ دی تھی۔ جو نبی پورن نے اسے دیکھا، وہ اٹھ کر اس کے پاس گیا، اسے سہارا دے کر بٹھایا اور اس کا حال دریافت کیا، جس پر اس نے کہا۔ ”گوروجی! بیٹے کے غم نے میری دنیا اندھیر کر دی ہے۔ اس کی جدائی میں روتے روتے بینائی بھی چلی گئی ہے۔“ پورن نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”ماتاجی! مرنے والے کبھی واپس نہیں آتے۔ رونے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ صبر کے سوا بندے کے لیے کوئی چارہ نہیں ہے۔“

جیسے ہی پورن نے یہ باتیں کیں اچھراں جیسے چونک پڑی۔ وہ پوچھنے لگی۔

”بیٹا! سچ بتاؤ تم کہاں سے آئے ہو۔۔۔؟ تمہارا ملک کونسا ہے؟۔ تم کس باپ کے بیٹے ہو۔۔۔؟ اور تمہیں کس ماں نے جنم دیا ہے؟۔ میں نے تمہاری آواز پہچانی ہے، اگر میری بینائی ہو تو میں تمہارا چہرہ دیکھ کر تمہیں بھی پہچان لیتی!“

اس پر پورن بھگت نے جواب دیا۔

”ماتاجی! اگر تم جاننا چاہتی ہو تو سنو۔ میں اجین کے راجا بکرماجیت کے خاندان میں سے ہوں۔ تم

میری ماں ہو، میں راجا سالباہن کا بیٹا ہوں اور پورن میرا نام ہے۔“

اس کے ساتھ ہی اس نے ایک کپڑا اپنی ماں کی آنکھوں پر لگایا اور یکا یک اس کی بینائی واپس آگئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو پورن بھگت کے روپ میں اس کا بیٹا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح اس سے لپٹ گئی اور اس کے باپ نے بھی آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ اس وقت لونان کھڑی اپنے کیے پر پچھتار ہی تھی۔ وہ سب اتنے برسوں کے بعد ملے تھے، ان کی خوشیوں کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اچھراں تو خوشی میں دیوانی ہوئی جا رہی تھی۔ اس کو اللہ نے وہ بیٹا ملا دیا تھا جو اس کے خیال میں مرچکا تھا۔ باپ نے پورن سے کہا۔ ”بیٹا تم نے ہمارے قصور معاف کر دیئے ہیں۔ اب محلوں میں چل کے راجا کی پگڑی سر پر باندھو اور راج پٹ سنبھالو۔ میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔“

اس کی ماں اچھراں بھی اس کی منتیں کر رہی تھی۔

”بیٹا! اتنے برسوں کے بعد ملے ہو۔ میں نے تمہاری جدائی میں بڑے دکھ جھیلے ہیں۔ میری تو

زندگی روتے روتے بیت گئی ہے۔ اب چلو اور ہمارے ساتھ رہو۔؟“

مگر پورن نے کہا۔

”ماتا! اس میں کسی کا دوش نہیں ہے۔ جو میری قسمت میں لکھا تھا وہی ہوا ہے۔ جوگ میرا مقدر تھا جو گورونے مجھے دے دیا ہے۔ اب میں جوگی بن چکا ہوں۔ تم لوگ میرا خیال چھوڑ دو۔ میں کوچ کر کے پھر اپنے گورو کے پاس چلا جاؤں گا۔“

سب نے بہت منت سماجت کی، ماں نے بہت آہ وزاری کی، باپ نے اپنے بڑھاپے کے واسطے دیئے اور محلوں میں چلنے کے لیے کہا لیکن پورن بھگت نہ مانا۔ اس نے کہا۔ ”میں اپنے گورو کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس نے مجھے دوبارہ زندگی دی مگر میں تم لوگوں سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی ضرور آؤں گا۔ اب میں تم لوگوں سے رخصت ہوتا ہوں۔“

پورن بھگت اپنے ماں باپ اور دوسرے لوگوں کو روتا چھوڑ کر وہاں سے اپنے گورو کی طرف روانہ

ہو گیا۔



ڈاکٹر آصف ریاض قدیر نے امرتسر وچ جنم لیا۔ پاکستان بنن توں بعد آپ دی پرورش لاہور وچ ہوئی۔ سنٹرل ماڈل ہائی اسکول توں دسویں تے گورنمنٹ کالج لاہور توں ایف ایس سی دا امتحان پاس کیتا۔ ایس دوران نامور ادیبیاں نال اٹھن بیٹھن دا شرف حاصل رہیا جنہاں وچ صوفی تہسم تے فیض احمد فیض دی شامل سن۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج توں ایم بی بی ایس کرے دس ورہیاں تک میوہپتال وچ بطور ڈاکٹر کم کر دے رہے جتھے آپ نے ادیبیاں تے صحافیاں دے معالج دے طور تے شہرت حاصل کیتی۔ آپ نے پنجابی فلمیں دی مشہور ایکٹر سلطان راہی دے واپریشن وی کیتے تے بعد وچ اوہناں نال باری دوستی وی چلدی رہی۔ لاہور وچ ہون والیاں پاکستان ٹسٹ کرکٹ میچاں دے انچارج ڈاکٹر ہون دی حیثیت نال آپ نے عمران خان، مشتاق محمد، ظہیر عباس تے ہور کئی بین الاقوامی شہرت دے حامل نامور کھلاڑیاں نوں طبی مشورے دتے تے اوہناں دے خصوصی معالج دے طور تے خدمات سرانجام دتیاں۔ ایہدے بعد آپ امریکہ چلے گئے جتھے آپ نے امریکہ دے سب توں مشہور ماہر اجی قلب ڈاکٹر Debakey, Chancellor Daylor College of Medicine HoUston TX Michael دے نال فیوشپ کیتی تے نالے نال امریکہ وچ ادبی، ثقافتی تے سماجی سرگرمیاں وچ ودھ چڑھ کے حصہ لینا شروع کیتا۔ معروف گلوکار شہزاد رائے دے "زندگی ٹرسٹ" دے ڈائریکٹر ہون دے نالے آپ نے پاکستان وچ تعلیم دے فروغ لئی کئی منصوبیاں تے کم کیتا تے گرانفدر خدمات سرانجام دتیاں۔

ڈاکٹر آصف ریاض قدیر دے والد گرامی جناب ڈاکٹر ریاض قدیر وطن عزیز دے مئے پرئے سجن سن۔ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج دے پرنسپل ہون دی حیثیت نال اوہناں نے کئی ورہیاں تک پاکستانی عوام تے میڈیکل دے طالب علماں لئی گرانفدر خدمات سرانجام دتیاں۔ ڈاکٹر ریاض قدیر بارے پورے وثوق نال کہا جاسکد اے جے پاکستان وچ میڈیکل دے شعبے وچ آج تک جو ترقی ہوئی اے اوہدے وچ اوہناں دا بہت مصلہ اے قدرت نے آپ نوں بے پناہ سوجھ بوجھ تے آپ دے ہتھ وچ اپنی شفا رکھی سی کہ آپ ہر قسم دا خطرناک ترین اپریشن بغیر کسے خوف تے وقت دے کر لیندے سن۔ ایس سلسلے وچ ایہناں دے رفیق کار تے ہم پیشہ سینئر ڈاکٹر کرنل الہی بخش دا ذکر وی ضروری اے۔ قائد اعظم دے مالج ہون دے ناتے جنہاں دی شہرت غیر فانی اے تے جنہاں علامہ اقبال داوی علاج کیتا۔ کرنل الہی بخش نوں ایہہ اعزاز دی حاصل اے کہ آپ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج دے پبلر پرنسپل سن۔ ایسے طرح حضرت ابو الاعلیٰ مولانا مودودی جتھی عظیم شخصیت دے ذکر توں بغیر وی ایہہ عبارت ادھوری رہے گی۔ ڈاکٹر ریاض قدیر ایہناں دے گواہنڈی وی سن تے معالج وی۔ بعد وچ ایہناں تیاں خانداناں (ڈاکٹر ریاض قدیر فیملی، ڈاکٹر الہی بخش فیملی، مولانا مودودی فیملی) دی آپس وچ رشتے داری وی ہو گئی۔ ڈاکٹر کرنل الہی بخش دے صاحبزادے ڈاکٹر اسلم الہی دی شادی ڈاکٹر ریاض قدیر دی بیٹی عارفہ نال ہوئی۔ ڈاکٹر ریاض قدیر دے سب تووڈے صاحبزادے ڈاکٹر عارف ریاض قدیر داویاہ مولانا مودودی دی سب توں چھوٹی بیٹی عانتہ مودودی نال ہو یا۔ ڈاکٹر ریاض قدیر دی بیٹی فرزانہ دی شادی مولانا مودودی دے فرزند ارجمند مولانا حسین فاروق نال ہوئی۔ ڈاکٹر آصف ریاض قدیر نوں ادبی ذوق گھر دے ماحولیاتی ورثے چوں ملیا تے ایس توں پہلے آپ دیاں چھ کتاباں شائع ہو چکیاں نیں۔ موجودہ کتاب مرتب کر کے آپ نے پنجابی زبان و ادب نال آپنی محبت دے اظہار نوں امر کر دتا اے کیوں جے ایہہ اک ایسی کتاب اے جتھری پنجابی دے ہر طالب علم تے اسکا لری بنیادی ضرورت اے۔ جدوں مولانا مودودی لئی شاہ فیصل ایوارڈ دا اعلان ہوا او دوں مولانا مودودی آپوں سعودی عرب نہیں جاسکے سن چنانچہ اوہناں نے ایوارڈ وصول کرن لئی اک وفد تشکیل دتا سی جیہدے وچ ڈاکٹر آصف ریاض قدیر وی شامل سن۔ سعودی عرب وچ اسی وفد نوں شاہی مہماناں دے پروٹوکول دتا گیا سی۔ ڈاکٹر آصف ریاض قدیر اک طویل عرصے توں امریکہ (ہیوسٹن) وچ آپنا ہسپتال چلا رہے نیں تے بطور ڈاکٹر ایہناں دی بڑی منتا اے۔ امریکہ دی اعلیٰ بورور کرسی تے اُتے طے وچ وی آپ نوں انتہائی قدر دی نگاہ نال دیکھیا جاند اے، ایہو وجہ اے جے کئی معاملیاں وچ ڈاکٹر صاحب پاکستان تے امریکہ وچکار رابطے دے اک پل دا کم کر رہے نیں تے ایہہ ساری خدمت اوہ اپنی خاموشی نال سرانجام دے رہے نیں کہ آپنی وڈیائی جتان تے رہیا اک پاسے، کسے نوں دسناوی ضروری نہیں سمجھدے کیوں جے اوہناں دے نزدیک مادروطن دی خدمت کسے تے احسان کرن لئی نہیں کیتی جاندی بلکہ روحانی تسکین تے آپنے اندر دے اطمینان لئی اک فرض سمجھ کے وطن دا قرض اتارن لئی کیتی جاندی اے۔

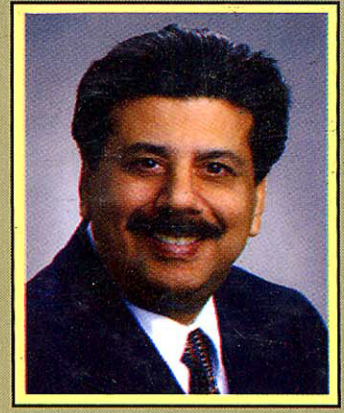
“PUNJABI SHAAIRON KA JADID TAZKIRA”

Compiled By:

Dr. Asaf Riyaz-i-Qadeer

Houston-Texas-United States of America

A COLLECTION OF PUNJABI POETRY



○
میں جب پنجاب یونیورسٹی سے پنجابی میں پی ایچ ڈی کر رہا تھا تو مجھے
ایک ایسی کتاب کی شدید تلاش تھی جس میں کلاسیکی اور جدید ترین پنجابی
شاعری کے نادر و نایاب نمونے یکجا مل سکیں۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے
ڈاکٹر آصف ریاض قدیر نے میری دیرینہ خواہش کی تکمیل کی ہے۔

(ڈاکٹر محمد بشیر گورایا، پروفیسر، الخیر یونیورسٹی (اے جے کے))

○
تذکرہ نگاری دراصل تاریخ نگاری ہوندی ہے۔ امید ہے ڈاکٹر آصف
ریاض قدیر دی ایہ کتاب پنجابی زبان سے ادب کے طالب علموں
تحتیق دیاں نویاں رجحاناں نال روشناس کرائے گی۔

(ڈاکٹر عصمت اللہ زاہد، چیئرمین شعبہ پنجابی، پنجاب یونیورسٹی)

○
پنجابی شاعری کے لعل و جواہر یکجا کر کے مرتب کی گئی یہ کتاب ایک ایسا
انتخاب لا جواب ہے جو مربوط اور مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔
مستقبل کے اسکالر اور اساتذہ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

(ڈاکٹر انعام الحق جاوید، سابق ڈین سوشل سائنسز، AIU)

○
This is a pioneering attempt to cover an in-depth study from
the earliest period to contemporary writers. I believe that none
of the prominent literary personality and literary work is
missing in it i.e., those who gave new dimensions in literary
thoughts and writings of Punjabi are included here. The task
which Dr. Asaf Riyaz-i-Qadir has accomplished, will no doubt,
be considered and found useful by scholars interested in
Punjabi poetry and literary history.

(Dr. Amjad Ali Bhatti, Asstt. Prof, Sufi Studies, IUI)

○
شاعری زبان دازپور اے تے رُوح دی غذا۔ اسیں
جیہڑے ملکوں باہر رہنے آں، ساڈی بھکھ ہوروی ودھیری اے۔ ڈاکٹر
آصف ریاض قدیر نے پنجابی ادب دی جیہڑی خدمت کیتی اے اوہدا
اک حوالہ تے ایہہ دے کہ جدوں ڈاکٹر صاحب ہیوسٹن وچ ہون والے
”اپنا“ کنونشن 2005ء دے چیئرمین سن اودوں ایہناں میرے کہن
تے اک پنجابی مشاعرہ کرایا تے دو جا حوالہ ایہہ کتاب اے جیہدے وچ
آپ نے کئے چرتوں رُلدیاں ہویاں موتیاں تُوں کٹھا کر کے تے لشکا کے
کانڈ دیاں ورتیاں تے سجا دتا اے۔ جھآں تُوں پنجابی دی بھکھ اے
اونہاں لئی ایہہ اک سوہنا دسترخوان اے جتھے ہر شے پُئن پُئن کے انج لائی
گئی اے کہ ہر رُوح تُوں کوئی نہ کوئی اپنی پسند دی شے مل جائے گی۔
بھانویں ایہناں تُوں پکاون والے کوئی ہور سن پر سجاون والے ڈاکٹر آصف
ریاض قدیر نہیں۔ آؤ لہہنوں سارے مل کے پکھئے۔

پنجابی صوفیاں نے پیار تے محبت دا جیہڑا سنیہا دتا سی اوہدی اودوں وی لوڑ
سی تے آج وی ایس پیغام تُوں عام کرن دی لوڑ اے۔

ایہہ بولی بکھے شاہ دی اے ایہہ بولی ہیر تے رانجھے دی

ایہہ بولی شاہ حسین دی اے ایہہ بولی امان اے عشقے دی

(ڈاکٹر امان اللہ خان، چیئرمین عالمی پنجابی اکٹھ، امریکہ)

○
دیارِ غیر وچ بیٹھ کے پنجابی شاعری کٹھی کرنا تے پنجابی
شاعراں دے احوال لکھنا بلاشبہ ڈاڈا اوکھا کم اے۔ میرے نزدیک
پنجابی ادبی تاریخ وچ ایہہ کتاب اک خوبصورت اضافہ اے۔

(نختر زمان، چیئرمین عالمی پنجابی کانگریس)